وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۱ جنوری ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱ - رجب المرجب ۱۴۱۳ھ مطابق جنوری ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ: چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس رو

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ. غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن :- اسرار کریمی پریس- حسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ سال رواں یعنی ۱۹۹۳ء کا سالانہ زر تعاون صرف ساٹھ روپیہ اور ششماہی پینتیس روپیہ ہے۔ لہٰذا اپنا زر تعاون اوّلین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ باہمی تعاون وتناصر ایک ایسا بنیادی اور اصولی مسئلہ ہے جو پورے نظام عالم کی روح ہے اور جس پر ہر انسان کی صلاح وفلاح بلکہ خود اسکی زندگی اور بقا موقوف ہے، یہ امر کسی پر مخفی نہیں ہے کہ اس دنیا کا تمام نظام باہمی تعاون اور تناصر پر قائم ہے اگر انسانی معاشرہ میں یہ سلسلہ نہ ہوتا تو فرد واحد تمامتر عقل وہوش اور زور وقوت اور مال وزر کے باوجود اپنی ضروریات زندگی کو تنہا حاصل نہیں کر سکتا تھا، یہ تناصر وتعاون اگر بھلائی اور خیر کی خاطر ہو تو ایک عظیم نعمت ہے اور نظام عالم کے بقا کا سبب ہے، لیکن اگر یہی باہمی تعاون جرائم، معاصی اور ارتکاب فواحش کیلئے ہو تو خرابی بسیار اور عالم کی بربادی کا سبب بن جائیگا۔ آیت مذکورہ میں قرآن حکیم نے تعاون وتناصر کا یہی معقول اور صحیح اصول مقرر کیا، اور حکمت آمیز حکم دیا "نیکی اور خدا ترسی پر تعاون کرو، بدی اور ظلم پر تعاون نہ کرو" قرآن حکیم نے "بر وتقویٰ" یعنی نیکی اور خدا ترسی کو اصل معیار قرار دیا اور اسی پر تعاون وتناصر کی دعوت دی۔ اسکے برعکس ظلم وگناہ کو سخت جرم قرار دیا اور اس پر معاونت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ "بر وتقویٰ" پر تعاون کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "الدال علی الخیر کفاعلہ" "کسی نیکی کا راستہ بتانے والا اس نیکی کے کرنیوالے کی طرح ہے۔ یہ ہے قرآن وسنت کی وہ تعلیم جس نے نیکی، تقویٰ، ہمدردی اور انصاف کے جذبات ملت کے ہر فرد میں پیدا کر دیئے، اور خیر کا داعی اور ظلم وجور کے انسداد کیلئے ایسا سپاہی بنا دیا جو خوف خدا کی وجہ سے خفیہ اور علانیہ ہر حال میں اپنا فریضہ ادا کرنے پر مجبور ہے۔

عارف باللہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ کی خانقاہ سے شائع ہونیوالا یہ رسالہ اشاعت دین اور پیروی سنت کی تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ بلاشبہ یہ رسالہ داعی الی الخیر ہے۔ اور اسکے ساتھ تعاون کرنیوالے معاون علی الخیر ہوں گے اور اس پر مرتب ہونے والے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، الحمد للہ آپ حضرات کے تعاون وتوجہ کی برکت سے اس جریدے نے اپنی عمر کے انتیس (۲۹) سال پورے کر لئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس

پورے عرصہ میں یہ رسالہ علم وادب کی مجلسوں اور اصحاب فضل وکمال کے حلقوں میں مستند اور پسندیدہ رہا ہے۔ یقیناً یہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی کرامت اور روحانی سرپرستی ہے کہ اسکی افادیت اور مقبولیت تاحال باقی ہے۔ دعا فرمائیں کہ حضرت حق جل مجدہٗ اس سلسلۂ حسنہ کو دائم وقائم رکھیں، اور یہ چشمۂ فیض رہتی دنیا تک جاری رہے۔

حسب معمول سالِ نو کے پہلے شمارہ میں اپنے محبین اور مخلصین کے انبساط قلب کیلئے ہم چند ایسے مکاتیب پیش کررہے ہیں جن میں محبت وتعلق کی حلاوت بھی ہے اور نفع وافادیت کی حرارت بھی، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ "وصیۃ العرفان" رہروانِ منزل کیلئے راہ نما اور راہبر ہے، اسکی روشنی قرآن وسنت کے خطوط کو واضح اور اجاگر کردیتی ہے، تشنگانِ طریقت اس سے آسودگی حاصل کرکے دل میں سوز اور کیف محسوس کرتے ہیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر اپنے اندر نئے داعیہ، نئے جذبے کیساتھ عمل خیر کیلئے آمادگی پاتے ہیں

ہمارے محترم بزرگ جناب مولانا سید عبدالجلیل صاحب دام اللہ ظلہ، نائب ناظم جامعہ عربیہ اشرفیہ نیابھجو جیور (بہار) سے تحریر فرماتے ہیں:۔

محترمنا ومکرمنا زید مجدکم السامی ـــ السلام علیکم، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ـــ اللہ کرے کہ مزاج شریف مع الخیر ہوں۔ "ماہنامہ وصیۃ العرفان" کی ترتیب وتدوین امت مسلمہ میں تعلیم، تہذیب، ثقافت اور ذہنی تعمیر واصلاح کے موضوعات پر ماہ بماہ گرانقدر مضامین سے مزین شمارے دور ونزدیک جس طرح فیض رسانی کرتے ہیں اس سے بیحد قلبی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ بنابریں جامعہ بھجو جیور کیلئے کئے گئے اسفار میں لوگوں کے درمیان اسکے تذکرے کرکے خریداری کی طرف متوجہ کرنا معمول سا بن گیا ہے

.... والسلام، بتاریخ ۱۷ ار محرم الحرام ۱۴۱۳ھ، ۱۹۔۷۔۹۲ء

جناب مولانا مولوی احمد فلاحی صاحب "بچوں کا گھر" آموڈ ضلع بھروچ سے رقم فرما ہیں:۔

محترم المقام .... (زید مجدکم)، السلام علیکم! بعد سلام مسنونہ عرض یہ ہے کہ رسالہ "وصیۃ العرفان" ماشاء اللہ علم ومعرفت اور اصلاحِ نفس کا شاندار، جاندار، قیمتی خزانہ ہے رسالہ کے ہر ہر مضمون پرکشش ہوتے ہیں تمام مضامین قلب پہ اثرانداز ہوتے ہیں، قلب کو سکون، فرحت پہنچانیوالا

بڑا نافع رسالہ ہے۔ نظرِ بد سے خدا پاک اسکی حفاظت فرمائے۔ ہمارے مدرسہ "بچوں کا گھر" آمود (گجرات) میں ہر ماہ رسالہ آتا ہے۔ مجھے رسالہ کا شدید انتظار رہتا ہے کہ کب مہینہ ختم ہو اور یہ جاندار، دل و دماغ کو اطمینان و راحت پہنچانے والا، ہموم و غموم کو رفع دفع کرنے والا رسالہ میرے ہاتھ پہنچے۔ خدا پاک آپ کی علمی خدمات قبول فرمائے۔ تا قیامت رسالہ کو بقا نصیب فرمائے، موانعات کو دور فرمائیں۔ آمین یارب العالمین. . . . . والسلام، مورخہ ۷۔۷۔۹۲ء

مکرم جناب فضل الرحمٰن صاحب وزیہ نگرم سے تحریر فرماتے ہیں :۔

مکرمی و محترمی! آداب، السلام علیکم، خیریت!، دیگر عرض ہے کہ ماہنامہ وصیۃ العرفان" جون ۹۲، صفحہ ۲۴ پر "اصلاح کا آسان نسخہ" مجھے بہت بہت پسند آیا، بہت لاجواب نسخہ ہے۔ ہم آپکا شکریہ ادا کرتے ہیں جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا۔ میں ہر روز بعد نماز فجر یہ دعا پڑھتا ہوں۔

دوسری چیز صفحہ نمبر ۱۴ پر "امام غزالیؒ کی ہدایت" بھی بہت پسند آئی۔ کیونکہ ایسی ہدایتیں کسی بھی کتاب میں نہیں ملتیں۔ حقیقت میں رسالہ" وصیۃ العرفان" بہت قیمتی رسالہ ہے، بہت سے دینی رسالوں کو دیکھا، مگر "وصیۃ العرفان" جیسے قیمتی رسالہ نہیں دیکھا۔ پروردگار ایسے رسالوں کو تا قیامت روشن رکھے۔ دعا کریں خدا مجھے نیک کاموں کی توفیق عطا کرے۔ والسلام، . . . . . بتاریخ ۲۔۷۔۹۲ء

محترم کرما جناب حکیم سید افسر پاشا صاحب (کوڈیا تھم) فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ کے مضامین جو ماہ اگست و ستمبر ۱۹۹۲ء کے شماروں میں شائع ہوئے اس سے نہایت متأثر ہوکر تحریر فرماتے ہیں :۔

صاحبزادۂ محترم . . . . السلام علیکم، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــ الحمد للہ خیریت دارم وعافیت خواہم۔ کل ہی ماہنامہ" وصیۃ العرفان" (بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۹۲ء) نظر نواز بنا۔ اگست کے شمارہ کے اداریہ پر نظر جیسی ہی پڑی دل باغ باغ ہوگیا۔ بر وقت 'وقت کی اہم ضرورت پر جس انداز سے توجہ دلائی گئی ہے، یہ واقعی پوری دنیائے اسلام سے آفریں اور خراجِ تحسین حاصل کرنے کے قابل ہے، الفاظ کی بندش و گیرائی اور معانی کی حقیقت و گہرائی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اور مبارکباد دینے کو جی چاہا۔ بیشک اس پندرہویں صدی میں آپ نے پہلی صدی کی تاریخ اپنے آپ دہرادی۔ اور حقیقت کھول کر رکھدی۔ عالم اسلام کے لئے ایک لائحہ عمل پیش کر دیا۔ ایک بھولی بسری یاد پھر سے

تازہ کردی اور ملتِ اسلامیہ کے ہر بھٹکے ہوئے رہبر و رہرو کی منزل آسان کردی اور ملت کے آگے ایک صاف و شفاف آئینہ رکھدیا، جو تمام الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا کر بے نقاب کر دیا ہے، فجزاللہُ عنّا وعن سائر الاُمّۃ ـــــ افسوس ہے کہ امت مرحومہ کی نگاہیں بد قسمتی سے اس طرف تا حال نہیں گئیں اور وہ نصف صدی سے نت نئی الجھنوں اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو کر گمی ہے

اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے جہاں ملت کی اس خوابیدہ زبوں حالی کو بیداری کا سبق دیا ہے وہیں اسکے گم گشتہ اور سربستہ راز کو فاش کر کے حقیقت حال کا پتہ بھی دیدیا ہے۔

ع بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

سچ تو یہ ہے کہ "ادارِیہ" کے خلاصہ اور سطر سطر سے جہاں "از دل خیزد بر دل ریزد" کی حقیقت سامنے آتی ہے، وہیں یکبارگی اسلاف کی یاد اور تاریخ کے دہرانے میں آپ اپنی مثال ہے۔

اس پر مزید حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات کی نقل و اضافہ بھی سونے پر سہاگہ اور نورٌ علیٰ نور کا کام دے گیا ہے۔ ع آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو

پھر ستمبر ۹۲ء کے شمارہ کا افتتاح بھی اسی مناسبت کے تحت مفتی اعظم پاکستان فقیہ الامۃ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مضمون سے ہو رہا ہے۔ دل سے دعا نکلی۔ لہٰذا دل کی گہرائیوں کے ساتھ دعا گو ہوں کہ خدا عالم اسلام کے چند مٹھی بھر حساس افراد کو اگر اس جانب متوجہ فرما دے تو یقیناً امت کی یہ زبوں حالی نیست و نابود اور ہبائے منثور بن کر رہ جائے ـــــ میری طرف سے جانشین خانقاہِ وصیّ اللّٰہی، امین علوم ولی اللّٰہی حضرت المخدوم مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم کی خدمات میں ہدیۂ تسلیمات عرض کریں اور دعا کی درخواست۔ اور تو سب ہر طرح خیریت ہی ہے۔

والسلام، ۴ ربیع الثانیہ ۱۴۱۳ھ، ۱-۱۰-۹۲ء

رسالہ کی افادیت ہی ہمارے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اگر کسی ایک ہی بندہ خدا کے اصلاح کا سبب بن گیا تو انشاء اللہ یہی نجاتِ اخروی کا ذریعہ بن جائیگا۔ دعا فرمائیں خداوند کریم اجرار رسالہ کیلئے پیش آمدہ موانع دور اور دشواریوں کا ازالہ فرماتے رہیں تاکہ بر وقت آپ کو موصول ہوتا رہے اور حسن انتظام اور حسن نیت کی نعمت سے بہرہ مند فرمائے (آمین)

(مدیر)

حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل — وہ دکان اپنی بڑھا گئے

لیجئے حسرتوں کے مجموعہ میں اک اور اضافہ ہوا، بزم تصوف کی لو دھیمی پڑی، سرزمین ہند اک جامع کمالات ہستی سے محروم اور اللہ کے پاکباز ولی، راست باز خادم دین سے خالی ہوگئی، دیکھتے ہی دیکھتے اک گنج گرانمایہ زیر زمین آسودۂ خاک ہوا، یعنی حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب شیروانیؒ اس دنیا سے رحلت فرماگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ۔ زمانہ قرن نبوت سے بعید ہوتا جارہا ہے اور یہ دنیا ابرار وصالحین سے خالی ہورہی ہے۔ ع "آں قدح بشکست وآں ساقی نماند"۔ مولانا علیہ الرحمۃ اگرچہ تقریباً عمر کی پچاسی بہاریں دیکھ چکے تھے، کمزوری وناتوانی، ضعف جسمانی طبعی اقتضا تھا مگر اس کہن سالی میں بھی ارشاد وہدایت کا چشمہ رواں جاری تھا، اور وعظ وپند کے مجلس کی آب وتاب روز افزوں تھی، جسم اگرچہ نحیف ولاغر ہوگیا تھا مگر روحانی تابناکیاں عروج پر تھیں، اور اس شفاخانہ میں خلق خدا کا اژدحام بڑھتا جاتا تھا، سلوک وتصوف کے چشمے تھے کہ ابلتے جاتے تھے۔ خاصانِ خدا کا معاملہ کچھ عجیب وغریب ہے کہ جوں جوں ان کے سینہ میں خدا کے معرفت ومحبت کی شراب کہنہ ہوتی جاتی ہے فیضان محبت عام، نشہ قوی تر ہوتا جاتا ہے، بقدر استعداد وصلاحیت متعلقین ومنتسبین فیضیاب ہوتے رہے، درد دل، اصلاح نفس کی تمنالئے عوام وخواص آتے جاتے رہے، اور اللہ کا یہ ولی کامل معرفت ومحبت کے موتی نچھاور کرتا رہا، ضعف ونقاہت کے باوجود روح پرور وپرکیف اصلاحی مجلسیں ہوتی رہیں، وعظ وخطابت میں وہی مستی اور وارفتگی تھی، درد وسوز میں ڈوبا ہوا وہی لب ولہجہ کہ جو روح کو تڑپا دے اور قلب کو گرما دے، مجلسیں عام طور پر علمی، فقہی، تفسیری اور اصلاح معاشرت کے ارشادات عالیہ پر مشتمل ہوتیں، اور وقفہ وقفہ سے مجدد الملت حکیم الامتؒ کے تذکرہ سے وہ سوز وشفتگی گھل جاتی کہ قلوب نکھر اٹھتے، آنکھوں میں نمی اور دلوں میں گرمی پیدا ہوجاتی، یہ تو عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ اس مرد خدا کی مسیحا نفسی نے کتنے غافل دلوں کو جلا بخشی اور کیسے کیسے ویران وسنسان سینوں میں خدا کے معرفت ومحبت کی روح پھونک دی، مگر قضا وقدر کا فیصلہ غالب آکر رہا کہ گلوں کی بہار ختم ہوئی اور سلسلۂ چشتیہ کا عندلیب وبزم اشرف کا چراغ ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا۔ ع "اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لیکر"

حضرت مولاناؒ کا وصال ۱۷؍جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ شب جمعہ کو ہوا، جونہی انتقال کی اطلاع فرما خبر پھیلی آخری دیدار کیلئے لوگوں کا تانتا لگ گیا ہر دل غمزدہ تھا، ہر آنکھ اشکبار۔

ع — خون تھا کلیوں کا دل، بادِ صبا بے چین تھی

مجمع بڑھتا ہی رہا، تجہیز وتکفین کیلئے بعد نماز جمعہ کا وقت تجویز کیا گیا، محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً ڈیڑھ دو لاکھ انسانوں کے دوش پر اس مسیحا کا جنازہ چلا۔ اور کس شان سے چلا کہ جلال آباد و اطراف وجوانب کے آسمان نے کم ہی ایسا نظارہ دیکھا ہوگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عظیم المرتبت ہستی سپرد خاک کردی گئی۔

ع اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

وصال کی مبارک گھڑی کو صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں دیکھکر بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتاً زندگی بھی اچھی تھی اور موت بھی پاکیزہ!

مولانا علیہ الرحمۃ پیکر اخلاق و کرم، سراپا مروت و شرافت، متواضع و منکسر تھے، وہ حسن صورت کیساتھ بلند سیرت پاکیزہ شخصیت، بیداغ زاہدانہ زندگی، محاسن اخلاق کے حامل، حد درجہ نرم خو، دلنواز و بے آزار شخصیت کے مالک تھے، صلاح وفلاح ان کا فطری وصف تھا، یہی جذبہ وعنصر انھیں کشاں کشاں دربار اشرفی میں لایا اور بقول حضرت والا علیہ الرحمۃ پھر کسی دوسرے کی طرف خیال بھی نہیں گیا۔ گویا ع "اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں" اُدھر مسیحائے تھانوی کا فیض گہربار۔ اِدھر فطری صلاحیت وسعادت سے زرخیز زمین، مرشد کی نگاہ کیمیا اثر، مسترشد کے کمال تعلق واتحادِ ذوق ومزاج نے یہ رنگ دکھایا کہ حضرت مجدد الملت علیہ الرحمۃ نے کم عمری ہی میں خلافت واجازت بیعت سے سرفراز فرمایا، اور مخصوص خلفاء میں شمار کئے گئے۔ پھر آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ انھیں خطوط وزریں اصول پر اصلاح وتربیت کا کام انجام دیا اور علم وارشاد کی شمع روشن کی جن پر حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے عمر گرانمایہ صرف فرمائی تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔

اگرچہ یہ حادثہ وسانحہ بذات خود کم نہ تھا مگر ایسے وقت جب بے بس، وبیکس، زخم خوردہ والم رسیدہ مسلمانوں کیلئے ایسی ہستی بہت بڑا سہارا اور سامانِ تقویت تھی، ہائے وہ بھی جدا ہوگئی، گرچہ پُرنم آلود نگاہیں موت وحیات کے اس قطعی فیصلے کی جانب اٹھتی ہیں، اور لرزتے لب اسے پڑھتے ہیں تو دلِ مضطر تھم جاتا ہے اور سوزش کم ہوجاتی ہے۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

رنج وغم کے اس موقع پر اہلبیت، متوسلین ومتعلقین جن صدمات سے دوچار ہوئے ہونگے وہ تو ان کا دل ہی جانتا ہے، مگر غم دینے والی ہستی ہی وہ باطنی قوت بھی عطا کرتی ہے کہ لڑکھڑاتے قدم راسخ ہوجاتے ہیں۔ اللہ رب العزت مولانا علیہ الرحمۃ کی قبر کو انوار سے بھردے، پسماندگان واولاد واحفاد کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

والد ماجد حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم اور ادارہ بھی ان کے غم میں شریک ہے۔

قسط ۲

فرح محمود اور مذموم | رسالہ قشیریہ میں ہے کہ اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی دَاوٗدَ علیہ السَّلَامُ بِیْ فَافْرَحُوْا وَبِذِکْرِیْ فَتَنَعَّمُوْا (اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ مجھ سے (میری نعمتوں سے) خوشی حاصل کرو اور میری یاد سے لذت اندوز ہو) یہ فرح جائز ہے۔ اور ناجائز جو فرح ہے وہ فرحِ بَطَر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی نعمت کو پاکر آدمی اترائے، دوسروں کو حقیر جانے۔ اور اس کو اپنے قوت بازو کا ثمرہ سمجھے۔ جیسا کہ قارون نے اپنے خزانے کے متعلق کہا تھا کہ اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ (مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے) باقی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھنا اور ان کے مرضی کے مطابق اپنے محل میں ان کا استعمال کرنا یہ شکر کہلاتا ہے۔ دنیا کی نعمتیں اور دوسرے تمتعات تو الگ رہے۔ کسی کو جب معرفت حاصل ہوگئی ہے تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھ پر بھی ناز کیا ہے یہ دیکھ کر کہ اس کو صحیح مصرف میں استعمال کیا تو یہ ناز فرح بطر نہیں ہے بلکہ شکر ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے حضرت مولانا نے اپنے وعظ میں اسے بیان فرمایا ہے چنانچہ حضرت ایک خاص لطف کے ساتھ اسکو پڑھا کرتے تھے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(۱میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچہ میں پہنچا ہے)

(۲ہر دم ہزاروں بار اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں کہ اسی نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے)

غرض عارفین جب یہ دیکھتے ہیں کہ جو چیز جس غرض کے لئے وضع کی گئی ہے اسمیں استعمال ہو رہی ہے تو اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

طاعت کی لذت وحلاوت | اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مولوی صاحب ریل پر سفر کر رہے تھے غسل کی حاجت ہوئی نماز کا وقت آگیا بہت پریشان ہوئے، کیونکہ غسل کی کوئی سبیل سمجھ میں نہ آتی تھی اور نماز کا وقت تنگ ہوا جاتا تھا۔ بالآخر ایک صورت سمجھ

میں آئی وہ یہ کہ بہشتی سے کہا کہ میں لنگی پہنکر یہیں پلیٹ فارم پر بیٹھا جاتا ہوں اور تم مشک سے میرے اوپر پانی ڈال دو اور میں غسل کر لوں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا پھر ڈبے میں آکر کپڑے بدل لئے اور نماز ادا کی۔ اس واقعہ کو بیان کرکے حضرتؒ سے کہتے تھے جس قدر لطف مجھے اس نماز کی ادائگی میں آیا میں اس کو بیان نہیں کرسکتا ہوں۔ تو بات کیا تھی وہ ایمانی اور روحانی حلاوت تھی۔ کیونکہ نفس کے تو یہ عمل خلاف ہی تھا مگر چونکہ اصلاح کرچکے تھے اخلاص پیدا ہوگیا تھا اس لئے نفس اور خلق کسی کی پرواہ نہیں کی۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا حکم پیش نظر تھا جس نے اس خلاف طبع امر کی ہمت پیدا کر دی۔ ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔

للہ الحمد نہ مُردیم و رسیدیم بدوست　　آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

(اللہ کا شکر ہے کہ راہ طلب میں ہم مرے نہیں اور دوست تک پہونچ گئے۔ ہماری اِس ہمتِ مردانہ پر ہزاروں آفریں ہو)

نفس وطبیعت کے خلاف جب کوئی موقع آوے اور اسوقت انسان ہمّت اور مجاہدہ کرکے حکم شرع بجالائے اور نفس کی پرواہ نہ کرے اس وقت بیشک اُس کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

للہ الحمد نہ مُردیم و رسیدیم بدوست　　آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

بزرگوں کے پاس آمد و رفت کا اصل مقصد

ہمت مردانہ پر ایک واقعہ اور یاد آیا۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تھانہ بھون تشریف لے گئے تو خواجہ صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ مولانا آپ عالم ہیں، فاضل ہیں، متکلم ہیں کیا کیا علم وفضل وکمال آپ نے حاصل کیا مگر ہم تو جب جانیں کہ ان بڑے میاں کے پاس جو دولت ہے اس کو بغیر لئے نہ رہیئے۔ مولانا نے فرمایا کہ اور کیا بھائی یونہی آتے ہیں۔ اب بغیر لئے کہاں ہٹتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ہے ہمت مردانہ۔ آدمی کسی کے پاس جائے یا کہیں رہے تو ہمت کی بات تو یہی ہے کہ وہاں کی دولت حاصل کرے۔ آج اسکی جانب توجہ نہیں

ہے۔ بس بزرگوں کے یہاں صرف آنا جانا ہی رہ گیا ہے جس طرح سے کہ نماز کا خشوع تو غائب ہے اور مسجد جانے کے لئے عمدہ لباس کے پہننے میں فرق نہیں۔

تمتعات دنیویہ منافی تدین نہیں

بہرحال میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف سے چند آیتیں پڑھکر سنائیں۔ یعنی ایک آیت یہ پڑھی کہ :- یَابَنِیْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰالِکَ خَیْرٌ الخ اور دوسری آیت یہ آپ کو سنائی کہ یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ اور تیسری آیت یہ پڑھی تھی کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۔

اور مقصود میرا ان آیات کے مضمون سے دو باتوں کا بیان کرنا تھا ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کو اس دنیا میں ماکولات و مشروبات وملبوسات سے تمتع کی اجازت دی ہے لوگوں کا یہ خیال کہ ان چیزوں سے تمتع دینداری کے خلاف ہے یا اللہ و رسول کے منشار کے خلاف ہے صحیح نہیں ہے۔ اور اس کے متعلق میں نے مفصل کلام کیا ہے۔ بطور خلاصہ کے پھر کہتا ہوں کہ ان آیات سے پہلے ابلیس کی ضلالت اور بنی آدم سے اس کی عداوت کا ذکر تھا۔ چنانچہ یہاں بھی لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ (شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے) میں اس سے حذر اور احتیاط کی تاکید کا بیان ہے۔ اور بعض خاص خاص امور علمیہ وعملیہ میں اس کی اتباع سے بچایا گیا ہے۔ جیسا کہ ان آیات کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن منذر نے عکرمہؓ سے قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا الخ میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت قریش و دیگر قبائل عرب کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ گوشت نہ کھاتے تھے اور بجز قریش کے دوسرے قبائل برہنہ طواف کرتے تھے اور ابن جریر وغیرہ نے وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً (اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں) میں نقل کیا ہے

کہ بعض عرب برہنہ طواف کرتے تھے اور جب اس کی وجہ پوچھی جاتی تو کہتے وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا (ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے) اور مسلم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عورتیں برہنہ طواف کرتی تھیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ اور قُلْ مَنْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ الخ

اور کلبیؒ نے نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت ایام حج میں کھانا سدِ رمق سے زیادہ نہ کھاتے اور چکنائی چھوڑ دیتے۔ بعض مسلمانوں کو ایسا خیال ہوا تو کُلُوْا وَاشْرَبُوْا نازل ہوئی۔ اور ابو الشیخ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ بعض لوگ بکری کے دودھ اور گوشت اور گھی کو حرام کر لیتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الخ اور ابن جریر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اہل جاہلیت بہت سی حلال چیزوں کو جیسے کہ کپڑے وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الخ

اسی طرح ابن عباسؓ نے مَا ظَهَرَ کی تفسیر برہنگی سے فرمائی ہے اور مَا بَطَنَ سے مراد زنا لیا ہے۔ باقی ان امور کی تخصیص کو اس مقام سے خاص مناسبت بھی ہے کیونکہ اوپر قصے میں شیطان کی عداوت کا اثر آدم علیہ السلام کے ساتھ طعام ولباس میں معلوم ہو چکا ہے کہ شجرہ منہی عنہا کھلا کر بقیہ اطعمہ سے محروم کر دیا اور جنت کا لباس بھی ان سے اتروا دیا۔ چنانچہ یہی اثر ان کی اولاد کے ساتھ ظاہر ہوا کہ عقائد فاسدہ میں مبتلا کرکے اطعمہ اور البسہ سے محروم کرتا ہے۔ اب آیت کی تفسیر سنیئے:-

اے اولاد آدم کی ایک ہمارا انعام یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور تمہارے بدن کیلئے موجب زینت بھی ہوتا ہے۔ اور اس ظاہری لباس کے علاوہ ایک معنوی لباس بھی تمہارے لئے تجویز کیا ہے کہ وہ تقویٰ یعنی دینداری کا لباس ہے کہ یہ اس لباس ظاہری سے بڑھ کر ضروری ہے۔ کیونکہ اس ظاہری لباس کا مطلوب شرعی ہونا اسی تقویٰ کے وجود کی فرع ہے۔ پس اصل

مقصود جو ہر حالت میں ہے وہ یہی لباس ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ جب تم کو تقویٰ کا وجوب اور شیطان کی عداوت کا حال معلوم ہو چکا تو اس بات کا ذرا خیال رکھنا کہ شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے۔ یعنی خلاف عوی و دین تم سے کوئی کام کرا دے جیسا کہ اس کمبخت نے تمہارے داد، دادی یعنی حضرت آدمؑ و حواؑ کو خرابی میں ڈال دیا تھا کہ ان کو جنت سے باہر کرا دیا۔ اور باہر بھی ایسی حالت سے کرایا کہ ان کا لباس بھی ان کے بدن سے اتروا دیا تاکہ ان دونوں کو ان کے پردے کا بدن دکھائی دینے لگے

غرض وہ تمہارا دشمن قدیم ہے اور اس سے حذر (بچاؤ) کا طریقہ یہی ہے کہ تقویٰ اور ایمان کامل اختیار کر لو۔ کیونکہ ہم شیطانوں کو انھیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے اگر بالکل ایمان منتفی ہے تو کامل رفاقت اور پوری قدرت ہوتی ہے۔ اور اگر کمال ایمان منتفی ہے تو ناتمام رفاقت اور قدرت ہوتی ہے۔ بخلاف مومن کامل کے کہ اس پر اس کا اصلا قابو نہیں چلتا کَمَا قَالَ تَعَالٰی، اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ (یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں) وَقَالَ تَعَالٰی، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں سے منتخب کئے گئے ہیں)

قوم کا عجیب معیارِ ولایت دیکھیے ان آیات کا ترجمہ تفسیر اور شانِ نزول کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے ماکولات اور مشروبات کے استعمال میں تفریط کی تھی اللہ تعالیٰ ان پر نکیر فرما رہے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء سے تمتع نہ صرف جائز بلکہ مطلوب شرعی ہے۔ لیکن شیطان کی گمراہی چونکہ کم وبیش ہر زمانہ میں باقی رہتی ہے۔ چنانچہ آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک ولایت نام صرف ننگے رہنے کا ہے۔ معلوم نہیں اس دورِ جہالت میں ولایت آخر کس چیز کا نام ہے کہ جس حالت پر خدا کو اعتراض ہو رسول کو اعتراض ہو آپ کے نزدیک وہی علامتِ ولایت ہے۔ اب اس کو شیطان کی رہزنی کے سوا اور کیا کہا جائے۔ اپنے لئے تو آپ کو کپڑا پسند ہے چنانچہ عید کے کپڑے کی تیاری ابھی سے شروع ہو گئی ہے لیکن دوسرے کے۔ لئے ننگا رہنا ہی

سبب کمال ہے۔ یہ خوب فیصلہ ہے آدمی کو اگر علم نہ ہو کہ علم کے راستے سے کسی چیز کو معلوم کر سکے تو کم از کم عقل سے تو کسی بات کو سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جب علم بھی نہ ہو اور عقل سے بھی کام نہ لیا جائے تو پھر اب ہدایت کی کیا صورت ہے۔

میں اس مسئلہ پر ذرا تیز کلام اس لئے کر رہا ہوں کہ یہ بات گلے سے نیچے آسانی سے اُترنے والی نہیں ہے۔ یہاں سب باتیں آپ سُن رہے ہیں لیکن نیچے جاکر سڑک پر کسی کو ننگا دیکھئے گا تو اسی کے معتقد ہو جایئے گا اور سمجھئے گا کہ یہ ہے اگر ہونا آپ کے نزدیک اتنا ہی آسان ہے تو آپ بھی ہو جایئے۔ ولایت لذیذ چیز تو ہے لیکن آسان نہیں ہے ؎

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

اس کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور سب سے بڑی چیز جو لازم ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا پڑتا ہے اور آپ کے نقش قدم پر چلنا پڑتا ہے ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز برپئے مصطفٰے
خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

لذت وحلاوت کی اصل چیز بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس میں تو شک نہیں کہ مومن کا اصل لباس تو اس دنیا میں تقویٰ ہی ہے اور اس کے لئے حلاوت اور تلذذ حاصل کرنے کی چیزیں نماز، ذکر اور تلاوت قرآن ہے۔ جیسا کہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ قَالَ الْحَسَنُ تَفَقَّدُوْا الْحَلَاوَۃَ فِی ثَلَاثَۃِ اَشْیَاءَ فِی الصَّلٰوۃِ وَالذِّکْرِ وَقِرَأۃِ الْقُرْاٰنِ فَاِنْ وَجَدْتُّمْ وَ اِلَّا فَاعْلَمُوْا اَنَّ الْبَابَ مُغْلَقٌ" (یعنی تین چیزوں میں حلاوت تلاش کرو۔ نماز، ذکر، تلاوت قرآن میں۔ اگر تمہیں ان کے اندر لذت ملے تو کیا کہنا ہے سبحان اللہ۔ ورنہ سمجھ رکھو کہ دروازہ بند ہے)

لیکن ان لذائذ اور لباس تقویٰ کے علاوہ دنیوی نعمتوں کا استعمال اور ظاہری لباس کے استعمال کی بھی مومن کو اجازت دی گئی ہے جیسا کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ

اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالے کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے) اور یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (اے اولادِ آدم ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہارے پردہ دار بدن کو چھپاتا بھی ہے اور موجب زینت بھی ہے) میں مصرح ہے۔ اور قُلْ هِیَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (آپ کہدیجئے کہ یہ چیزیں اس طور پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان تمتعات دنیویہ سے متمتع ہونا مومنین کی ایک خاص شان ہے اور یہ کہ مومنین کے لئے تو یہ چیزیں بالاصالۃ ہیں۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے ان کی تشریف اور کرامت کے طور پر ہے اور کافر جو اس دنیا میں ان کے شریک ہیں تو وہ بالتبع۔ ورنہ تو بظاہر لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کفار کے لئے ہیں ہی نہیں۔ لیکن ایک دوسری آیت سے اس کی توضیح ہوئی وہ یہ کہ فرمایا کہ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (یعنی جس وقت امتحان کیا ابراہیم علیہ السلام کا ان کے پروردگار نے چند باتوں میں (یعنی چند اوامر اور نواہی ارشاد فرمائے) اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کو پورا پورا ادا کر دیا۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کو اس کے صلہ میں لوگوں کا مقتدا بناؤں گا)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ امامت وخلافت کا ملنا امتثال امر اور بجاآوری احکام پر مرتب ہوتا ہے۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ (انھوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو) قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ (ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہدۂ امامت وخلافت خلاف ورزی کرنے والوں کو نہ ملیگا) اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ تنبیہ فرمائی کہ آپ کی ذریت میں دونوں ہی قسم کے لوگ ہوں گے، مطیع بھی اور عاصی بھی یا مومن بھی اور

کافر بھی۔ پس عاصی اور کافر کو یہ منصب نہیں ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کو ملیگا

اولاد کی فلاح و بہبود کی فکر | دیکھئے حضرت ابراہیمؑ نے اسوقت اپنی ذریت کو بھی یاد رکھا اور واقعی اپنی ذریت کا خیال سب کو ہوتا ہے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے آرام کے ساتھ ساتھ اپنے اولاد کی راحت و آرام کی فکر رکھتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں ذریت کا حال یہ ہے کہ نفع میں تو شریک ہے مگر مناصب کے حاصل کرنے کی ہمت نہیں۔ آپ کماتے کماتے تھک جائیں مگر ان کی خواہشات کا پورا کرنا مشکل۔ اور اس کے باوجود یہ آپکے نہیں ہوتے۔ آپ کو تو ان کا اس قدر خیال مگر ان کو آپ کا ذرا خیال نہیں ہے۔ آج لوگوں کے گھروں کا حال خوب جانتا ہوں۔ اس کو اس سے ضیق۔ بیٹا باپ کا مخالف۔ ماں بیٹی میں جنگ۔ غرض بُرا حال ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے یہ درخواست کی کہ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (یعنی اے میرے پروردگار اس کو ایک شہر بنا دیجئے امن والا۔ اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں کی قسم سے بھی رزق عنایت کیجئے (اور سب بسنے والوں کو نہیں کہتا بلکہ خاص ان کو کہتا ہوں) جو کہ ان میں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔ (باقیوں کو آپ جانیں)

یہاں ابراہیم علیہ السلام نے جب بلد کو آمن کر دینے کی دعا مانگی تو وہ قبول ہو گئی چنانچہ مکہ کو آمن کر دیا گیا اس طور پر کہ وہاں شکار کھیلنا (یعنی) حتیٰ کہ وہاں کی گھاس کا اکھاڑنا بھی حرام کر دیا گیا۔ لیکن چونکہ بہت سے لوگوں کا ذریعۂ معاش شکار ہی پر تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر عنایت فرماتے ہوئے بحالتِ احرام بحری شکار جائز کر دیا۔

مسئلہ:۔ جاندار کا فوٹو کھینچنا اور کھنچوانا دونوں ناجائز ہیں، البتہ کسی ایسے ملک میں جانے کی ضرورت ہو جہاں جانے کے لئے فوٹو لے کر پاسپورٹ حاصل کرنا ضروری ہے تو بشرط ضرورت سفر جائز ہے، محض سیر و تفریح کے لئے جائز نہیں۔

نوٹ:۔ اس مسئلہ کے متعلق مکمل بحث مع دلائل قرآن و حدیث اور مع جوابات شبہات عقلی و نقلی اور مع مفصل مسائل متعلقہ کے احقر کے رسالہ (التصویر لاحکام التصویر) میں مذکور ہے اس کو دیکھ لیں۔

۳۳۔ بلا ضرورت کتا پالنا

حدیث:۔ جس شخص نے جانوروں کے گلہ یا کھیت کی حفاظت یا شکار کی ضرورت کے سوا (شوقیہ) کتا پالا اُس کے ثواب میں سے روزانہ بقدر وزن ایک قیراط کے گھٹ جائے گا (بخاری و مسلم) اور دوسری روایت بخاری میں دو قیراط کی مقدار مذکور ہے، قیراط وزن کی ایک مقدار خاص ہے جو مروجہ رتی کے قریب ہے لیکن عالم آخرت کی قیراط کتنی وزنی ہے اور اس جگہ اس کی کتنی مقدار مراد ہے، یہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور مراد حدیث بظاہر یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے مجموعہ ثواب میں سے روزانہ اتنی مقدار گھٹتی رہے گی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر عمل صالح کے ثواب میں سے بقدر ایک دو قیراط کے گھٹتا رہے گا، اس شخص کے خسارہ عظیمہ کو دیکھئے اور اس گناہ بے لذت سے باز آئیے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّق

۳۴۔ سود کی بعض قسمیں

سود کھانے کا گناہ عظیم قرآن و حدیث میں جس شدت کے ساتھ وارد ہے، اس سے کوئی مسلمان ناواقف نہیں ہوسکتا، حدیث میں سود کھانے کو اپنی ماں سے

زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید قرار دیا ہے، اور قرآن کریم نے اس کو خدا اور رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ کرنا فرمایا ہے، لیکن اس رسالہ میں صرف وہ گناہ لکھے گئے ہیں جن سے کوئی دنیوی فائدہ متعلق نہیں اور سود سے عموماً بظاہر حال دنیوی منافع سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اس جگہ اسکی وہ قسمیں لکھی جاتی ہیں جن میں بلا وجہ محض غفلت سے لوگ مبتلا ہیں۔

مثلاً سونے کی خرید و فروخت سونے سے یا چاندی کی چاندی سے کی جائے تو اس میں ایک منٹ کا ادھار بھی حرام اور سود میں داخل ہے۔ اسی طرح اسمیں ایک ذرہ کی کمی بیشی کی جائے تو وہ حرام اور سود ہے۔ لیکن حضرات فقہا رنے اس قسم کے بیع و شرار میں سود سے بچنے کے لئے کچھ تدبیریں لکھی ہیں، جن کے استعمال میں نہ کوئی مشقت ہے نہ نقصان، اور سود کے وبال سے نجات ہو جاتی ہے، مثلاً سونے چاندی کی بیع میں اگر رقم فوراً ادا کرنے کی گنجائش نہیں، تو اس زیور وغیرہ کو جس وقت لیا جائے، اس وقت بیع و شرار قرار دے کر نہ لیں، بلکہ مستعار طور پر لے لیں جب رقم ادا کرنا ہو اس وقت زیور سامنے لاکر رقم دیدی جائے اور بیع اس وقت قرار دی جائے، اور نرخ کے متعلق یہ وعدہ پہلے سے لے لیا جائے کہ اسی سابقہ تاریخ کے نرخ سے معاملہ ہوگا۔ یا ایسا کریں کہ سُنار صراف جس سے سونا خریدا گیا ہے اور مثلاً دو سو روپیہ کا سونا ہے تو اس صراف سے دو سو روپیہ قرض لے لیں اور سونے کی قیمت ہاتھ کے ہاتھ ادا کر دیں، اب آپ کے ذمہ سونے کی قیمت نہ رہی، بلکہ وہ سابقہ لئے ہوئے روپے رہے، سُنار کے حساب میں کوئی فرق نہیں پڑا، آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، مگر سونے کی خریداری ادھار ہونے کی وجہ سے جو سود کا وبال ہوتا اس سے بچ گئے۔

اسی طرح اگر چاندی کو چاندی کے روپے سے یا سونے کو سونے کی اشرفی سے خریدا جاتا ہے اور نرخ بازار کے حساب سے کچھ کمی یا بیشی لازم آتی ہے تو صرف یہ تدبیر کافی ہے کہ جنس بدل دیں، مثلاً سونا خریدیں تو قیمت چاندی سے اور چاندی

خریدیں تو قیمت سونے سے ادا کر دیں، چاندی کے ساتھ کچھ ریزگاری ملالیں اور آج کل جو روپیہ گلٹ کا چل گیا ہے اس میں تو خود ہی غیر جنس شامل ہے اس سے خریدنے میں کمی بیشی کا مضائقہ نہیں، البتہ ادھار اس میں بھی نہ کرنا چاہئے۔
(هُوَ الاحوط لدخوله فی بیع الصرف عند بعض المعاصرین من العلماء) "یہی احوط ہے اس لئے کہ بعض معاصر علماء اسے بیع صرف میں شمار کرتے ہیں"

" اور یہی حکم سچا گوٹہ خریدنے کا ہے کہ اس میں اُدھار کرنا سود ہے ____ کمی زیادتی بھی سود ہے، اس سے بچنے کا بھی وہی طریق ہے جو اوپر مذکور ہوا، اسی طرح اور بہت سی مثالیں ہیں جن میں سود کے وبالِ عظیم سے محض لاپرداہی سے لوگ مبتلا ہیں، اگر ذرا فکر کریں، علماء سے مسائل معلوم کریں اس سے بآسانی بچ سکتے ہیں۔

اسی طرح تمام بیوع فاسدہ اور معاملاتِ فاسدہ بحکم سود ہیں اور ان سے بچنے کے لئے علماء نے ایسی ہی تدبیریں لکھی ہیں، اگر ذرا دین کا خیال ہو تو اس وبالِ عظیم سے بچنا کچھ مشکل نہیں، سیّدی و مرشدی قطب العالم مجدد الملّت حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے ایک مستقل رسالہ "صفائی معاملات" میں معاملاتِ فاسدہ کا مفصل بیان اور ان سے بچنے کی تدبیریں لکھی ہیں، ہر مسلمان کو چاہئے کہ اسکو مطالعہ کرکے یا سُن کر معلومات حاصل کرے۔

۳۵۔ مسجد میں نجاست یا بدبو کی چیز داخل کرنا

اس کا گناہ ہونا، اس سے فرشتوں کو ایذا پہنچنا اور اُن کا اس شخص کیلئے بد دعا کرنا احادیث کثیرہ میں معروف و مشہور ہے، مگر عام طور پر اس میں بیفائدہ ابتلاء ہے بچوں کو ایسے ناپاک بدن اور کپڑوں کے ساتھ مسجد میں لے جانا جن سے تلویثِ مسجد کا خطرہ ہو، یا مٹی کے تیل کی لالٹین وغیرہ مسجد میں لے جانا، یا دیاسلائی

مسجد میں لیجانا۔ یا لہسن، پیاز یا تمباکو کھا کر بغیر منہ صاف کئے مسجد میں جانا، یہ سب اسی میں داخل ہے۔

۳۶۔ مسجد میں دنیا کی باتیں یا دنیا کا کام کرنا

احادیث کثیرہ میں اس کی ممانعت وارد ہے اور بعض میں ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں اس شخص کی نیکیوں کو اس طرح کھا لیتی ہے جیسے آگ سوکھی ہوئی لکڑی کو اگر کوئی ضروری بات کسی سے اتفاقاً کرنا ہو تو اولاً مسجد سے باہر دروازہ یا وضوخانہ وغیرہ میں جا کر کریں، اور اتفاقاً مسجد کے گوشہ میں بھی کوئی مختصر بات کسی سے کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں، مگر محض دنیا کی باتیں کرنے کے لئے مسجد میں مجلس جمانا اس وعید شدید میں داخل ہے جس میں آج کل عام مسلمان مبتلا ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس میں نہ کوئی دنیوی فائدہ متصور ہے نہ اُس کے ترک سے کوئی ضرر۔

۳۷۔ نماز کی صفوں کو درست نہ کرنا

حدیث۔ جو شخص صف کو ملائے گا اس کو اللہ تعالےٰ (اپنے ساتھ) ملائیگا اور جو صف کو قطع کرے گا، اللہ تعالےٰ اس سے قطع تعلق فرمائے گا (الحاکم وقال صحیح علےٰ شرط مسلم، زواجر)

ف۔ صف کو ملانے کا مطلب یہ ہے کہ بیچ میں جگہ نہ چھوڑی جائے، اور قطع کرنا اس کا ضد ہے، یعنی بیچ میں جگہ چھوڑ دینا۔

حدیث۔ اپنی صفوں کو درست و برابر کرو، ورنہ اللہ تعالےٰ تمہارے چہرے پھیر دیں گے، اور بعض روایات میں ہے کہ تمہارے قلوب میں اختلاف پڑ جائیگا (بخاری ومسلم، زواجر)

لے بیڑی، سگریٹ وغیرہ پی کر بغیر منہ کی صفائی کئے اور بدبو دور کئے مسجد میں داخل ہونیکا بھی یہی حکم ہے

صف میں مل کر کھڑا ہونا اور صف کو سیدھا رکھنا باتفاق امت واجب ہے اس کے خلاف کرنا گناہ شدید اور حدیث کی مذکورہ وعیدوں کا موجب ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہزاروں مسلمان اس گناہ بے لذت و بے فائدہ میں محض بے فکری سے مبتلا ہیں، عموماً بیچ میں کافی جگہ چھوڑ دیتے ہیں، اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر صف میں کھڑے ہونے میں بھی آگے پیچھے ہو جاتے ہیں، یہ سب گناہ موجب وعید شدید ہیں۔

مسئلہ:۔ ہر ایک نمازی کے ٹخنے دوسرے نمازی کے ٹخنوں کے مقابل رہنا چاہئیں، ایڑی پنجہ آگے پیچھے ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں، لیکن ٹخنوں کا تقابل جو ضروری ہے اس میں کوتاہی کرنا وبالِ عظیم ہے۔

۳۸۔ امام سے آگے نکل جانا

حدیث۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے نہیں ڈرتا کہ جب وہ رکوع یا سجدہ میں امام سے پہلے سر اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر سے تبدیل کر دیں یا اسکی شکل گدھے کی شکل میں بدل دیں (بخاری ومسلم)

ظاہر ہے کہ یہ گناہ عظیم کہ رکوع یا سجدہ میں امام سے پہلے سر اٹھائے، محض بے لذت و بے فائدہ گناہ ہے، اس میں بھی بہت سے ناواقف مبتلا ہیں۔

۳۹۔ نماز میں دائیں بائیں کنکھیوں سے دیکھنا

حدیث۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر جب کہ وہ نماز میں ہوتا ہے، برابر متوجہ رہتے ہیں، مگر جب وہ اپنا چہرہ پھیرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی توجہ بھی مٹ جاتی ہے (احمد، ابوداؤد، نسائی وغیرہ)

حدیث ۔ اے عزیز! نماز میں دائیں بائیں التفات کرنے سے بچو، اسلئے کہ نماز میں التفات (یعنی کنکھیوں سے دیکھنا) ہلاکت ہے۔ (ترمذی وحسنہ)

۴۰۔ نماز میں کپڑے کو لٹکانا یا اس سے کھیلنا

کپڑے کو استعمال کرنے کا جو طریقہ معروف ہے اس کے خلاف استعمال کرنا مثلاً کرتہ کو سر پر ڈال لے، یا چادر رومال وغیرہ کو سر پر ڈال کر پلّے دونوں طرف چھوڑ دے۔ اس کو سدل کہتے ہیں، یہ نماز میں ناجائز وگناہ ہے، اسی طرح کپڑے کے کسی حصہ کو بار بار اُلٹنا پلٹنا۔ یا بدن کے کسی حصہ کو بے ضرورت بار بار حرکت دیتے رہنا، ناک یا کان میں بے ضرورت انگلی داخل کرنا، وغیرہ یہ عبث فعل ہے، اور نماز میں گناہ ہے۔

۴۱۔ جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر سے پھلانگ کر آگے پہنچنا

حدیث ۔ جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنوں پر پھلانگ کر آگے گیا گویا ایک پل کو عبور کر کے جہنم میں پہنچ گیا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، زواجر)

حدیث ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص لوگوں کی گردنوں پر پھلانگتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو ایذا پہنچائی۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی وغیرہ، زواجر)

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں کو ایذا دیتے آرہے ہو، اور جس نے کسی مسلمان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔ (الطبرانی فی الصغیر والاوسط)

اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں کی گردنوں پر پھلانگ کر

اس کا جمعہ ظہر ہوگیا، یعنی جمعہ کی فضیلت و ثواب باطل ہوگیا۔

تنبیہ:۔ غور کیجئے کہ حدیث میں اس فعل پر کتنی سخت وعیدیں وارد ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس فعل میں نہ کوئی لذت ہے نہ کوئی فائدہ، محض شیطانی حرکت ہے کہ بہت سے مسلمان اس میں مبتلا ہیں، اگر وہ پیچھے ہی کی صف میں بلکہ جوتوں میں کھڑے ہو جائیں، تو ہزار درجہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے اور تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

گناہوں کی طویل فہرست پر نظر ڈالی جائے تو اور بھی بہت سے گناہ ایسے ہی ملیں گے جو بے لذت و بے فائدہ ہیں، محض غفلت و بے پروائی سے لوگ اس میں مبتلا ہیں، لیکن اس وقت اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے، وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

اعلام:۔ اس رسالہ کو ختم کرتے ہوئے علامہ زین الدین ابن نجیم مصری حنفی صاحب تصانیفِ مشہورہ الاشباہ والنظائر وغیرہ کا ایک رسالہ دربارۂ صغائر وکبائر یاد آیا جو ان کے مجموعہ رسائل زینیہ میں چونتیسواں[۱] رسالہ ہے، اور الاشباہ والنظائر مصری کے آخر میں لگا ہوا ہے۔ اس میں مختصر طور پر تمام کبیرہ گناہوں کو علیحدہ اور صغائر کو علیحدہ بطور فہرست کے جمع کر دیا ہے۔

خیال آیا کہ یہ فہرست صغیرہ وکبیرہ گناہوں کی اس رسالہ کے ساتھ ملحق کر دی جائے کہ اس پر کسی کو خدانخواستہ عمل کی توفیق نہ ہو تو کم از کم اسکو دیکھکر علم تو درست ہو جائے کہ فلاں گناہ ہے اور کم از کم کسی وقت اسکو ندامت تو ہو اور ندامت ہی اس باب میں کلید کامیابی ہے۔ اور چونکہ یہ ایک مستقل رسالہ ہے اور علیحدہ شائع ہونا بھی اس کا مفید ہے اسلئے اسکو مستقل رسالہ ہی کی صورت میں اسکا ضمیمہ بنانا مناسب سمجھا، اور اس ضمیمہ کا نام "اِنْذَارُ الْعَشَائِرِ مِنَ الصَّغَائِرِ وَالْکَبَائِرِ" تجویز کیا۔ وَاللّٰہُ الموفق وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْل۔

(ناکارۂ خلائق بندہ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ، آخر محرم الحرام ۱۳۷۴ھ)

---

[۱] قبل اور کچھ صفحہ ... گناہوں ... [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انذار العشائر

من الصغائر والکبائر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

اَمَّا بَعْدُ! آج کل مختلف اسباب سے معاصی اور گناہوں کی کثرت وبارِ عام کے درجہ کو پہنچ گئی ہے اور اس کے طوفان نے عالم کے بحر و بر اور مشرق و مغرب کو گھیر لیا اور حالت یہ ہوگئی کہ کوئی خدا کا بندہ گناہوں سے بچنے کا ارادہ بھی کرے تو دنیا کی فضا اس پر تنگ نظر آنے لگے گی، یہاں تک کہ بہت سے لوگ ہمت توڑ بیٹھے اور بچنے کی کوشش ہی چھوڑ دی۔

لیکن اگر کوئی وبائی مرض عام ہو جائے اور کوئی دوا و تدبیر کارگر نظر نہ آئے جب بھی عقل و دانش اور طبیعت و شریعت کا فیصلہ یہی رہتا ہے کہ حفاظتی تدابیر اور دوا رعلاج نہ چھوڑا جائے نہ یہ کہ اسکی کوشش نہ کی جائے بلکہ اس مرض کو صحت اور بیماری کو تندرستی ثابت کرنے میں زور تقریر و تحریر صرف کیا جائے۔

اس لئے اس رسالہ میں تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں کی مختصر فہرست لکھی جاتی ہے۔ تاکہ اسکے پیش نظر ہونے سے اوّل تو علم صحیح ہو جائے کہ مرض کو مرض اور گناہ کو گناہ سمجھنے لگے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ گناہوں پر ندامت و افسوس ہو اور ندامت ہی توبہ کا اعلیٰ رکن ہے جس سے سب گناہ مٹ جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ جب گناہ کو گناہ سمجھے گا اور ان کو نظر میں رکھے گا تو انشاء اللہ کسی نہ کسی وقت توبہ و اجتناب کی توفیق بھی ہو جائے گی۔

(باقی آئندہ)

مستقل مجاہدہ | پس معلوم ہوا کہ اصلاح اعمال کا مدار عادی مجاہدۂ نفس پر ہے اسی مسئلہ کو بتانے کے واسطے اس وقت یہ بیان اختیار کیا تھا جو الحمد للہ بقدر ضرورت بیان ہوگیا۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ گناہوں کے چھوڑنے کی ہم کو ہمت عطا فرمائیں کہ یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے، پھر اس پر دو کامیابیاں مرتب ہوں گی ایک تو بڑی کامیابی خود گناہوں کا چھوٹ جانا ہے۔ کیونکہ جرائم کا نہ ہونا یا کم ہونا بھی بڑی کامیابی ہے۔ دوسرے رزق میں وسعت ہوگی۔ کیونکہ اعمالِ صالحہ کو اور گناہوں کے چھوڑنے کو رزق کی وسعت میں بہت بڑا دخل ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑلیا) اسی طرح معاصی کو تنگیٔ رزق و نزولِ بلا میں بڑا دخل ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس قوم میں سود کی کثرت ہوگی اللہ تعالیٰ اس پر قحط مسلط کردیں گے۔ اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہوگی اُس پر طاعون وغیرہ ایسے امراض مسلط ہوں گے جو پہلے لوگوں نے دیکھے بھی نہ تھے۔

پس مجاہدہ میں ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی کامیابی ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ دینی اور دنیوی اور تمدنی اور سیاسی تمام مصالح کی بنیاد اور جڑ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی مخالفت کا عادی بنے اور نفس کو مشقت کا عادی بنائے۔

اب میں ختم کرتا ہوں دعا کیجئے اللہ تعالےٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق شامل حال ہو۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اشرف علی
۳ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ

التحصیل التسہیل

مع

التکمیل التعدیل

اہل سلوک کے متعلق یہ وعظ ۲۳ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۶ھ بروز آخری جمعہ مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا، جو پونے چار گھنٹوں میں ختم ہوا۔ حاضرین کی تعداد ۳۰۰ کے قریب تھی۔ یہ وعظ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے قلمبند فرمایا۔

خطبہ ماثورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل فاٰتت اکلھا ضعفین فان لم یصبھا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر ط (اور ان لوگوں کے خرچ کیے ہوئے مال کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں، مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کی بارش پڑی ہو، پھر وہ دونا پھل لایا ہو، اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار بھی اسکو کافی ہے، اور اللہ تعالےٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں)

تمہید | جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے غالباً موقعہ و وقت کے لحاظ

سے وہ سامعین کو غیر مرتبط معلوم ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اس میں احکامِ رمضان کا پتہ بھی نہیں۔ مگر جب جزئیات سے زیادہ کلیات کا اہتمام ہے، کیونکہ کلیات سننے میں کم آتے ہیں اور جزئیات کو اکثر لوگ بیان کرتے رہتے ہیں، دوسرے کلیات جامع بھی ہوتے ہیں جزئیات کو، اور ان کا یاد رکھنا بہت سے جزئیات کو یاد رکھنے سے مُغنی ہوتا ہے اس وجہ سے میں نے اسوقت ایک مضمون کلی اختیار کیا ہے جو کلیت وعموم کی وجہ سے احکامِ رمضان کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ تقریر سے معلوم ہو جائے گا کہ اس مضمون کو ہر عمل سے تعلق ہے اور روایات حدیثیہ کو بھی ملا لیا جائے تو اس آیت کا تعلق احکامِ رمضان سے اور زیادہ معلوم ہوگا، نہ اسلئے کہ اس میں انفاق کا ثواب مذکور ہے۔ اور رمضان میں انفاق کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، بلکہ دوسری وجہ سے جس کو میں آخر میں بیان کروں گا، گو انفاق کو بھی اس مہینہ سے خاص خصوصیت ہے اور یہ بھی رمضان کے ساتھ اس آیت کی مناسبت کی وجہ ہو سکتی ہے اس لئے کہ حدیث میں اس کو شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ (غمخواری کا مہینہ) کہا گیا ہے جس کا استعمال اکثر اعانت مالیہ[عـــہ] میں ہوتا ہے۔

رمضان وحسنات | اس مہینہ میں باہم ایک دوسرے سے ہمدردی کرنا چاہئے نیز اس مہینہ میں تضاعفِ حسنات ہوتا ہے جو انفاق وصلوٰۃ سب کو عام ہے تو ایک تعلق عام اس آیت کا رمضان سے یہ بھی ہے یعنی اس مہینہ میں فرض کا ثواب ستّر فرضوں کے برابر ہے۔ اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے۔ مگر اس تضاعفِ حسنات کے معاملہ میں لوگ ایک غلطی میں مبتلا ہیں جس کو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے، مگر شاید بعض لوگ اس وقت حاضر نہ رہے ہوں اسلئے دوبارہ بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بعض حضرات نے یہ سُن کر کہ رمضان میں تضاعفِ حسنات ہوتا ہے، اس سے یہ اثر لیا کہ رمضان کے سلئے طاعاتِ صدقہ کو ملتوی اور مؤخر کرنے لگے زکوٰۃ تو عموماً اسی مہینہ میں ادا کی جاتی ہے گو وجوب

عـــہ کذا یفہم من القاموس مادہ اسا ۱۲ منہ

زکوٰۃ اس سے پہلے ہوگیا ہو اور اس کے سوا بھی دیگر صدقات کو اس ماہ پر موقوف رکھا جاتا ہے، یہ غلطی ہے جس کا منشار مقصدِ نصوص سے بُعد ہے۔ اور مقصدِ نصوص کا سمجھ لینا ہی فقہ ہے جس کی فضیلت حدیث میں یوں آئی ہے مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اسکو دین کی سمجھ دیدیتے ہیں) جس کی بنا پر علماء نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیتِ حق کیا ہے بجز فقیہ کے، کہ اسکو معلوم ہے کہ خدا نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے بوجہ اس حدیث کے۔ تو یہ فضیلت محض اس بات سے حاصل نہیں ہوئی کہ حدیث وقرآن کا ترجمہ جان لیا جائے اور کچھ علمی نکات بیان کر دیئے جائیں بلکہ یہ فضیلت اس سے حاصل ہوتی ہے کہ شارع کا مقصد سمجھ لیا جائے، اسی کا نام فقہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جس میں ہمارے اکابرِ سلف ممتاز تھے گو وسعتِ نظر میں متاخرین بڑھے ہوئے ہیں مگر عمقِ نظر میں متقدمین بدرجہا افضل ہیں، یہانتک کہ صحابہؓ کی نظر سب سے زیادہ عمیق ہے۔ ان سے بڑھ کر شارع کے مقصد کو کون سمجھ سکتا ہے، ان کے برابر نورِ ایمان وتقویٰ کس کو نصیب ہے، اور علومِ قرآنیہ میں عمقِ نظر اسی نورِ کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔

اس مضمون پر کسی کو اس حدیث سے شبہ نہ ہو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا قَالُوْا الْمَلٰٓئِکَۃُ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْث (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ایک دن دریافت فرمایا کہ بتلاؤ تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا فرشتوں کا آپ نے فرمایا کہ فرشتوں کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ؟ وہ تو ہر وقت اپنے رب کے قُرب میں ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا پھر انبیار کا۔ فرمایا ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ؟ وہ تو وحی کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارا ایمان عجیب تر ہے۔ فرمایا تمہارے ایمان نہ لانے کی کونسی وجہ ہوسکتی ہے میں تمہارے

درمیان موجود ہوں، یعنی تم نے مجھے دیکھا، نزولِ وحی کو دیکھا، میرے معجزات دیکھے۔ پھر آپ نے فرمایا ان لوگوں کا ایمان عجیب تر ہے جو میرے بعد آئینگے اور صرف چند اوراق دیکھیں گے جن میں قرآن ہوگا اور ان پر ایمان لائینگے۔ تو اس سے یہ وسوسہ نہ ہو کہ تم صحابہ کو متأخرین سے افضل بتلاتے ہو، اور اس حدیث کی رُو سے صحابہ سے متاخرین کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلوں کے ایمان کو اعجب ہی تو فرمایا ہے اَکمَلُ و اَقویٰ و افضل تو نہیں فرمایا، اور اعجب ہونے سے اکمل و افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ پس اس حدیث کی بنا پر یہ مسلّم کہ متاخرین کا ایمان سب سے عجیب تر ہے مگر صحابہ کے ایمان سے افضل و اقویٰ نہیں۔ کیونکہ دوسرے دلائل سے یہ طے ہوچکا ہے کہ سب سے زیادہ کامل ایمان انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ پھر ملائکہ کا۔ پھر صحابہ کا پھر جو صحابہ کے مشابہ ہو۔ اسی طرح ہر زمانہ میں دیکھتے جاؤ جو شخص صحابہ کے ساتھ اخلاق و عادات و طرز معاملات میں مشابہ تر ہوگا، اس کا ایمان قوی تر ہوگا اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اعجب ہونا اقویٰ و اکمل ہونے کو مستلزم نہیں، اسکی ایک نظیر میرے پاس ہے میں پوچھتا ہوں کہ کیا حق تعالےٰ کا علیم و قدیر و سمیع ہونا عجیب تر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ انسان کا علیم و حکیم ہونا عجیب ہے، کیونکہ حادث ممکن کا صفات کمالیہ سے متصف ہونا واقعی تعجب کی بات ہے اور واجب قدیم کا صفاتِ کمال سے موصوف ہونا کیا عجیب ہے وہ بھی صفاتِ کمال سے موصوف نہ ہو تو اور کون ہوگا۔ مگر انسان کے علم و حکمت کے اعجب ہونے سے اس کے علم و حکمت کا اکمل ہونا لازم نہیں۔ بلکہ اکمل و افضل و اقویٰ اللہ تعالیٰ ہی کا علم و حکمت ہے یہ گفتگو درمیان میں ایک شبہ کے رفع کرنے کو شروع ہوگئی تھی کہ حضرات صحابہ کے ایمان کی قوت و فضیلت پر حدیث اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِیْمَاناً سے شبہ نہ کیا جاوے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مقاصدِ نصوص کا سمجھنا فقہ ہے جس میں حق تعالیٰ نے متقدمین کو فضیلت دی ہے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ اسی عمقِ فہم کی وجہ سے

ام ہیں، اس خاص صفت میں ائمہ مجتہدین سب سے ممتاز ہیں اور کوئی ان کی
ابری نہیں کرسکتا۔ رہا یہ کہ پھر باہم مجتہدین میں کون افضل ہیں سو اس کے بیان
نے کو ہمارا منہ نہیں۔ ہم اس قابل نہیں کہ فقہاء میں تفاضل کریں۔ کیونکہ اول
ہمارا یہ درجہ نہیں۔ دوسرے ہمارے اندر احتیاط نہیں۔ ہم تفاضل کے وقت
وسرے کی تنقیص کر دیتے ہیں۔

فضیلتِ انبیاء اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی فرماتے
ہیں لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَاءِ کہ" انبیاء علیہم السلام میں باہم ایک کو دوسرے پر
فضیلت نہ دو" اور فرماتے ہیں لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ ابْنِ
مَتّٰی یعنی کسی کو میری نسبت یہ کہنا لائق نہیں کہ میں یونس علیہ السلام سے افضل ہوں
(اس میں انا سے مراد خود حضورؐ ہیں ہر متکلم مراد نہیں کما قیل ۱۲) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر قطعی ہے، مگر حضورؐ نے اس میں تفصیلی گفتگو سے منع
فرما دیا (نیز اس سے بھی منع فرمادیا کہ کسی نبی کا نام لیکر یہ کہا جائے کہ ہمارے
حضورؐ فلاں نبی سے افضل ہیں، بس اجمالاً ہی کہنا چاہئے کہ آپ سب سے افضل
ہیں ۱۲) کیونکہ تفصیل سے دوسرے نبی کی تنقیص ہو جاتی ہے۔ اور ایسے بہت کم لوگ ہیں
جو تفصیلی کلام کے مقابلہ میں تنقیص سے بچ سکیں۔ اس لئے حضورؐ کی یہ غایت رحمت
ہے کہ آپ نے ہم کو اس بات میں تفصیلی گفتگو سے بالکل منع فرما دیا۔ اور اگر کسی
کا اس باب میں تفصیلی گفتگو کر کے یہ خیال ہو کہ میرے کلام سے کسی نبی کی تنقیص لازم نہیں
آتی تو میں اس کے سامنے ایک معیار بیان کرتا ہوں اس پر اپنی تقریر کو پرکھ لیا
جائے، وہ یہ کہ تفاضلِ انبیاء پر تقریر کرنے کے قبل یہ سوچ لے کہ اس مجلس میں سارے
انبیاء علیہم السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہیں اور میں سب
کے سامنے حضورؐ کے فضائل ظاہر کر رہا ہوں، اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ کس مضمون
کے بیان کی جرأت ہوتی ہے اور کس کی نہیں ہوتی۔ اس معیار سے اپنی اکثر تقریروں کا
حدود سے متجاوز ہونا معلوم ہو جائے گا اور اسکی فکر ہوگی کہ کسی لفظ سے ایہاماً بھی

کسی دوسرے نبی کی تنقیص لازم نہ آجائے ورنہ وہ حضرات تو شاید خفا نہ ہوں مگر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں گے۔ کیونکہ حدیث میں ہے: اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ مِنْ عَلَّاتٍ وَاُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ (متفق علیہ) (انبیاء کرام باہم باپ شریک بھائی ہیں اور ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے یعنی توحید) یعنی انبیاء میں باہم علاتی بھائیوں جیسا تعلق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ حضرات کیسے بھائی ہیں، دنیا داروں کی طرح نہیں، بلکہ ان میں باہم پورا اتحاد و اتفاق و محبت ہے۔ تو ایسے بھائیوں میں سے ایک کو اپنے دوسرے بھائی کی تنقیص کب گوارا ہو سکتی ہے، ہرگز نہیں۔

حضرت! اس معیار کو پیش نظر رکھ کر تم اپنی تمام تقریروں اور تحریروں کو جو باب تفاضل میں لکھی ہوں یا کی ہوں جانچو کہ ان میں سے کوئی بھی ایسی ہے جس کو بے تکلف تمام انبیاء کے سامنے پڑھ کر سنا سکو، یقیناً ایسی تقریریں بہت کم ملیں گی، زیادہ حصہ وہی ہوگا جس کو سب کے سامنے پڑھنے کی تم کبھی جرأت نہیں کر سکتے (یہ بہت سچی ترازو ہے جو ایک رتی پر بھی جھک جائے گی، اسکی قدر کرو)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں فتویٰ دیتے ہوئے یہ مراقبہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دے رہا ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگر میرے دل میں ذرا سا بھی شبہ ہوتا ہے تو میں فتویٰ نہیں دیتا۔

حضرت! یہ وہ باتیں ہیں جن میں صوفیہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ گو اس مضمون کا عقیدہ تو سب کو ہے کہ انسان جو کام بھی کرتا ہے خدا کے سامنے کرتا ہے، مگر اسکا مراقبہ اور استحضار دوسرا اثر رکھتا ہے۔ بس اسی مراقبہ سے تم تفاضل انبیاء کے وقت کام لو، ان شاء اللہ کلام میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔

(۴۸۳) فرمایا کہ حدیث میں ہے البلاء الی من یحبنی اسرع من السیل الی منتہاہ (یعنی جیسا سیلاب اپنی منتہا کی طرف دوڑتا ہے بلا اہلِ احسان یعنی اہلِ خلوص کی طرف اس سے بھی زیادہ دوڑتی ہے) ف مشہور ہے کہ بزرگوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور رہتی ہے۔ یہ حدیث اس کا ماخذ ہے۔ اور وجہ بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا اجر بڑھانا ہوتا ہے۔ اگر بلا نہ ہو تو وہ اعمال کا اجر تو حاصل کر سکتے ہیں، مگر بلا و مصیبت پر جو اجر ملتا ہے اس کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں اور بلا سے مراد اگر بلائے ظاہری ہو جیسا کہ متبادر یہی ہے تب تو یہ اکثری ہے کلی نہیں، کیونکہ جن بزرگوں میں ضعفِ طبیعت کے سبب جو کہ فطری ہے، تحمل نہیں ہوتا اور بلا ان کے لیے مضر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور اگر بلا سے عام مراد ہو کہ بلائے باطنی کو بھی شامل ہو تو یہ حکم کلی ہے باطنی احوال سب اہلِ طریق کو ایسے پیش آتے ہیں کہ دوسرا شخص ان کا تحمل نہیں کر سکتا، جیسے خشیت، فکرِ آخرت، ملاحظہ عظمت، اسی کو کسی نے کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حالِ شیرانے کہ شمشیرِ بلا بر سر خورند

(اے مخاطب تیرے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہیں چبھا تو ان شیر دل کا حال کیا جانے جو بلا کی تلوار سر پر کھاتے رہتے ہیں)

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اللہَ یُبْغِضُ الْحِبْرَ السَّمِیْنَ (یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں فرماتے) اس میں مراد وہ فربہی ہے جو بے فکری سے ہو، کیونکہ جو شخص عالم ہو کر آخرت سے بے فکر ہو گا وہ ضرور مبغوض ہو گا۔

(۴۸۴) فرمایا کہ حدیث میں ہے تَجِدُ الْمُؤْمِنَ مُجْتَهِدًا فِیْمَا یُطِیْقُ مُتَلَهِّفًا عَلٰی مَا لَا یُطِیْقُ (یعنی تو مومن کو اس حال میں پائے گا کہ جو عمل اپنی طاقت میں ہو اس میں کوشش کرتا ہے۔ اور جو اپنی طاقت میں نہ ہو اس پر افسوس کرتا ہے)

اس سے دو امر ثابت ہوئے کہ ایک تو یہ کہ امورِ اختیاریہ میں طاقت اور ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ امورِ غیر اختیاریہ میں اپنے کو تعب میں نہ ڈالنا چاہیئے۔ اس کے فوت ہونے پر حزن کافی ہے۔

مگر اس حزن کے درجات ہیں۔ ایک حزن معتدل جو اس عمل کے محبوب

ہونے سے اور اپنے عاجز ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو محمود ہے کہ عمل حسن کی محبت لوازم ایمان سے ہے۔ اور اپنے عجز کا مشاہدہ عبدیت کا شعبہ ہے۔ دوسرا درجہ حزن مفرط ہے جس سے قلب میں پریشانی پیدا ہو کر یاس کا غلبہ اور ہمت میں ضعف ہو جائے یہ مذموم ہے کہ مخل ہے عمل میں جو کہ مقصود تھا۔

(۴۸۵) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو تو پیر اور جمعرات کے روز بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہ السلام پر اور باپوں اور ماؤں کے روبرو جمعہ کے روز پیش کئے جاتے ہیں (یعنی ملائکہ پیش کرتے ہیں۔ اور ہر نبی پر ان کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور باپوں اور ماؤں سے مراد اصول ہیں۔ پس دادا پردادا اور اسی طرح دادی پردادی۔ نانی پرانی سب اس میں داخل ہو گئے)

پس وہ (یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور آباء وامہات) ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور خوشی سے ان کے چہرے کی چمک دمک بڑھ جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ کے کام مت کرو اور اپنے مردوں کو ایذا مت دو (یعنی جس طرح وہ حسنات سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح سیئات سے آزردہ ہوتے ہیں۔ تو ان کو آزار اپنے بداعمالیوں سے نہ پہنچاؤ۔

(۴۸۶) فرمایا کہ حدیث میں ہے تَفَقَّدُوْا نِعَالَكُمْ عِنْدَ اَبْوَابِ الْمَسَاجِدِ (یعنی مساجد کے دروازوں کے پاس پہونچ کر اپنی جوتیوں کی دیکھ بھال کر لیا کرو) کوئی گندگی وغیرہ تو نہیں لگی جس سے مسجد آلودہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

ف اس سے دو امر مستفاد ہوئے۔ ایک یہ کہ مسجد کی حفاظت کی جاوے گندگی سے، اور یہ مدلول ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ جوتیوں کی حفاظت کیجاوے کہ اپنے ساتھ لے جائے تاکہ دل پریشان نہ رہے۔

اس سے مفہوم ہوا کہ اپنی چیز کی حفاظت کا اہتمام بقدر ضرورت کرنا شغل مع اللہ کے منافی نہیں، بلکہ شغل مع اللہ کا معین ہے، ورنہ قلب اس چیز سے متعلق

رہتا، اور شغل مع اللہ میں خلل پڑتا. پس مدعیانِ طریق جو ایسے اہتمام کو خلافِ طریق سمجھتے ہیں یہ غلوِ ممنوع ہے۔

(۴۸۷) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ تین ایسے شخص ہیں جن کی مدد کرنا خدا کے ذمہ ہے۔ (۱) مجاہد فی سبیل اللہ (۲) وہ مکاتب جو بدل کتابت کے ادا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔ (۳) اور وہ نکاح کرنے والا جو عفت کی زندگی چاہتا ہو۔

(۴۸۸) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ کوئی فوج اور لشکر جو خدا کے راستہ میں جہاد کرکے سلامت آجائے اور مال غنیمت حاصل کرلے تو اس نے اپنے جہاد کا دو ثلث اجر حاصل کرلیا اور صرف ایک ثلث آخرت میں پائے گا. اور جو فوج اور لشکر ناکام رہا، خائف کیا گیا اور مصیبت پہنچایا گیا، تو اس کا اجرِ اخروی تام رہا۔ یعنی آخرت میں پورا اجر اس کو ملے گا

ف :. اس حدیث سے یہ امر بھی مستفاد ہوا کہ اگر کوئی بعد سعی و کوشش کے طریق سلوک میں ناکام رہا تب بھی اجر آخرت میں ضرور ملے گا بلکہ دوہرا اجر ملے گا۔ ایک تو سعی و کوشش کا، دوسرا ناکامی کا۔

(۴۸۹) فرمایا کہ افاضہ اور استفاضہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اوّل مستفیض کی طلب بہ شرائط کی۔ دوسرے مفیض کے عنایت و سخاوت کی۔

(۴۹۰) فرمایا کہ معاصی میں قنوط (نا امیدی) یاس پیدا کرنے کی خاصیت ہے جیسا کہ اعمال صالحہ میں رجاء (امید) پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔

(۴۹۱) فرمایا کہ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اسکی سزا جہنم ہے کہ پڑا رہے اسی میں) سے قاتل عمد کی توبہ کا مقبول نہ ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ اس میں خلود بدون قید دوام کے مذکور ہے۔ مدلول آیت کا صرف اس قدر ہے کہ قاتل عمد کو زمانۂ دراز تک عذابِ جہنم ہوگا۔ مگر کسی وقت نجات ہوجائے گی، گو مدت دراز کے بعد ہی ہو۔ اور جب وہ مستحق نجات ہے تو اسکی توبہ بھی قبول ہونی چاہئے۔

اس میں عبداللہ بن عباسؓ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں، مگر جمہور صحابہؓ کے نزدیک قبول ہے۔ پھر صحابہ کے بعد تابعین وتبع تابعین و ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اس کی توبہ مقبول ہوسکتی ہے۔ جبکہ قواعد شرعیہ سے ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ اجماع متاخر اختلاف مقدم کا رافع ہوتا ہے۔ لہٰذا اب یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

(۴۹۲) فرمایا کہ محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو، کیونکہ یہ کمال محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کیساتھ خود قائم نہیں، بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظر میں معزز ہونے کا، جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے، وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے۔ مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں، جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ بنئے کی دوکان میں میرے واسطہ غلہ آیا ہے۔ جی ہاں ذرا منہ تو ڈالو، ابھی چوہا دان آتا ہے جس سے ساری خوشی کرکری ہوجائے گی۔ پس ایک نقص تو جاہ میں یہ ہے کہ وہ سراسر دوسرے کے تابع ہے وہ ایسا کمال نہیں جو اپنے قبضہ کا ہو۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ اس سے نفع جو حاصل ہوتا ہے وہ محض وہمی ہے یعنی بڑائی وعزت۔ کیونکہ بڑائی وعزت سے نہ گھر میں روپیہ آتا ہے نہ جائیداد بڑھتی ہے۔ محض دل خوش کرلو۔

اضافہ جدیدہ :- اگر کسی کی نعمت پر کسی کو جلن ہو تو یہ سوچنا چاہیئے کہ بہت سی نعمتیں اللہ تعالےٰ نے بلا استحقاق مجھکو ایسی دی ہیں کہ اُس کو نہیں دیں تو اگر ایک نعمت اس کو دیدی تو رنج کرنا بے جا ہے۔ اس سے وہ کلفت جاتی رہیگی۔

(۴۹۳) فرمایا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک دیتی ہے) کی ایک تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نماز اہل فحشاء ومنکر کو نمازی کے پاس آنے اور اس کے بہکانے سے روک دیتی ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے۔

(۴۹۴) فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت سے اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم
نے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے۔ یہ بھی کافی ہے اور مفتاح طریق ہے

(۴۹۵) فرمایا کہ بَلٰی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا الخ (ہاں یہ (نصرت و امداد کا
دہ ہے اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو) کی شرط بتلارہی ہے کہ حمایت الٰہی
ی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں۔ اور تقویٰ کے
فی ہیں احتراز عن المنہیات اور امتثال اوامر جس میں اخلاص اور احتراز عن الریار
ن شائبۃ النفس بھی داخل ہے۔

(۴۹۶) فرمایا کہ نور فہم کسی باقی باللہ فانی فی اللہ کی صحبت کے بدون حاصل نہیں
نا، اس کے بدون علم ایسا ہوتا ہے کہ جیسے طوطے کو بعض لوگ قرآن کی سورتیں یا
رسی جملے یاد کرا دیتے ہیں۔

(۴۹۷) فرمایا کہ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَھٰذَا
وَمِنَ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ (جس نے ہماری جیسی نماز پڑھی یعنی
ب اسلام کی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا، یہ ان لوگوں میں
سے ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں)

اس حدیث سے ثبوت ذبیحۂ گاؤ کے شعار اسلام ہونے کا اس طرح ہوتا ہے
ذبیحتنا میں اضافت تخصیص ہے یعنی وہ ذبیحہ جو اسلام کے ساتھ مخصوص ہے
رظاہر ہے کہ وہ بجز ذبیحۂ گاؤ کے اور کوئی نہیں، تو پھر اس کے شعار اسلام
ونے میں کیا شبہ رہا۔

(۴۹۸) فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے
ی بات نکل گئی تھی کہ شام یا ہندوستان کا دہی یہاں کے دہی سے اچھا ہوتا
ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رؤیا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے
ہاں سے وہیں جا کر رہو جہاں کا دہی اچھا ہوتا ہے۔ صاحبو! یہ نقصان ہوتا ہے۔ اس

دربار میں پہونچ کر اپنے گھر بار یاد کرنے سے۔
اسی سے حضرت عمرؓ حج کے بعد لوگوں کو مکہ سے نکالتے تھے اور کہتے تھے یَا اَھْلَ الْیَمَنِ یَمَنَکُمْ یَا اَھْلَ الشَّامِ شَامَکُمْ وَیَا اَھْلَ الْعِرَاقِ عِرَاقَکُمْ (یعنی اے یمن والو! یمن جاؤ، اور اے شام والو! شام جاؤ، اور اے عراق والو! عراق جاؤ

(۴۹۹) فرمایا کہ تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے، جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی، وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کرسکے گا

(۵۰۰) فرمایا کہ اسلام کا ایک حسن یہ ہے کہ اس کو اپنی اشاعت کے لئے نہ زر کی ضرورت ہے نہ زور کی۔

(۵۰۱) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بال مبارک تقسیم کرنا اپنی تعظیم و عبادت کے لئے نہ تھا، بلکہ صحابہ کی محبت پر نظر کرتے ہوئے ان کے نزاع و قتال کے رفع دفع کرنے کے لئے تھا۔ اگر آپ اپنے بالوں کو دفن کراتے تو یقیناً صحابہ زمین سے ان کو نکالنے کی کوشش کرتے، اور عجب نہیں کہ قتال کی نوبت آجاتی۔

(۵۰۲) فرمایا کہ تقبیل (بوسہ دینا) حجر اسود عظمت کی وجہ سے نہیں بلکہ محبت سے ہے جیسے بیوی بچوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں، نیز اس میں ایک نفع یہ ہے کہ وہ شاہد رہے گا قیامت میں اپنے بوسہ دینے والوں کیلئے۔

(۵۰۳) فرمایا کہ اجتماع خاطر میں اجتماع ظاہر کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ صوفیہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صف غیر منتظم سے قلب کو خلجان و پریشانی ہوتی ہے۔ اسی لئے سَوُّوْا صُفُوْفَکُمْ (اپنی صفیں برابر کرو) کا حکم ہے۔

(۵۰۴) فرمایا کہ معاشرت میں ایک حکم شرعی یہ ہے کہ اپنے غلاموں کی ستر خطائیں روز معاف کرو، اس سے زیادہ خطائیں ہوں تو کچھ سزا دو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (یعنی نماز اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا)

(۵۰۵) فرمایا کہ اسلام محض اپنی حقانیت سے پھیلا ہے۔ خصوصاً عرب کی قوم جنگ جوئی میں شہرۂ آفاق ہیں، وہ کبھی اور کسی طرح تلوار کے خوف سے اسلام قبول نہ کرسکتی تھی۔ ان کے نزدیک لڑنا مرنا معمولی بات تھی، مگر دب کر دین بدلنا سخت عیب تھا۔ وہ ہرگز تلوار کے خوف سے اسلام نہیں لاسکتے تھے۔

اس پر شاید یہ سوال ہو کہ پھر جہاد کس لئے مشروع ہوا، تو خوب سمجھ لو کہ جہاد حفاظت اسلام کے لئے مشروع ہوا ہے نہ اشاعت اسلام کے لئے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اور ان دونوں کا فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جہاد کی مثال آپریشن جیسی ہے۔ کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک متعدی، دوسرا غیر متعدی۔ جو مادّہ غیر متعدی ہوتا ہے اس کو تو محللات اور رام کے ذریعہ دبا دیا جاتا ہے۔ کوئی مرہم لگا دیا، مالش کردی جس سے وہ دب گیا۔ اور متعدی مادہ کیلئے آپریشن کیا جاتا ہے اور اس کو چیر کر نکال کر پھینکا جاتا ہے۔

اسی طرح دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں، بعض تو وہ جن سے صلح کرلینی مناسب ہوتی ہے، وہ صلح کرکے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان سے صلح اور مصالحت کرلی جاتی ہے۔ بعض ایسے مفسد اور موذی ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے، یہ وہ متعدیہ ہے، ان کے واسطے آپریشن کی ضرورت ہے، اسی کا نام جہاد ہے، پس جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔

(۵۰۶) فرمایا کہ محاسن اسلام میں سے ایک امر یہ ہے کہ ہر ہر مذہب کا پورا اثر اس کے خواص متبعین میں ہوا کرتا ہے۔ پس خواص اہل اسلام (اہل اللہ وعلماء متقین) کا موازنہ دوسرے مذاہب کے خواص سے کرلیا جائے اور ان کے پاس ایک دو ہفتہ رہ کر انکی حالت کو دیکھا جائے۔ دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ ان شاء اللہ خواص اہل اسلام تمام دنیا کے مذہب کے خواص سے افضل ہوں گے۔ عبادت خداوندی، محبت الٰہی ذکر و فکر، خشیت و رغبت آخرت کا جو اثر ان میں نمایاں ہوگا کسی مذہب کے خواص میں ان کا پتہ بھی نہ ملے گا۔ اس وقت ظلمت و نور میں کھلا ہوا فرق

نظر آئے گا۔

(۵۰۷) فرمایا کہ کسی چیز میں افراط وتفریط مناسب نہیں۔ بلکہ تعدیل ہی مناسب ہے۔ اور تعدیل ہر چیز کا وہی ہے جو اس میں حکم شریعت کا ہے۔ مثلاً ہمدردی اچھی چیز ہے مگر اس کا افراط اس قدر کہ وسوسہ اعتراض علی اللہ کا پیدا ہونے لگے مناسب نہیں، جیسے کوئی بچہ بیمار ہے سخت درد سے چلاتا ہے اس پر رحم کھاکر دعا کرے اور تاخیر صحت سے اعتراض علی اللہ پیدا ہونے لگے کہ حق تعالیٰ میری دعا کو اس بچہ کے حق میں کیوں نہیں قبول کرتے یا قبول میں دیر کیوں کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس میں بھی حکمت ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ والدین تدبیر کو استعمال میں نہیں لاتے اور حق تعالیٰ کو غیظ آتا ہے کہ میری سنت عادیہ میں یہ خلل ڈالنا چاہتا ہے (کیونکہ حق تعالیٰ کی سنت عادیہ یہی ہے کہ اختیار اسباب پر مسبب کو مرتب فرماتے ہیں) اور ایسے وقت میں حکم شریعت کا یہی ہے کہ تدبیر کی جائے اور تدبیر کے مؤثر بنانے کے لئے دعا بھی کی جائے۔

(۵۰۸) فرمایا کہ خدا کا کلام سب سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ حالات کا سب سے زیادہ علم اسی کو ہے۔ پھر وہ با اختیار مالک ہے اور تمام اشیاء میں خود مؤثر ہے۔ کوئی کیفیت اس پر غالب نہیں، اس لئے جو حکم اس کی طرف سے صادر ہوگا وہ نہایت کامل ہوگا نہ اس کے احکام بہت سخت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس پر کیفیت غضب غالب نہیں نہ بہت نرم ہو سکتے ہیں کیونکہ اس پر کیفیت رحمت غالب نہیں، بلکہ وہ باختیار خود قہار ہے اور باختیار خود رحیم وکریم ہے۔ کسی صفت میں مجبور یا مغلوب نہیں

پس معلوم ہوا کہ جو کلام خداوندی ہے اس کے تمام احکام افراط وتفریط سے پاک ہوں گے یہی وجہ ہے کہ شریعت کا پابند ہونا ہر بشر پر لازم ہے۔ کیونکہ وہ احکام سب کی مصالح کو جامع ہیں۔ نیز ہماری یہ حالت مشاہد ہے کہ جو کیفیت شدید ہوتی ہے وہ ہم کو مغلوب کر دیتی ہے اس لئے ہم کو شریعت الٰہی کی پابندی ضروری ہے تاکہ ہم اعتدال پر قائم رہ سکیں۔ واقعی شریعت کی تعلیم میں غایت تعدیل ہے۔

(باقی آئندہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شب برات احادیث نبویہ کی روشنی میں

اِذَا کَانَ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِطَّلَعَ اللّٰهُ اِلٰی خَلْقِهٖ فَیَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیُمْلِیْ لِلْکَافِرِیْنَ وَیَدَعُ اَهْلَ الْحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتّٰی یَدَعُوْهُ (جامع الصغیر صحیح لناصر الدین البانی ج ۱-ص ۲۷۲، بحوالہ بیہقی فی "شعب الایمان" عن ابی ثعلبة الخشنی وطبرانی فی الکبیر عن ابی عاصم) "حضرت ابو ثعلبہؓ خشنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصف شعبان کی شب کو اللہ رب العزت اپنی مخلوق کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور تمام مومنین کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور کفار کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح کینہ وبغض رکھنے والے مغفرت سے محروم رہتے ہیں تا آنکہ یہ لوگ کینہ پروری چھوڑ نہ دیں۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ (جامع الصغیر صحیح لناصر الدین البانی، ج ۲-ص ۱۲۸، بحوالہ ابن ماجہ عن ابی موسی۔ وابن حبان فی "صحیحه" عن معاذ) حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ رب العزت متوجہ ہوتے ہیں اور جملہ مخلوق کی مغفرت فرما دیتے ہیں بجز کسی مشرک اور... کینہ رکھنے والے شخص کے۔" رَوَی الْبَیْهَقِیُّ مِنْ حَدِیْثِ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ: هٰذِهٖ لَیْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلّٰهِ فِیْهَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُوْرِ غَنَمِ کَلْبٍ وَلَا یَنْظُرُ اللّٰهُ فِیْهَا اِلٰی مُشْرِكٍ وَلَا اِلٰی مُشَاحِنٍ وَلَا اِلٰی قَاطِعِ رَحِمٍ وَلَا اِلٰی مُسْبِلٍ وَلَا اِلٰی عَاقٍّ لِوَالِدَیْهِ وَلَا اِلٰی مُدْمِنِ خَمْرٍ (الترغیب والترهیب ج ۲ ص ۱۱۸) "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اور کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے اس میں اللہ تعالیٰ اتنے لوگوں کو جہنم سے نجات دیگا جتنے قبیلہ کلب کے... بکریوں کے بال ہیں (قبائل عرب

میں اس قبیلہ کی بکریاں سب سے زیادہ تھیں) مگر چند اشخاص کی جانب نظر رحمت نہیں ہوتی ہے یعنی مشرک، کینہ ور اور ... قطع رحمی کرنے والا اور پاجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنیوالا اور شراب نوش۔ اسی طرح بعض روایات میں ان لوگوں کا بھی استثنار آیا ہے: ظلم سے محصول لینے والا، جادوگر، غیب کی خبریں بتلانیوالا (جیسے آجکل فال والے اور ناجائز عملیات وحاضرات والے کرتے ہیں) عریف یعنی ہاتھوں کے خطوط یا دیگر آثار دیکھکر غیب کی چیزیں بتلانے والا، ظالم سپاہی اور طبل وچوسر والا طنبور والا اور اسی طرح ناحق قتل کرنے والا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ قَدْ قُبِضَ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ قُمْتُ حَتّٰى حَرَّكْتُ اِبْهَامَهٗ فَتَحَرَّكَ فَرَجَعْتُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ: اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ اِلَيْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَفَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ قَالَ: يَا عَائِشَةُ يَا حُمَيْرَاءُ ..... اَتَدْرِيْنَ اَيَّ لَيْلَةٍ هٰذِهٖ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ: هٰذِهٖ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَطَّلِعُ عَلٰى عِبَادِهٖ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِيْنَ وَيَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِيْنَ وَيُؤَخِّرُ اَهْلَ الْحِقْدِ كَمَا هُمْ (ترغیب ج ۲، ص ۱۱۹ بحوالہ بیہقی) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے کھڑے ہوئے، نماز شروع کی سجدے میں پہنچے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہوا کہ شاید خدانخواستہ آپ کی روح قبض ہوگئی یہانتک کہ میں پریشان ہوکر اٹھی اور پاس جاکر آپ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو آپ نے کچھ حرکت فرمائی (جس سے مجھے اطمینان ہوگیا) اور میں اپنی جگہ لوٹ آئی تو میں نے آپ کو سجدے میں یہ دعا مانگتے ہوئے سُنا:۔ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ اِلَيْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ" یا اللہ میں تیرے عقاب سے تیرے درگذر کرنیکی پناہ لیتا ہوں۔ اور تیرے غصہ سے تیری رضامندی

کی پناہ لیتا ہوں. تجھ سے[۵] تیری ہی پناہ مانگتا ہوں، میں تیری پوری تعریف نہیں کرسکتا. تو ویسا ہی ہے جیسے تونے اپنی تعریف کی ہے" جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو (تھوڑے سے کلام کے بعد فرمایا) کہ تم جانتی ہو یہ کونسی رات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے. آپؐ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے. خداوند عالم اس رات کو اپنے بندوں کی طرف خاص توجہ فرماتے ہیں. اور مغفرت مانگنے والوں کو مغفرت اور رحم کی دعا کرنیوالوں پر ..... رحم فرماتے ..... ہیں، مگر آپسمیں کینہ رکھنے والوں کو اسوقت بھی انھیں کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں .....

رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا ..... لَيْلَهَا وَصُومُوا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ يَنْزِلُ فِيهَا لِغُرُوبِ الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ: أَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ أَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَأَرْزُقَهُ أَلَا مِنْ مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ أَلَا كَذَا أَلَا كَذَا حَتَّىٰ يَطْلُعَ الْفَجْرُ (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۲۰۳ - ترغیب ج ۲، ص ۱۱۹، بحوالہ ابن ماجہ)

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب نصف شعبان کی رات آئے تو رات کو جاگو اور نماز پڑھو اور دن کو روزہ رکھو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ..... اس رات کو غروب آفتاب کے وقت سے ہی نیچے کے آسمان پر تجلی فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ ہم اسکی مغفرت کردیں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ ہم اس کو رزق دیں، ہے کوئی گرفتار بلا کہ ہم اس کو مصیبت سے نجات دیں، یہ صدائے عام برابر اسی طرح جاری رہتی ہے یہانتک کہ صبح صادق ہوجائے۔

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: هَلْ تَدْرِيْنَ مَا هٰذِهِ اللَّيْلَةُ؟ يعني لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ. قَالَتْ: مَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُودٍ (من) بَنِي آدَمَ فِي هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هٰذِهِ السَّنَةِ، وَفِيهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ، وَفِيهَا تَنْزِلُ أَرْزَاقُهُمْ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ؟ فَقَالَ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا

---

۵ یعنی آپ کی صفات جمال کے واسطہ سے آپ کی صفات جلال سے پناہ مانگتا ہوں۔

بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثَلَاثًا، قُلْتُ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى هَامَتِهٖ فَقَالَ: "وَلَا أَنَا، إِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ"، يَقُوْلُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (مشکوۃ ج ۱-ص ۴۰۸ بحوالہ بیہقی فی الدعوات الکبیر) "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم جانتی ہو اس رات میں یعنی ماہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمایئے کیا ہوتا ہے؟ فرمایا۔ اس رات میں ہر ایسے بچہ کا نام لکھ دیا جاتا ہے جو آنیوالے سال میں پیدا ہونیوالا ہے، اور ہر اس شخص کا نام لکھدیا جاتا ہے جو آنیوالے سال میں مرنیوالا ہے (اللہ رب العزت کو تو ہر شئ کا علم ہے، البتہ انتظام میں لگنے والے فرشتوں کو اس رات میں ان لوگوں کی فہرست دے دی جاتی ہے) اور اس رات میں نیک اعمال اوپر اٹھائے جاتے ہیں (یعنی درجۂ مقبولیت میں لے لئے جاتے ہیں) اور اس رات میں لوگوں کی روزیاں نازل ہوتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، جنت میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ مگر اللہ کی رحمت ہی سے؟ آپنے تین بار فرمایا: ہاں ایسا کوئی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل ہو جائے، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اور آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہ جائیں گے؟ یہ سنکر آپ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور تین بار فرمایا: میں بھی جنت میں نہ جاؤں گا مگر اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات نظروں کے سامنے ہیں، اور شب برأت کے فضائل واحکام روز روشن کی طرح عیاں ہیں، ذرا ڈھونڈھیئے اور غور کیجئے تو ادنیٰ سے تامل کے بعد اس مقدس شب ومخصوص ساعت کے مسنون اعمال اور دور حاضر کی مروجہ بدعات کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

اس مہتم بالشان شب کی فضیلت واہمیت تو مذکورہ بالا احادیثِ نبویہ سے واضح ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا۔ . . . کہ اس شب میں حسب ذیل اعمال مسنون ومستحب ہیں

(۱) رات کو جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر وتلاوت میں مشغول رہنا۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے مغفرت و عافیت اور اپنے مقاصد دارین کی دعا مانگنا۔
(۳) اس رات کو کبھی کبھی تنہا قبرستان میں جانا اور مُردوں کیلئے دعا و استغفار کرنا۔
(۴) اسکی صبح کو یعنی پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

چونکہ یہ رات نہایت بابرکت ہے اس لئے حضرات صحابۂ کرام اور تابعین اس رات میں جاگتے اور اعمال مسنونہ پر عمل کرتے ۔ علامہ ابن الحاج مکی تحریر فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اس رات کی .... بڑی قدر کرتے اور اس کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے (مدخل)

ان اوراق میں جہاں ان اعمالِ مسنونہ کا ذکر ہے، وہیں ایسے افعال و اوصاف کا تذکرہ بھی موجود ہے جن کی وجہ سے اللہ رب العزت کی رحمت و مغفرت سے محرومی ہی رہتی ہے اگرچہ مذکورہ احادیث میں ان اعمال و اوصاف کا ذکر گزر چکا ہے، تاہم ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کا خلاصہ ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیے :۔

(۱) اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک سمجھنا۔ (۲) کسی مسلمان بھائی سے کینہ رکھنا (۳) عزیزوں، رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا۔ (۴) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۵) شرابی ہونا۔ (۶) ظلم سے محصول یا رشوت لینا۔ (۷) جادو کرنا۔ (۸) غیب کی خبریں بتلانا (۹) فال وغیرہ نکالنا۔ (۱۰) ہاتھ کی لکیریں دیکھکر غیب کی چیزیں بتلانا۔ (۱۱) طبل یا طنبور بجانا۔ (۱۲) چوسر کھیلنا۔

دعا و استغفار، تسبیح و مناجات، صلوۃ و سجود، ندامت کے بہتے ہوئے آنسو، عفو کی طلب نحوست اعمال سے لرزاں و ترساں...... رزق کا سوال، مقاصد دارین کی درخواست ابتدائے شب سے صبح تک خوف و رجا کی کیفیت، یہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین رحمہم اللہ کی شب برات، اور اسی پر عمل کرتے ہوئے وہ دنیا سے رخصت بھی ہوئے، نہ وہاں آتش بازی کی دھوم تھی نہ چراغاں کی رسم، نہ مساجد میں اجتماع و شور و شغب تھا نہ ہی عبادت کے نام پر..... بازاروں و سڑکوں پر گشت، و تفریح تھی، نہ رسم حلوہ کا وجود تھا اور نہ ہی گھروں کی اہل ہنود کی طرح لیپ پوت تھی، مگر..... آج حالات برعکس ہیں..... احادیث میں جن اعمال مسنونہ کی نشاندہی کی گئی ہے، ان اعمال کو

پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ اور نتیجتاً شیطان نے بدعت و گمراہی کے میدان میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا ہے۔ ترکِ سنّت کی اسی ہمہ گیری، دین و شریعت کے اسی تنزل و انحطاط اور عام بے دینی و بے حسی کی فضا دیکھ کر مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے قلم سے یہ خونچکاں جملے نکلے :- "وَاوَیْلَاہُ، وَاحُزْنَاہُ، وَامُصِیْبَتَاہُ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العٰلمین است اتباع او ذلیل و خوارند و دشمنان او باعزت و اعتبار"۔ ہائے رے افسوس! ہائے رے مصیبت! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں ان کے نام لیوا ذلیل و خوار ہیں اور ان کے دشمن باعزت ہیں۔

صد حسرت! کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سلف عظام کے متواتر تعامل کے باوجود کچھ لوگ جواز و عدم جواز کے الجھنوں میں پڑ کر ۔ ۔ ۔ ۔ اس شب کی خیر و برکت سے محروم رہتے ہیں۔ اور بعض دیگر رات بھر جاگتے چلتے پھرتے ہیں ۔ ۔ ۔ مگر ثواب و رحمت سے محروم خسران دنیا و آخرت کے مستحق ٹھہرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

کاش! ہماری آنکھیں کھل جاتیں اور ذہن میں یہ نکتہ تہ نشین ہو جاتا کہ دین و شریعت کی اشاعت، سنتوں کے فروغ اور ان پر عمل ہی تمام مصائب و آفات، دینی و دنیوی پریشانیوں کا علاج و مداوا ہے۔

آج عالمگیر غفلت و جہالت و اعراض عن السنت کی وجہ سے دنیاوی شوکت تو ہم مسلمانوں سے رخصت ہی ہو چکی، لے دے کر یہ سرمایۂ دین رہ گیا ہے، مگر اس میں بھی کمال اتباع نہ ہونے کی وجہ سے نہ ہم مشرقی ہی ٹھہرے نہ مغربی ۔ ۔ ۔ ۔ بقول شاعر

نئی نئی آنکھیں لگی ہی ہیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مغربی ہے نہ مشرقی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

اللہ رب العزت ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات اور محدثات کی نحوستوں سے محفوظ رکھے اور شبہائے مبارکہ کی رحمتوں سے حصۂ وافر عطا فرمائے کہ پھر

ع　یہ گل کہاں، آشیاں کہاں، بہار کہاں

لیلۃ مقدسہ میں اپنے رب کے حضور میں مندرجہ ذیل التجائیں ضرور پیش کریں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَاَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُبِكَ
لكَ جَلَّ وَجْھُكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ "یا اللہ میں تیرے عقاب
، تیرے درگزر کرنیکی پناہ لیتا ہوں. اور تیرے غصہ سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں۔ اور تجھے
ں ہی پناہ مانگتا ہوں، برتر ہے تو، میں تیری تعریف پوری نہیں کرسکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے
ں تعریف کی ہے"۔

' اللہ! تمام اہلِ اسلام کی سیأت سے درگزر فرما، ان کے حالات کی اصلاح فرما۔ یا اللہ!
ِ اسلام کے دلوں میں الفت ومحبت، اتحاد واتفاق پیدا فرما۔ یا اللہ! ہم کو اپنی اطاعتِ
لہ اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ہمارے قلوب میں
بداری پیدا فرما، اور ہماری غفلتوں اور شامتِ اعمال کو دور فرما۔ یا اللہ! ہم پر جو بے حسی
ری ہے اسے دور فرما، ہمیں ہدایت، عزت اور عافیت عطا فرما۔ یا اللہ! دشمنانِ اسلام کی
زشوں سے اہلِ اسلام کی اور ممالکِ اسلامیہ، مقاماتِ مقدسہ اور حرمین شریفین کی حفاظت فرما۔
اللہ! کفار ومشرکین، یہود ونصاریٰ اسلام اور اہلِ اسلام کے مٹانے کے درپے ہیں اُنپر اپنی
نت برسا، انکی تدبیریں ملیامیٹ کردے، ان کے جتھے منتشر کردے، انکی جماعت اور اتحاد کو
ہ پارہ کردے، انکی طاقت اور قوت کے پرخچے اڑادے۔ یا اللہ! ان کے آپس میں پھوٹ
ل دے، انکے پیر ہلادے، یا اللہ! دشمنانِ اسلام کے دلوں میں رعب ڈالدے، ان کو
ذاب شدید میں پکڑلے۔ یا ارحم الراحمین! امتِ مسلمہ پر رحم فرما، ہم آپکے نبی الرحمۃ
لی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں. آپ کے صدقہ ہم سب پر رحم فرما، اور کفار کے ظلم وستم سے نجات
طا فرما۔ یا اللہ! تمام عالم میں جہاں جہاں مسلمانوں پر تباہیاں اور بربادیاں آرہی ہیں انپر

رحم فرما، یہ سب ہمارے شامتِ اعمال کی صورتیں ہیں، ہمارے پروردگار! ان کو اپنی رحمت سے بدل دے۔ یا اللہ! ہندوستان اور تمام عالم کے مسلمانوں کی امداد اور نصرت فرما اور دشمنوں پر غلبہ عطا فرما۔ یا اللہ! اہلِ اسلام اور ممالکِ اسلامیہ کو دشمنوں کی سازشوں اور غلبہ سے نجات دے، ان کے دامِ فریب کو بے اثر اور بودا بنا دے، انکی ریشہ دوانیوں سے اہلِ اسلام کو آگاہ اور ہوشیار کردے، انکی قوت کو پارہ پارہ اور فنا کردے، انھیں ذلت آمیز اور رسواکن عذاب سے دوچار کردے، ایسا عذاب جو اوروں کیلئے باعثِ عبرت ہو۔ یا اللہ! تمام عالم میں جہاں جہاں اہلِ اسلام کا لشکر اور مجاہدوں کا دستہ تیرے پُرعظمت نام کا سہارا لیکر تیری ذاتِ ذیشان پر اعتماد اور بھروسہ کرکے کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ سے برسرِپیکار ہے ان کو فتح ونصرت سے ہمکنار کردے اور ان کے مدِمقابل دشمنوں کو نیست ونابود کردے وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا

یا اللہ! ہر طرح کے مصائب وآلام سے، ہر طرح کے حادثات وسانحات سے، ہر طرح کے شر وفساد سے، ہر طرح کے آلام وآزار سے ہماری اور ہمارے اہل وعیال کی، ہمارے دوست واحباب کی، ہمارے اعزہ واقارب کی اور تمام مسلمانوں کی حفاظت فرما اور عافیتِ دارین نصیب فرما۔ یا اللہ! ہمارے وجود کو دنیا اور آخرت کے دردناک عذاب اور عبرتناک آزمائش سے بچا لیجئے اور ہمارے ساتھ اپنے لطف ورحم کا معاملہ فرمائیے۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
اَللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
اَللّٰهُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ
اَللّٰهُمَّ انْصُرْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَرَحْمَةٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۲-۳ فروری، مارچ سنہ ۱۹۹۳ء جلد ۱۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۲-۳ شعبان، رمضان سنہ ۱۴۱۳ھ مطابق فروری، مارچ سنہ ۹۳ء جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ: چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک :- پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ۲۵/۲۲- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۲۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہرماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

سال رواں یعنی سنہ ۹۳ء کا سالانہ زرِ تعاون صرف ساٹھ روپیہ اور ششماہی پینتیس روپیہ ہے۔ لہٰذا اپنا زرِ تعاون اوّلین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"نہ کہیں جہاں میں اماں ملی ....."

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○ (روئے زمین پر جو اکثریت میں ہیں (گمراہ ہیں) اگر ان کا کہا مان لیا جائے تو وہ اللہ کے راستے سے گمراہ کر دینگے، یہ محض وہم و گمان کے پیروکار ہیں اور اٹکل کے تیر چلاتے ہیں)

بابری مسجد کی شہادت اور اسکے بعد ملک گیر فسادات اور اس میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی پامالی فتنۂ تاتار اور حادثۂ اسپین سے کم نہیں۔ ظلم کے نئے طریقے اور ستم کے شرمناک انداز جو آزمائے گئے وہ مستقبل میں مزید سنگینی کی طرف اشارہ کناں ہیں۔ بابری مسجد کا انہدام اور اس کے بعد ملک گیر مسلم کش فسادات، اکثریت کی فتح اور غلبہ کا جشن اظہار تھا، لیکن ان بے خبروں کو علم نہیں کہ بابری مسجد شہید نہیں ہوئی بلکہ اس ملک کے جمہوریت کا نام نہاد ڈھانچہ زمیں بوس ہوگیا، مسجد کسی عمارت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ زمین جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت (فرض عین نماز) کی ادائگی کیلئے وقف کر دیا اور اس پر اذان و جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لی گئی تو یہ زمین رہتی دنیا تک مسجد رہیگی۔ مذہب حنفی کی معروف و مستند کتاب طحطاوی علی الدر میں ہے وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ فِي تَحَقُّقِ كَوْنِهِ مَسْجِدًا الْبِنَاءُ ج۲ ص۲۳ (یعنی جان لینا چاہئے کہ مسجد کے تحقق اور مسجد قرار دیئے جانے کیلئے بنا (یعنی تعمیر شرط نہیں) ہندوستان کیا سارے عالم کے مسلمان بھی اب اگر اسکی نوعیت بدلنا چاہیں تب بھی بدل نہیں سکتے یہ زمین انسانی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو گئی۔ لہٰذا انسانی اختیار ختم ہو گیا، اس پر عمارت کسی بھی انداز کی بنے وہ مسجد کی زمین پر بھی جائیگی اور مسجد رہیگی۔ کعبۃ اللہ جس میں سالہا سال بت رکھے رہے لیکن وہ ہمیشہ بیت اللہ ہی رہا۔ جب حق کا غلبہ ہوا تو یہ عمارت نجاستوں سے پاک و صاف کر دی گئی، اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا سلسلہ شروع ہو گیا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا جب بھی قوت و طاقت اور صلاحیت خدائے ذوالجلال کی جانب سے عطا ہوگی تو انشاء اللہ اسکی بھی تطہیر ہو جائیگی۔ ؎

اے دورِ بتاں، دورِ فتن، دورِ غلامی	پیمانہ تری عمر کا ہم بھر کے اٹھیں گے

بابری مسجد کی شہادت، عدالتوں کے فیصلے، ملک بھر میں ہونے والے حادثات، مشینری کا رویہ اور ارباب اقتدار کے بیانات نے اس ملک میں جمہوریت کا ڈھانچہ اور سکولرزم کی دعوؤں کی عمارت زمیں بوس کر دی اور

؎ کیونکہ یہ ازالۂ منکر کا ایک فرد ہے اسلئے اسکا مدار قدرت پر ہے لہٰذا اہل قدرت پر واجب ہے، اور اگر قدرت نہیں تو دل

ساتھ ہی وہ پردہ بھی اٹھ گیا جو جنگ آزادی کی ابتدا سے عقلوں پر پڑا ہوا تھا کہ قومیت وطن سے بنا کرتی ہے۔ یہ ایک پرفریب اور جھوٹا نعرہ تھا۔ اسلامی تعلیم اور تاریخ کے قطعاً منافی۔ آج کے حالات بتا رہے ہیں کہ اتحاد و اخوت کا معیار مذہب ہے نہ کہ وطن، یہ مذہبی اخوت تھی جس نے ابوبکر صدیقؓ کو بلال حبشیؓ و صہیبؓ رومی کی حمایت کیلئے اپنے ہموطن اور اعزہ و اقارب کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اپنے اسلامی بھائی کے تحفظ کیلئے اپنے حقیقی بھائی پر تلوار اٹھائی گئی، مذہب ہی وہ نقطۂ ارتکاز ہے جو جغرافیائی حدود اور پابندیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور عرب و عجم، افریقہ و یورپ اور مشرق و مغرب، شمال و جنوب سب کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ اسی بنا پر ہمارے وہ اسلاف جنھیں مومنانہ فراست اور بصیرت حاصل تھی ان کی نگاہیں "ملت از وطن ست" کے پرفریب نعرے اور ملمع شدہ لبادے کے وہیے اصل حقیقت اور بھیانک روپ کو دیکھ رہی تھیں، اور یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ مسلمان اقلیت میں ہونے کی بنا پر اپنی معاشرۃ، اپنا تشخص، اپنی زبان حتیٰ کہ اپنے دین و ایمان سے بھی بے بہرہ کر دیئے جائینگے آج وہ خدشات اور خیالات حقیقت بن کر سامنے ہیں، اکثریت طاقت کے زعم میں اقلیت کو پسماندہ اور اپنا دست نگر بنانا چاہتی ہے، ہماری آواز کوئی آواز نہیں، ہمارے جان و مال کی کوئی قیمت نہیں، ہمارے ثبوت، دلائل اور شواہد ان کے جذبات، خیالات اور تمناؤں کے سامنے بے وقعت اور بے وزن ہیں جب حکمراں اور عدالتیں جذبات کے آگے حقائق سے روپوشی اختیار کریں۔ فیصلوں میں انصاف مدنظر نہ ہو، اقتدار اعلیٰ کے مالک کسی اخلاقی ذمہ داری کو محسوس نہ کریں، بیان میں پینترے بازی ہو اپنے دعوے اور عہد پر پورا نہ اتریں، مسلمانوں کے مسئلہ میں کوئی ضابطہ کا پابند نہ ہو، ان کے قتل و خون پر نہ قانونی بندش ہو اور نہ گرفت۔ شہریوں کی حفاظت کے ذمہ دار صرف ایک فرقہ کی سنیں، ایک آواز بولیں اور ایک ہی طرح کا عمل اور ظلم و جور کا مظاہرہ کریں تو کیا اب بھی وہ فرسودہ نظریات اور اسلام منافی عقائد یقین کے لائق ہیں

آزادی کے بعد سے آج تک اس ملک کی سرکاری مشینری کا رویہ سراسر یکطرفہ رہا ہے۔ یہ جانبداری اب اس حد تک تجاوز کر گئی ہے کہ اب یہی افراد براہ راست قتل و غارت گری میں ملوث رہتے ہیں۔ اگر اسکی شکایت حکام یا افسران بالا اور وزرا تک لے جایئے تو وہ آپ ہی کو ملزم ٹھہرا کے اپنے تنخواہ دار لٹیروں کو توصیفی سند عطا فرمائینگے۔ بابری مسجد میں مورت رکھنے سے لیکر اسکی عمارت

ہادت تک جتنے عمل ہوئے وہ سب اس معتبر، لائق بھروسہ اور قومی یکجہتی کے علمبردار اور مساوات
ے ٹھیکیدار جماعت کے دور اقتدار میں ہوئے جن کی انسان دوستی، انصاف پسندی اور بھائی چارگی
رمسلمانوں کو سب سے زیادہ اعتماد تھا

موجودہ صورت حال اور اس پر مرتب ہونے والے مستقبل سے ہر ذی ہوش فکرمند اور مضطرب ہے عقل ماؤف ہے اور ذہن و دماغ معطل، ہر طرف سراسیمگی اور پریشانی کا عالم ہے۔ اکناف ہند سے آنے والی خبریں خون کے آنسو رلانے والی اور جگر کو پاش پاش کر دینے والی ہیں۔ کشمیر سے کنیا کماری تک جل رہا تھا، لٹ رہا تھا اور تڑپ رہا تھا، آگ و خون کا دریا تھا جو بہہ رہا تھا، ظلم و ستم کی آندھی تھی جو چل رہی تھی، مذہبی جذبات جنون بن کر چھا رہے تھے۔ ارباب حل و عقد اور اصحاب نظم و ضبط کی رگوں میں بھی نفرت و انتقام کا زہر گردش کر رہا تھا، منصف، حاکم، قاتل اور محافظ میں تفریق مشکل تھی، شخصیت ایک تھی لبادے بدل رہے تھے، خود شہر ایودھیا جس کے معنی (یدھ نہیں) جنگ نہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق "شہر امن" ہے وہاں ظلم و سفاکی کا وہ مظاہرہ تھا، قتل و خون ریزی کی وہ فضا تھی اور وحشت و بربریت کا وہ ماحول گرم تھا جس کی نظیر ظلم و ستم کے بدترین دور میں بھی نہیں ملتی۔ یقیناً افریقہ کا سب سے خطرناک درندوں بھرا جنگل بھی اس دن مسلمانوں کیلئے اجودھیا سے زیادہ محفوظ تھا، سبزی خور انسان خونخوار درندوں سے زیادہ سفاک تھے اہنسا کے پجاری، شانتی کے علمبردار اور "جیو ہتیا" سے نفرت کرنے والے اپنے تمام ظاہری لبادوں سے باہر ہو کر اپنے اصل روپ سے روشناس کر رہے تھے۔ اب تصنع اور بناوٹ کا جامہ چاک ہو چکا ان کے پوشیدہ مقاصد اور خفیہ ارادے سب ظاہر ہو چکے، اب تو رسم ظاہرداری و رواداری بھی اٹھ گئی، نہ کہیں سے انصاف کی امید ہے اور نہ ہی داد رسی کی آس، ظلم کی فریاد لیکر کہاں جائیں قتل کا دعویٰ کس پر کریں، اپنے تحفظ کیلئے کس کو پکاریں؟ انھیں حاکموں اور حکمرانوں کے پاس؟ جن کے اشاروں پر یہ سارے کھیل کھیلے گئے ہیں جو بالواسطہ یا براہ راست ان تمام واقعات کے ذمہ دار ہیں، انکی آستینوں میں ابھی تک خون آلود خنجر چھپا ہوا ہے اور ان کے دامن پر لہو کے داغ ابھی تک موجود ہیں؟ یہ سوال ہر خاص و عام کے ذہن میں پیدا ہو رہا ہے، کیا اب آئندہ اس ملک میں ہماری جان و مال کو تحفظ ہمارے دین و ایمان کے ساتھ حاصل ہوگا؟ مساجد، مدارس اور خانقاہیں محفوظ رہیں گی؟

اب معاملہ اس حد کو پہنچ گیا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسے وقتی شورش کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا

اب غفلت کی انتہا موت، تباہی اور ویرانی بن سکتی ہے۔ مرض کے ازالہ کی تدبیر بھی کرنی ہے اور بیماری کا سبب بھی تلاش کرنا ہے، دوا کیساتھ ساتھ پرہیز بھی لازم ہے ورنہ علاج غیر مؤثر رہیگا اور بے نفع ہوگا اگر ہم خواب غفلت سے نہیں جاگے تو وہ وقت دور نہیں کہ "ہماری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں"۔ مال بھی گیا، جان بھی گئی، عزت بھی گئی، شوکت بھی گئی۔ اگر "رند کے رند رہے تو ہاتھ سے جنت بھی گئی"

ہمارے درد کا درماں اور مشکلات سے نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اپنا رشتہ اپنے رب سے مضبوط کریں، جو رشتہ مسلسل جرم اور پیہم معصیت کی وجہ سے ٹوٹ گیا یا کمزور ہوگیا اسکو استوار کریں، علانیہ اور پوشیدہ گناہوں سے مکمل اجتناب کریں! ارشاد خداوندی ہے:- وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ٥ (اور تم ظاہری اور باطنی (ہر قسم کے) گناہوں کو چھوڑ دو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں انکو ان کے کرتوت کی عنقریب سزا ملیگی)

ارشاد ربانی کے مطابق پیش آمدہ مصائب و مشکلات انسانوں کے اعمال کی پاداش ہوا کرتی ہیں اور ان پر ظالم حکمراں مسلط کردیئے جاتے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥

... نادر شاہ کے عہد میں جب دلی میں کشت و خون، لوٹ مار اور تباہی و بربادی کا بازار گرم تھا تو عارف ربانی مرزا مظہر جانجاناںؒ نے فرمایا تھا کہ شامت اعمال ما صورت نادر گرفت ... دوسروں پر سب و شتم سے پہلے اپنا جائزہ لیں، ذرا غور کریں! روزمرہ کی زندگی، قول و فعل اور حرکت و عمل کو دیکھیں کتنے عمل اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوتے ہیں، اور کتنے عمل اسکی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں، دین سے انحراف اور گناہوں پر اصرار مجرمین اور ظالمین کے صف میں تو کھڑا نہیں کر رہا ہے، ہماری معصیت سرکشی اور عدوان کی حد کو تو نہیں پہنچ گئی ... حضرت اقدس عارف باللہ مصلح الامۃ قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:- "آجکل ہر طرف سے مسلمانوں پر جو تباہی آرہی ہے کہ انکے نہ مال محفوظ ہیں، نہ جان نہ عزت محفوظ ہے نہ آبرو، حتیٰ کہ ان کی مسجدوں کی بھی بےحرمتی کی جارہی ہے، ان کے اسلاف کے شان میں زبان درازیاں کی جارہی ہیں۔ اپنی تباہی اور ذلت و رسوائی آئے دن دیکھ رہے ہیں اور اس پر پریشان ہوکر چیخ و پکار بھی کر رہے ہیں، مگر افسوس اس تباہی کے اسباب پر انکی نظر نہیں پہونچتی، اور ان کے گھر میں جو خدا کی کتاب موجود ہے جو قیامت تک کیلئے رہنما بنکر آئی ہے اس سے راستہ نہیں پوچھتے۔ اگر آج مسلمان قرآن کو دیکھیں اور خدا تعالیٰ نے پچھلی امتوں کی تباہی کے جو اسباب بیان فرمائے ہیں ان سے اپنی حالت کا موازنہ کریں تو خود ہی وہی حالت پائیں گے جو تباہ ہونیوالی

امتوں کا اپنے اپنے زمانہ میں تھا، ان گذشتہ امتوں پر ان کے انہماک فی المعصیۃ کے سبب کیسا کیسا عذاب آیا اور آج اپنا حال دیکھ لیجئے کہ اپنے دین کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہے؟ عقائد صحیحہ یعنی توحید و رسالت اور آخرت کے بارے میں ہمارے یقین کا کیا حال ہے؟ فرائض کی بجا آوری اور اتباع سنت کے باب میں ہمارا کیا عمل ہے؟ اسکے برخلاف رسومات واہیہ اور مشاغل نفسانیہ میں ہم کس طرح پیش پیش ہیں؟ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ ان امتوں کی طرح عذاب عامہ سے یہ امت محفوظ ہے ورنہ عمل کی رو سے ہمارا حال ان سے اگر زیادہ خراب نہیں ہے تو کم بھی نہیں ہے۔ خدا کی ناراضگی بہت ہی ڈرنے کی چیز ہے۔ یہ جتنی مصیبتیں اور پریشانیاں نازل ہورہی ہیں صرف اسی وجہ سے ہیں کہ ہم نے اپنے خدا کو ناراض کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ "یعنی تم پر جب کوئی مصیبت پہونچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے"۔ حدیث شریف میں ہے اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ "یعنی تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمراں ہیں"۔ اگر اچھے عمل کروگے تو اچھے حکام تم پر مقرر ہونگے اور اگر برے عمل کروگے تو برے اور ظالم حاکم تم پر مسلط کردیئے جائینگے۔ لہٰذا جب بھی حکام کا جور وستم دیکھو تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو وہی مدبر حقیقی ہے چاہے تو دشمن کو دوست کردیں یا دوست کو دشمن۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ تم پریشان کیوں ہو، صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو! فرعون کے مظالم سے تنگ آکر بنی اسرائیل نے جب موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا "اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو"۔ مسلمان پریشان ہیں ادھر ادھر کے اسباب اپنے بچاؤ کیلئے اختیار کرتے ہیں مگر میں حقیقی تدبیر بتا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ درست کرو۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے میں لگ جاؤ وہ چاہتے ہیں تو دشمن ہی سے حفاظت کا کام لے لیتے ہیں غیب سے امداد بھیج دیتے ہیں۔ ان کے پاس ایسے لشکر ہیں جو نظر بھی نہیں آتے اور کام کرجاتے ہیں۔ مسلمانو! تم تھوڑے نہیں ہو اپنے ہوش درست کرو اگر تمہارا ایمان تھوڑا ہوگیا ہے تو اسکو پورا کرو! ہمیشہ خدا نے مسلمانوں کی امداد فرمائی ہے۔ آج بھی امداد ہوگی، خدا کی طرف توجہ کرتے جاؤ۔ "تم خدا کے دین کی مدد کروگے تو خدا تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدموں کو جما دیگا" مسلمانو! ایمان مضبوط کرتے جاؤ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ "اے مسلمانو! نہ ہمت ہارو نہ پریشان اور غمگین ہو تم ہی غالب رہوگے بشرطیکہ تمہارا ایمان مضبوط ہو"۔ اصل چیز یہی ہے کہ خدا کی طرف توجہ کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو۔ اس دور میں ایک تو یہ چیز قابل توجہ اور اصل الاصول ہے، دوسری چیز جو خصوصاً اسوقت بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے عقل دی ہے۔ بیدار مغزی سے کام کریں، اور ہر موقع کے مناسب کام

کریں! مسلمانو! کام کرنے کا وقت ہے کام میں لگو۔ خلوص اختیار کرو اب باتیں کرنے کا وقت نہیں رہا۔ اب مسلمانوں کیلئے یہی راہ متعین ہے کہ خلوص اور صدق کے ساتھ خدا کیطرف متوجہ ہوجائیں۔ مسلمانو! تم کو خدا کے ساتھ نسبت حاصل ہے تم کو خدا کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرلینا کچھ مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے اسباب کا مہیا کردینا کیا مشکل۔ بس اپنے خدا کو راضی کرلو وہی مصیبتوں کا دور کرنیوالا ہے، سب مسلمان صدق دل سے اسی کیطرف متوجہ ہوجائیں خدا کو وقت بدلتے دیر نہیں لگتی" یہ ایک عارف کا کلام ہے جو نیابت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منصب پر فائز تھے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحیٰ" (وہ گفتگو خواہش نفس سے نہیں کیا کرتے بلکہ جو حکم دیا جاتا ہے اسی کو بیان کرتے ہیں") تو جس طرح نبی کے فرمودات حکم الٰہی ہوا کرتے ہیں، اسکی اتباع نجات اور ہدایت کا سبب منتج ہے، اسی طرح اللہ کے برگزیدہ بندے اور نائب رسول کی باتیں بھی اللہ اور اسکے رسول کے فرمودات ہوتے ہیں۔ امت کی ابتر اور خراب صورت حال سے مضطرب اور بے چین ہوکر اسکی اصلاح اور کامیابی کیلئے جب وہ کوئی نسخہ تجویز کرتے ہیں تو وہ الہامی اور من جانب اللہ ہوا کرتا ہے۔ امت کی زبوں حالی اسی نسخہ کے استعمال سے دفع ہوگی۔

جوش کی جگہ ہوش سے کام لیجئے، جذبات پر عقل و شریعت کو ترجیح دیجئے، حتی الوسع تصادم سے بچئے، تور پھوڑ سے ہرگز ہم آہنگ نہ ہوئیے، اشتعال سے گریز کیجئے! یاد رکھئے اس ملک کے نظام میں ووٹ کی سیاست رائج ہے، جدھر افراد کی اکثریت ہوگی حکومت کا پلڑا ہمیشہ اُدھر ہی جھکے گا، حق و انصاف اور عدل و مساوات ثانوی چیز ہے۔

"جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جسمیں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے"

اگر ہزاروں درندے جنونی اکٹھا ہوجائیں اور ناحق بات کیلئے ضد کرلیں اور حق والے تعداد میں کم ہوں، معقول ہوں قانون شکن نہ ہوں، تو حکومت انصاف نہیں کریگی بلکہ اسکے ذہن میں ووٹ کی تعداد آئیگی، اسکو اقتدار کی فکر ہوگی۔ لہٰذا مظاہرہ، سیاہ پٹی، کالی جھنڈی، بھوک ہڑتال، علامتی توڑ پھوڑ، نعرہ بازی، قانون شکنی وغیرہ سے بالکلیہ اجتناب کرنا ہوگا! ترک کرنیکی بنیاد تو یہ ہے کہ یہ سب غیر اسلامی طریقے ہیں، نیز یہ حربے وہاں استعمال کئے جاتے ہیں جہاں قانون اور انصاف ہو، اس رسم کو اپنانے کا ملا کیا ملا؟ لاٹھی، گولی، تباہی اور بربادی۔ ؎ اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو؟ آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

یاد رکھئے! مسلمان صلاح و فلاح اور فتح و کامرانی کی منزل پر سنت و شریعت کے راستہ سے گزر کر ہی پہونچے گا، پیروی مصطفیٰ اور اتباع شریعت کے بغیر کسی بھی منزل کی تلاش بے سود ہے، حالات کی ناسازگاری اور غلبۂ کفر کے وقت اسوۂ انبیاء اور تعلیم شریعت یہ ہے کہ صبر اور رجوع الی اللہ اختیار کیا جائے، دعا و استغفار کیا جائے وَكَفىٰ بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفىٰ بِاللّٰهِ نَصِيْرًا۔

"نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں"

؎ چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست ؎

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذرّیت کیلئے رزق کی دعا فرمائی تو چونکہ امامت کی درخواست میں حق تعالٰی کا معاملہ دیکھ چکے تھے کہ ظالموں اور نافرمانوں کو دینا پسند نہیں فرمایا اسلئے اس دفعہ ڈر گئے اور اسی معاملہ سے ادب سیکھ لیا۔ چنانچہ رزق کی درخواست صرف مومنین کیلئے کی، حق تعالٰی کی طرف سے ارشاد ہوا قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ یعنی فرمایا کہ چونکہ رزق ہمارا کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مومن و کافر سب کو عام ہے اس لئے ثمرات تو سبھی کو دونگا مومن کو بھی اور کافر کو بھی۔ البتہ نجات آخرت چونکہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے اس واسطے "ایسے شخص کو جو کافر ہے تھوڑے روز یعنی دنیا میں تو خوب آرام برتاؤں گا، لیکن مرنے کے بعد اس کو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچا دوں گا اور ایسی پہونچنے کی جگہ تو بہت بری ہے" اللہ بچائے۔

دیکھئے اس آیت میں تصریح ہے کہ تمتعات دنیوی میں کافر بھی مومن کا شریک ہے پس قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا سے بظاہر جو یہ سمجھ میں آتا تھا کہ یہاں کی نعمتیں بھی مومن کے ساتھ مخصوص ہیں ایسا نہیں ہے اسلئے اس مقام پر وہی کہنا مناسب ہے جو صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے۔ یعنی فرماتے ہیں کہ :-

هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ای هی لهم بالاصالة لمزید کرامتهم علی الله تعالیٰ والکفرة وان شارکوهم فیها فبالتبع فلا اشکال فی الاختصاص المستفاد من اللام (یہ دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کیلئے ہیں، یعنی یہ نعمتیں اصالۃً اور حقیقۃً مومنین کیلئے ہیں اسلئے کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ نہایت اعزاز اور اکرام کے مستحق ہیں۔ اور کفار اس تمتع میں تبعاً داخل ہیں، لہذا لام جو لِلَّذِينَ میں ہے اس سے جو اختصاص معلوم ہوتا ہے اس کے اندراب یہ اشکال باقی نہ رہا کہ جب یہ تمتعات صرف اہل ایمان کیلئے ہیں تو کفار کے تنعمات اور تمتعات کے کیا معنیٰ ؟)

یہ جواب تو صاحب روح المعانی نے دیا ہے جو نہایت عمدہ ہے لیکن حضرت مولانا

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کی ایک دوسری تفسیر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں، اس مقام پر اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ سے کفار کو وہم ہو سکتا تھا کہ ہم بھی اللہ کے بڑے محبوب و مقبول ہیں کہ ہمارے لئے کیسے کیسے مطعومات و ملبوسات پیدا کئے۔ اسلئے بطور دفع دخل کے ارشاد فرماتے ہیں کہ قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا خَالِصَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ کہدیجئے کہ مطلق استعمال کی اجازت دلیل مقبولیت نہیں۔ ہاں جس استعمال کے بعد بھی کوئی وبال نہ ہو وہ البتہ دلیل مقبولیت کی ہے۔ سو ایسا استعمال خاص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ چنانچہ یہ اشیاء یعنی زینت اور طیبات مذکورہ اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی کدورات سے خالص رہیں، دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں۔ بخلاف کفار کے کہ یہاں گو تنعم ہے مگر چونکہ اس تنعم کا حق ادا نہیں کیا بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہے اس لئے وہاں یہ نعمتیں وبال بن جائینگی۔

مومن اور کافر کا انداز تمتع بہرحال آیت کی جو بھی تفسیر کی جائے حاصل یہ نکلا کہ تمتع دنیوی مومن و کافر سب کے لئے عام ہے لیکن ان دونوں کے استعمال میں فرق ہے۔ مومن دنیا کے تمتعات کے استعمال کرنے سے پہلے بھی خدا سے ڈرتا ہے اور بعد میں بھی۔ اور کافر نہ پہلے کچھ لحاظ کرتا ہے اور نہ بعد میں کچھ پروا کرتا ہے۔ جس طریقے سے چاہا مال حاصل کیا اور جیسے چاہا خرچ کیا۔ چنانچہ اس کا مذہب ہی یہ ہوتا ہے کہ مال جس صورت سے ملے آنے دو اور جس طرح بن پڑے کھانے دو۔ لیکن مومن ہے کہ وہ تحصیل مال کے وقت حلال و حرام کا لحاظ کرتا ہے اور استعمال کے وقت خدا کی مرضی تلاش کرتا ہے۔ شیطانی گمراہیوں میں خود کو نہیں ڈالتا۔

چنانچہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا اس قدر خوف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکو دنیا میں طیبات و لذائذ اور اسباب تزئین عطا کر کے اس کا اکرام و اعزاز فرماتے ہیں۔

مرضیاتِ الٰہی پر عمل اور اس دار دنیا میں اسکے نتائج چنانچہ اس طور پر یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ بالاصالۃ یہاں کی سب چیزیں مومن ہی کے لئے ہیں۔ پس مومن اپنے ایمان کی وجہ سے

سہ (جسکو اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے)

دنیا میں خدا کا مہمان ہے اور شاہی مہمان ہے۔ اب اللہ تعالیٰ جس طرح آخرت میں جنت دے کر اس کا اکرام فرمائیں گے اسی طرح سے دنیا میں بھی اگر زینت کے ساتھ اور اطعمۂ لذیذہ کے ساتھ اس کا اعزاز فرمائیں تو تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ اگر اس مضمون کو دل سے سمجھ لیں تو عبادت کا انداز ہی بدل جائے گا، لیکن بات یہ ہے کہ باطن تو ہم میں رہا ہی نہیں اس لئے جیسے اصحابِ ظاہر ہوتے ہیں بس اسی طرح ہر چیز میں ہم لوگ بھی ظاہری ہوگئے ہیں، باطن میں ان امور کا خطور ہی نہیں ہوتا۔ یہ نہیں ہے کہ مومن وہاں آخرت میں پہونچ کر معزز ہوجائے گا اور دنیا میں نہیں۔ آخرت تو دارالجزار ہے۔ اور دنیوی حالات کا پرتو ہے اس لئے جو یہاں جیسا ہوگا وہاں بھی ویسا ہی ہوگا۔ لہٰذا وہاں جب معزز ہوگا تو ضرور ہے کہ یہاں بھی مکرم ہو۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کو سمجھوگے نہیں۔ ایمان والوں کا ذکر کررہا ہوں کہ وہ اس دنیا میں بھی نہایت راحت و آرام، اعزاز و اکرام سے ہیں۔ جب حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (اور اللہ ہی کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے) تو اس کا آخر کچھ مطلب ہوگا یا نہیں۔ مگر تم اسکو اس لئے نہیں سمجھ سکتے کہ تم کو ان سب باتوں کیلئے فرصت نہیں۔ کیونکہ ہمارا تو یہ حال ہے کہ ؎

عمر گرانمایہ دریں صرف شد
تا چہ خورم صیف وچہ پوشم شتا

"یعنی ہماری تو ساری عمر عزیز اس میں صرف ہوگئی کہ گرمی میں کیا کھاؤں گا اور سردی میں کیا پہنوں گا"۔ باقی جو لوگ کہ مومن ہوتے ہیں ان کی عمر اللہ تعالیٰ مرضیات کی تلاش کرنے میں صرف ہوتی ہے جس کا صلہ اس دنیا میں بھی ان کو یہ ملتا ہے کہ عزت و اکرام سے نوازے جاتے ہیں۔ بزرگان دین کے بے شمار واقعات اس پر شاہد ہیں۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم نے جب سلطنت چھوڑی تو شاہی کھانے سے بڑھ کر غیب سے خوان آتا تھا جس کی وجہ سے ان کا یقین اور بڑھتا جاتا تھا اس بات کا کہ رازقِ حقیقی حق

تعالیٰ ہیں اور وہ اس کے لئے اسباب کے پابند نہیں۔ علماء نے فرمایا ہے بزرگوں کی کرامت سے دوسروں کو تو ہدایت ہوتی ہے اور خود ان کا یقین اور بڑھتا ہے۔

کفار کو رزق دیئے جانے کی ایک لطیف مثال اس بات کو کہ یہاں کے مطعومات و ملبوسات بالاصالۃ مومن کے لئے ہیں اور کفار کے لئے بالتبع، ایک مثال سے بھی سمجھانا چاہتا ہوں اور اس مضمون کو بار بار اس لئے بیان کرتا ہوں تاکہ آپ میرے مقصود کو سمجھ لیں۔ وہ مثال یہ ہے کہ ایک دینا تو یہ ہوتا ہے کہ آپ بازار جا رہے ہوں اور راستے میں کسی کو دو چار پیسے دیدیں یا روٹی دیدیں یا کپڑا دیدیں اور ایک یہ ہے کہ کسی کی نہایت عزت و احترام کے ساتھ دعوت کیجئے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پس کافر کو جو یہاں ملتا ہے وہ اول کی طرح ہے اور مومن کو ثانی طور پر ملتا ہے۔

اسلامی وضع قطع اور عزت اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس زینت اور جن لذائذ کے ساتھ مومنین کو نوازا ہے وہ ان کا سراپا کرم ہے ہماری سمجھ میں یہ عزت لائے یا نہ آئے مگر اس کا اعتراف کفار تک کو ہے۔

ایک مولوی صاحب جو یہی الٰہ آباد میں کسی بڑے عہدے پر مقرر تھے ان کے متعلق حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ اپنے اجلاس پر بھی عبا وغیرہ پہنکر تشریف لاتے تھے۔ بڑا انگریز ان سے ملاقات کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مولانا کا دامن پکڑ کر کہا کہ مولانا آپ تو اس لباس میں بادشاہ معلوم ہوتے ہیں۔ اب کیا کہئے گا اب یہ فتویٰ تو آپ ہی کے شہر کا ہے اور انگریز کا ہے۔ اب اس کے بعد بھی آپ اپنے اسلامی لباس کو ذریعۂ تجمل و تزئین نہ سمجھیں بلکہ عزت کوٹ پتلون ہی میں سمجھیں تو آپ جانیں، غیر مسلم تو اسی کو سمجھتے ہیں۔

اسی طرح سے خواجہ صاحبؒ فرماتے تھے (وہ خوش پوشاک تھے مگر اسی اپنے اسلامی لباس میں دفتر بھی جاتے تھے مگر کپڑا نہایت صاف و پاکیزہ ہوتا تھا اس پر فرماتے تھے) کہ ہمارا افسر کہتا تھا کہ مولانا آپ کا یہ لباس کیا برا ہے ہم اس کو منع نہیں کرتا۔ ہم اسکو کہتا ہے کہ آدمی میلا کچیلا نہ ہو۔ یہ تو آپ نے مومن کے لباس کی تعریف سُنی۔ اب اس کی

عزت و احترام کا بھی ایک واقعہ سُناتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ جو عزت دینداروں کو حاصل ہوتی ہے وہ دوسروں کو میسر ہی نہیں آسکتی۔ اگرچہ وہ لوگ بزعم خود اپنے کو معزز سمجھتے رہیں۔

لکھنؤ میں بہشتیوں نے ایک مولانا صاحب کو شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ ان کے ایک انگریزی داں دوست بھی موجود تھے۔ داعی چلا گیا تو انھوں نے کہا کہ مولانا آپ لوگوں نے تو انھیں سب باتوں کی وجہ سے بالکل لٹیا ہی ڈبو دی۔ کہیں ہر شخص کی دعوت قبول کیجاتی ہے۔ مولانا نے یہ سنکر اس داعی کو واپس بلایا اور فرمایا کہ بھائی میں تمھاری دعوت قبول نہیں کرتا۔ اس نے پوچھا کیوں کیا بات خلاف مزاج پیش آگئی۔ فرمایا کچھ نہیں ہم نہ آئیں گے۔ غرض جتنا ادھر سے انکار ہوتا تھا اُدھر سے اصرار ہوتا رہا۔ آخر کار جب وہ لوگ بہت بضد ہوئے کہ وجہ بیان فرمائی جائے تو مولانا نے فرمایا کہ ہمارے یہ دوست منع کرتے ہیں اور ہر دعوت میں جانے کو پسند نہیں کرتے۔ اسلئے ہمیں چونکہ ان کی خاطر منظور ہے۔ لہٰذا ہمیں معاف کردو۔ ان لوگوں نے کہا کہ حضرت جب آپ ہی نہ ہونگے تو پھر بھلا ہماری دعوت اور تقریب میں لطف ہی کیا رہیگا، مولانا نے فرمایا کہ اچھا اس کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ ان صاحب کی بھی دعوت کرو اور یہ منظور کرلیں تو مجھے بھی منظور ہے۔ یہ سُنکر وہ لوگ مولانا کو چھوڑ کر ان کو لپٹ گئے اور کہا کہ حضرت آپ کی بھی دعوت ہے۔ انھوں نے اپنے اصول کے پیش نظر انکار کیا ان لوگوں نے اصرار کیا۔ کہا کہ آپ ہی کی منظوری پر تو مولانا کی منظوری موقوف ہے اس لئے آپ کو تو چلنا ہی ہوگا۔ آپ دعوت قبول فرمائیے۔

غرض اس تو تو مَیں مَیں میں کچھ اور مجمع ہوگیا۔ لوگوں نے تحقیق کی کہ کیا معاملہ ہے تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ان صاحب کی دعوت کرنا چاہتے ہیں اور یہ اس کو قبول نہیں کررہے ہیں۔ یہ سُنکر سب لوگوں نے انھیں ہی ملامت کی کہ بڑا متکبر شخص معلوم ہوتا ہے۔ غریب لوگ کس خلوص کے ساتھ اسکو مدعو کررہے ہیں اور یہ ان کی دعوت قبول نہیں کرتا۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ بات بڑھتی جارہی ہے اور سب لوگوں میں میری ہی خفت

ہو رہی ہے تو مجبور ہو کر منظور کر لیا اور مولانا کے ہمراہ ان لوگوں کے گھر گئے۔ وہاں لوگوں نے بہت شاندار استقبال کیا۔ مولانا سے بھی مصافحہ کرتے تھے اور کوئی شخص کہہ دیتا کہ یہ مولانا کے دوست ہیں تو ان سے بھی مصافحہ کرتے۔ غرض اس اخلاق و محبت سے پیش آئے کہ ان صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ واقعی مولانا عزت کا منہ تو آج دیکھا ہے اور ابتک جس کو عزت سمجھے ہوئے تھے وہ نفس کا دھوکہ اور فریب تھا، بیشک عزت اور احترام تو آپ ہی لوگوں کا حصہ ہے۔ اور وہ غریب ہی لوگوں میں ہے۔

لذائذ دنیا اور معرفت جنت الغرض اس میں تو کچھ کلام رہا نہیں کہ تمتعات دنیویہ مومن کے لئے اصالۃً ہیں اور کافر کے لئے تبعاً۔ اور ان تمتعات کو عطا فرما کر مؤمن کا اکرام فرمایا گیا ہے اور اس دنیا میں یہ چیزیں مومن کو اس لئے دی جاتی ہیں تاکہ وہ انھیں مذکر آخرت بنائے۔ اور ان کے ذریعہ جنت اور نعمہائے جنت کو یاد کر کے اسکی جانب رغبت کرے۔ اگرچہ دنیا کی نعمت میں اور جنت کی نعمت میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے تاہم اس کے علاوہ دنیا میں جنت کی معرفت کا اور کوئی ذریعہ بھی تو نہیں ہے۔ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے ان لذائذ و تمتعات کو ذریعۂ معرفتِ جنت قرار دیا اور دوسری جانب قرآن شریف میں جنت اور اسکی نعمتوں کا ایسا ایسا اور اتنا ذکر فرمایا ہے کہ مومن کے قلب میں اسکی خواہش پیدا ہی کر دی یہاں تک کہ اولیاء اللہ کے تو گویا جنت اور اس کی نعمتیں سامنے ہی کر دیں اور اس کا ایسا شدید تقاضا پیدا فرما دیا ہے کہ ایک انتظار سا رہتا ہے اور پھر اس کے آگے دنیا کی ہر نعمت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کا مزاج ہی لطیف کر دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو کثافت سے ایک طبعی نفرت ہو جاتی ہے بلکہ اس سے یہ حضرات متأذی ہوتے ہیں۔ آپ تو انکے کھانے کپڑے کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ لوگ بڑے اہل تنعم اور عیش پسند ہیں لیکن اگر ان کی قلبی کیفیت آپ پر ظاہر ہو جائے تو معلوم ہو کہ یہ سب چیزیں باوجود اپنے کمال خوبی کے ان کو بالذات پسند نہیں۔

چنانچہ اصحاب کہف کا واقعہ خود قرآن کریم میں ہے کہ غار میں نوم طویلہ کے بعد جب بیدار ہوئے اور بھوک کا احساس کیا تو آپس میں یہ طے کیا کہ ایک شخص کو بازار بھیجیں تاکہ وہ

ازکیٰ طعام لے آئے۔ فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔ (اب اپنے میں سے کسی کو شہر کی طرف یہ روپیہ دے کر بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون کھانا حلال ہے (یا لذیذ و لطیف ہے) سو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آئے)

اس میں ازکیٰ کی تفسیر حلال سے بھی کی گئی ہے اور اَطْیَب و اَلَذّ سے بھی کی گئی ہے
د بزرگوں کے اندر اس دنیا میں یہ لطافت حق تعالیٰ ہی ان کے خلوص اور طاعت
ں برکت اور جنت اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت کی وجہ سے بطور استعداد
کے پیدا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں رہنے کے باوجود ان کا مزاج جنتی ہوجاتا ہے اور
ن کو دنیا کی نعمت یا جنت کی جو محبت ہوتی ہے وہ نفسانی نہیں ہوتی بلکہ روحانی رحمانی
ہوتی ہے۔ ع عاشقاں جنت برائے دوست میدارند دوست

(اللہ تعالیٰ کے عشاق جنت کو دوست (اللہ تعالیٰ) ہی کیلئے دوست رکھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں (اسلئے کہ وہ محل دیدار الٰہی ہے)

عنایات ربانی | اللہ تعالیٰ عبد کو پہلے تو مجاہدہ کا حکم فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب یعنی جنت کے) راستے ضرور دکھائیں گے) لیکن جب بندے مجاہدہ کے بعد اپنی خواہشات کو ختم کر لیتے ہیں تو پھر جو چیز ان کو محبوب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو بھی وہ چیزیں پسند ہوجاتی ہیں حتیٰ کہ آپ کی خواہشیں ہی ان کو محبوب ہوجاتی ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کو پیڑے اور پینے کی عمدہ تمباکو بہت پسند تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دل میں بھی ڈال دیا تھا کہ مولانا کی خدمت میں یہ چیزیں پہنچاؤ چنانچہ بدون مجاہدہ و مشقت کے آپ کے پاس یہ چیزیں پہونچتی تھیں۔ حضرت مولاناؒ جب حضرت سے ملنے تشریف لیگئے تو ہدیہ میں پیڑے ہی لے گئے تھے۔ جب خدمت میں ان کو پیش کیا تو بہت خوش ہوئے فرمایا کہ خوب لائے ہم اس زمانہ میں اس کا شربت پیتے ہیں۔ پھر اسکے بعد حضرت کو بے تکلف بنانے کے لئے فرمایا کہ اور بھی کچھ لائے ہو، حضرتؒ نے عرض کیا کہ نہیں

حضرت اور کوئی چیز تو نہیں ہے اس پر کسی رفیق نے یاد دلایا کہ ٹوکری میں شربت کی بوتل تو آپ ہمراہ لائے ہیں اس پر حضرت نے دوبارہ عرض کیا کہ حضرت شربت کی ایک بوتل ہے اور اسے بھی پیش فرمادیا۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو تو تم اپنے لئے لائے ہو۔ حضرت مولانا نے عرض کیا کہ حضرت لایا تو اپنے ہی لئے تھا لیکن اب خوشی حضرت کے قبول فرمالینے میں ہوگی۔ یہ سنکر اس کو بھی قبول کرالیا۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ مجاہدات وغیرہ سب آپ کیلئے ہیں اور ابتدائی امر میں ہوا کرتے ہیں۔ ان حضرات کے لئے نہیں ہیں۔ ان حضرات نے تو بہت مجاہدے کئے ہیں، بلکہ اپنے کو ختم ہی کر دیا ہے تب اس مرتبے کو پہنچے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس اعزاز و اکرام کے مورد ہوئے ہیں لیکن سب کچھ کرنے کے بعد بھی یہ حضرات اپنے کو کچھ سمجھتے نہیں نہ اپنے اعمال ہی کو کوئی درجہ دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے انعامات کو ان کا کرم محض تصور کرتے ہیں اور ہر حال میں اس سے راضی رہتے ہیں اور اپنے زبان حال و قال سے یہ کہتے ہیں کہ ؎

ادائے حق محبت عنایتے است ز دوست
وگر نہ عاشق مسکیں بہ ہیچ خرسند است

(یعنی حق محبت کے عوض جو کچھ عطا فرمایا جارہا ہے یہ سب دوست کی عنایت ہی ہے۔ ورنہ تو عاشق مسکین تو معمولی سی چیز بھی ملنے پر راضی ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے لئے کچھ استحقاق نہیں دیکھتا)

(جاری)

نہ سمجھے گا خدا کو اور نبی کو بھی مسیحا گر　　تو پھر اسے بدگماں کس کا کریگا اعتبار آخر
کہے دیتا ہوں لے اسے ناف تیرے دنیاں تیری　　کریں گی تجھکو خوار آخر، کریں گی تجھکو خوار آخر

تپ دق ہے اور اس پر یہ سمجھتا ہے کہ اچھا ہوں
یہ حالت دیکھکر کیوں ہو نہ دل میرا فگار آخر

(مجذوبؒ)

رمضانُ المبارک کے انوار و انعامات

رمضان المبارک سے قبل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ۰

اہمیت عبادت

اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ آج ہم اور آپ پھر کچھ دیر کیلئے اللہ جل شانہ اور ان کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لئے جمع ہو گئے ہیں جو ہمارے لئے انشاء اللہ بڑا سرمایہ سعادت ہے۔

بہت سی باتیں جاننے کے پیچھے نہ پڑیئے بس جتنی بات معلوم ہے اس پر ہی عمل ہو جائے تو یہ بڑے کام کی بات ہے۔ ہماری عبادات و طاعات بھی کچھ رسمی سی ہو کر رہ گئی ہیں اور اس بد حواس زندگی میں اور نفسانی و شہوانی ماحول میں انکی حقیقت اور اہمیت جیسی ہونی چاہیئے ہمارے دلوں میں نہیں ہے اسلئے پہلے تو اللہ پاک سے دعا کریں کہ یا اللہ! جب آپ نے توفیق دی ہے تو آپ ہی ان عبادات کی اہمیت آ برکات تجلیات اور ان کے ثمرات ، فہم سلیم و توفیق اعمال صالحہ اور حیات طیبہ عطا فرما دیں۔ آمین۔

حصول رضا کا موقعہ

یہ شعبان کا آخری جمعہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ہفتے کے بعد ماہ مبارک رمضان کا آغاز ہو رہا ہے کاش ہم کو اپنے ایمان کی عظمت اور قدر و منزلت ہوتی تو اس ماہ مبارک کی سعادتوں سے بہرہ ور ہونے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ ہمارے ضعیف ایمان اور ناکارہ اعمال کو از سر نو قوی اور کامل بنانے کے لئے رمضان المبارک کے چند گنتی کے دن عطا فرمائے ہیں اسلئے انکو غنیمت سمجھکر ہمیں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان ایام معدودہ کی قدر کرنی چاہیئے ، یوں تو اللہ جل شانہ نے ہماری دنیا و آخرت کے سرمایہ کے لئے ہم کو چند فرائض و حقوق واجبہ کا مکلف بنایا ہے مگر اس ماہ مبارک میں چند نوافل اور مستحبات کے اضافہ کے ساتھ ہمکو زیادہ سے زیادہ

حلاوتِ ایمانی اور اعمال کی پاکیزگی اور اپنے حصول رضا کا موقع عطا فرمایا ہے اسکی قدر کرو اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ اور اسکے شروع ہونے سے پہلے اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کو خوب توبہ واستغفار سے پاک وصاف کرلو یا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے نبی الرحمہ کی امت پر اسلئے یہ احسان وانعام فرمایا کہ انکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے فائز المرام ہونے پرخوش ہوجائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اعلان کا مصداق بنیں وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپکو اتنا عطا کریگا کہ آپ خوش ہوجائیں گے)۔

احتیاط و اہتمام

اسلئے ہمارے ذمہ بھی شرافت نفس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ اور اپنے آقائے نامدار نبی الرحمہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے حتی الامکان کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں اسلئے ہم اسوقت عہد کرلیں کہ انشاء اللہ ہم اس ماہ مبارک کے تمام لمحات، شب و روز اسی احتیاط اور اہتمام میں گذاریں گے جو اللہ اور اسکے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اسکے ابھی چند روز باقی ہیں ہم ابھی اسکی تیاری شروع کردیں۔ احتیاط اس بات کی کہ تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے بچیں گے اور اہتمام اس بات کا کہ زیادہ سے زیادہ نیک کام کریں گے اور عبادات وطاعات میں مشغول رہیں گے۔

یوں تو سب دن اللہ تعالےٰ ہی کے ہیں ہر وقت اور ہر آن انھیں کی مشیت کارفرما ہے اور ہماری تمام طاعات وعبادات انھیں کے لئے ہیں اور وہی ہم کو دنیا و آخرت میں اسکا صلہ رحمت فرمائیں گے مگر امتیان نبی الرحمہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکا لامتناہی احسان خصوصی یہ ہے کہ فرمایا یہ مہینہ میرا ہے اور اس کا صلہ میں خود دونگا۔ اسکے ایک معنی یہ ہیں کہ جو صلہ اور اجر اس ماہ کے اعمال کا ہوگا وہ بے حد وبے حساب ہوگا اور یہ بے حد وبے حساب ہونا اللہ تعالےٰ علیم وخبیر کے علم میں ہے اس احسان شناسی کے جذبہ کو قوی کرنے کے لئے توکلاً علی اللہ ہمکو بھی عزم بالجزم کرلینا چاہیے کہ انشاء اللہ ہم جو کچھ بھی کریں گے وہ للہ رب العلمین (رب العلمین کی رضا کیلئے) ہی کریں گے پھر دیکھئے کہ اس

عزم کے صلہ میں تائیدِ الٰہی کس طرح ہمارے شاملِ رہتی ہے ان شاء اللہ ہم خود مشاہدہ کریں گے۔

تہیہ کر لیجئے کہ اب ایک پاکیزہ اور محتاط زندگی گزاریں گے۔ آنکھوں کا غلط انداز نہونے پائے، سماعت میں فضول باتیں نہ آنے پائیں، بے کار باتوں میں مشغول نہوں، اخبار بینی سے زیادہ شغف نہونے پائے۔ اسکے علاوہ تمام غیر ضروری تعلقات بھی کم کر دیں، ایسی تقریبات میں شریک نہوں جہاں شریعت کے خلاف کام ہوں تو ان شاء اللہ پاک وصاف رہیں گے اور یاد رکھو کہ ناپاکیوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے صحیح تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔

اعلانِ رحمت یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا کس قدر بڑا احسان ہے کہ اپنے گنہگار غفلت زدہ بندوں کو پہلے ہی سے متنبہ کر دیا کہ جیسے ہی رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو تم اپنے عمر بھر کے تمام چھوٹے بڑے گناہ معاف کرالو تاکہ تم کو اپنے ربِ حقیقی سے صحیح وقوی تعلق پیدا ہو جائے اور اگر تم نے ہماری مغفرت واسعہ اور رحمت کاملہ کی قدر نہ کی تو پھر تمھاری تباہی اور بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رہیگی۔ اب اس اعلانِ رحمت پر کون ایسا بدنصیب ہے جو اسکے بعد محروم رہنا چاہے گا۔ اس لئے ہم سب لوگ یقیناً بڑے خوش نصیب ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ اپنی زندگی میں پا رہے ہیں۔ اب تمام جذباتِ عبدیت کے ساتھ اور قوی ندامت کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں اور اس ماہِ مبارک کے تمام برکات وانوار اور تجلیاتِ الٰہیہ سے مالا مال ہوں۔ اللہ تعالےٰ اسکی زیادہ سے زیادہ توفیق ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین

جی بھر کر دو دن، تین دن، چار پانچ دن اپنے تمام گناہ عمر بھر کے جتنے یاد اور تصور میں آسکیں اور جہاں جہاں نفس وشیطان سے مغلوب رہے ہو چاہے وہ دل کا گناہ ہو آنکھ کا، زبان کا یا کان کا سب ندامتِ قلب کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دو اور کہو کہ اب وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے، یا اللہ ہمکو معاف فرما دیجئے یا اللہ ہم سے غفلت اور نادانی کی وجہ سے، نفس وشیطان کی شرارت سے عمداً وسہواً

جو بھی گناہ کبیرہ و صغیرہ صادر ہو چکے ہیں جو ہماری دنیا و آخرت کیلئے انتہائی تباہ کن ہیں اور جنکی شامت اعمال کا خمیازہ ہم روز بھگت رہے ہیں، اپنی مغفرت کاملہ اور رحمت واسعہ سے سب معاف فرما دیجئے ہم انتہائی ندامت قلب کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں منت و سماجت کے ساتھ دست بہ دعا اور سربسجدہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا) ہر وہ بات جو قابل مواخذہ ہو معاف فرما دیجئے دنیا میں، قبر میں، برزخ میں، حشر میں، پل صراط پر جہاں جہاں بھی مواخذہ ہو سکتا ہے سب معاف فرما دیجئے۔ اور یا اللہ! آپ جتنی زندگی عطا فرمائیں وہ حیات طیبہ ہو، اعمال صالحہ کے ساتھ ہو۔ یا اللہ! ہمارے ایمان کو مضبوط اور قوی فرما دیجئے۔ انشاء اللہ حسب وعدہ الٰہی ہماری یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔

گذشتہ معاصی کے بارے میں تنبیہ

اب خبردار اپنی گزشتہ غفلتوں کوتاہیوں کو اہمیت نہ دینا، زیادہ تکرار نہ کرنا، مایوس و ناامید نہ ہونا جب انکا وعدہ ہے تو سب انشاء اللہ معاف ہو جائے گا لیکن ہاں چند گناہ ایسے ہیں جنکی معافی مشکل ہے، مسلمان مشرک تو ہوتا نہیں لیکن کبھی کبھی یہ ممکن ہے کہ پریشان ہو کر عالم اسباب کی کسی قوت کو موثر سمجھ لیا ہو دنیاوی وسائل و ذرائع کے سامنے اس طرح جھک گئے ہوں جس طرح ایک مومن کو جھکنا نہ چاہیئے تو یا اللہ! آپ یہ سب لغزشیں بھی معاف فرما دیجئے پس اب مغفرت کا معاملہ ہو گیا اب انکی رحمت واسعہ طلب کرو۔ اسی طرح ایک ناقابل معافی گناہ کبیرہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کھوٹ اور کینہ ہو۔ کینہ رکھنے والے کے متعلق حدیث میں ہے کہ یہ ایسا شخص ہے جو شب قدر کی تجلیات، مغفرۃ اور قبولیت دعا سے محروم رہے گا۔ عالم تعلقات میں اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب، دوست احباب سب پہ ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ ان میں کسی کی طرف سے دل میں کسی قسم کا کھوٹ کینہ اور غصہ تو

نہیں ہے، کسی کی حق تلفی تو نہیں ہوئی ہے، کسی کو ہماری ذات سے تکلیف تو نہیں پہنچی ہے۔ اللہ پاک اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک انکی مخلوق ہم سے راضی نہیں ہوجاتی۔ دیکھو اگر تم اس معاملہ میں حق بجانب اور دوسرا باطل پر ہے تو پھر جب تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے ہو تو اسکو معاف کردو اور اگر تمھاری زیادتی ہو تو اس سے جاکر معافی مانگ لو اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے اگر بالمشافہ (رُو در رُو) ہمت نہ ہو تو ایک تحریر اسکے پاس بھیج دو کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اس میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ دلوں کو صاف رکھنا چاہیئے اس لئے ہم اور آپ بھی آپس میں دل صاف کرلیں اور ایک دوسرے کو معاف کردیں۔ اسکے بعد ان سے نہ بدخواہی کرو نہ دل میں انتقام لینے کا خیال کرو۔

اپنی بیوی بچوں پر بھی نظر ڈالو کہ ان میں سے کوئی تم سے ناراض تو نہیں یعنی انکے ساتھ کوئی بے جا تشدد یا زیادتی تو نہیں کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو ان سے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں بلکہ خوش اسلوبی سے ایسا برتاؤ کرو کہ وہ خوش ہوجائیں۔ اسی طرح بھائی بہن عزیز واقارب غرض کسی سے کسی قسم کی بھی رنجش ہے تو تم انکو معاف کردو اسلئے کہ تم بھی آخر اللہ میاں سے معافی چاہتے ہو۔

غیر ضروری مشاغل کا ضرر لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ لغو باتیں کرنے سے عبادت کا نور جاتا رہتا ہے۔ لغو باتیں کیا ہیں جیسے فضول قصے۔ کسی کا بے فائدہ ذکر۔ سیاسی امور پر بحث، یا خاندان کی باتیں، کیونکہ یہ اگر شروع ہوجائیں تو اس میں غیبت ہونے کا امکان ضروری ہوتا ہے پھر اخبار بینی یا کوئی اور بیکار مشغلہ ان سب سے بچتے رہو۔ صرف تیس دن گنتی ہی کے ہیں اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو کلام پاک پڑھو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھو اور دینی کتب کا مطالعہ کرو۔

عبادات رمضان رمضان شریف میں دو عبادتیں سب سے بڑی ہیں۔ ایک تو کثرت سے نمازیں پڑھنا (اس میں تراویح کی نماز بھی شامل ہے اور اسکے علاوہ تہجد کی بھی بیس رکعات ہوجاتی ہیں، پھر اشراق چاشت اور اوابین کا خاص طور پر اہتمام ہونا چاہیئے) دوسرے تلاوت کلام پاک کی کثرت جتنی بھی

زینت ہو

کلام پاک پڑھنے سے کئی فائدے نصیب ہو جاتے ہیں تین چار عبادتیں اسمیں شریک ہوتی ہیں اور بہت باعث برکت ہیں یعنی دل میں عقیدت عظمت ومحبت اور یہ خیال کرکے پڑھنے سے کہ اللہ پاک سے ہمکلامی کی سعادت حاصل ہو رہی ہے یہ دل کی عبادت ہے، زبان بھی تکلم کرتی ہے یہ زبان کی عبادت ہے، کان سنتے جاتے ہیں اور آنکھیں کلام الہی کی عبارت کے نقوش کی زیارت کرتی ہیں تو ان تمام اعضار کو عبادت کا جداگانہ ثواب ملتا ہے ان اعضار کا اس سے زیادہ اور کیا صحیح مصرف ہوسکتا ہے؟ اور یہ سعادتیں ہی نہیں بلکہ ان میں تجلیات الہی مضمر ہیں، نور حاصل ہوتا ہے اور نور کے معنی روشنی کے نہیں بلکہ طمانیت قلب ہے اور اللہ تعالے کا قرب و رضا ہے۔

جب تلاوت سے تکان ہونے لگے تو بند کردیں اور پھر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کلمہ طیبہ کا ورد رکھیں دس پندرہ بار لا الہ الا اللہ تو ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے رہیں۔ ان متبرک ایام میں اگر ذکر اللہ کی عادت ہوگئی تو پھر انشاء اللہ ہمیشہ اسمیں آسانی ہوگی۔

اسی طرح درود شریف کی بھی کثرت رکھئے، ان محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جنکی بدولت ہمیں یہ سب دین و دنیا کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ استغفار بھی کبھر کبھر کرتے رہیے پھر بھی جب یاد آجائے چند بار کرلیا کریں۔ ماضی کے پیچھے زیادہ نہ پڑیئے اب مستقبل کو سوچئے، مستقبل یہی ہے کہ اللہ تعالی کی طاعات وعبادات میں زیادہ سے زیادہ وقت گذاریئے اس طرح ایک مومن روزہ دار کی ساری ساعتیں عبادت ہی میں گزرتی ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔

اگر تم کسی دفتر میں کام کرتے ہو تو تہیہ کرلو تمھارے ہاتھ سے، زبان سے، قلم سے خدا کی مخلوق کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ کسی کو دھوکہ نہ دو، کسی ناجائز غرض سے کسی کا کام نہ روکو، کوئی بات شریعت کے خلاف نہو، روکے رکھو اپنے آپ کو، اگر تم

تاجر ہو تو صداقت و امانت سے کام لو۔ کسی قسم کی لالچ یا نفع کی غرض سے ایسا کام نہ کر جس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچے یا تمہارا معاملہ کسی کی ایذار کا سبب بن جائے

آنکھیں گناہوں کا سرچشمہ ہیں انکو نیچا رکھیں بد نگاہی صرف کسی پر بری نگاہ ڈالنا ہی نہیں بلکہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، حسد کی نظر یا برائی کی نظر سے دیکھنا بھی آنکھوں کا گناہ ہے

روزہ کی تائید

روزہ داروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ بات بات پر غصہ آتا ہے گھر کے اندر یا گھر کے باہر کہیں بھی ہو یہ بات اچھی نہیں ہے۔ روزہ تو بندگی و شکستگی پیدا کرتا ہے، عجز و نیاز پیدا کرتا ہے پھر روزہ کا بہانہ لیکر بات بات غصہ ہونا اور لڑنا جھگڑنا کیسا؟ روزہ درماندگی کی چیز ہے اسمیں تواضع پیدا کرنا چاہیے کوئی خلاف مرضی بات کرے تو اس سے نرمی سے بات کرو جھک جانا چاہیے جھک جانے میں بڑی فضیلت ہے تیس دن تک یہ کر لیجئے اس میں نفس کا بڑا مجاہدہ ہو جاتا ہے جو تمام عمر کام آتا ہے یہ عادت بڑی نعمت ہے جو ان دنوں میں بڑی آسانی سے ہاتھ آجاتی ہے۔

رمضان کی راتیں عبادت میں گذارنے سے دن میں بھی سچائی اور دیانت سے کام کی عادت ہو جاتی ہے اسکا اہتمام کریں کہ مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کریں۔

بڑے کام کی بات

اور اگر توفیق و فرصت مل جائے تو بڑے کام کی بات بتا رہا ہوں تجربہ کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ نماز عصر کے بعد مسجد ہی میں بیٹھے رہیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں قرآن شریف پڑھیں، تسبیحات پڑھیں، غروب آفتاب سے پہلے سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم اور کلمہ تمجید سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھتے رہیں اور قریب روزہ کھولنے کے خوب اللہ پاک سے مناجات کریں اور اپنے حالات و معاملات پیش کریں، دنیا کی دعائیں مانگیں، آخرت کی مانگیں، فراغت قلب اور عافیت کاملہ کی دعائیں مانگیں۔

اکثر دیندار عورتیں اس بات کی شکایتیں کرتی ہیں کہ انکو روزہ افطار کرنے

سے قبل عصر اور مغرب کے درمیان، تسبیحات پڑھنے یا دعائیں کرنے کا موقع نہیں ملتا کیونکہ یہ وقت انکا باورچی خانہ میں صرف ہو جاتا ہے کھانا تیار کرنے میں مشغول رہتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انکا یہ وقت بھی عبادت میں گزرتا ہے روزہ رکھتے ہوئے وہ کھانا تیار کرنے کی مشقت گوارا کرتی ہیں جو اچھا خاصا مجاہدہ ہے پھر روزہ داروں کے افطار اور کھانے کا انتظام کرتی ہیں جس میں ثواب ہی ثواب ہے اور وہ جن عبادات میں مشغول ہونے کی تمنا کرتی ہیں یہ انکی تمنا خود ایک عمل نیک ہے جس پر بھی انشاءاللہ ثواب ملے گا۔ پھر یہ ممکن ہے کہ غروب آفتاب سے آدھ گھنٹہ قبل انتظامات سے فارغ ہونے کا اہتمام کرلیں تو پھر انکو بھی یکسوئی کے ساتھ رجوع الی اللہ ہونے کا موقع مل سکتا ہے اور نہ بھی ملے تو ثواب انشاءاللہ ضرور مل جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شریعت وسنت کے مطابق اپنی زندگی بنائیں، صرف نماز روزہ ہی اللہ کے فرائض نہیں ہیں اور بھی فرائض ہیں اور بھی احکامات ہیں انکا پورا کرنا بھی ضروری ہے مثلاً وضع قطع، لباس و پوشاک سب شریعت کے مطابق ہو، پردہ کا خاص اہتمام ہو، بے پردہ باہر نہ نکلیں اور ویسے بھی شریعت نے جنکو نامحرم بتایا ہے ان سے بے تکلف ملنا جلنا بھی گناہ ہے اسمیں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپس میں جب ملیں بات چیت کریں تو فضول تذکرے نہ چھیڑیں ایسے تذکرے میں عورتیں ضرور غیبت کے سخت گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ نام و نمود کے لئے کوئی بات نہ کریں یہ بھی گناہ ہے اگر ان باتوں کا اہتمام نہ کیا تو باقی اور عبادات سب بے وزن ہو جاتی ہیں اور اس سے مواخذہ کا قوی اندیشہ ہے۔ خوب سمجھ لو۔

عبادتِ مالی اس ماہِ مبارک میں ہر عمل نیک کا ستر گنا ثواب ملتا ہے چنانچہ جہاں اور عبادات وغیرہ ہیں وہاں اس ماہ میں صدقہ خیرات خوب کرنا چاہیئے۔ اپنی حیثیت کے مطابق جسقدر ممکن ہو۔ یہ سعادت بھی حاصل کرلے یہ بھی خوب سمجھ لیجئے اس ماہ مبارک میں جس طرح نیک اعمال کا بے حد وحساب اجر و ثواب ہے اسی طرح ہر گناہ کا مواخذہ، عذاب بھی شدید ہے۔ العیاذ باللہ۔

اپنے مرحوم اعزہ و آبار و اجداد اور احباب کے لئے ایصال ثواب کرنا بڑے ثواب کا کام ہے اور بہترین صدقہ ہے۔ میں اپنے ذوق اور قلبی تقاضہ سے ایک بات کہتا ہوں جس کا جی چاہے عمل کرے یا نہ کرے ہم پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق واجب فرمائے ہیں۔ انھوں نے پالا، پرورش کیا، دعائیں کیں، راحت پہنچائی اور جب تک تم بالغ نہیں ہوئے تمھارے کفیل رہے اور جب تم بالغ ہوئے تو تم نے انکی کیا خدمت کی ہوگی ؟ تو دیکھو جتنا سرمایہ ہے اپنے زندگی بھر کے اعمال حسنہ کا اور طاعات نافلہ کا سب نذر کردو اپنے والدین کو۔ انکا بہت بڑا حق ہے کیونکہ والدین کو اللہ تعالیٰ نے مظہر ربوبیت بنایا ہے۔ اس عمل خیر کا ثواب تمھیں بھی اتنا ہی ملے گا جتنا دے رہے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ یہ تمھارا ایثار ہے اور اسکا بہت بڑا ثواب ہے میں تو اپنی ساری عمر کی تمام عبادات و طاعات نافلہ اور اعمال خیر اپنے والدین کی روح پر بخش دیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اب بھی حق ادا نہیں ہوا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت واسعہ سے قبول فرمالیں اپنی عبادات نافلہ کا ثواب احیاء و اموات دونوں کو منتقل کیا جا سکتا ہے

عبادات رمضان کا حاصل

اس ماہ مبارک میں لیلۃ القدر ہے لیلۃ القدر کیا چیز ہے ؟ کلام پاک میں ہے کہ تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے ۔کہاں پاؤ گے ہزار مہینے جہاں خیر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ہم پر انعام عظیم ہے اور انھیں کے خزانہ لاانتہا ہی میں اس خیر کا سرمایہ ہے ۔ رمضان شریف کے مہینہ کا ہر دن تو شب قدر کے انتظار ہی میں ہے ۔ ع ۔ ہر شب؏ شب قدر است گر قدر بدانی ۔

اور اس انتظار میں اور اسکے اہتمام میں وہی ثواب ہر روز ملے گا جو شب قدر میں ہے ۔ اگر شب قدر ۲۷ رمضان کو ہے تو جو روزہ پہلے رکھا وہ شب قدر ہی کیجانب تو ایک قدم ہے، اسی طرح دوسرا روزہ رکھا، تیسرا رکھا تو یہ سارے شب قدر سے قریب ہونے کا ذریعہ ہیں یا نہیں ؟ جس طرح مسجد میں جانے پر ہر قدم پر ثواب

ع ۔ اگر تو قدر دانی کرو تو ہر رات ہی شب قدر ۔ قابل قدر ہے ۔

تا ہے اسی طرح پہلے روزہ سے شب قدر تک ہر لمحہ پر انشاء اللہ ثواب ملے گا بشرطیکہ ہم اسکے حریص ہوں۔ اب ہم لوگوں کی ایک ایک رات شب قدر ہے اور سکی قدر کرنی چاہیئے۔

شب قدر کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ اسکا وقت غروب آفتاب سے طلوع فجر تک رہتا ہے اسلئے اسکا ضرور اہتمام رکھنا چاہئے جس قدر ممکن ہو نوافل تسبیحات اور دعاؤں میں کچھ اضافہ ہی کر دینا چاہئے۔ ساری رات جاگنے کی بھی ضرورت نہیں جس قدر تحمل ہو بہت ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ یہ مہینہ میرا ہے تو یہ ایک ذریعہ ہے اپنے بندوں کو اپنا بنانے کا۔ اب ہم لوگ بھی اس محبت کا حق ادا کریں اور یہ امید رکھیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارا تعلق اللہ میاں سے قوی ہو جائے گا۔

یہ تو خلاصہ ہے رمضان شریف کے اعمال کا لیکن یہ تو ذاتی طور پر تمھاری عبادات ہوئیں۔

مطالبات ایمانیہ اب دین کے مطالبات اور بھی ہیں۔ تمام مومنین و مومنات مسلمین و مسلمات کے لئے دعائیں کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان روزانہ ستائیس ۲۷ دفعہ تمام مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت و رحمت کرے تو اسکی ساری دعائیں قبول ہوتی ہیں، ایمان پر خاتمہ ہوتا ہے، رزق میں فراغت ہوتی ہے اور نجانے کتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

مطالبات ایمانیہ کچھ اور آگے جاتے ہیں وہ یہ کہ جو مسلمان اس زمانہ میں زندقہ و الحاد کی طرف جا رہے ہیں انکی ہدایت کے لئے دعائیں مانگیں اسلئے کہ یہ بھی تو امتیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے دلوں میں دین کی عظمت ہدایت اور دین کا فہم عطا فرمائیں اور صحیح و قوی ایمان عطا فرمائیں۔ عالم اسلام اور مسلمانان عالم کی سلامتی کے لئے بھی خوب دعائیں مانگیں۔

بطور **لطیفہ** یہ بات سمجھ میں آئی کہ رمضان المبارک کے تین عشرے اس دعا کے مصداق ہیں:۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[ع]

۱۔ پہلا عشرہ رحمت کا رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (دنیا کی حقیقی بہتری رحمتِ خداوندی کا نزول ہے)۔

۲۔ دوسرا عشرہ مغفرت کا وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (آخرت کی اصل خوبی مغفرتِ یزدانی کا حصول)۔

۳۔ تیسرا عشرہ دوزخ سے نجات کا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (کامل فلاح جہنم سے نجات)۔ واللہُ اعلمُ بالصّواب

رمضان کے متبرک مہینہ میں یہی دعائیں مانگنی ہیں کہ

یا اللہ! آپ نے اس متبرک ماہ میں جتنے وعدے فرمائے ہیں اور آپ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی بشارتیں دی ہیں یا اللہ! ہم ان سب کے محتاج ہیں آپ ہم کو سب ہی عطا فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہم لوگ جو توبہ و استغفار کریں وہ سب قبول کر لیجئے۔ ہمارے متعلقین دوست احباب کو توفیق دیجئے کہ وہ آپکی عبادات و طاعات میں مشغول ہوں۔ ہم میں جو جو خامیاں ہیں سب کو دور کر دیجئے۔ ہم کو قوی سے قوی ایمان عطا فرمایئے۔ زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے۔ یا اللہ! ہماری آنکھوں، کانوں، زبان اور دل کو لغویات سے پاک رکھئے۔ یا اللہ! ان میں اپنے ایمان کا نور عطا فرمایئے۔ یا اللہ! سب مسلمین مسلمات پر رحم فرمایئے۔ تمام مملکتوں میں جہاں جہاں مسلمان بے راہ روی میں پڑ گئے ہیں انکے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے اسکو دور فرما دیجئے انکو اتباع شریعت اور سنت کی توفیق عطا فرما دیجئے۔ انکو اپنا بنا لیجئے انکو توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

یا اللہ! دنیا میں جو زندقہ و الحاد کا بڑھتا ہوا سیلاب ہے یا اللہ اسکو دور فرما دیجئے اور اس سیلاب بلا سے ہمیں نجات عطا فرمایئے، آئندہ نسلیں بچانے کہاں سے کہاں

[ع]۔ اے ہمارے پروردگار ہمکو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیجئے اور ہمکو عذاب

پہنچ جائیں یا اللہ! انکی حفاظت فرمائیے، انکے دلوں میں دین کی عظمت اور آخرت کا خوف پیدا کر دیجئے۔ یا اللہ انہیں انسانیت اور شرافت کے احساسات و جذبات پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہر طرح کی برائیوں سے تباہ کاریوں سے بچا لیجئے۔ یا اللہ ہمارے ملک میں جو منکرات و فواحش عام ہو رہے ہیں، آپ کی حرام کی ہوئی چیزیں حلال ہو رہی ہیں ہم مسلمانوں کو اس تباہی و بربادی سے بچا لیجئے جو لوگ حواس باختہ ہیں انکی رہنمائی فرمائیے۔

یا اللہ! عالم اسلام کو قمار خانے، شراب خانے، نائٹ کلب، ریڈیو ٹیلیویژن کی لغویات سے، سینما گھروں سے جن سے روز و شب ہماری اخلاقی اور معاشرتی اور اقتصادی زندگی تباہ و برباد ہو رہی ہے ان تمام فواحش سے پاک و صاف فرما دیجئے۔ اور یا اللہ! ارباب حل و عقد کو توفیق دیجئے اور اسکا احساس دیجئے کہ وہ اپنے اختیارات سے ان منکرات کو مٹائیں اور آپکی رضا جوئی کے لئے دین کی اشاعت کریں۔

یا اللہ! امن و امان کی صورت پیدا کر دیجئے، بیرونی سازشوں، دشمنوں کی نقصان رسانی سے ہمارے ممالک اسلامیہ کو بچا لیجئے۔ ہمارے دین کی حفاظت فرمائیے

یا اللہ! ہم یہ دعائیں آپکی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اس ماہ مبارک کی برکت سے قبول فرمالیجئے۔ یا اللہ! جو مانگ سکے وہ بھی دیجئے اور نہ مانگ سکے وہ بھی دیجئے جس میں ہماری بہتری ہو، دین و دنیا کی فلاح ہو یا اللہ وہ سب ہم کو عطا کیجئے۔ نفس و شیطان سے ہم کو بچائیے۔ اپنی رضائے کاملہ عطا فرمائیے۔

یا اللہ! آپ کا وعدہ ہے کہ یہ مہینہ آپ کا ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہم کو اپنا بنا لیجئے۔ یا اللہ! آپ مربی ہیں، رحیم ہیں، غفور ہیں، ہماری پرورش کرنے والے ہیں ہمارے رزاق ہیں، ہمارے کارساز ہیں تو پھر یا اللہ ہم سے ہماری غفلتوں کو دور کر دیجئے اپنا صحیح تعلق عطا فرمائیے۔ ہمارے سارے معاملات دین کے ہوں یا دنیا کے یا اللہ سب آسان کر دیجئے۔ مرنے کے بعد برزخ کے تمام معاملات آسان کر دیجئے یوم حساب

کا معاملہ آسان کر دیجئے اور اپنی رضائے کاملہ کے ساتھ جنت میں داخل کر دیجئے۔

یا اللہ! اپنے محبوب شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے حشر میں ہم پر رحمتیں نازل فرمائیے۔ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ نصیب فرمائیے۔ ہمارے ظاہر کو بھی پاک کر دیجئے اور باطن کو بھی پاک کر دیجئے۔

یا اللہ ہمیں رمضان مبارک کے ایک ایک لمحے کے انوار و تجلیات چاہے ہم محسوس کریں نہ کریں آپ سب عطا فرما دیجئے۔ یا اللہ ہمارے روزے عبادات چاہے ناقص ہوں آپ اپنے فضل سے قبول فرما لیجئے اور کامل اجر عطا فرمائیے۔

یا اللہ! جو جو دشواریاں، بیماریاں، پریشانیاں جس میں ہم مبتلا ہیں اور آنیوالے خدشات آفات ہیں ان سب سے ہمکو محفوظ رکھئے۔ یا اللہ! کھانے پینے کی چیزوں میں گرانی روز افزوں ہوتی جا رہی ہے، ملاوٹ ہو رہی ہے دبائیں آ رہی ہیں، بیماریاں پھیل رہی ہیں، سب سے حفاظت فرمائیے۔ ہمکو پاکیزہ اور ارزاں غذا عطا فرمائیے۔

یا اللہ! ایمان والوں کے لئے آج کل معاشرہ (تہذیب و تمدن کی لعنتوں کا ماحول) جہنم کدہ بنا ہوا ہے اسکو گلزار ابراہیم بنا دیجئے۔ ہمارے تمام حاجات پوری فرمائیے۔ ہم کو اسلام پر قائم رکھئے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائیے۔ آمین بحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

رمضان المبارک
ہدایات و تنبیہات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حاضرین کرام ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ہمارا یہ اجتماع اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ توفیق سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت عطا فرمائیں ، ہم محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جمع ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت بخشیں اور توفیق عطا فرمائیں کہ ہمارے پاس جو کچھ ایمان ہے اسکے مطابق ہمارا انداز زندگی صحیح ہو جائے دعا کرلیا کرو ۔ وما توفیقی الا باللہ توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتے ہیں جس کو جتنی نصیب ہو جائے ۔

آسماں سجدہ کند بہر زمینے کہ براں
یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

(آسمان بھی اس زمین کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے جس پر ایک دو آدمی دو چار منٹ خدا کے لئے بیٹھتے ہیں)

آج شعبان المعظم کا آخری جمعہ ہے اس طرح ان مجالس کا یہ سال ختم ہو گیا بشرط حیات ہم پھر انشاء اللہ تعالیٰ ماہ شوال میں جمع ہوں گے ۔

عزیزو ! علم حاصل کرنے کے لئے تو گیارہ مہینے ہیں لیکن ماہ رمضان المبارک محض عمل کے لئے ہے ۔ اس ماہ مبارک میں عمل ہی عمل ہے ۔ اعمال کی تفصیل فضائل رمضان اور انوار و انعامات رمضان میں بہت کچھ آگئی ہے انکو پڑھیں اگر ان کے مطابق آپ کا عمل ہو جائے تو بہت بڑی سعادت ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں ۔ رمضان شریف کے متعلق ہمارے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد مواعظ ہیں اللہ تعالیٰ توفیق دے تو انکا مطالعہ کیجئے ان کے علاوہ فضائل رمضان اور بہت سے کتابچے ہیں میسر آجائیں تو ضرور پڑھ لینا چاہیے اس سے علم میں اضافہ ہو گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے اور کیا

نہیں کرنا چاہیئے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ توفیق عمل بھی ہو جائے گی۔

اس زمانے میں دین کا ضروری علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اپنے دین کو ایک رسمی مذہب سمجھ لیا ہے جیسے دوسرے مذاہب ہیں جن میں عبادات کی چند بے سند رسومات ادا کر لینے سے مذہب کا حق ادا ہو جاتا ہے لیکن ہمارا دین اسلام ایسا نہیں ہے ہمارا دین قرآن و سنت کے تابع ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے قیامت تک کیلئے ضابطۂ حیات و ممات بنا کر بھیجا ہے اور اعلان فرمادیا ہے کہ یہ ہماری آخری کتاب ہے جو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہم لوگ کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ تلاوت کلام اللہ سب سے اہم عبادت ہے اور بڑی نعمت ہے مگر صرف کلام اللہ کی تلاوت کافی نہیں بلکہ اس کلام کے اندر جو ضابطہ حیات اور اوامر و نواہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں ان پر عمل پیرا ہونا ہم پر فرض ہے۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ایسا ضابطۂ حیات ہے جسکا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے ہمارے لئے ایک معیار کامل پیش فرما دیا ہے جس کے مطابق عمل کرنے سے دنیا اور آخرت میں حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے اسی ضابطہ حیات کا نام دین ہے۔

عملی دین دوسری بات یہ ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ اسلام دین عمل ہے قرآن کریم میں جگہ جگہ اچھے اعمال کرنے کی تاکید ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ　　بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے الخ

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ　　اور آپ خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے (سورہ بقرہ آیہ ۲۵)

اور یہ سمجھ لیجئے کہ اچھے اعمال یا دین صرف عبادات ہی تک محدود نہیں ہے نماز پڑھ لینے، روزہ رکھ لینے یا زکوٰۃ دے دینے اور حج و عمرہ کر لینے سے دین کا حق پورا ادا نہیں ہو جاتا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوامر و نواہی انکے علاوہ اور بھی ہیں جنکا تعلق (عقائد و عبادات کے ساتھ) ہمارے معاملات معاشرت اور اخلاقیات سے ہے۔

اس طرح دین کے پانچ شعبے ہیں جب تک ان تمام شعبوں میں اللہ جل شانہ' کے احکام کے مطابق عمل نہو گا نہ ایمان کامل ہو سکتا ہے نہ اسلام انھیں احکام الٰہیہ کے تحت ان حقوق کا ادا کرنا بھی شامل ہے جو والدین، زوجین، اولاد، پڑوسی، عزیزواقارب احباب، اہل محلہ، حکومت، عام مسلمانوں بلکہ عام انسانوں سے متعلق ہیں یاد رکھئے! حقوق العباد میں احکامات الہیہ کی خلاف ورزی بہت سنگین جرم ہے عبادات میں کوتاہی ہو جائے تو اللہ پاک اپنی شان کریمی ورحیمی سے معاف فرما دیں گے لیکن اگر حقوق العباد میں کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ جب تک مخلوق خدا جنکی تم نے حق تلفی کی انکے حقوق کی تلافی نہ کروگے یا ان سے معافی نہ مانگ لوگے ہرگز مواخذہ سے بچ نہیں سکتے یہ بات اہم ہے خوب سمجھ لینا چاہیئے۔

اسی طرح احکام الٰہیہ ہمارے معاشرہ سے متعلق بھی ہیں کہ یہ بات جائز ہے یا ناجائز ہے حلال ہے یا حرام فی زمانہ ہمارے معاشرہ کے اندر کبائر اور سنگین گناہ رائج الوقت ہو گئے ہیں جنکو ہم نے محض تفریح کا مشغلہ سمجھ لیا ہے۔ ایسے کبائر کہ جب تک وہ ترک نہ کئے جائیں جب تک ان سے توبہ واستغفار نہ کی جائے ہرگز معاف نہیں ہوں گے۔ گھر گھر ریڈیو ٹیلیویژن چل رہے ہیں۔ گانا بجانا۔ فحش ڈرامے اور فلمی گانے رائج الوقت ہو رہے ہیں، سینما تائٹ کلب وغیرہ فواحش ومنکرات کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔ عورتوں کا بے محابا غیر مردوں سے ملنا جلنا تہذیب حاضر کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب قہر الٰہی کو متوجہ کرنے والے گناہ کبیرہ ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ بے باکانہ جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں۔ لین دین میں فریب، خرید وفروخت میں بدمعاملگی، چور بازاری کرنا عام طور پر رائج ہے اور پھر یہ احساس بھی نہیں کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں۔ ایسے سنگین کبائر کہ جب تک وہ ترک کئے جائیں اور سچی توبہ نہ کیجائے ہرگز لائق معافی نہیں۔ عام لوگوں نے اپنی زندگی کے معاملات تہذیب حاضر کے سانچے میں اس طرح ڈھال لئے ہیں کہ اسلام سے کوئی مناسبت باقی نہیں رہی لیکن خوب سمجھ لیجئے کہ دین وایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ تم اسلام کا

یح علم حاصل کرو اور اللہ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے
راز زندگی اختیار کرو اور اگر تم نے ایمانی تقاضوں کو اہمیت نہ دی اور ان رائج الوقت
ر کی طرف التفات نہ کیا بلکہ سمجھتے رہے کہ ہم مجبور ہیں دور حاضر کے یہی تقاضے ہیں
ہم کو ایسا ہی معاشرہ رکھنا چاہیے، سب لوگ ایسا ہی کر رہے ہیں ہم کہاں کے
یسے متقی ہیں یہ شدید غلطی ہے۔ اس خوش فہمی سے توبہ کیجئے نہیں تو توبہ کی توفیق
ہوگی کیونکہ جس چیز کو تم ناجائز اور گناہ ہی نہیں سمجھتے تو پھر اس سے توبہ کیا کروگے۔

ہمیت معاشرت

دیکھئے میرا مشورہ یہی ہے اور کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ خدا کیلئے
اپنا ایمان و اسلام ٹھیک کرلو ذرا یہ بھی سوچ لو کہ اسلام اور
یمان کا تم سے کیا مطالبہ ہے؟ تم مسلم ہو تو کس صورت سے مسلم ہو؟ اور مومن ہو تو
یسے مومن ہو؟ اللہ اور اس کے رسول نے کیا بتایا ہے اسکی کیا تشریح کی ہے کہ
یمان والے کون ہوتے ہیں اور مسلم کیسے ہوتے ہیں خدا کے لئے یہ تو معلوم کرلو ورنہ دنیا
ر آخرت کے بڑے خسارے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ
ری نظر میں یہ بڑی اہم بات ہے میں صاحب اقتدار لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، تاجروں
ناتر والوں اور عوام الناس کو دیکھ رہا ہوں، گھریلو زندگی کے حالات میرے سامنے ہیں
ب کے سب شعور اور شعائر اسلام سے بیگانہ ہوئے جا رہے ہیں فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي
الْاَبْصَارِ (سو اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو) اسوقت ہر مسلمان کو اپنے ایمان
کی حفاظت کیلئے دین کے بنیادی اصول اور تعلیمات کو حاصل کرنا فرض و واجب ہے
حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ہے "تعلیم الدین" یہ مختصر
سی کتاب ہے مگر اس میں پورا ایمان و اسلام آگیا ہے خدا کے لئے اسکا مطالعہ کیجئے
کہ معلوم ہو جائے کہ ایمان کیا ہے اور اسلام کیا ہے؟ انکے تقاضے کیا ہیں اور ہم کو
کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسری کتاب "حیٰوۃ المسلمین" ہے اس میں
بھی بڑی جامعیت ہے اسکے اندر بھی پورا دین آگیا ہے کہ مسلمان کا معاشرہ ایسا ہونا
ہیے معاملات ایسے ہونے چاہئیں، اخلاق ایسے ہونے چاہئیں کم از کم یہ دو

چھوٹی کتابیں جو یہاں آپ کو بغیر قیمت کے مل جائینگی انکو پڑھ کر اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے جہاں کوتاہیاں ہوں توبہ استغفار کیجئے۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے علماء سے پوچھتے رہئے۔ بھائی آخرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے جہالت میں پڑ کر مطمئن نہیں رہنا چاہئے ایک ایک بات کا سوال ہوگا تمھارے معاملات کے بارے میں، معاشرت کے معاملہ میں، اخلاقیات کے معاملہ میں۔ جب تک دین کے یہ اجزا صحیح نہیں ہوں گے یاد رکھو تمھاری نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب بے روح بلکہ بے معنی ثابت ہوں گے۔

گراں قدر دولت

اب جائزہ لیجئے کہ دین کے ہر شعبہ میں ہم کس قدر فرائض و واجبات ادا کر رہے ہیں اور کس قدر گناہوں سے بچ رہے ہیں۔ دین کے پانچ اجزا ہیں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات انھیں پانچ شعبوں سے متعلق احکامات الٰہیہ کا نام دین ہے جس پر ہمکو عمل کرنا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا ہم پر بے انتہا فضل وکرم ہے کہ ہمیں نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے وہ دولت گراں قدر حاصل ہے کہ عالم امکان میں کسی امت کو حاصل نہیں ابتدائے آفرینش سے بعثت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالےٰ نے حجت تمام نہیں کی تھی تدریجاً ایمان کی ترقی کے لئے نبی آتے رہے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو انسانوں پر اتمام حجت فرمادیا اور اپنے کلام پاک میں اعلان فرمادیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ه (آج کے دن تمھارے لئے تمھارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمھارے دین بننے کے لئے پسند کرلیا۔) یعنی آج ہم نے تمھارے دین کو کامل و اکمل کردیا اور اپنی جتنی نعمتیں بنی نوع انسان کے لئے ضروری تھیں سب دین اسلام کے اندر رکھدیں تو اسلام ایسی چیز ہے کہ اسکے اندر اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی باری تعالےٰ نے جمع فرمادی ہیں۔

رمضان المبارک مغفرت عامہ

آپ نے یہاں ایمان کا مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا اب رمضان شریف کے برکات حاصل کرنے کا طریقہ کار سنیئے! میں یہاں فضائل رمضان بیان نہیں کروں گا وہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے دوسری کتابوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے میں تو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ صاحب ایمان ہونے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے انعامات و احسانات اور رحمتیں کس قدر ہم پر نازل فرمائی ہیں۔ ایک عظیم احسان اللہ تعالےٰ کا ہم پر قرآن کریم کی صورت میں ہے جو اس ماہ رمضان المبارک ہی میں نازل ہوا ہے۔ قرآن کریم ایک اعجاز ہے جو ابدی وسرمدی ہے جسکی مثال عالم امکان میں نہ کبھی تھی نہ تیامت تک کبھی ہوگی۔

دوسرا بے مثال انعام رمضان شریف کے مہینہ میں شب قدر ہے بہت احادیث میں ہے کہ شب قدر میں اللہ تعالےٰ کے ایسے عظیم الشان احسانات کا ظہور ہوتا ہے کہ عالم امکان میں کبھی نہیں ہوا۔ شب قدر کے متعلق یہ بھی ہے (۱۵ شعبان شب برات کے متعلق بھی ہے) کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کا اسقدر جوش ہوتا ہے کہ اپنے فرماں بردار بندوں کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں لیکن بعض گناہ اسقدر سخت ہیں کہ انکی نحوست سے ان مبارک راتوں میں بھی اللہ تعالےٰ کی رحمت خاصہ اور مغفرت عامہ سے محرومی رہتی ہے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔

احادیث میں شب قدر کے متعلق جہاں یہ خوش خبری ہے کہ گذشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں وہاں یہ بھی ہے کہ چار شخصوں کے گناہ معاف نہیں ہوتے صحابہؓ کے پوچھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلا وہ شخص جو شراب کا عادی ہو، دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا رشتہ ناطہ توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو۔ یہ محرومی بہت ہی بڑی محرومی ہے جس کا احادیث نبوی میں ذکر ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا گویا ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اسکی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ انھیں روزہ کے ثمرات سے بجز بھوکا رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو رات کو جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے جو شخص رمضان شریف میں بھی اپنے گناہوں کو معاف نہ کرا سکے اسکی محرومی کا اندازہ ذیل کی حدیث سے ہو سکتا ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر مبارک پر ایک قدم رکھا اور آمین فرمایا پھر دوسرا قدم رکھا اور آمین فرمایا پھر تیسرا قدم رکھا اور آمین فرمایا صحابہؓ کے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل میرے سامنے آئے جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اسکی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین ۔ پھر جب میں نے دوسرا قدم دوسرے درجہ پر رکھا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپؐ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے ، میں نے کہا آمین ۔ جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اسکے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچے اور وہ اسکو جنت میں داخل نہ کرائیں ۔ میں نے کہا آمین ۔

حضرت جبرئیلؑ جیسے مقرب فرشتے کی بددعا ہی کیا کم تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین نے جتنی سخت بددعا بنا دی اسکا کون اندازہ کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے ۔ آمین ۔

جبر و مجاہدہ	سب سے پہلی حدیث میں شب قدر کی محرومی اور باقی تین حدیثوں

میں رمضان کے مہینہ کی محرومیوں کا ذکر تھا۔

اب ذرا غور کیجئے کہ شب قدر جیسی رات جس کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ ہزار مہینوں سے افضل ہے خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ اور اسکا کچھ اندازہ نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنا افضل ہے یہ شب قدر جو حضرت حضورؐ کی امت کو نصیب ہوئی ہے پہلی امتوں میں سے کسی نہیں ملی۔ اب اسمیں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو تو اس سے بھی بڑھکر بدنصیب کون ہوگا؟ خدا نہ کرے کہ ایسا کوئی مومن ہو کہ جس کے دل میں رمضان میں، شب قدر میں کسی اپنے عزیز و اقارب، کسی دوست احباب یا کسی مسلمان سے کینہ و بغض ہو۔ یہ بڑے خوف کی بات ہے آپ کو اپنا جائزہ لینا چاہئے اگر عزیزوں سے دوستوں سے یا کسی سے بھی تعلقات خراب ہو چکے ہوں اور دل میں ان سے ناراضگی کے باعث بغض اور کینہ ہے تو اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی نجات چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت چاہتے ہو تو یہ مجاہدہ کرنا پڑے گا اور یہ جبر کرنا ہوگا کہ جن لوگوں سے تعلقات میں غصہ اور بغض ہے ان سے معافی مانگ لی جائے یا ان کو معاف کر دیا جائے اس میں کوتاہی نہ ہونی چاہیئے۔ اگر کسی کے والدین زندہ ہیں اور وہ کسی وجہ سے ناراض ہیں تو چاہیئے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو والدین کو راضی اور خوش کر لے ورنہ اسکا وبال دنیا و آخرت میں ضرور ہوگا۔

آپس کے تعلقات کی صفائی کے لئے ایک ترکیب بزرگوں نے بتلائی ہے وہ بھی میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں، سنئے! اعلیٰ و اولیٰ تو یہی ہے کہ بالمشافہ معافی اور تلافی کر لی جائے اور اگر بالمشافہ معافی کی ہمت نہیں پاتے تو دل کو سمجھائیے کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ہے، مجھے بھی اسکی معافی، مغفرت اور رحمت کی ضرورت ہے میں اپنے بھائی کو معاف کر دوں یا اس سے معافی مانگ لوں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف کر دیں گے اگر یہ رو برو زبانی نہیں کر سکتے تو تحریراً یوں لکھدو کہ یہ رمضان شریف کا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ کی بخششیں عام ہیں لیکن چند لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت میں قید لگا دی ہے، بھائی! ہمارے اور تمھارے تعلقات میں جو

ناگواریاں ہیں جنکا ہم کو بھی قلق ہے اور تم کو بھی قلق ہوگا، یہ مہینہ ایسا ہے خدا کے لئے تم ہمیں معاف کردو ہم تمھیں معاف کرتے ہیں مجھ سے جو غلطیاں ہوگئی ہوں اور آپ کے دل میں میری طرف سے ناگواری ہو تو للہ مجھے معاف فرما دیجئے۔

بھائی! یہ تو کرسکتے ہو یہ مجاہدہ تو کرنا ہی پڑے گا اور معاملہ صاف کرنا ہوگا ورنہ شب قدر کی شایان شان قدر نہوگی۔ رمضان المبارک کے فضائل رہ جائیں گے اور تمام برکات سے محرومی ہوجائے گی اسلئے کچھ بھی ہو دل کو صاف اور معاملہ کو حل کرنا ہی ہوگا۔ اگر تم نے اپنی طرف سے یہ کام کرلیا اور اس شخص نے معاف نہیں کیا تو انشاء اللہ تم بری الذمہ ہوجاؤ گے، اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہوجائیں گے۔ اب فریق ثانی کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اگر اسکو بھی توفیق ہوگئی وہ بھی بری ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر تم سے کوئی معافی مانگتا ہے اور تم معاف نہ کرو تو وہ بری الذمہ ہوگیا اور تم سے مواخذہ ہوگا کہ تم نے کیوں معاف نہیں کیا اس اہم معاملہ کو ضرور صاف کرنا چاہیئے۔

احترام رمضان

دیکھئے میں شروع میں عرض کرچکا ہوں کہ اس وقت ہمارے عوام کی یہ حالت ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح ہم نے بھی اپنے اسلام کو ایک رسمی مذہب سمجھ لیا ہے اسی بناء پر اپنی فہم کے مطابق رمضان المبارک کو بس اتنا سمجھ لیا کہ دن میں روزہ رکھ لیا رات کو تراویح میں قرآن شریف سن لیا اور صبح صادق سے پہلے سحری کھالی تو بھائی رمضان کا معاملہ یہیں تک نہیں ہے رمضان شریف کا مرتبہ بہت بلند ہے زندگی کے ہر شعبے میں ہر وقت رمضان کا احترام عملاً ضروری ہے کہ رمضان شریف کی برکات حاصل ہوں مگر ہمارا یہ حال ہے کہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، تلاوت بھی کرتے ہیں تسبیحات بھی پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شرعی احکام کی نافرمانی بھی ہوتی رہتی ہے، گناہ کبیرہ وصغیرہ بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں، آنکھ بھی بہکتی رہتی ہے، زبان بھی بہکتی رہتی ہے اور غیبت بھی ہوتی رہتی ہے دل بھی بہکتا رہتا ہے۔ ناپاک گندے خیالات بھی جمع ہوتے رہتے ہیں اور فضول اور لغو افعال میں بھی وقت صرف ہوتا رہتا ہے، ایسے روزہ کو حدیث شریف میں فاق

یا ہے ۔ ایسا روزہ بھی کس کام کا جس میں اللہ تعالےٰ کی نافرمانی بھی ہوتی رہے
اسکا احساس بھی نہو۔ ایسی صورت میں توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی ۔ روزہ تو
کے ساتھ ہوتا ہے ۔ جب تک آنکھیں، زبان، دل اور اعضاء و جوارح سب پاک
ہوں گے تمھارا روزہ بے جان اور بے روح ہوگا اور روزہ پر اللہ تعالےٰ سنے
انعامات کا وعدہ فرمایا ہے اور روزہ دار کے لئے جو اجر عظیم رکھا ہے اس سے
دمی رہتی ہے ۔ ہم خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا کس دل سے توقع
تے ہو کہ ایسی حالت میں تم پر رمضان شریف کے انوار و برکات اور تجلیات کا
رہوگا ۔ اللہ تعالےٰ کے موعودہ انعامات و احسانات تم کو کیسے حاصل ہوں گے؟ بلکہ
ضان کی حق تلفی سے اجر و ثواب کے بجائے اندیشہ ہے کہ الٹا مواخذہ نہ ہونے لگے
للہ تعالےٰ کی اس نعمت عظمیٰ کی ایسے قدری کی گئی ۔ اللہ تعالےٰ محفوظ رکھیں ۔ ہمارا
بان اور اسلام کیا مطالبہ کرتا ہے کہ جب تم اللہ کے محبوب نبی کریمؐ کے امتی ہو تو انکی
بت و عظمت کا کیا حق ادا کر رہے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا دل میں
ا ذوق و شوق رکھتے ہو؟ اپنی وضع قطع، لباس پوشاک، رہن سہن میں سنت کا اتباع
کرتے ہو؟ اسلامی تہذیب و معاشرہ اور شعور و شعائر اسلام کا کتنا پاس و لحاظ رکھتے
؟ مگر افسوس ہم نے تو کفار و مشرکین، فساق و فجار، یہود و نصاریٰ مبغوضین اور ضالین
معاشرہ اختیار کر رکھا ہے ۔ ہمارے دلوں میں نفسانی اور شیطانی گندگی اور ناپاکی گھسی
ئی ہے لیکن ہم کو نہ ان باتوں کا احساس ہے اور نہ ہم انکو برا سمجھتے ہیں۔

وعام | دل کی گہرائیوں سے ان حالات پر غور کرنا چاہئے ۔ اگر ہمارے پاس خاطر خواہ جواب نہیں ہیں تو پھر بتاؤ اس ماہ مبارک میں ہمارے ایمان میں کیسے تقویت
ئے گی، ہمارے دلوں میں کیسے عبادات کا نور آئے گا، ہماری روحانیت کیسے ترقی
ے گی؟ ہمارا تعلق مع اللہ کیسے قائم رہے گا؟ رمضان المبارک کے برکات و ثمرات
انعامات و احسانات ہمیں کیسے نصیب ہوں گے؟ شب قدر کی تجلیات و انوار کا
کیسے ظہور ہوگا؟ ان سب باتوں پر اچھی طرح غور کرنا چاہئے ۔ اگر سال بھر کے گیارہ مہینے

بلکہ ساری عمر بھی اب تک غفلت میں گذری کبائر وصغائر کے ارتکاب میں گذری حقوق اور حقوق العباد کی حق تلفی میں گذری، بے حیائی، بے غیرتی، بے شرمی اور ظلم عدو کے مشاغل میں گذری تو پھر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے موقع دیا ہے کہ ہوش میں آجائیں اور اپنی زندگی کے جو لمحات بھی حاصل ہیں اور جو فرصت عمر ملی ہو ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی گھڑیاں ابھی نصیب ہیں، مولائے کریم کے رحم وکرم کو طلب کر لینے کا ابھی وقت موجود ہے، مایوس ہو کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا تو کفر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس ماہ مبارک میں تمام مسلمانوں کو توبہ واستغفار کے لئے اعلان ہو اور عفو ومغفرت کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے اور بہت محبت کے ساتھ فرمان ہے

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى	اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتیاں
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ	کی ہیں تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو
اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ	بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیگا
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ	واقعی وہ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت کرنیوالا ہے

(الزمر ۵۳)

استقبال رمضان

اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا اعلان ہے اسکی قدر کرو۔ خدا کے لئے اب بے حسی اور غفلت کو دور کرو رمضان المبارک کے روزے آرہے ہیں اپنے قلب کی صلاحیتیں درست کرلو، غیر ضروری امور اور تعلقات آج سے ختم کردو، یکسوئی کے ساتھ رمضان شریف کے مبارک دنوں کے استقبال کے لئے تیار ہوجاؤ، توبہ واستغفار سے قلب کی پاکی حاصل کرلو اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرو تہیہ اور عزم کرلو کہ تیس دن تک ہر طرح کے معاصی سے پرہیز کریں گے، نافرمانی سے بچیں گے، آنکھوں اور زبان کی حفاظت کریں گے۔ اس طرح اگر آپ رمضان میں داخل ہوگئے تو پھر انشاء اللہ اس کی پوری برکات اور ثمرات آپکو نصیب ہونگے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ بغیر اس تیاری کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

بے پردہ عورتوں کا روزہ

اب عورتوں کے متعلق بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ عورتوں کی آزادی اور بے راہ روی کا ایسا سیلاب چکا ہے کہ الامان الحفیظ ہمارے اور آپ کے قابو سے باہر ہو گیا ہے اب تو اللہ تعالیٰ ہی اس امت پر اور اس قوم پر رحم فرمائیں تاریخ بتا رہی ہے کہ جہاں جہاں تباہیاں آئی ہیں، جو جو ملک برباد ہوئے ہیں وہ عورتوں کی بیحیائی بے شرمی بے غیرتی، گانا بجانا، عیش و عشرت، ناچ رنگ، لہو لعب کی باتوں سے برباد ہوئیں اور اب مسلمانوں پر بھی یہ تباہی آ گئی اللہ بچائے ہمارے ملک میں بھی اب وہی انداز ہے وہی آثار شروع ہو گئے۔ عورتوں کی آزادی کا یہ عالم ہے برقع اتارا بالکل بے محابا آزاد ہو گئیں بے حیائی بے شرمی سے سر کھلا، بازو کھلے، پیٹ کھلا، رنگین کپڑے پہنے ہوئے بلا تکلف مردوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں دوش بدوش ہو رہی ہیں حدیث شریف میں ہے کہ ایسی عورتوں پر فرشتے بھی لعنت بھیجتے ہیں اور تمام مخلوق ان پر لعنت بھیجتی ہے اور یہ ایسا گناہ کبیرہ ہے جس سے توبہ کی بھی توفیق نہ ہونے کا اندیشہ ہے یہ بڑی سنگین بات ہے یہ تو ایسا سیلاب آ چکا ہے جس پر مرد بھی راضی ہیں اور عورتیں بھی مطمئن۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور لطف یہ کہ ایسی عورتیں سمجھتی ہیں کہ ہم رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور نماز بھی پڑھ لیتے ہیں تو ایسی عورتیں اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب تک خلاف شرع کاموں سے توبہ نہ کریں گی انکا نماز روزہ کسی کام نہ آئے گا، اللہ کے رسولؐ نے یہی اعلان فرمایا ہے کہ روزہ دار کے لئے واجب ہے کہ تمام کبائر سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی عدول حکمی سے بچے، جب یہ نہیں ہو گا ایمان کامل نہیں ہو گا کامل ہونا کیا معنی اندیشہ ہے کہ ایمان قائم بھی رہے گا یا نہیں۔ یہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں اللہ اور اسکے رسول کا حکم یہی ہے۔

حیا و عفت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شرم و حیا ایمان کی علامت ہے اور ایمان جنت میں پہنچاتا ہے، بے شرمی بدخوئی کی بات ہے اور بدخوئی دوزخ میں لیجاتی ہے ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ شرم و حیا ایمان کی نشانی ہے ۔ اگر شرم و حیا رخصت ہوئی تو پھر ایمان کی کہاں خیر۔ اور پھر غضب یہ کہ بے پردگی بے غیرتی بے شرمی، بے حیائی وغیرہ گناہ کبیرہ کو گناہ نہیں سمجھا جاتا کہا جاتا ہے کہ یہ رائج الوقت چیز ہے، آج کی تہذیب و معاشرہ اسی طرح ہے تو کیا تمھارے ایسا کہنے سے قانون الٰہی بدل جائے گا۔

اسکا وبال بھی گھر گھر دیکھ رہے ہو نہ چین ہے نہ سکون نہ امن ہے نہ عافیت طرح طرح کے مصائب نئی نئی مشکلات پریشانیاں، بیماریاں، الامان والحفیظ۔

شامت اعمال کا ایک ہمہ گیر وبال ہے جو آجکل ساری قوم پر طاری ہے، اللہ محفوظ رکھے اپنے قہر سے اپنے غضب سے ۔ یہ معمولی بات نہیں کہ احکامات الٰہیہ کی خلاف ورزی کرو، کبائر کا ارتکاب کرو اور سمجھو کہ یہ تہذیب حاضر ہے آجکل کا تقاضا ہی ایسا ہے ہم مجبور ہیں ایسا ہی ہوتا ہے مگر تم سمجھ لو کہ مجبوری سمجھکر کرو یا خوشی سے کرو مگر اللہ کے غصہ اور غضب سے نہیں بچ سکتے ۔ کبائر کرنے کے بعد عصیان و طغیان کے بعد اس پر اصرار کرنے اور جری رہنے کے بعد، اسکو ترک نہ کرنے کے ارادہ کے ساتھ کیسے نجات و مغفرت کی امید رکھ سکتے ہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ کہیں توبہ کی توفیق ہی نہ سلب کر لی جائے ۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔

جوشِ رحمت دیکھو! ہوش میں آجاؤ، سنبھل جاؤ، رمضان شریف کے روزے آرہے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت دھواں دھار برستی ہے توبہ کر لو، گناہوں کو ترک کر دو۔ رمضان جیسے برکت و رحمت کے مہینے میں توبہ و استغفار سب قبول کرنے کا وعدۂ خداوندی ہے۔

اللہ تعالےٰ کے جوش رحمت کو دیکھو کہ فرماتے ہیں یہ مہینہ میرا ہے اسکا اجر میں دونگا۔ صاحب ایمان کے لئے ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ کیا راز ماہ رمضان کو اپنے ساتھ کیوں مخصوص کیا کہ یہ مہینہ میرا ہے؟ سنو! یہ مہینہ اس لئے مخصوص کر لیا کہ جتنی بھی نعمتیں اور رحمتیں باری تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

دینا چاہتے تھے اور انکو راضی کرنا چاہتے تھے اور انکی امت پر جتنا رحم فرمانا چاہتے تھے سب اللہ تعالےٰ نے اس مہینہ میں عطا فرما دیں۔ اب بدنصیب ہے وہ شخص جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہو اور اس ماہ مبارک سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اس ماہِ مبارک میں تین عشرے ہیں ایک رحمت کا دوسرا مغفرت کا، تیسرا عذابِ دوزخ سے نجات کا۔ اب تصور اور خیال میں لاؤ کہ اس کے علاوہ اور کوئی چوتھی چیز بھی ہے جس کی تمھیں حاجت ہو جبکی تمھیں دنیا و آخرت میں ضرورت ہو؟ بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ رمضان کے تین عشرے ہیں اور آدمی بھی تین ہی طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار اور مطیع بندے ہیں جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں انکے لئے تو شروع رمضان ہی سے رحمت و انعام کی بارش شروع ہوجاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو معمولی گناہ گار ہیں انکے لئے کچھ روزہ رکھنے کے بعد ان روزوں کی برکت سے مغفرت ہوجاتی ہے۔ اور تیسرے وہ جو زیادہ گناہ گار ہیں انکے لئے زیادہ حصہ روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خلاصی ہوجاتی ہے۔ جب اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا مہینہ ہے تو ہوشیار ہوجاؤ اور دیکھو کہ اللہ میاں اپنے مہینہ میں ہم سے کیا چاہتے ہیں اس پر غور کرو اور انکے احکامات پر نظر کرو۔ اللہ پاک نے اپنے کلام پاک میں اپنی مرضیات اور نامرضیات کی تفصیل بیان فرمادی ہے انکو مستحضر کرو اور اللہ پاک نے دنیا و آخرت میں جن اعمال صالحہ کے ثمرات و برکات کی وضاحت فرمادی ہے انکو سمجھو اور اختیار کرو، اپنی اہلیت اور استعداد کو درست کرلو، اللہ کی رحمت کے طلبگار بنو اور اپنے کو اللہ کی رحمت و مغفرت کے قابل بنالو اور دعا کرو کہ یا اللہ! یہ آپ کا مہینہ ہے تو پھر آپ ہمکو اپنا بنا لیجئے ہم اب تک جو بھول اور غفلت میں پڑے رہے، کبائر میں مبتلا رہے، فسق و فجور میں گرفتار رہے، غیر قوموں کا تمدن اختیار کیا، مشرکین و کفار یہود و نصاریٰ، مغضوبین و ضالین کی وضع قطع، لباس پوشاک اختیار کی، اور اپنی شامت اعمال سے غافل رہے ہمکو اب معاف فرما دیجئے اور ان سب گناہوں کے ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ آمین۔

عورتیں ہوں یا مرد سب ہوشیار ہو جائیں اگر اللہ کے نیک بندے اور بندیاں بننا چاہتے ہو تو پھر اللہ کی منشار کے مطابق اپنی زندگی بنالو، شریعت مطہرہ کے مطابق اپنا رہنا سہنا، ملنا جلنا، کھانا پینا، لباس پوشاک سب بنالو، عورتوں کے لئے بھی صاف صاف ہدایات موجود ہیں، مردوں کے لئے بھی واضح اور کھلے احکام موجود ہیں۔ خدا کا قانون جاری ہو چکا ہے عالم امکان میں کسی کی مجال نہیں کہ قانون الٰہی بدل سکے جتنے صغائر و کبائر ہیں سب ترک کرو اور گذشتہ پر توبہ و استغفار کر کے اللہ تعالےٰ سے عجز و انکساری کے ساتھ معافی مانگو، تو پھر کیا ہوگا؟ اللہ تعالےٰ کے مورد رحمت بن جاؤگے، اللہ تعالےٰ کے انعامات و احسانات تم پر ہوں گے۔

تحفہ شب قدر شب قدر آئیگی جس پر صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ شب قدر نازل ہو گئی اسکا درجہ کیا پوچھتے ہو عالم امکان میں اسکا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا شب قدر ایک ایسا تحفہ ہے کہ اگر اسکے لئے ہزاروں ایمان والے جانیں قربان کردیں تو بھی کم ہے۔ شب قدر کوئی معمولی انعام و احسان ہے؟ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ "بے شک ہم نے قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے" یہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لئے کافی ہے کہ قرآن پاک جیسی باعظمت چیز اس میں نازل ہوئی پھر ارشاد ہے لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ "شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے" اور اس بہتری اور زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے گویا یہ رات ایسی رات ہے کہ ہزار مہینے بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتیاں نازل ہوتی ہیں رحمتوں کی بارش ہوتی ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام مع ملائکۂ رحمت کے اللہ تعالیٰ کیطرف سے سلامتی کا تحفہ لیکر آتے ہیں، اس رات کی قدر کرو مگر تمھیں اسکی قدر کیسے آئیگی جب تک کہ تم گناہوں سے فسق و فجور سے توبہ استغفار نہ کرلوگے اور پاک و صاف نہ ہو جاؤگے۔ اس لئے اپنے قلب کی صلاحیتیں اور استعداد درست کرلو۔ اگر اللہ تعالےٰ کی شب قدر سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، اللہ کی رحمتوں کے نزول سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو، کلام اللہ کے برکات و انوار سے

فائدہ اٹھانا چاہیئے ہو، انشاء اللہ اس اہتمام و پاکی کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرپور مالا مال ہو جائیں گے ۔

میری ان تمام گذارشات کا مقصد سمجھ لیجیے اب خدا کے لئے پاک و صاف ہو جائیے ۔ تہیہ کرلو کہ تیس دن تک گناہ نہ کریں گے نہ آنکھوں سے نہ کانوں سے نہ زبان سے ، عورتیں بھی تہیہ کرلیں کہ حجاب اور پردہ کے ساتھ رہیں گے بغیر کسی ضرورت شدیدہ کے باہر نہیں نکلیں گے ۔ تیس دن اہتمام کرلو تیس دن کوئی بڑی مدت نہیں اسکے بعد پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور کن کن عنوانات سے ہوتا ہے ۔

مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا کہ رمضان شریف کی قدر کرو اور یہ سمجھ کر قدر کرو کہ یہ مبارک مہینہ پھر نہیں ملے گا خدا معلوم زندگی رہے یا نہ رہے ۔ بڑے بڑے بزرگان دین نے بڑے بڑے عارفین نے تمنائیں کی ہیں کہ رمضان شریف کا ماہ مبارک مل جا سکے ۔ رمضان شریف میں جو داخل ہوگیا تو گویا وہ جنت میں داخل ہوگیا کیونکہ اس میں بے انتہا اور بے حساب رحمتوں کا نزول ہوتا ہے ، بے انتہا مغفرتوں کا نزول ہوتا ہے ، بے انتہا عذاب نار سے بچانے کے سامان ہوتے ہیں ۔ اس مبارک مہینے میں اکثر مسلمانوں کی عبادات رات بھر تو ہو ہی جاتی ہیں افطار سے لیکر صبح کی نماز تک ۔ دن کے معاملات میں بھی اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ ، جی بھر کے توبہ و استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرو ۔

مانگنے کا ڈھنگ بس اب دعا کرو ! یا اللہ ! رمضان مبارک آرہا ہے ، آپکی ہزاروں رحمتوں اور نعمتوں کے ساتھ آرہا ہے ، جنت کی نشانیوں کے ساتھ آرہا ہے ، آپ کا وعدہ ہے کہ تمام گناہوں کو معاف فرما دینگے

یا اللہ ! ماہ رمضان المبارک کی جتنی رحمتیں ، جتنے انعامات و احسانات ہیں جتنے انوار و تجلیات ہیں ہم کو ان کے حاصل کرنے کی استعداد و صلاحیت عطا فرما دیجئے کسی چیز سے ہمیں محروم نہ فرمائیے ۔

یا اللہ ! ہمکو اپنی عبادات اور طاعات خاصہ کی توفیق ، اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ

علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیے۔

یا اللہ! لغزشوں سے نفس و شیطان کے مکائد سے ہم کو محفوظ فرمائیے۔ یا اللہ مجبوراً معاشرہ کے غلبہ سے اور نفس و شیطان کے غلبہ سے ہم سے جو فسق و فجور کے کام ہوئے ہیں ہم ان سے نفرت کرتے ہیں اور چھوڑ دینے کا عزم کرتے ہیں مگر ڈرتے ہیں کہ پھر ہم سے انکا ارتکاب ہو جائے گا یا اللہ آپ ہی محافظ حقیقی ہیں، رحم کرنے والے ہیں ہم پر رحم فرمائیے، ہمیں محفوظ رکھئے اور اپنا مورد رحمت بنا لیجئے۔

یا اللہ! یہ رمضان کا مہینہ ہے اور آپ اسکا اجر خود عطا فرمائیں گے تو یا اللہ! ہم سے زیادہ محتاج اور کون ہے ہم آپ کے فضل و کرم کے بہت محتاج ہیں ہمیں اپنا فرماں بردار بنا لیجئے۔ اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار سچا اُمتی بنا دیجئے۔

یا اللہ! ہمکو اب ان کاموں کی توفیق عطا ہو جن کو آپ پسند فرماتے ہیں جو آپکے نبی الرحمۃ نے پسند کئے ہیں۔ یا اللہ! تمام لعنت زدہ کاموں سے ہمیں بچا لیجئے جن سے آپ ناراض ہوتے ہیں۔ یا اللہ! ہم آپ کے مواخذہ کو برداشت نہیں کر سکتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج (سورۃ البقرۃ آیہ ۲۸۶)۔ (اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمائیے اگر ہم بھول جاویں یا چوک جاویں۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جسکی ہمکو سہار نہو)۔ ہم پر جو شامتِ اعمال طاری ہے ہم سے اس کا تحمل نہو سکے گا دنیا میں نہ آخرت میں وَاعْفُ عَنَّا ہمیں معاف فرما دیجئے وَاغْفِرْ لَنَا ہماری مغفرت فرما دیجئے وَارْحَمْنَا ہم پر رحم فرمائیے اَنْتَ مَوْلٰىنَا آپ ہمارے مولا ہیں، ہم کو اپنا بنا لیجئے آپ قادر مطلق ہیں جس کو چاہیں بنا سکتے یا اللہ! ہم آپ ہی کیطرف رجوع ہوتے ہیں اور آپ سے رحم کی درخواست کرتے ہیں اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل میں ہماری دعا قبول فرمالیجئے۔

یا اللہ! ہمارے پاس اور کوئی سرمایہ نہیں، کوئی وسیلہ نہیں، ہم اقرار جرم کرتے ہیں، آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرکے آپ کی رحمت کے طلب گار ہیں۔ یا اللہ! اس ماہ مبارک کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک سانس ہمارے لئے باعث رحمت بنا دیجئے۔ یا اللہ ہمیں ہر خطا و عصیان سے محفوظ رکھئے ہر تقصیر و کوتاہی سے محفوظ رکھئے، ہمیں اس ماہ مبارک میں اپنی رحمتوں کا مورد بنا دیجئے، اپنی مغفرت کا مورد بنا دیجئے اور عذاب نار سے نجات بھی عطا فرمایئے

یا اللہ! آپ نے توفیق دی ہے اور آپ چاہتے بھی یہی ہیں کہ آپ کے بندے ‍ٔپ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں، عجز و نیاز کا اظہار کریں، اقرار جرم کریں، یا اللہ! ‍م سب اقرار جرم کر رہے ہیں ہم مجرم ہیں، ہم سے اب تک بڑی نالائقیاں سرزد ہوئیں، ہمارے ‍ندر شیطانیت بھی، ابلیسیت بھی جس میں ہم مبتلا رہے لیکن اب ہم اس ماہ مبارک میں داخل ‍ورہے ہیں آمین ہمیں پاک صاف کر کے اپنے فرمانبردار بندوں میں داخل کر لیجئے، اسکے ایک ایک ‍ہ میں جو آپ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اسکا ہم کو مورد بنا دیجئے، مستحق بنا دیجئے ‍ردوا نما، دائما اس پر یا اللہ ہماری حیات کو قائم رکھئے، ہم کو بھٹکنے اور بے راہ ‍ونے سے بچا لیجئے۔

یا اللہ! ہمکو اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی سے بچا لیجئے ‍ر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لئے ہم پر اور تمام امت مسلمہ پر ‍م فرمایئے، تمام عالم اسلام پر، سارے ممالک اسلامیہ میں ہر جگہ، ہمارے والدین ‍، اعزا اقربا پر، ہمارے دوست احباب پر سب پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمایئے

یا اللہ! آپ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اسوقت جہاں جہاں ‍ں ہیں اور دشمنوں کی زد میں ہیں، سازشوں میں ہیں انکی حفاظت فرمایئے، انکو ‍ایت دیجئے، یا اللہ انکو دشمنوں سے آزاد کر دیجئے، اعدائے دین کی سازشوں ‍سے انکو بچا لیجئے، یا اللہ! آپ ایک عاجز بندے کی دعا قبول فرما کر سارے عالم اسلام ‍ر تمام مسلمانان عالم پر اپنی رحمت فرمائیں، ہم پر بھی رحمت فرمائیں ہمارے اہل و عیال

پر بھی رحم فرمائیے۔ ہمارے عزیز و اقارب پر بھی رحم فرمائیے، یا اللہ جو بیمار ہیں ان کو شفاء عاجلہ و کاملہ عطا فرمائیے، جو پریشان حال ہیں انکی پریشانی رفع فرما دیجئے، یا اللہ جنکے ایمانوں میں ضعف ہے انکے ایمانوں میں قوت پیدا فرما دیجئے، ہم کو کسی خیر سے محروم نہ فرمائیے۔

یا اللہ! تمام ممالک اسلامیہ میں پھر اسلام کی حیات طیبہ عطا فرما دیجئے انکی اعانت و نصرت فرمائیے، یا اللہ ممالک اسلامیہ جو اسلام کے نام پر قائم ہوئے ہیں انکو گمراہیوں سے بچائیے، ہر قسم کے فواحش و منکرات سے جو رائج الوقت ہو رہے ہیں ان سے محفوظ رکھئے، یا اللہ ہمارے علماء و صلحاء کو توفیق دیجئے کہ آپ کے دین کی اشاعت کرتے رہیں۔

یا اللہ! جو لوگ صاحب اختیار ہیں جنکو آپ نے اپنی مخلوق کا امین و پاسباں بنایا ہے انکو حوصلہ دیجئے، فہم دیجئے، صلاحیت دیجئے انکی اعانت و نصرت فرمائیے اور انکے ذریعہ اسلامی ممالک کو صحیح معنی میں مملکت اسلامیہ بنا دیجئے اور نفاذ شریعت کا اتمام فرما دیجئے، تمام ممالک اسلامیہ کو گمراہی سے، ذلت سے، رسوائی سے اور بدنامی سے بچا لیجئے۔ یا اللہ! عالم میں کوئی ایسا مرد مجاہد پیدا فرما دیجئے جو عالم اسلام کی کایا پلٹ دے، فسق و فجور مٹا دے، احکام شرعیہ کا نفاذ کر دے اور اسلامی فضا ملک میں پھیلا دے۔

یا اللہ! ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیجئے، ایمانوں میں تازگی عطا فرما دیجئے، تقاضائے ایمان بیدار فرما دیجئے، ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت پیدا فرما دیجئے، غیرت پیدا فرما دیجئے، یا اللہ ہمیں ظاہری و باطنی ہلاکت سے بچا لیجئے، یا اللہ! اپنی مغفرت و رحمت کا مورد بنا دیجئے اور عذاب نار سے بچا لیجئے۔

اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(آپ میرے پروردگار ہیں آپ مجھکو کافی ہیں ، آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ اے اللہ میں مانگتا ہوں آپ سے وہ سب بھلائیاں جو مانگی ہیں آپ سے آپ کے نبی اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ اور یا اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ان تمام بری چیزوں سے جن سے پناہ مانگی ہے آپ کے نبی اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے)

یا اللہ! اس ماہ مبارک میں ہر شر سے بچا لیجئے، نفس و شیطان کی شرارتوں سے، گمراہیوں سے، ضلالتوں سے بچا لیجئے ۔ یا اللہ! اپنی رحمتوں کے دروازے ہم پر کھول دیجئے، اپنے انعامات و احسانات کے دروازوں کو کھول دیجئے ۔ یا اللہ! ہم میں ہر ایک کو اپنی رحمت کا مورد بنا لیجئے ۔ ہم تمام عمر کے گناہوں سے ندامت قلب کے ساتھ توبۃ النصوح کرتے ہیں معاف فرما دیجئے، تمام عمر کے گناہوں کو معاف فرما دیجئے، سب کو پاک صاف کر دیجئے، ہم کو بھی پاک صاف کر دیجئے ۔ یا اللہ ہم سے راضی ہو جائیے اور ہم کو راضی کر دیجئے ۔ یا اللہ! رمضان المبارک کے ایک ایک لمحہ کے جو برکات و انوار ہیں ہم سب کو ان سے بہرہ ور فرمائیے ۔ ہمارے استعداد ناقص ہیں تو اسکو درست کر دیجئے، ہماری صلاحیتیں بگڑی ہوئی ہیں تو انکو ٹھیک فرما دیجئے ہمارے ایمانوں میں تازگی عطا فرمائیے ۔ ہمارے اسلام میں قوت عطا فرما دیجئے اور کسی خیر سے ہمکو محروم نہ فرمائیے ۔

یا اللہ! ہم آپ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعا مانگ رہے ہیں جو دعائے مقبول ہے ۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں ہم آپ کی بارگاہ میں آپ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پیش کرتے ہیں " اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا (یا اللہ ہماری تعداد بڑھا دے اور گھٹا مت اور ہمکو عزت و آبرو دے اور ذلیل وخوار نہ فرما اور ہمکو عطا یا رحمت فرما اور محروم نہ فرما، اور ہمکو دوسروں پر ترجیح دے (بڑھائے رکھ) اور دوسروں کو ہم پر نہ بڑھا، اور ہم کو خوش کر دے

اور ہم سے راضی ہوجا۔

یا اللہ! جو مانگ سکے وہ بھی اور جو نہ مانگ سکے وہ بھی سب ہمکو عطا فرما دیجئے

یا اللہ! کیا ہماری قابلیت اور کیا ہماری قوت اظہار آپ علیم و خبیر بذات الصدور ہیں، آپ اپنے بندوں کے حالات کو خوب جانتے ہیں ہمیں کسی نعمت سے محروم نہ رکھئے اور ہر شر سے بچا لیجئے اور ہر اس چیز سے بچا لیجئے جس میں آپکی ناراضگی ہو۔

اے اللہ ہم سے راضی ہو جایئے یہ آپ کا مہینہ ہے تو اس مہینہ میں ہمیں اپنا بنا لیجئے ضرور اپنا بنا لیجئے۔ ہماری کوتاہیاں ہم سے دور فرما دیجئے اور یا اللہ ہمیں محرومی سے بچا لیجئے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ٥ (آمین ثم آمین)۔ (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے بعد اسکے کہ آپ ہم کو ہدایت فرما چکے ہیں۔ اور ہمکو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمایئے بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ ٥

افطار کیوقت کی دعائیں (۱) يَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْ لِيْ "اے وسیع فضل و کرم والے میری مغفرت فرما" (۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَعَانَنِيْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِيْ فَاَفْطَرْتُ "شکر ہے اس اللہ کا جس نے میری اعانت کی تو میں نے روزہ رکھا اور مجھکو رزق عطا کیا تو میں نے افطار کیا" (۳) اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ "اے اللہ میں نے آپ ہی کیلئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے دیئے ہوئے رزق پر افطار کیا" (۴) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ ذُنُوْبِيْ "اے اللہ میں آپ کی اس رحمت کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کہ آپ میرے گناہ معاف فرما دیجئے"

افطار کے بعد کی دعا (۷) ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ "پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور انشاء اللہ ثواب ثابت ہوگیا"

رمضانُ المبارک کے انوار و انعامات

رمضانُ المبارک کے بعد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ادائے شکر رمضان شریف آئے اور چلے گئے پھر وہی ہم وہی مشاغل پھر وہی نفس وشیطان ہیں اور پھر وہی حالات زندگی سے

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں
پھر وہی زندگی ہماری ہے

رمضان شریف کے متعلق کتنی فضیلتیں سنیں کچھ اثر بھی محسوس کرتے ہو اور کچھ انکا حق ادا کرنے کی توفیق بھی ہوئی ؟ کچھ نہیں محسوس ہوتا ؟ ہم جو عبادات وطاعات میں مشغول رہے انکا کیا اجر ملا ، ہمارے ایمان وروح میں کسقدر ترقی ہوئی ، اللہ تعالےٰ کی کسقدر رضا نصیب ہوئی ، کچھ محسوس نہیں ہوتا ؟ تو دیکھئے پہلے یہاں سے شروع کیجئے کہ ہم اللہ تعالےٰ کے ان ہزاروں احسانات وکرامات کا شکریہ ادا کریں جنکو ہم محسوس کرتے ہیں اور جن سے ہر وقت کا واسطہ ہے اور عادات ڈالیں ان نعمتوں کی قدردانی کی جب قدر کریں گے تو قلب وروح میں صحیح صلاحیتیں پیدا ہونگی ، قابلیت پیدا ہوگی ۔ اللہ میاں نے فرمایا کہ یہ مہینہ میرا ہے اور روزہ داروں کو صلہ میں دونگا ، ہمیں آپ کو کیا معلوم کہ کن کن عنوانات سے اور کسقدر انعامات عطا ہو رہے ہیں ۔ ہمارے اللہ میاں ایسے ہی مربی ایسے ہی رحیم وکریم ہیں انکی رحمتیں اور بے بہا نعمتیں ہمارے احساس سے بالاتر ہیں کیونکہ یہ سب روحانی وایمانی ہیں لیکن جو کچھ انعامات محسوسات میں سامنے ہیں انکو ذرا مستحضر کرلیں اور شکر ادا کریں ۔

احساس بندگی اللہ میاں نے جب فرمایا کہ یہ مہینہ میرا ہے تو معلوم ہوا کہ مہینے شفقت کا معاملہ شروع ہوا اب تمہارے پاک و صاف ہوجانے

کا موقع عطا فرمایا جا رہا ہے اسلئے کہ ناپاکی کے ساتھ نہ اللہ میاں سے تعلق ہو سکتا ہے اور نہ انکے احسانات کا ادراک ہو سکتا ہے۔ تمہارے ہی نفع کے لئے اللہ میاں نے ذرا تیور بدل کر فرمایا کہ دیکھو تم نے اگر اس ماہ میں اپنے گناہ نہ معاف کروا لئے تو برباد ہو جاؤ گے تباہ ہو جاؤ گے۔ اللہ میاں کا یہ تیور کام آگیا، بندے ڈر گئے اور لائن میں بھی آ گئے اور عرض کرنے لگے یا اللہ ہماری ساری زندگی کے گناہ معاف فرما دیجئے، ہم نہ جانے کہاں کہاں ملوث رہے اور نجانے کتنی لغوتیوں اور معصیتوں میں اپنے دن گندگی میں گزار لئے، ہم نے شرافت کے احساسات مٹا لئے اور اپنا احساس بندگی ہی کھو بیٹھے لیکن اب جبکہ ندامت کا احساس ہوا تو توبہ و استغفار کی توفیق ہوئی چونکہ ندامت اور خلوص دل سے توبہ کرلی تو اللہ میاں نے اپنے وعدے کے مطابق معاف فرما دیا اب قلب صاف ہوگیا اور ہم متقی و پرہیزگار ہو گئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

روزہ دار کے انعام اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ ہم تم کو دس دنوں تک موردِ رحمت بنائیں گے کونسی رحمت جس کو اللہ میاں چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے ہو اور جسکی تم کو ضرورت ہے۔ پھر دس دنوں تک تم کو موردِ مغفرت بنائیں گے اور اگر پھر بھی اندیشہ ہو تو دس دن ہم ایسے رکھیں گے کہ پروانۂ نجات دے دیں گے۔ اب تو دوزخ سے چھٹی ہوگئی اور ایسے پاک و صاف ہوگئے کہ نفس بشریت کے، جتنے فاسق مادے تھے سب دور ہوگئے۔ لاالٰہ الا

یہ انعامات کس کو مل رہے ہیں؟ روزہ دار مومنین کو۔ کون مومنین؟ جو ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور سے وہ محبوب نبی جن کو اللہ جل شانہ نے اپنے صفات کا مظہر بنایا خود کبھی رؤفُ الرحیم اور رحمۃ اللعالمین اور آپؐ کو بھی رؤف الرحیم اور رحمۃ اللعالمین بنایا۔ آپ ہی کی دلجوئی آپ ہی کی خاطر یہ سب انعامات مومنین کو عطا فرمائے اسی محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جو عالم ناز میں آکر اپنے رب سے کہتے ہیں، کہ میں تو راضی نہ ہونگا جب تک

میں اپنی مراد نہ پالوں اور جب تک اپنے امتیوں کے لئے تمام مغفرت
سامان نہ کرالوں تو اللہ میاں فرماتے ہیں اچھا ہم ایسا انعام دیں گے جو آپ کے
امتیوں کے قیاس اور وہم و گمان میں بھی نہ آسکے گا۔

مقصود عبادت جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مہینہ میرا ہے تو اس ماہ مبارک
میں ہم کو بھی اپنا ہی بنا لینے کے لئے بہت سے ذرائع
عطا فرمائے اور ایسی عبادات و طاعات کی توفیق دی جس میں انھیں کی رضا
پیش نظر تھی چنانچہ روزہ داروں کی ساری رات عبادت میں گزر جاتی ہے۔ ا
سے پہلے ہر مسلمان ہی دنیا کے مشاغل سے فارغ ہو کر عبادات کیطرف متوجہ ہوتا
ہے۔ چنانچہ روزہ افطار کے بعد نماز مغرب میں نوافل ادا کیں اسکے بعد کھانا کھا
پھر تراویح سے فارغ ہوتے ہوتے کافی وقت گزر گیا اور دیر سے سونے کا وقت
اسکے بعد جب سحری کے لئے بیدار ہوئے تو اس وقت نوافل، تہجد، تسبیحات
فراغتِ قلب کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعائیں، مناجاتیں نماز فجر تک جاری رہیں
نماز فجر باجماعت ادا ہوئی پھر دن میں بھی اشراق و چاشت کی نمازیں، کلام پاک
کی تلاوت، اذکار و اوراد میں مشغولیت اور اسکے علاوہ دنیوی مشاغل میں ہر وقت
ذکر اللہ اور پاکیزگی کا اہتمام رہا۔ یہ سب باتیں تعلق مع اللہ ہی تو پیدا کرنے والی ہیں۔
اگر ان سب کا خلاصہ نکالیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں ہمکو کتنا زیادہ کلام اللہ سننے
اور پڑھنے کا موقع ملا جو ایک معنی میں اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کی سعادت ہے۔ پھر
اور دنوں کے مقابلے میں اس ماہ مبارک میں زیادہ وقت دعاؤں اور مناجاتوں کے
ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ ان سب باتوں کا حاصل الحمد للہ ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سب خصوصیات کی توفیق عطا فرمائی تو قبول بھی
فرما ہی لیا' اور یہی ہماری عبادت کی غایت تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے عنوانات
عطا فرما کر ہم کو اپنا ہی بنا لیا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ۔

دولت لازوال روزہ داروں کے لئے اعلان ہو رہا ہے کہ جنت سجائی جا رہی ہے

ہکائی جارہی ہے، بسائی جارہی ہے، کیوں؟ ہمت افزائی کے لئے، ایمان افروزی
پنے تعلق خاص کے لئے، اسکے علاوہ اور کیا کرم چاہتے ہو۔ اللہ میاں فرماتے ہیں
ہمارے فرشتے جو ہمہ وقت تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے ہیں انکو حکم ہوتا ہے کہ
بھی اپنی اس عبادت سے رک جاؤ اور ہمارے بندوں کے لئے جو روزہ دار ہیں
عائے مغفرت کرو اور جو دعائیں بندے مانگیں اس پر آمین کہو۔ ارے کتنا بڑا
حسان ہے کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے۔ اللہ میاں فرماتے ہیں کہ نادانوں تمھیں کیا معلوم
ہم نے تمھیں کیا دیدیا؟ صفات ملکوتی تمھیں دئیے گئے ہیں اور فرشتوں کو روزہ رکھواکر
یعنی انکی غذا تسبیح و تہلیل رکواکر تمھارے لئے دعائیں کروائیں۔ اس ماہِ مبارک
یں اللہ میاں نے وہ دولت لازوال دیدی کہ اندازہ ہی مشکل ہے جنتوں میں بھی
ہ بات نہیں جو اس عالم امکان میں عطا فرمائی یعنی اپنا کلام پاک نازل فرمایا
ایسا آخری انعام ہے کہ آج تک مخلوقات پر کبھی نہوا تھا جو انسان کو انسان بنا دے
شرافتِ نفس پیدا کردے اور اشرف المخلوقات کے مرتبہ پر فائز کردے اور پھر
اسی کلام پاک میں ایک آیت ہے جو ہر چیز پر حاوی و بھاری ہے اَلْیَوْمَ
اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا
(آج کے دن تمھارے لئے تمھارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا
انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمھارے دین بننے کے لئے پسند کرلیا)۔ تو
اس سے بڑا انعام اور کیا ہوگا جو سراپا نور ہو اور جو اس سے تعلق رکھنے والے کو نور علیٰ نور
بنا دے۔ ہم نے یوں تو اپنی سمجھ کے مطابق ایک عمل تلاوت کلام اللہ کیا مگر نقوش
کی زیارت سے آنکھیں منور ہوگئیں، کانوں نے سنا تو سماعت میں نور پیدا ہوگیا،
زبان سے الفاظ ادا کئے تو زبان میں نور پیدا ہوگیا۔ قدر کرو اور شکر ادا کرو ایک عمل
میں تین انعامات ملے۔ یہ کلام اللہ عالم کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ابدی و سرمدی
نعمت لازوال غیر مترقبہ ہے۔

ترقی پیہم | تیس دن تک اللہ میاں نے مسلسل تم کو تراویح میں اپنا کلام سنوایا۔

اپنے جنت کے لئے وعدے تازے فرمائے، دوزخ کے عذاب سے ڈرایا اور اس سے باز رہنے کی ہدایت کی اس سے بڑی بات اور کیا چاہیئے کہ تیس دن تک احکم الحاکمین سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا رہا دور سے نہیں بالکل قریب سے۔ اتنا قریب بلا لیا کہ تمام عمر مجاہدے کرتے رہتے تب بھی اتنا قریب نہیں آسکتے تھے بغیر استحقاق کے روزانہ زائد بیس رکعت نماز تراویح کے ذریعہ سے چالیس مقامات قرب مزید عطا فرما دیئے ہر سجدہ مقام قرب ہی تو ہوتا ہے اس طرح کہ ہر دوسرا سجدہ مقام اعلیٰ پر ہوتا ہے اسطرح مقام قرب میں پیہم ترقی عطا فرمائی۔ یہ سب علامات تعلق مع اللہ کی ہیں۔

خصوصیت امت محمدیہ

اس ماہ مبارک میں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت لیلۃ القدر عطا فرمائی کیا ہم لوگوں کے وہم وگمان میں بھی ہے کہ اللہ تعالے اس میں اپنے روزہ دار بندوں کو کیا کیا انعامات عطا فرمانے والے ہیں نہ فرشتوں نہ نبیوں کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا اور نہ ہی کوئی تمنا کر سکتا تھا۔ یہ وہی لیلۃ القدر ہے جس میں مغرب کے وقت سے لیکر طلوع فجر تک حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ساتھ منجانب اللہ ملائکۂ رحمت کو لیکر دنیا میں سلامتی کے لئے تشریف لاتے ہیں آج تک کسی امت کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہی نہیں تھا۔ کتنی خصوصیت ہے ہم لوگوں کے ساتھ لا الہ الا اللہ۔ تمام کائنات ابتدائے آفرینش سے لیکر اب تک سب مل کر تمنا کرتے، مجاہدے کرتے تب بھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ آتا کہ لیلۃ القدر میں کتنی سلامتیاں ہیں کیسی کیسی نعمتیں اور رحمتیں ہیں جو بغیر کسی خاص عبادت کے صلہ میں حاصل ہو رہی ہیں۔ محض اپنے فضل سے، محض اپنے کرم سے، محض اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے اللہ تعالے نے ہمکو یہ دولت لیلۃ القدر عطا فرمائی۔

نمازِ شکرانہ

اب اتنی باتیں تو ہوگئیں تمام انعامات دے گئے چاہے ہمیں احساس ہوا یا نہ ہوا انعام مل گیا ہے اور اسی لئے عید کے دن اول ہی وقت

نماز شکرانہ ادا کرلی، دینے والے نے کچھ دے ہی دیا تو ہم پر شکر واجب ہوا۔ اب اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مسلمان نماز عید الفطر کیلئے جمع ہوتے ہیں اور خدا کی تجلیات کبریائی کے لئے چھ زائد تکبیریں ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے متوجہ ہوکر پوچھتے ہیں کہ یہ مجمع کیا چاہتا ہے تو فرشتے عرض کریں گے کہ یا اللہ یہ جو آپ کے انعامات لئے بیٹھے ہیں انکا شکر ادا کرنے آئے ہیں وہ شکرانہ نماز جو آپ نے واجب فرمائی ہے تو پھر اللہ میاں فرمائیں گے کہ دو سب بخشے بخشائے ہیں یہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے جس پر ہمارا ایمان و ایقان ہے۔

دیکھو! تم کو اب ایسی شرافت، انسانیت اور شرافت نفس عطا ہوئی ہے کہ نفس و شیطان مضمحل ہوکر پامال ہو گئے، تم خدا کی رضا جوئی میں کامیاب ہو گئے، اور تمھاری صلاحیتیں درست ہوگئیں اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہوا جاؤ خوشی مناؤ لیکن افسوس کہ ہم ان صلاحیتوں کی چند دنوں بعد ناقدری شروع کر دیتے ہیں تو دیکھو کبھی ایسی نا قدری نہ کرو، ارادہ کرلو کہ جو صلاحیتیں عطا ہوئی ہیں ان کو قائم رکھیں گے۔ اپنے نفس کو آنکھ کو، دل کو، زبان کو اپنے تمام معاملات میں پاک رکھیں گے۔ اور اللہ ہی کے فضل سے امید رکھیں کہ اب انشاء اللہ ہم کو اللہ کی رضا جوئی میں آسانیاں ہو جائیں گی۔

روحانیت کے آثار

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اتنے بہت سے انعامات و احسانات لئے بیٹھے ہیں لیکن کچھ محسوس نہیں ہوتا یہ کیا بات ہے؟

سنئے آپ کو اور کیا محسوس ہوتا ہے؟ آپ نے کھانا کھایا پیٹ بھر لیا کچھ خبر ہے معدہ کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ محسوس کیجئے زور لگایئے اور بتلایئے غذا رگوں میں کس طرح تقسیم ہو رہی ہے؟ تحلیل شدہ غذا کے اجزا اور تاثرات خون بن کر رگ و پے کو کس طرح قوت بخش رہے ہیں؟ کچھ نہیں محسوس ہوتا لیکن سب جزو بدن

ہو رہا ہے آنکھوں کو بینائی مل رہی ہے ، کانوں کو سماعت مل رہی ہے ، زبان کو گویائی مل رہی ہے ، دماغ کو حافظ مل رہا ہے ۔ اسی غذا کی وجہ سے تو یہ سب کچھ ہے جو پیٹ میں ہے ۔ یہ سب کچھ ذرا غور کر کے محسوس کر کے بتلائیے کہ کتنی بینائی بڑھی کتنی سماعت بڑھی ، کتنی گویائی بڑھی ۔ یہ سب کارخانہ مادی ہے جو کام کر رہا ہے بتاؤ کچھ محسوس ہوا ۔ لطیف سے لطیف چیزیں اسی غذا کی بدولت پیدا ہو رہی ہیں ، احساسات ، جذبات ، تخیلات ، ایثار ، محبت ، ذہانت ، شرافت ، فراست سب پرورش پا رہے ہیں کچھ محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ کیسے ہو رہا ہے لیکن سب ہو رہا ہے ۔ ہاں آپ صرف یہ محسوس کریں گے کہ صحت و قوت پیدا ہوئی اور ترقی کی نشو و نما کی صلاحیتیں پیدا ہوئیں ، اسیطرح روح کی غذا اللہ کا ذکر اور اللہ کے اوامر ہیں اور پرہیز نواہی ہیں الحمد للہ تیس دن تک آنکھوں ، کانوں اور زبان کا پرہیز کر لیا توبہ استغفار کر لیا تقاضائے فطری اور نفسانی جو جائز بھی تھے لیکن اللہ میاں نے انھیں بھی کچھ وقت کے لئے ترک کرا دیا تاکہ صفات ملکوتی اچھی طرح پرورش پا سکیں ، روح کو غذا بھی الحمد للہ ملتی رہی ، ذکر اللہ ، کلام اللہ ، تسبیحات ، نوافل کی سعادتیں بھی نصیب رہیں تو روح نے ساری ایمانی غذا لے لی پھر لیلۃ القدر جو تجلیات لے کر آئی تھی وہ سارے تجلیات و انوار روح نے جذب کر لئے ۔ اب غور کیجئے کہ جب مادی چیزیں محسوس نہیں ہوتیں تو لطافت روحانیہ ، ایمانیہ کیسے محسوس ہو ؟ آثار معلوم ہوتے ہیں جیسے جسم کی صحت کے آثار معلوم ہوتے ہیں ۔ جو کچھ آپ لوگوں کے سامنے بیان کیا گیا اسمیں نہ تو تعلی ہے نہ شاعری نہ مبالغہ سب حقیقت ہے ۔

طلب مغفرت اب دعا کیجئے کہ یا اللہ جو کچھ ہم نے سنا اور کہا یہ سب آپکی عطا ہے ۔ یا اللہ آپکے انعامات برحق ، آپکے احسانات برحق ، آپنے تو یا اللہ ہمیں یقیناً اپنی رحمتوں اور تعلق خصوصی سے مالا مال فرما دیا اور ہم جیسے حقدار نہ تھے آپنے وہ بھی عطا فرما دیا یا اللہ اس دولت عظیم کو ہم سنبھالیں کیسے ؟ ہمارے نفس و شیطان دونوں ڈاکو ہیں یا اللہ تو آپکی دی ہوئی دولت ہے آپ ہی حفاظت فرما دیجئے ۔ یا اللہ ہمیں توفیق دیجئے کہ ہم ان انعامات کی قدر

ہیں اور انکا صحیح صرف کریں اور ہمیشہ طلب مغفرت اور استغفار اور آپ کی رضاجوئی کرتے رہیں ۔ یا اللہ! آپ نے جو صلاحیتیں درست فرمادی ہیں، انکو رو بکار رکھنے کی کبھی توفیق عطا فرمائیے

یا اللہ! اپنے بندوں میں مکرم فرمایا ہے تو اب ہم ذلیل نہ ہوں ۔ یا اللہ آپ نے ماہِ مبارک میں سب کچھ دیا ہے تو اور مہینوں میں کبھی عطا فرماتے رہیئے ۔ تمام مخلوق پر آپ نے فضیلت دی ہے مومن ہونے کی حیثیت سے تو اے اللہ! اب ہم پر اور دنیاوی اثر کوئی غالب نہ آنے پائے ۔ یا اللہ! آپنے جیسی حالت پر ہمکو پہنچا دیا ہے تو اب ہم سے خوش ہی ہوجائیے اور ہم کو کبھی خوش رکھئے ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُھِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا (یا اللہ ہماری تعداد بڑھادے اور گھٹا مت اور ہمکو عزت وآبرو دے اور ذلیل وخوار نہ فرما اور ہمکو عطائے رحمت فرما اور محروم نہ فرما اور ہم کو دوسروں پر ترجیح دے (بڑھائے رکھ) اور دوسروں کو ہم پر نہ بڑھا اور ہم کو خوش کردے اور ہم سے راضی ہوجا۔

یا اللہ! آپ نے جو انعامات عطا فرمائے ہیں انکو ہماری غلطیوں سے نقصان نہ پہنچنے پائے اور اگر ہم سے غلطیاں سرزد ہوں تو آپ اپنی رحمت ومغفرت سے تلافی فرما دیجئے ہم کو توبہ واستغفار کی توفیق عطا فرمائیے ۔ یا اللہ ہم کو ایمان کامل اور اعمال صالحہ کے ساتھ زندہ رکھئے اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل کے ساتھ زندہ رکھئے اور جب خاتمہ ہو تو انھیں چیزوں پر ہو آپکی رضائے کاملہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ حاصل ہو اور بغیر حساب کتاب یا اللہ ہم سب جنت میں داخل ہوجائیں ۔ آمین ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ صَلٰوۃً وَّسَلَامًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

عید الفطر

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں عیدوں میں غسل کرنا ثابت ہے۔ حضرت خالد بن سعدؓ سے مروی ہے کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ عید الفطر، یوم النحر، یوم عرفہ میں غسل فرمایا کرتے تھے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن خوبصورت اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سبز و سرخ دھاری دار چادر شریف اوڑھتے تھے یہ چادر یمن کی ہوتی ہے جسے بردیمانی کہا جاتا ہے وہ یہی چادر ہے۔ عید کیلئے زیب و زینت کرنا مستحب ہے مگر لباس مشروع ہو (مدارج)

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ روز عید الفطر عید گاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرماتے تھے انکی تعداد طاق ہوتی یعنی تین، پانچ، سات وغیرہ۔ (بخاری، طبرانی)

عید گاہ

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ نماز عید۔ عید گاہ (میدان) میں ادا فرماتے تھے (مسلم و بخاری)۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید کیلئے میدان میں نکلنا مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس فضل و شرف کے جو آپکی مسجد شریف کو حاصل ہے نماز کیلئے عید گاہ (میدان) میں باہر تشریف لیجاتے تھے، لیکن اگر کوئی عذر لاحق ہو تو جائز ہے (ابوداؤد، مدارج النبوۃ)

(۵) عیدین میں بکثرت تکبیر کہنا سنت ہے۔ (طبرانی) - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ہے کہ اپنی عیدوں کو بکثرت تکبیر سے مزین کرو (طبرانی)

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ تک پا پیادہ تشریف لیجاتے (سنن ابن ماجہ) اور اسپر عمل کرنا سنت ہے۔ بعض علماء نے مستحب کہا ہے۔

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید الفطر میں تاخیر فرماتے اور نماز عید الاضحی کو جلد پڑھتے (مدارج)

(۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب عید گاہ میں پہنچ جاتے تو فوراً نماز شروع فرما دیتے نہ اذان نہ اقامت اور نہ الصلوٰۃ جامعہ وغیرہ کی ندا کچھ نہ ہوتا۔ (مسند شافعی)

(۹) تکبیرات عیدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اختلاف ہے اور مذہب حنفیہ میں مختا

یہ ہے کہ تین تکبیریں رکعت اول میں قرأت سے پہلے اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں قرأت کے بعد ہیں۔
(۱۰) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے اور جب نماز سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہوکر خطبہ دیتے
(۱۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس راہ سے عیدگاہ تشریف لیجاتے اس راہ سے واپس تشریف نہ لاتے بلکہ دوسرے راستہ سے تشریف لاتے۔ (بخاری۔ترمذی۔مدارج النبوۃ)
(۱۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع سنت کی شدت کے باعث طلوع شمس سے قبل گھر سے نہ نکلتے اور گھر سے نکلتے ہی عیدگاہ تک تکبیر کہتے رہتے۔ (ابوداؤد، زادالمعاد)
(۱۳) آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ جب عیدگاہ میں پہنچتے تو نماز عید سے قبل کوئی (نفل وغیرہ) نہ پڑھتے اور نہ بعد میں پڑھتے اور خطبہ سے پہلے نماز شروع کرتے اسطرح آپؐ عیدین میں دو رکعتیں ادا کرتے (زادالمعاد)
پہلی رکعت میں تکبیریں ختم فرمالیتے تو قرأت شروع فرماتے سورہ فاتحہ پھر اسکے بعد سورۃ ق والقرآن المجید ایک رکعت میں پڑھتے اور دوسری رکعت میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پڑھتے بسا اوقات آپؐ دو رکعتوں میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے (زادالمعاد)
لیکن یہ سورتیں متعین نہیں دوسری بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

تذکیر و موعظت

(۱۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز مکمل فرمالیتے تو فارغ ہونے کے بعد لوگوں کے مقابل کھڑے ہوجاتے لوگ صفوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ انکے سامنے وعظ کہتے، وصیت کرتے اور امر و نہی فرماتے اور اگر لشکر بھیجنا چاہتے تو اسی وقت بھیجتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو حکم فرماتے عیدگاہ میں کوئی منبر نہ تھا (جس پر چڑھکر وعظ فرماتے ہوں) نہ مدینہ کا منبر یہاں لایا جاتا۔ بلکہ آپؐ زمین پر کھڑے ہوکر تقریر کرتے (زادالمعاد)

نماز عید کی ترکیب

(۱۵) نماز اسطرح شروع کرے کہ قبلہ کیطرف منہ کرکے امام کی اقتداء میں اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع یدین کرے اور ہاتھ باندھ لے پہلی رکعت میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے ہاتھ کانوں تک اٹھاکر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ دوسری بار پھر کانوں تک ہاتھ اٹھاکر تکبیر کہے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ تیسری بار بھی اسی طرح ہاتھ اٹھاکر تکبیر کہے اور پھر ہاتھ باندھ لے۔

اور قرأت شروع کرے۔ باقی پوری رکعت تمام نمازوں کی طرح ادا کرے۔ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرأت کے بعد امام کی اقتدا رہیں تین تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کر کے اور ہاتھ چھوڑ دے۔ چوتھی بار جب امام اللہ اکبر کہے تو تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اسکے بعد باقی نماز عام نمازوں کی طرح پوری کرے۔ (بہشتی گوہر)

(۱۶) عید کی نماز بغیر اذان و اقامت کے صرف دو رکعت ہے۔ (مسلم)

(۱۷) عیدگاہ میں نماز سے پہلے یا بعد میں نفلوں کا پڑھنا منع ہے۔

(۱۸) جس کی نماز جماعت فوت ہو جائے وہ اکیلا نماز عید نہیں پڑھ سکتا اس کے لئے جماعت شرط ہے۔ البتہ اگر کئی آدمی ہوں تو جماعت کر لینا واجب ہے۔ (بہشتی گوہر)

عید کا خطبہ

(۱۹) بعد نماز دو خطبے پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبے میں ہوتی ہے

خطبہ میں تکبیر

(۲۰) عیدین کے خطبے میں پہلے تکبیر سے شروع کرے، اول خطبہ میں نو مرتبہ تکبیر کہے دوسرے میں سات مرتبہ (بہشتی گوہر)

(۲۱) عید الفطر میں راستہ چلتے وقت آہستہ تکبیر کہنا مسنون ہے اور عید الاضحیٰ میں بآواز بلند تکبیر کہنا چاہئے (بہشتی گوہر)

صدقہ فطر کا وجوب

(۲۲) ہر مسلمان عاقل آزاد (ہر مرد و عورت) پر واجب ہے جبکہ وہ مالک نصاب ہو یا مساوی مالک نصاب کے ہو خواہ نقدی کی شکل میں یا ضرورت سے زیادہ سامان کی شکل میں ہو یا مال تجارت ہو، رہائش کے مکان سے زائد مکان ہو۔ اپنی طرف سے اور اپنے ان نابالغ بچوں کی طرف سے جو اسکی زیر کفالت ہوں نصف صاع (یعنی پونے دو سیر گیہوں)، یا اسکی قیمت ادا کریں۔ صدقہ فطر نماز عید الفطر سے پہلے ادا کرنا سنت ہے۔ (بہشتی گوہر)

ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ سلاسلِ صوفیہ میں بھی ایک سلسلہ والوں کو دوسرے سلسلہ پر اپنی فضیلت ثابت نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ہر سلسلہ والے کے لئے دوسرے سلسلہ کے بزرگ چچا ہیں، اور چچا بمنزلہ باپ کے ہے۔ حدیث میں بھی ہے عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ (آدمی کا چچا اسکے باپ کا مثل ہے) یعنی عظمت وادب میں دونوں برابر ہیں گو بعض حقوق میں باپ مقدم ہیں، لیکن تمہارا باپ یہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا کہ تم اپنے چچا کی یعنی باپ کے بھائی کی تنقیص وتوہین کرو۔ جب سلاسلِ ولایت میں بھی تفاضل سے اکابر نے منع کیا ہے تو تفاضل انبیاء تو یقیناً اشد ہے اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے فضائل احادیث میں بیان فرمائے ہیں اس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ ان کے معلوم ہو جانے سے متبعین کو تسلی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا متبوع دیا اور اتباع پر زیادہ رغبت ہوگی، گو یہ علوم خود بھی مقصود ہیں، مگر حضورؐ کا مقصود ترغیب اتباع ہی معلوم ہوتا ہے اَوْ یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ اِمْتِثَالًا لِاَمْرِہٖ تعالیٰ وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ "اپنے رب کے انعام کو بیان کیجئے" کا امتثال ہو) کیونکہ حضورؐ کا مذاق یہ تھا کہ آپ کو اتباعِ احکام کا سب سے بڑھ کر اہتمام تھا اور جس چیز کو اس میں دخل ہوتا آپ اس کو اختیار کرنے کی کوشش فرماتے۔ اس کے متعلق کہ آپ کو اتباع کا زیادہ اہتمام ہے بنسبت بیان فضائل کے، ایک مرد صالح کا خواب بھی ہے (جو بعض رسائل میں طبع بھی کرادیا گیا ہے) ان کو مولود وغیرہ کا بہت شوق تھا محض غلبۂ محبتِ نبویہ کی وجہ سے، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں ہم زیادہ تعریف سے خوش نہیں ہوتے، بلکہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو ہمارے احکام کا اتباع کرے۔ مگر آجکل حالت یہ ہے کہ شعراء ایک نعتیہ دیوان لکھ کر اپنے کو سب سے زیادہ حضورؐ کا مقرب سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ عمل کی یہ حالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف ہے۔ یقیناً ایسی تعریف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش نہیں ہوسکتے۔ پس حضورؐ کے مذاق پر نظر کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے فضائل کو زیادہ تر ترغیبِ اتباع کی نیت سے بیان

فرمایا ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ فضائل تو عقائد کی قبیل سے ہیں جو خود مقصود ہوتے ہیں اور تم ان کو مقصود بغیرہ بتاتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ ایک شئے مقصود بالذات بھی ہو اور دوسرے مقصود میں معین بھی ہو۔ آپ کو خبر نہیں مقاصد شرعیہ کی ایسی حالت ہے جیسے مقناطیس کی حالت ہے کہ ہر مقصود دوسرے کا جاذب اور اس میں معین ہے۔ پس عقائد کا مقصود بالذات ہونا ان کے مقصود لغیرہ ہونے کے منافی نہیں۔ اور میں نے اس مسئلہ کو قرآن سے سمجھا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں، یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں)

بتلایئے اس آیت میں لام غایت کا متعلق کون ہے، مذکور تو ہے نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی جزو اس کا صالح نہیں۔ لامحالہ مقدر ماننا پڑے گا۔ اب یہ بھی سمجھ لو کہ مقدر کیا ہے، تو اس لام سے اوپر اللہ تعالیٰ نے مسئلۂ تقدیر بیان فرمایا ہے یعنی تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ آفاقی ہو یا انفسی وہ ایک کتاب میں اپنے ظہور سے پہلے لکھی ہوئی تھی، چونکہ یہ عجیب بات تھی اس لئے فرماتے ہیں کہ تعجب نہ کرو اللہ کو یہ سب آسان ہے۔ اب اس مسئلہ کے بتلانے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو یہ مسئلہ اس لئے بتلایا[1] تاکہ تم فائت پر غم نہ کرو اور عطا کی ہوئی چیز پر اتراؤ نہیں۔ پس وہ مقدر اَخْبَرْنَاكُمْ بِهٖ ہے۔

اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل | اس سے معلوم ہوا کہ مسئلۂ تقدیر کو اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس سے حزن وبطر رفع ہو جاتا ہے اور حزن جڑ ہے تعطل ظاہر کی۔ اور تکبر وبطر (اترانا) اصل ہے تعطل باطن کی۔ یعنی غمگین و پریشان آدمی ظاہر میں تمام دین

[1] ہم نے تم کو یہ بات بتائی

و دنیا کے کاموں سے معطّل ہو جاتا ہے اور متکبر آدمی کا دل خدا کے تعلق سے معطّل ہو جاتا ہے۔ جب تک تکبّر نہ نکلے خدا کے ساتھ دل کو لگاؤ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو تقدیر کو دخل تھا اعمال میں۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ توحید جو اعظم العقائد و اساس العقائد ہے اس کو بھی اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے، چنانچہ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ سے

۱ موحد چہ بر پائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
۲ امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں است بنیاد توحید وبس

(موحد کے پاؤں پر چاہے سونا بکھیر دو چاہے اسکے سر پر ہند کی فولادی تلوار رکھدو۔ اُس کو (بجز خدا کے) نہ کسی سے امید وابستہ ہوتی ہے نہ کسی کا خوف و ڈر ہوتا ہے، بس اسی بات پر توحید کی بنیاد ہے، (کہ انسان فاعل حقیقی خدا کو سمجھے)

یعنی توحید سے مخلوق کا خوف وطمع زائل ہو جاتا ہے۔ جب اتنا بڑا عقیدہ بھی اصلاح اعمال میں دخیل ہے تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے اعتقاد کو آپ کے اتباع میں دخیل مانا جائے تو کیا اشکال ہے۔ اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصود ہے (گو وہ فضائل ایک درجہ میں مقصود بالذات بھی ہیں)

اس لئے حضورؐ نے اس میں زیادہ کاوش سے منع فرما دیا کیونکہ جو مقصود ہے اس اعتقادِ فضیلت سے وہ بدون تفصیل کے بھی صرف اجمالی اعتقاد سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی طرح ہمارے اکابر نے اولیاء و مجتہدین میں بھی تفاضل سے منع فرمایا ہے۔

غرض متقدمین کو نعت اور تعمقِ نظر کی وجہ سے متاخرین پر فضیلت ضرور ہے۔ لیکن باہم متقدمینؒ میں سے کس کو کس پر فضیلت ہے اس سے بحث نہ کرنا چاہئے۔

سے ایک دوسرے پر فوقیت دینا۔ سے میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ فقہ کے موجد ہیں کما قال الامام الشافعیؒ النَّاسُ کُلُّهُمْ عِیَالٌ عَلٰی اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْفِقْهِ، نیز وہ تابعی ہیں کما اَثْبَتَ الذَّهَبِیُّ وَالْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَالدَّارَ قُطْنِیُّ وَغَیْرُهُمْ رُؤْیَتَهٗ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَفِی الْحَدِیْثِ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِّنَ الْمُجْتَهِدِیْنَ الْمُقَلَّدِیْنَ تَابِعِیًّا سِوَی الْاِمَامِ پس امام ابوحنیفہ کا تمام ائمہ مجتہدین سے افضل (بقیہ صفحہ ۶۸)

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ لوگوں نے حدیث تضاعف (کئی گنی اضافہ) ثواب فی رمضان کے باب میں شارع کا مقصد نہیں سمجھا اور فقہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر یہ عمل کیا کہ تفاضل (اضافہ) حسنات کے لئے طاعات کو مؤخر کرنے لگے کہ اگر کسی کی زکوٰۃ کا سال ۲۸ رشعبان کو پورا ہوتا ہے تو وہ ۲۸ر کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ بلکہ رمضان کے لئے اس کو ملتوی کرتا ہے چاہے غریب مسکینوں کا (جن کا یہ مال زکوٰۃ شرعی حق ہے) خاتمہ ہی ہوجائے، ارے تم کو کیا خبر کہ مساکین پر کیا گذر رہی ہے تم کو یکم رمضان کا انتظار ہے اور اس غریب کی روح کو ایک ایک گھڑی کا انتظار ہے۔ بس وہ حال ہوگا تا تو من می رسی من بخدا می رسم (جب تک مجھ تک پہونچو گے میں خدا تک پہونچ چکا ہوں گا)

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ نہیں ہے کہ رمضان تک طاعات کو مؤخر کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ رمضان میں طاعات کے اندر جلدی کی جائے یعنی جس طاعت کی ہمت ہوسکے اور جس عمل صالح کی توفیق ہوسکے اسکو جلدی رمضان ہی میں کرلو۔ رمضان کے بعد کے لئے مؤخر نہ کیوں کہ رمضان میں ثواب زیادہ ہے، پس تضاعف حسنات کا مقصود تو تعجیل اعمال فی رمضان تھا، لوگوں نے اس سے تاخیر اعمال الیٰ رمضان سمجھ لیا۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھو دونوں باتوں میں کتنا فرق ہے)

اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ جس شخص کا سال زکوٰۃ اٹھائیس شعبان کو پورا ہو تو کیا وہ شعبان ہی میں صدقہ کردے۔ اس کے جواب میں میں تو یہی کہوں گا کہ ہاں دیر نہ کرے رمضان کا انتظار نہ کرے۔ رہا یہ سوال کہ کیا شعبان میں وہی ثواب ہوگا جو رمضان میں ہوتا تم اس کا ٹھیکہ لیتے ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ میں ٹھیکہ دار تو نہیں ہوں، ہاں ٹھیکہ دار ہوں کہ اللہ و رسول کے بیان کردہ قواعد پر ٹیک لگا کر کہتا ہوں کہ اللہ ورسول

(مطلقا) ہونا تو نص سے بھی ثابت ہے اور موجد فقہ ہونے سے بھی ۱۲ ظ مگر اس سے علی الاطلاق فضیلت سب پر ثابت نہیں ہوتی ۱۲۔ اشرف ــ رمضان میں اعمال کے کرنے میں جلدی کرنا۔ ـــ رمضان تک اعمال کو

ا خیرِ طاعات مطلوب نہیں، بلکہ تسارع و تسابق الی الخیر[1] مقصود ہے۔ چنانچہ جابجا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَاتِ (تو نیکیوں میں تم سبقت کرو) یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ (وہ لوگ دوڑ دوڑ کر بھلائیاں لیتے ہیں) نص میں وارد ہے، اس لئے میں جزم کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تاخیر فی الخیر شارع کو ہرگز مطلوب نہیں، اور میں قواعد سے کہتا ہوں کہ جس کو شعبان میں صرف کا موقع ملے وہ ہرگز تاخیر نہ کرے، اس کو شعبان ہی میں اتنا ثواب ملیگا جو شاید رمضان کے ثواب سے بھی بڑھ جائے، کیونکہ انفاق فی رمضان[2] سے کمیۃً ثواب بڑھتا ہے اور تعجیل و سبقت فی الخیر سے کیفیۃً ثواب زیادہ ہوتا ہے اور کیفیت میں کمیت سے زیادہ مطلوبیت ہے۔

صاحبو! میں اس کی نظیر علماء کے کلام سے اپنے پاس رکھتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ مسجدِ محلہ میں نماز پڑھنے سے پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جامع مسجد میں ۵۰۰ نمازوں کا مگر محلہ والوں کو یہ جائز نہیں کہ محلہ کی مسجد چھوڑ چھوڑ کر جامع مسجد میں نماز پڑھنے جایا کریں، اگر ایسا کروگے تو گناہ ہوگا۔

اس مقام پر علماء نے لکھا ہے کہ جامع مسجد کی نماز اس شخص کے حق میں کمیۃً زیادہ ہے۔ اور مسجدِ محلہ کی نماز کیفیۃً زیادہ ہے (کیونکہ اسکے ذمہ اس مسجد کی آبادی واجب ہے تو یہ شخص مسجد میں نماز بھی پڑھتا ہے اور واجبِ عمارت کو بھی ادا کرتا ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے سے واجبِ عمارت ادا نہ ہوگا کیونکہ اس کے ذمہ اسکی عمارت و آبادی واجب نہیں بلکہ یہ واجب جامع مسجد کے محلہ والوں کے ذمہ ہے ۱۲) ہاں اگر کوئی جامع مسجد کے محلہ میں جا بسے تو اور بات ہے پھر اس کو کیفیت و کمیت دونوں میں ترقی ہو جائے گی گو قرب سے بُعد (دوری) اقدام کا بھی خسارہ ہو جائے گا۔ بس تم اپنے حساب اور قواعد کو رہنے دو، اس تین پانچ کو جانے دو جو حکم ہو جائے اسکو مان لو اپنی طرف سے حساب نہ لگاؤ کہ اس وقت ادا کرنے میں ثواب کم ہوگا رمضان میں زیادہ ہوگا۔

صاحبو! یہ تسلیم کہ رمضان میں زیادہ ہوگا مگر یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کہ اس وقت کم ہوگا ممکن ہے اسوقت ہی زیادہ مل جائے کیونکہ اسوقت خرچ کروگے تو ادا ہوگا اور رمضان تک تاخیر کروگے تو قضا[3] ہو جائے گا۔ اور ادا میں جو لطف ہے وہ بات قضا

---

[1] نیکیوں میں سبقت اور جلدی کرنا۔ [2] رمضان میں خرچ کرنا۔ [3] یہاں ادا و قضاء اصطلاحی مراد نہیں۔

میں کہاں۔ تم کو آخرت کے حقائق و خواص کی کیا خبر۔ تم ان کے متعلق قیاس نہ
کام نہ لو۔ اہل سائنس کو اقرار ہے کہ ابتک خواصِ اشیاء کا ان کو اتنا بھی ع
نہیں ہوا جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔ حالانکہ حیرت انگیز ایجادات ہو رہی ہیں۔
اخبار میں دیکھا ہے کہ امریکہ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ اس کو پرانے
کھنڈروں اور ویرانوں میں لگایا جائے تو پہلے زمانہ کی تمام باتیں جو اس گھر کے
آدمیوں نے اس گھر میں کی تھیں اُس آلہ کے ذریعہ سے سُنائی دیں گی۔
اب بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ یہ آوازیں کرۂ ہوا میں ابتک موجود ہ
مگر ان کے ادراک کے لئے لطیف آلہ کی ضرورت تھی۔ وہ اب ایجاد ہو گیا۔ پہلے ا
نہ ہوا تھا اس لئے کوئی ان باتوں کو نہ سُن سکا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ روحوں کا
ہے ارواح بولتی ہیں۔
اب میں اس خبر کو بیان کر کے کہتا ہوں کہ قرآن نے کہا تھا کہ قیامت کو ز
بولے گی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (زمین اس دن اپنی سب خبریں بیان کرنے لگے گ
تو اس کا سب نے انکار کیا اور کہا بھلا یہ کس طرح ہوگا زمین کیونکر بولے گی کیا
اس کے بھی زبان ہے۔ قرآن نے اس کا بڑا زبردست جواب دیا ہے بِاَنَّ رَبَّ
اَوْحٰى لَهَا یعنی اس لئے بولے گی کہ خدا کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس جواب نے سا
سائنس والوں کی گردنیں توڑ دیں، کیونکہ اسباب ظاہرہ میں تو وہ شبہات نکال سکتے
اس میں کیا شبہ نکال سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو حقیقی سبب ہے اگر اس میں کلام کریں گے
کیا زمین کے زبان ہے تو ہم سوال کریں گے تو اچھا بتلاؤ یہ زبان کیونکر بولتی ہے کیا اس
بھی زبان ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ جب عالم اسباب کے حقائق کا ابتک احاطہ نہیں ہو سکا تو عالم آخ
کی حقائق کا تو کون احاطہ کر سکتا ہے۔ پھر آپ وہاں کے ثواب وغیرہ کے بارے
اپنا حساب اور قاعدہ رہنے دیجئے۔
چنانچہ بعض لوگوں نے حقوق العباد کے بارہ میں ایک حساب لگایا ہے

ا ہمارے ذمہ حق ہے اور عمرو کے ذمہ ہمارا حق ہے تو اب ہم کو زید کے حق
ر کرنا کیا ضرور۔ قیامت میں اگر زید ہم سے اپنے حق کا مطالبہ کریگا تو ہم عمرو
الہ کردیں گے کہ اس کے ذمہ ہمارا حق ہے اس سے وصول کرلو، اس طرح مقاصہ
ائے گا۔ مگر اول تو کیا ضرور ہے کہ دوسروں کے ذمہ آپ کے حقوق اتنے ہی
، جتنے دوسروں کے آپ کے ذمہ ہیں۔ دوسرے فرض کر لیا جائے کہ برابر ہی ہو
، مگر ممکن ہے کہ پھر بھی مقاصہ نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تو تمہارے حقوق کی
یگی کی فکر میں عمر بھر لگا رہا ہو مگر افلاس یا اور کسی عذر کی وجہ سے مجبور رہا ہو
ر اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم خود حقوق کو ادا کر دیں گے اور
خص پر اصلا مواخذہ نہ ہوگا ۱۲) اور تم اس مقاصہ کے حساب سے بے فکر ہوگئے
ینے ابھی سے دوسرے کا حق مارنے کی ٹھان لی ہے تو تم اور وہ برابر کہاں ہوئے
ر ظلم وغصب وخیانت وغیرہ متعدد دفعات قائم ہیں اور اس پر صرف ایک دفعہ
ر قرض لیکر ادا نہیں کیا۔ تیسرے ممکن ہے کہ حقوق کی مکافات مکسوب اعمال
، ہوسکے اور موروث اعمال سے نہ ہوسکے اسلئے دوسرے شخص کی (بدلہ) جو نیکیاں تم کو ملی ہیں
معاوضہ ان حقوق کا نہ ہوسکیں جو تمہارے ذمہ ہیں تو یہ حساب محض لغو ہے خدا سے
نا چاہئے کہیں بنئے کے حساب کی طرح نہ ہو جائے کہ "لیکھا جوں کا توں، کنبہ ڈوبا کیوں"
بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ جس عورت کے کئی نکاح ہوئے ہوں وہ کس کو ملیگی
وال بھی محض فضول ہے کیونکہ یہ تو یقینی ہے کہ وہاں کسی کو قلق نہ ہوگا سب کے سب
خرم رہیں گے یہ نہ ہوگا کہ شوہروں میں باہم لڑائی جھگڑا ہو وہ کہے میں لوں وہ کہے میں
، ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسکے پہلے خاوند کو دنیا ہی کی عورتوں میں سے کوئی ایسی عورت ایسی ہی
بن یا اس سے بہتر دیدے کیونکہ دنیا میں بہت لڑکیاں بغیر شادی کے بھی تو مر جاتی
ا۔ یا حوریں زیادہ دیدیں۔

غرض اللہ تعالیٰ سب کو خوش کر دیں گے جنت میں کوئی غمگین نہ ہوگا اسلئے
سوال محض فضول ہے۔ غرض یہ کہ تم خدا کے ساتھ حساب نہ لگاؤ حساب وہاں کیا

کرتے ہیں جہاں مساوات ہو دیکھو دکاندار ہم سے اور آپ سے تو حساب کرتے اور بادشاہوں سے بھاؤ تاؤ نہیں کرتے وہاں تجارتی مال کو بھی ہدیہ کہہ کر پیش کر ہیں اور جب وہاں سے قیمت پوچھی جاتی ہے تو قیمت نہیں بتلاتے بس یہی ہیں کہ اسکی کچھ قیمت نہیں صرف حضور کی خوشنودی ہی سب کچھ قیمت ہے۔ اس بعد ان کو قیمت سے بھی بہت زیادہ مل جاتا ہے۔ پھر غضب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ساتھ حساب کتاب کرتے ہو جن کا حق یہ ہے کہ ؎

نیا وردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(میں خود اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں آپنے ہی سب کچھ دیا ہے۔ میری تمام چیب آپ ہی کی ملک ہیں)

کیونکہ سب چیزیں تو ان ہی کی ملک ہیں اور حساب وہاں ہوتا ہے کہ ایک عوض ایک عاقد کا ہو، دوسرا عوض دوسرے عاقد کا۔ اور یہ جو حق تعالیٰ نے فر اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ "کہ الله نے مسلمانوں سے جنت کے بدلہ میں ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے جس ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ جان و مال ہماری ملک ہے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے تم بچہ کو بلا تملیک (بغیر مالک بنائے) پیسہ دیدیتے ہو اور انفاق کی عادت ڈالنے کے لئے اس کے ہاتھ سے مدرسہ میں دلواتے ہو۔ اب مدرسہ کی کارروائی میں بچہ کا نام چھپے گا کہ فلاں بچہ نے مدرسہ میں چندہ دیا تھا۔ کارروائی میں اپنا نام دیکھ کر بچہ خوش ہوتا ہے۔ تو کیا حقیقت میں چندہ دینے والا وہ بچہ ہے یا آپ ہیں۔ اس کو خود سمجھ لیجئے

بلائیں تیرا در فلک کماں ہے، چلانے والا شہ شہاں ہے

اسی کے زیرِ قدم اماں ہے، بس اور کوئی مفر نہیں ہے

(مجذوبؔ)

(جاری)

(۵۰۹) فرمایا کہ میرا تو دل اس سے کانپتا ہے کہ دوسری شریعتوں کو ناکافی و
ناکامل کہوں، نہیں وہ بھی اپنے مخاطبین کے لئے کافی اور کامل تھیں۔ مگر ہماری
شریعت مقدسہ اکفیٰ و اکمل ہے۔ اور یہی اکمل ہونا ختم نبوت کی حکمت بھی ہوسکتی ہے
زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست
(سر سے پیر تک جہاں بھی نظر جاتی ہے محبوب کی دلبرانہ ادائیں دل کو کھینچتی ہیں کہ دل نثار
کرنے کی جگہ بس یہ ہے)

(۵۱۰) فرمایا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ شریعت نے کئی سال کی پیشگی زکوٰۃ ادا
کرنے کو بھی جائز کہا ہے اس میں گو رقم کثیر کا نکالنا گراں ہوگا لیکن بہت بڑا آرام یہ ہے
کہ پانچ سال تک بے فکری ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ ... باقی رہتا ہے۔ تیسرے
اگر مال تلف بھی ہو جائے تو اتنی مقدار زکوٰۃ جو پہلے دیدی گئی وہ تلف ہونے سے بچ
گئی اور ثواب کا ذخیرہ ہوگیا۔ چوتھے یہ کہ غریب مسلمان بھائیوں کے کاموں میں معین ہوگئی

(۵۱۱) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سرا میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی،
آپ نے دریافت فرمایا کہ سب تقسیم ہوگیا یا کچھ باقی ہے، گھر والوں نے عرض کیا کہ صرف
ایک ذراع باقی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ذراع ہی فانی ہے اور سب باقی ہے۔

(۵۱۲) فرمایا کہ کمال شریعت یہی ہے کہ اس میں تمام انسانی حالات کے متعلق
مفصل قواعد موجود ہیں کوئی جزئی ایسی نکلنی ممکن نہیں جس کے متعلق شریعت کا حکم نہ ہو۔

(۵۱۳) حالت مصیبت کے احکام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) فرمایا کہ حالت مصیبت میں ابتلا ہو تو صبر کیا جائے کہ مومن کی یہی شان ہے
چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عَجَباً لِلْمُؤْمِنِ (اِلیٰ اَنْ قَالَ) اِنْ
اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْراً لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْراً
لَهٗ (یعنی مومن کی عجیب حالت ہے کہ اگر اس کو خوشی پہنچتی ہے شکر کرتا ہے اور اگر مصیبت
پہنچتی ہے صبر کرتا ہے تو دونوں حالتوں میں نفع رہا)

(۲) فرمایا کہ خدا کی رحمت سے مصیبت میں مایوس نہ ہو بلکہ فضل و کرم الہٰی کا امیدوار

رہے، کیونکہ اسباب سے فوق بھی تو کوئی چیز ہے تو یاس کی بات وہ کہے جس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو، اہل دین کا طریقہ[۱] تو رضا بقضا ہے۔

(۳) مصیبت کی وجہ سے دوسرے احکام شرعیہ میں کوتاہی نہ کرے۔

(۴) خدا سے اس مشکل کے آسان کر دینے کی دعا کرتا رہے اور تدابیر میں بھی مشغول رہے۔ مگر تدبیر کو کارگر نہ سمجھے (اور دعا کا حکم اس لئے ہے کہ تدبیر میں بغیر دعا کے برکت نہیں ہوتی)

(۵) استغفار کرتے رہو یعنی اپنے گناہوں سے معافی چاہو ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات وغم ۱ آں ز بیباکی وگستاخی ست ہم

غم چو بینی زود استغفار کن ۲ غم بامر خالق آمد کار کن

(۱ جو کچھ تم کو مصیبتیں یا غم پیش آتے ہیں یہ سب تمہاری شامت اعمال اور بے ادبی کے نتائج (۲ لہٰذا جب غم کی کوئی بات دیکھو تو فوراً استغفار میں لگ جاؤ (یہ غم خود سے نہیں آیا ہے) خدا کے حکم سے آیا ہے۔ اسلئے عمل واطاعت کرو (اللہ تعالیٰ کو راضی کرو)

(۶) اگر مصیبت ہمارے کسی بھائی مسلمان پر نازل ہو تو اس کو اپنے اوپر نازل سمجھ اس کے لئے ویسی ہی تدبیر کی جائے جیسا کہ اگر اپنے اوپر مصیبت نازل ہوتی تو اس وقت خود کرتے۔

(۵۱۴) فرمایا کہ اصل مصیبت وہ ہے جس سے دل میں پریشانی اور بے چینی ہو۔ پس جو شخص بیمار ہو اور دل کو پریشان پائے، اس کے حق میں یہ مرض مصیبت ہے۔ اور اگر دل پریشان نہیں بلکہ صابر و شاکر ہے تو یہ ہرگز مصیبت نہیں بلکہ موجب رفع درجات ہے۔

(۵۱۵) فرمایا کہ حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث اعظم رحمۃ کے معاصر ہیں، آپ کے ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کا کون سا مقام کیا آپ غوث ہیں۔ آپ نے فرمایا نَزِّهْ شَيْخَكَ عَنِ الْغَوْثِيَّةِ یعنی اپنے شیخ کو غوثیت سے برتر سمجھو۔ پھر اس نے عرض کیا کہ پھر آپ قطب ہیں۔ فرمایا نَزِّهْ شَيْخَكَ عَنِ الْ

ی اپنے شیخ کو مرتبۂ قطبیت سے برتر سمجھو" پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمام ارواح اول
جمع فرمایا اور ارشاد ہوا کہ جو جس کا جی چاہے مانگے۔ ہرایک نے جو اس کے دل میں
عرض کیا۔ کسی نے مرتبۂ غوثیہ طلب کیا، کسی نے مرتبۂ قطبیت۔ یہانتک کہ نوبت مجھ
پہونچی تو میں نے عرض کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ لَّا اُرِیْدَ وَاَخْتَارُ اَنْ لَّا اَخْتَارَ
الٰہی میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔ اور یہ تجویز کرتا ہوں کہ کچھ تجویز نہ کروں"۔
عطَانِیْ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ مِنْ اَهْلِ زَمَانِنَا
یعنی مجھے وہ چیز عنایت ہوئی جو اس زمانہ والوں میں سے نہ کسی کی آنکھ نے دیکھی اور
سی کے کان نے سُنی اور نہ کسی کے دل پر گذری"۔

(اس سے معلوم ہوا کہ شیخ اپنے مرید کے تسلی کے لئے اپنے مقام کی اطلاع دیسکتا
ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ تفویض نہایت اعلیٰ مقام ہے)

(۵۱۶) فرمایا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہو جاتا ہے اور اخلاص بھی
ہو تو خالی الذہن ہو کر بھی عمل مقبول ہو جاتا ہے۔ خالی الذہن کے معنیٰ یہ ہیں کہ نہ دکھاوے
نیت ہو نہ خدا کے لئے نیت ہو۔

(۵۱۷) فرمایا کہ اصل ریا دل میں ہوتی ہے۔ ہاں صورتِ ریا جائز ہے۔

(۵۱۸) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو جگہ خُیَلَاء (تفاخر) جائز ہے
یک صدقہ میں، دوسرے عدوِّ دین کے مقابلہ میں۔

(۵۱۹) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر قطاۃ پرندہ کے گھونسلے
کے برابر بھی کوئی مسجد بنا دے تو اس کے لئے جنت میں گھر بنے گا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اتنی
چھوٹی مسجد مسجد ہی نہ ہوگی تو اگرچہ اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ تمام اہل زبان میں مبالغہ
کلام کا حُسن سمجھا جاتا ہے، مگر ہم حدیث کا دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی نے مسجد
میں مثلاً ۴ روپئے جس سے عمارت مسجد میں سے اس کے حصہ میں گھونسلہ کی برابر جگہ آئی
و اس کو بھی جنت میں پورا گھر ملے گا، اگرچہ اس نے پوری مسجد نہیں بنائی۔ پس اگر کسی نے
خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی دیا تب بھی نجات کے لئے ویسا ہی کافی ہے جیسا کہ ہزار دو ہزار۔

(۵۲۰) فرمایا کہ غرباء کے چندہ کی قدر کرنی چاہئے اور ان پر ہنسنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ بڑا جرم ہے تعزیرات الٰہیہ کا۔ بقولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (یہ ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو بجز محنت و مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا۔ یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا بدلہ دیگا اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی۔)

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی ترغیب دی تھی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف تو اتنا لائے کہ اُٹھ بھی نہ سکا۔ اور ایک صحابی جو کے چند دانے لائے۔ منافقین دونوں پر ہنسے۔ ایک کو ریاکار بنایا، ایک کو بے شرم۔

(۵۲۱) فرمایا کہ تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے کہ "مجھے اپنے مقبول بندے کو چھیڑنے پر ایسا غصہ آتا ہے جیسے شیر کے بچوں کو چھیڑنے پر شیر کو" ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات — با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد — تا دل صاحبدلے نامد بدرد

(بارہا ہم نے تجربہ کیا ہے اس بدلہ کی دنیا میں کہ اللہ والوں کے ساتھ جو بھڑا وہ برباد ہوا کسی قوم کو خدا نے اسوقت تک ذلیل و رسوا نہیں کیا جبتک اس نے کسی صاحب دل کا دل نہ دکھایا) چنانچہ ایک ایک مقبول بندے کے ستانے پر شہر کے شہر تباہ کر دیئے گئے ہیں۔

(۵۲۲) فرمایا کہ دیکھو حق تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ دین کے کاموں میں خرچ کرنے کو فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنا کہا۔ معاذ اللہ! کیا اس میں کوئی خدا کا نفع ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ خرچ واقع میں فِیْ سَبِیْلِ اَنْفُسِکُمْ (اپنی راہ میں) ہے اس لحاظ سے تو اگر یہ قانون مقرر کر دیا جاتا کہ صدقہ اس شخص کا قبول ہوگا جو پہلے اتنی فیس داخل کرے تو ہم کو فیس دے کر خرچ کرنا چاہئے تھا، کیونکہ ہمارے نفع کا کام تھا

مگر افسوس! آجکل مسلمانوں کو بنکوں میں تو روپیہ داخل کرنے کی ہوس ہے اور خدا کے پاس جمع کرنے کی ہوس نہیں۔

(۵۲۳) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و استغفار اس وقت مفید ہو سکتی ہے کہ گناہ کرنے والا خود بھی توبہ کرنا چاہے۔

(۵۲۴) فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا (جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اور جو اس پر عمل کرے اس کا بھی اجر ہے) یعنی بانی (ابتدا کرنیوالے) کو بہت زیادہ اجر ملتا ہے۔ اگر بعض کو یہ شبہ ہو کہ ہم تو چندہ میں ابتدا نہیں کر سکے ہم کو یہ ثواب نہ ملے گا تو سمجھو کہ جب مجمع میں چندہ ہوتا ہے تو ہر ایک دوسرے کے لئے بانی ہے یعنی بعض مرتبہ ایک شخص کے دینے سے دوسرا اُبھر جاتا ہے تو وہ اس کے لئے بانی و محرک ہوا۔ اس کے دینے کا ثواب اس کو بھی ملے گا۔ حاصل یہ کہ بانی عام ہے اضافی ہو یا حقیقی۔

(۵۲۵) فرمایا کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو غلبہ ہوا اور بہت سے کفار مارے گئے اور بہت سے قید ہو کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَوْ كَانَ مُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِيْ فِيْ هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ (کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان گندے کفار کی بابت مجھ سے گفتگو کرتے تو میں ان کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا) بعض روایتوں میں ہے كَانَ يَشْكُرُ لَهٗ (کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شکر گذاری کے لئے ایسا فرماتے تھے کیونکہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے باشندے مسلمان ہو جائیں اور وہاں تکالیف سے نجات ملے۔ وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ نہایت گستاخانہ سلوک کیا۔ تو آپ بددل ہو کر پھر مکہ معظمہ واپس تشریف لائے اور مطعم بن عدی کو اطلاع فرمائی کہ اگر اہل مکہ مجھے امن دیں تو شہر میں آؤں ورنہ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔ اس وقت مطعم بن عدی نے اہل مکہ سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے پناہ دی خبردار! کوئی ان کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ اس وقت سے ہجرت مدینہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن

عدی کی پناہ کی وجہ سے مکہ میں تشریف فرما رہے۔ ان کی اس ہمدردی کا ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شکر یہ ظاہر فرماتے تھے۔ اسی کے صلہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت بعینہٖ یہی حالت ہے ان حکام کے ساتھ کہ جس طرح مطعم بن عدی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی تھی اور آپ ان کے ممنون و شکر گزار تھے۔ اسی طرح حکام وقت ہمارے محافظ ہیں اور ہمارے امن کے ذمہ دار ہیں۔ ہم کو بھی ان کا شکر گزار رہنا چاہئے جس کا ادنیٰ اثر یہ ہونا چاہئے کہ کوئی شورش نہ کریں جس سے حکام تشویش میں پڑ جائیں

(۵۲۶) فرمایا کہ نفس مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس کو بھی نفس ہی نے تو خرابی میں ڈالا تھا وہ بالذات تو بدذات نہ تھا نفس ہی کے کید میں آکر بدذات ہوا تو یہ نفس شیطان کا بھی باپ ہوا۔

(۵۲۷) فرمایا کہ اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ اس کی تفسیر میں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اَیْ بِنَفْسِہٖ یعنی "دانائی و احتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن ہی رکھے کسی وقت مطمئن نہ ہو ہمیشہ کھٹکتا رہے۔ اگرچہ حکماء نے اس جملے کے دوسرے معنیٰ بھی لئے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ چاہئے ہر شخص پر بدگمان رہے۔ احتیاط رکھے وہ کیسا ہی مخلص دوست ہو۔ معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حُسنِ ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوء ظن رکھے۔

(۵۲۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میرے پاس جو لوگ آتے ہیں ان کے قدموں کی زیارت کو موجب نجات جانتا ہوں کیونکہ وہ یقیناً اچھے ہیں۔ اور ان کے اچھے ہونے کی میرے پاس دلیل یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود میرے ناچیز ہونے کے حُسن ظن رکھتے ہیں۔

(۵۲۹) فرمایا کہ حقیقت ہے کثرت نفع۔ اگر کسی چیز کا کثیر النفع ہونا ثابت ہو جائے، تو اس کو مبارک کہنا صحیح ہو گا۔

(۵۳۰) فرمایا کہ یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر جمع ہوں ایک اشد اور دوسرا اہون تو اہون کو اختیار کرنا چاہئے۔ مثلاً باپ نے جو بچہ کو بے راہی کرنے پر مارا تو

یہ مارنا بھی بچہ کے حق میں ایک درجہ کا ضرر ہے اور دوسرا ضرر یعنی بے راہی اس سے اشد ہے۔ کیونکہ بے راہی اگر بچہ اختیار کئے رہا تو اس کا انجام بہت برا ہوگا، مثلاً وہ پڑھتا نہیں یا بری صحبت میں بیٹھتا ہے کہ اس سے آئندہ کو اسے بہت ضرر ہوگا۔ اور یہ ضرر پہلے ضرر سے اشد ہے اس لئے باپ نے اہون کو اختیار کیا تاکہ بچہ اشدّ الضررین سے محفوظ رہے۔ اسی طرح بعض مشورے ہمارے ایسے ہیں کہ ان سے دنیا کا ایک گونہ ضرر ہے مگر چونکہ وہ ضرر اہون ہے اس ضرر سے جو آزاد چھوڑ دینے پر پیش آنیوالا ہے اس لئے اشد الضررین سے بچانے کے لئے اہون کو اختیار کیا گیا۔ اور وہ ضرر اشد دین کی خرابی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی ضرر نہیں۔ اگر اس کا نام مخالفت ہے تو باپ، ماں اور استاد سب مخالف ہیں اور واقع میں اہون کو اختیار کرنا تو اصلاح ہے مدعیان ترقی نے ہمیں خوامخواہ اپنا مخالف سمجھ لیا ہے ہم کو ماحیِ ترقی کہتے ہیں۔ مگر واقع میں ہم ماحی نہیں ہم تو ایسی ترقی کے حامی ہیں کہ سات پشت تک اس کی برکت چلی جائے۔ خوب سمجھ لیجئے منافع دنیا کے دو درجے ہیں۔ ایک تو وہ جس میں دین کا ضرر نہ ہو۔ اور دوسرا وہ جس میں دین کا ضرر ہو۔ مولوی پہلی ترقی کے حامی اور دوسرے کے ماحی ہیں جس طرح گورنمنٹ کو حامیِ ترقی دنیا کہا جاتا ہے مگر باوجود اس کے گورنمنٹ ہی کا قانون ہے کہ ڈکیتی بڑا جرم ہے۔ حالانکہ وہ بھی ترقی ہے اور ترقی بھی کیسی کہ ایک رات میں آدمی مالا مال ہو جاتا ہے مگر گورنمنٹ اس ترقی کی حامی نہیں۔

(۵۳۱) فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اور راتوں میں تو پچھلے اوقات میں حق تعالیٰ آسمانِ دنیا پہ نزول فرماتے ہیں اور اس شب میں شروع ہی سے نزول فرماتے ہیں۔

(۵۳۲) فرمایا کہ ایک حدیث میں ہے جو شخص رات کو اٹھ کر التجا کرتا ہے تو میں اس سے بہت خوش ہوتا ہوں اس لئے کہ میری وجہ سے اپنی بیوی اور گرم بستر کو چھوڑ دیا۔

(۵۳۳) فرمایا کہ نفس کا ایک خفی کید یہ ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ممتاز ہو کر رہے اور اس میں اس کو حظ ہوتا ہے اس لئے بعضے آدمی یہ چاہتے ہیں کہ اخیر شب ہی میں

جاگیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اس امتیاز میں حظ ہو۔ سو یہ عُجب ہے اور عُجب ایسی چیز ہے کہ جس وقت کوئی شخص اپنی نظر میں پسندیدہ ہوتا ہے اس وقت خدا کی نظر میں ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

(۵۳۴) فرمایا کہ سلف نے تو معاشرت تک میں اس کا اہتمام کیا ہے کہ اپنی نظر میں پسندیدہ نہ ہوں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک بار کرتہ پہنا اور اس کی آستینیں خوبصورت معلوم ہوئیں۔ آپ نے ان کو تراش ڈالا کہ بدشکل ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کو کسی نے مسلمانوں کے گھروں میں پانی بھرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں فرمایا کہ میں اس وقت اپنے نفس کا علاج کر رہا ہوں اس وقت دو شخص ہرقل کی طرف سے میرے پاس آئے تھے اور میرے عدل کی تعریف کی جس سے میرا نفس خوش ہوا میں نے اس کا یہ علاج کیا۔

(۵۳۵) فرمایا کہ ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا تھا کہ ہم میں اور صحابہ میں کیا فرق ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر صحابہ آج کل کے لوگوں کو دیکھتے تو وہ ان کو کافر کہتے اور یہ ان کو پاگل سڑی خیال کرتے۔ واقعی دونوں حکایت اوپر کی اسکی شاہد ہیں۔

(۵۳۶) فرمایا کہ جب عمل شاق میں عجب کا احتمال ہو تو ایسے موقع پر عمل شاق کا انتظار نہ کرے اسکا بالکل اہتمام نہ کرے ہیئت ممتاز ہی ہو۔ کسی نیکی کو جو بھی میسر ہو جائے حقیر نہ جانے مثلاً یہ انتظار نہ کرے کہ اخیر شب ہی کی فضیلت ہے۔ اگر اس وقت جاگنا شاق ہو عشا ہی کے وقت تہجد پڑھنے پر قناعت کرے۔

(۵۳۷) فرمایا کہ لوگ سختی کے معنیٰ سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ اصل میں سخت وہ ہے کہ قانون سخت ہو اگر قانون تو سہل و نرم ہو لیکن اسکی پابندی سختی کے ساتھ کرائی جائے تو اس کو سخت نہ کہیں گے۔ مثلاً نماز کہ سارے ارکان سہل ہیں لیکن اسکی عدم ادائیگی پر سخت وعیدیں ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حدود بھی جاری کیے گئے مگر ان کو بھی حق تعالیٰ نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) فرمایا

(جاری)

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ



شمارہ ۴ اپریل ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد

حامل مضامینِ تصوف و عرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی جانشین مصلح الامت حضرت

مُدیر: احمد مکین

شمارہ ۴ - شوال المکرم ۱۴۱۳ھ مطابق اپریل ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون ساٹھ ۶۰ روپیہ ششماہی پینتیس ۳۵ روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو ۱۰۰ روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر: صغیر حسن۔ ۔ اسرار کریمی پریس، جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ۔ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

سالِ رواں یعنی ۱۹۹۳ء کا سالانہ زرِ تعاون صرف ساٹھ روپیہ اور ششماہی پینتیس روپیہ ہے۔ لہٰذا اپنا زرِ تعاون اوّلین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیے۔

ارشادات مصلح الامۃ

احکام ربانی اور اغراض نفسانی

(۱۰ رمضان المبارک سنہ ھ یوم جمعہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فرمایا کہ لوگ بزرگی کو شریعت کے علاوہ کچھ اور سمجھتے ہیں جب کسی آدمی کو متبع شریعت دیکھتے ہیں تو اسکو بزرگ سمجھتے ہی نہیں۔ اسلئے انکی سنتے بھی نہیں۔ بس بالکل گمراہ ہوگئے ہیں۔ علماء نے شریعت طریقت کی تطبیق میں مفصل کلام کیا ہے۔ عوام الناس ایسے خود رائے ہوگئے ہیں کہ علماء کے فتوے کے مقابلہ میں اختلاف کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَاءَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ الآیۃ کہ علم آنے کے بعد اگر آپ ان لوگوں کی ہوائے نفسانی کا اتباع کریں گے، آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی چھڑانے والا نہ ہوگا۔ دیکھا آپ نے جب حضور سے یہ خطاب ہے تو اور لوگوں کو شرع کی بات پہونچنے کے بعد کیا حکم ہوگا؟ جانتے ہو یہ عوام الناس کیوں اختلاف کرتے ہیں۔ صرف ہوائے نفسانی کی وجہ سے۔ میرے ایک دوست اوپر سے اترے میں نے مزاج پوچھا کہنے لگے دِہ ہوا دِہ ہوا بس ہوا ہی ہوا بھری ہوئی ہے۔ وہ تو بچارے پیٹ کے قراقر وغیرہ کو کہہ رہے تھے، میں کہتا ہوں کہ آجکل عوام الناس کے اندر بھی ہوائے نفس بھری ہوئی ہے ایسی کہ بس دِہ ہوا، دِہ ہوا ہر چیز کے مقابلے میں ہوئی۔ حتیٰ کہ شریعت کے مقابلہ میں بھی ہوئی مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

تازہ کن ایمان نہ از قول زباں ۔۔۔ اے ہوئی را تازہ کردہ در نہاں

(ایمان کو صدق دل سے تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں تم نے تو باطن میں ہوائے نفسانی کو تازہ کر رکھا ہے)

تا ہوئی تازہ است ایمان تازہ نیست کاین ہوئی جز قفل آں دروازہ نیست

(جب تک ہوئی (خواہش نفسانی) تازہ ہے ایمان تازہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ہوائے نفسانی اس دروازہ (علوم و معارف) کا قفل ہے جسکی وجہ سے حقائق منکشف نہیں ہو سکتے ۔)

دیکھا آپ نے مولانا فرمارہے ہیں کہ یہ ہوئی ایک قفل کی طرح ہے کہ ایمان کو داخل ہونے نہیں دیتی ۔ اب تو چھوڑتے جاؤ اسکو اللہ کے بندو!

چاند کے بارے میں اختلاف جو ہوتا ہے یہ بھی صرف نفسانیت پر مبنی ہوتا ہے شریعت سے ایک حکم ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ جاہل نہیں مانتے ۔ ایک رمضان اور عید و بقرعید ہی تو مسلمانوں کے ہاتھ میں رہ گئے تھے اسکو بھی فسادگاہ بنالیا ۔ اختلاف میں انکو اتنا مزا آتا ہے کہ کسی کو سوتوں میں کیا آئے گا ۔ جس طرح صاحب حال اپنے حال میں مست ہوتا ہے یہ اپنی بدحالی میں مست ہیں ۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ بزرگوں پر سال بھر حال طاری رہتا ہے اور ان جاہلوں پر شعبان ، رمضان ، ذیقعدہ کی ۲۹ تاریخ کو حال طاری ہوتا ہے نری بدحالی ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے زمانے کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا ہے تو جب وہ زمانۂ جاہلیت ہے تو حضورؐ کی تشریف آوری کے بعد کا زمانہ زمانۂ عالمیت ہوا پھر اس دور عالمیت میں یہ جہل کیسا ؟ بس کچھ نہیں یہ سارا فساد جاہلوں کی ہوائے نفس کا ہے سو نہیں چلتی توپوں میں تلوار انکی

تو جاہل کی ہوا توپ ہے اور عالم کی باتیں تلوار کی مثل ہیں عالم جاہل کے مقابلہ میں کچھ نہیں کر پاتا ۔ جس طرح عالم کے مقابل جاہل ہے اسی طرح شریعت کے مقابل جاہل کی ہوا ہے ۔ میں شعبان و رمضان کی ۲۹ تاریخ کو بعد عشاء بیمار کی طرح چادر اوڑھ کر لیٹ جاتا تھا کہ لوگ میرے پاس چاند کی شہادت دینے نہ آویں اس لئے کہ خواہ مخواہ یہاں سے کوئی بات ہوگی تو لوگ اختلاف کریں گے اور مجھے ایذا ہوگی مگر پھر بھی لوگ آہی جاتے تھے رویت کی شہادت دیتے تھے اور اطراف سے اختلاف کی خبر آتی تھی ۔ مسلمانوں کے اختلاف کو دیکھکر غیر قومیں ہنستی ہیں مگر انکو

غیرت نہیں آتی، اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل، دنیا کی نظر میں حقیر مگر اف رے
مسلمان کچھ حس نہیں۔ مصرعہ۔ از مذہب من گبر و مسلماں گلہ دارد
حافظ ضامن صاحبؒ کی مجلس میں ایک شخص پر حال طاری ہوا وہ رونے لگا
حضرت نے اسکا آنسو لیکر اپنی آنکھوں میں لگا لیا بس پوری مجلس پہ حال طاری
ہوگیا سب رونے لگے تو بھائی یہ تو ہوتا ہے کہ شیخ پر حال طاری ہو تو مریدین پر حال
طاری ہوجاتا ہے لیکن میں پوچھتا ہوں جاہلوں کی بدحالی علماء پر طاری ہوجائے تو
یہ کیا ہے؟ آجکل علماء جاہلوں کے تابع ہو گئے ہیں یہ انکو کچھ کہہ نہیں سکتے

اسلام کے معنی قرآن و حدیث نے تو ہمکو یہ سبق دیا ہے کہ شریعت کی بات
جہاں سنے بس گردن ڈالدے اسلام کے معنی ہی گردن
نہادن بر طاعت کے ہیں۔ بزرگوں کا یہی حال تھا۔ حضرت مولانا عبدالقدوس
صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سماع سنتے تھے محتسب نے منع کیا بس شیخ نے
چھوڑ دیا اس پر لوگوں نے طعن کیا کہ کیسے بزرگ ہیں محتسب سے ڈر گئے۔ حضرت
شیخ کو اسکی اطلاع ہوئی تو شیخ نے کیا ہی عمدہ جواب دیا فرمایا کہ بھائی میں مسلمان
میرے باپ مسلمان، میرے دادا مسلمان، شریعت کی ایک بات سنی مان لی اسمیں
طعن کی کیا بات ہوئی۔
ایک بزرگ کے یہاں کتا پلا ہوا تھا (شوقیہ کتا پالنا منع ہے لیکن کھیتی وغیرہ
کی حفاظت کے لئے جائز ہے) ایک عالم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کتا پالنے سے منع فرمایا ہے۔ بس شیخ نے کتے سے کہا کہ بھیا حضرت صاحبؐ نے منع
کیا ہے جاؤ۔ یہ سننا تھا کہ کتا اٹھا اور ایک طرف کو چلا گیا پھر پتہ نہیں چلا کہ وہ
کہاں گیا۔
دیکھئے یہ بزرگ مسئلہ کی تفصیل بتا سکتے تھے مگر عالم کی بات کا جواب دینا بھی
مناسب نہ سمجھا بس شریعت کا حکم سنا اور اسکے آگے سر تسلیم خم کردیا۔
آجکل بزرگوں سے اعتقاد ہی اٹھ گیا۔ جب دین ملنے کے ذریعہ ہی سے عقیدت

نہ رہی تو اب دین کس طرح ملے نتیجہ یہ ہوا کہ دین داری اٹھ گئی بس اتباع ہوئی ہی نہ گیا۔

لوگوں نے تو بزرگوں کا ایسا انقیاد کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے جبکا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ شیخ کی مجلس سے کچھ بنکر اٹھتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ عین وعظ تذکیر کی حالت میں انکار لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ ذرا متاثر نہیں ہوتے ہیں کہتا ہوں کہ جب شیخ کی مجلس میں متاثر نہ ہوگے تو بار بار توضہ نہ ہو جاؤ گے جب شاگرد استاد کے پاس ہی سبق نہ سمجھ سکے گا تو بعد میں تو بدرجہ اولیٰ سمجھ جائے گا؟ کبھی نہ سمجھے گا۔

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ یعنی کتاب آجانے کے بعد بھی انھوں نے محض آپس کی ضدا ضدی کی وجہ سے اختلاف کیا جبکل بالکل یہی حال مسلمانوں کا ہوگیا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ایسے صاحب عالم تو جاہلوں کی خوشامد کر رہا ہے کہ بھائی چاند کا ثبوت ہوگیا مان لو مگر جاہل ڈٹا ہے کہ ہم نہیں مان سکتے۔ جس طرح ایک مریض مجبور پڑا ہوتا ہے یا ایک بیل تھک کر کھونس جاتا ہے اسی طرح علماء ہار کر پڑ گئے ہیں۔ فساد بڑھتا چلا جاتا ہے تباہی روز بروز ترقی پر ہے۔ ظاہر و باطن میں بگاڑ پیدا ہوگیا ہے مسلمانوں کی ضدم ضدی دیکھکر کافر بھی ہنستا ہے مگر مسلمانوں کو غیرت نہیں آتی عید بقرعید، رمضان میں جی چاہتا ہے کہیں بھاگ جاؤں کسی گاؤں میں اس تقریب کو اتفاق سے نہیں کرتے۔ جس طرح عالم اپنے علم پر خوش ہے یہ جاہل اپنے اختلاف پر خوش ہیں، غیر قوم ہنستی ہے، خدا کے یہاں ذلیل ہیں مگر بے حس ہوگئے ہیں اسکا سبب علماء کی سمجھ میں نہیں آتا یہ سارا فساد ہویٰ کا ہے

شریعت کا حکم تو یہ ہے جب کوئی عالم محقق فتویٰ دیدے تو عوام الناس کو اس سے اختلاف کرنا جائز نہیں لیکن عوام الناس اپنی ہوائے نفس کیوجہ سے

ا ننے کیلئے تیار نہیں یہ وہی ہوئی ہے کہ قرآن مجید میں اسپر جگہ جگہ نکیر فرمائی گئی ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ - يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ - اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات نفس کا اتباع مت کرو جب کوئی عالم فتویٰ دیتا ہے تو لوگ فتویٰ شرعی کے مقابلہ میں اپنی رائے لگاتے ہیں اتباع نہیں کرتے کرتے تو بل اپنی رائے اور عقل کا اتباع اور ظاہر کرتے ہیں اعتقاد جو چیز عقل و رائے کے موافق ہوئی ان لی اور اگر اپنی سمجھ میں نہیں آئی تو نہیں مانی تو صاحب یہ عقل و رائے کا اتباع ہوا کہ شیخ کا اتباع - صحیح معتقد وہ ہے جو اپنی رائے اور عقل کو ترک کر کے رکھدے -

شریعت امن و امان کیلئے ہے جب شریعت کا اتباع چھوڑا فساد ہی فساد پھیل گیا -
یک تو سب سے بڑا مفسدہ یہ کہ شریعت کا انقیاد نہیں، دوسرے یہ کہ علماء پر بدزبانی، پھر آپس کی ضدم ضدا، یہی سب تباہی کے اسباب ہیں قوم ایسی تباہ حال ہو چکی ہے کہ ذی حس آدمی اپنی قوم کی بدحالی دیکھکر تندرست نہیں رہ سکتا

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے کو آپس کے اختلاف سے بچاؤ کہ یہ دین کو مونڈ دینے والی چیز ہے قرآن مجید میں موجود ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا بیان موجود ہے کہ پہلے لوگوں نے اختلاف کیا انبیاء آئے کتاب آئی لیکن آپس کی ضدا ضدی کی وجہ سے نہ مانا -
ان آیتوں میں غور کرنا چاہیئے، یہی حال مسلمانوں کا ہو رہا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

میں سوچا کرتا تھا کہ یہ عوام الناس جو چاند وغیرہ کے بارے میں علماء سے اختلاف کرتے ہیں تو ان کے پاس کوئی دلیل ہوگی - اے صاحب! ایک شخص کہنے لگے کہ ہم نے پوچھا کہ تم کیوں اختلاف کرتے ہو تو جواب دیا کہ صاحب کل سے نہیں بتایا کہ عید ہوگی اب بتا رہے ہیں اب کپڑے وغیرہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تب معلوم ہوا کہ انکو اپنی نہیں اپنے کپڑوں کی عید مقصود ہے -

(۱۲ رمضان المبارک ۴۸ھ یوم یکشنبہ)

فرمایا اس وقت اصلاح کے لئے دونوں چیزوں کی ضرورت ہے عقل کی بھی اور نور باطن کی بھی تاکہ عقل کے مدعیوں کو عقل سے ہرایا جا سکے اور نور کے طالبوں کو نور پہونچایا جا سکے۔ حضرت مولاناؒ (تھانوی) کے یہاں دونوں چیزیں کامل تھیں۔ بڑے بڑے عقلاء کی بولتی صرف پانچ منٹ میں بند ہو جاتی تھی۔

صرف عقل سے تربیت نہیں ہوا کرتی ابوجہل بڑا عاقل تھا اسکی کنیت ابوالحکم تھی۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں فرماتے ہیں۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً الآیہ (اور ہم نے انکو کان اور آنکھ اور دل دیئے تھے) صرف عقل سے کام نہیں چلا کرتا جب تک کہ نور بصیرت نہو۔

فرمایا تربیت مردہ پڑی ہوئی ہے۔ مربی رو رہے ہیں اور لوگ ہیں کہ جلسوں پر جلسے کیے چلے جا رہے ہیں۔

فرمایا بڑے بڑے عقلاء اور حکماء جو گذرے ہیں بعض ان میں سے غیر مسلم تھے مگر تنہائی میں رہتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ اگر لوگوں سے ملیں جلیں گے اور کوئی برائی ہو جائیگی تو بس عقل پر میل آجائے گا وہ صحیح نتیجہ نہ دے گی۔ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ عقل بہت نازک چیز ہے ذرا سی ہوئی سے اس پر میل آجاتا ہے۔

فرمایا کہ زمانہ کو ایسی مصلح ہستی کی ضرورت تھی جو جامع اوصاف ہو اعلیٰ عقل رکھتا ہو کہ عقلاء کی اصلاح کر سکے، اعلیٰ درجہ کا علم رکھتا ہو کہ علماء کی اصلاح کر سکے، سلوک کے اعلیٰ ترین مراتب پر فائز ہو کر سالکین کی رہبری کر سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا تھانویؒ کو پیدا فرما کر اس ضرورت کو پورا فرما دیا حضرت مولانا زبردست عالم بھی تھے اور عاقل بھی تھے اور بہت بڑے صاحب نسبت بھی تھے۔

چنانچہ منجملہ عنایات ہی کے یہ بھی ہے کہ انسان اگر کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کیلئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تشہیر فرما دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے اِنَّ عَبْدًا لَوْ اَطَاعَ اللّٰہَ مِنْ وَّرَاءِ سَبْعِیْنَ حِجَابًا لَاَظْهَرَهٗ اللّٰہُ لَہٗ ذَالِكَ عَلٰی اَلْسِنَۃِ النَّاسِ وَکَذَالِكَ الْمَعْصِیَۃُ۔ وَرُوِیَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ قُلْ لِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یُخْفُوْا اِلَیَّ اَعْمَالَھُمْ وَعَلَیَّ اَنْ اُظْہِرَھَا " یعنی اگر کوئی بندہ ستّر پردے میں بیٹھکر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو لوگوں کی زبان پر ظاہر کر دے گا یہی حال معصیت کا بھی ہے۔ نیز مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے اپنے اعمال کا اخفار کیا کریں باقی یہ میرے ذمہ ہے کہ میں انھیں مشہور کر دوں"۔

ریاکاری پر مصلح الامتؒ کی بلیغ تنبیہ

دیکھئے ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوست تو خود ہی حق محبت ادا کرنے کے لئے تیار ہے پھر لوگ اپنے اعمال کی تشہیر کے درپے کیوں ہوتے ہیں یہ تو پوری حماقت اور بیوقوفی ہے۔ چنانچہ ریاکار احمق ہوتا ہے کیونکہ اس سے اس کا مقصود یہی تو ہوتا ہے کہ لوگ اسکی طاعت کو جان لیں۔ تو جب اللہ تعالیٰ ہی اس کے اخلاص کی برکت سے اسکی تشہیر فرما دیتے ہیں تو پھر ریاکاری کا گناہ انسان کیوں کرے۔

مولانا رحمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حرم شریف میں علماء جو درس ہوتے تھے اس میں جا کر پیچھے بیٹھ جاتے تھے اور طالبعلمانہ اشکال کرتے۔ وہاں کے جو سب سے بڑے شیخ تھے ان کے درس میں بھی بیٹھے اور درس ختم ہو جانے کے بعد کچھ سوالات کئے۔ شیخ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ آپ تو طالب علم نہیں معلوم ہوتے۔ ایسے سوالات تو کوئی عالم فاضل ہی کر سکتا ہے۔ مولانا نے اپنا نام بتلایا۔ شہرت تو تھی ہی۔ شیخ نے نہایت تعظیم و تکریم کی۔ اور فرمایا کہ گھر پر مجھ سے ملئے۔

چنانچہ مولانا ان کے مکان تشریف لے گئے۔ اثنار گفتگو ہی میں ان عالم صاحب کے پاس شاہی فرمان پہونچا کہ اس نام کے کوئی عالم ہندوستان سے تشریف لائے ہیں ان کا پتہ چلائیے۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو اس وقت میرے پاس ہی موجود ہیں حکم آیا کہ انکو

یہاں کھینچ دو۔ تو دیکھئے انھوں نے اخفا چاہا مگر نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بزرگوں کے ساتھ مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کو مخفی رکھا جاتا ہے اور بعض چاہتے بھی ہیں تو نہیں رہ سکتے جیسا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

اس کی خاطر انھوں نے دنیا چھوڑ دی لیکن دنیا نے انھیں نہیں چھوڑا۔ کیونکہ انھوں نے اللہ کے لئے ایسا کیا ان کا تنعم اپنے نفس کے لئے نہیں تھا بلکہ اللہ کے لئے تھا اس لئے اللہ کے یہاں ان کے بڑے بڑے مراتب ہوتے ہیں۔ اب اگر اس کا کچھ حصہ یہاں بھی مل جائے تو کیا بعید ہے۔ اسکی وجہ سے ان کا آخرت کا ثواب تو جاتا نہیں ثواب تو جب جائے کہ وہ تمتع دنیا کا قصد کریں لیکن قصد ان کا جب آخرت ہی ہے تو ثواب آخرت کیوں ضائع جائے اور اللہ تعالیٰ سے اسی تعلق کی وجہ سے ان کے اندر لطافت آجاتی ہے، جسم روح کا حکم لے لیتا ہے۔ اس طرح سے گویا اللہ تعالیٰ ان میں تمتع جنت سے نفع اٹھانے کی استعداد پیدا فرمادیتے ہیں۔

قدر نعمت بعد محنت | چنانچہ اس استعداد کے پیدا ہونے کے بعد ان کو جنت کا کیا کچھ اشتیاق ہو جاتا ہے اور اسکے فراق میں جس قلق سے وہ دوچار رہتے ہیں اور جس قدر انھیں صبر کرنا اور اسکی مشقت برداشت کرنا پڑتا ہے اسکو وہی جانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی یہ تکلیف و مشقت بھی ضائع نہ جائیگی بلکہ اس مصیبت سے نجات پانے کے بعد ان کو جنت کی راحت کا مزہ بھی آئے گا یہی وجہ ہے قرآن شریف میں آتا ہے جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہاں کے راحت و آرام اور اسکی نعمت کو دیکھ کر کہیں گے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ، الَّذِیْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۔ "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدرداں ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی کلفت پہونچیگی اور نہ ہم کو کوئی خستگی پہونچے گی"۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا دنیا کی تکالیف سے خلاصی پانے پر شکر ادا کرینگے۔ تو ان کو جنت کی اور اسکی نعمتوں کی قدر اسی لئے ہوئی کہ دنیا میں اس کے انتظار کی بہت تکلیف اٹھا چکے تھے۔ چنانچہ

شخص رنج و محن میں رہ چکا ہو اسی کو نعمت و راحت کی قدر ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اس صبر اور آخرت میں اس کا اجر قرآن شریف میں ایک مقام پر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰی یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے" پھر کچھ آگے چل کر ان لوگوں کے اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝" یعنی یہ لوگ ہیں کہ اللہ سے جو کچھ انھوں نے عہد کیا ہے اس کو پورا کرتے ہیں اور عہد کو توڑتے نہیں اور اللہ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم کیا ہے انکو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں اور اپنے رب کی رضامندی کے جویاں رہ کر مضبوط رہتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چھپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کی بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں۔ انھیں لوگوں کے لئے اس جہان میں نیک انجامی ہے یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں جن میں وہ لوگ بھی داخل ہونگے اور ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں جو لائق ہوں گے وہ بھی داخل ہوں گے۔ اور فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے تم ہر آفت اور خطرے سے صحیح سلامت رہوگے بدولت اس کے کہ تم دین حق پر مضبوط رہے تھے سو اس جہان میں تمھارا انجام بہت اچھا ہے"

عجائبات جنت | مومنین کو ان کے اعمال کے صلہ میں جنت میں کیا کیا ملے گا؟ اور وہاں کے نعمات اور لذات کی حقیقت کیا ہوگی یہ تو آخرت ہی میں معلوم ہوگی کیونکہ اسکے متعلق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ "لاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر" جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خطرہ و خیال گذرا"۔ تاہم تقریب فہم کے لئے کتاب وسنت میں جو کچھ بیان آیا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں وَعَدَ اللہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰارُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ (پ) جس کی تفسیر ابھی بیان کرتا ہوں اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰارُ اُکُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَی الْکٰفِرِیْنَ النَّارُ ٥ (پ)

اب ان آیات کی تفسیر سنئے: ۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں جلتی ہونگی جنہیں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ تعالےٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ میں نے عمران ابن حصینؓ اور ابوہریرہؓ سے وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً کا مطلب پوچھا۔ ان دونوں حضرات نے فرمایا کہ بہت خوب، آپ نے تو جاننے والوں سے پوچھا۔ ہم لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں موتیوں کا ایک محل ہے اور اس محل میں ستر مکانات ہیں سرخ یاقوت کے اور ہر مکان میں ستر کمرے ہیں سبز زمرد کے اور ہر کمرے میں ستر تخت بچھے ہوں گے ہر تخت پر رنگ برنگ کے ستر بستر ہوں گے ہر بستر پر ایک ایک حور عین ہوگی اسی طرح سے ہر کمرے میں ستر دسترخوان لگے ہوں گے اور ہر دسترخوان پر انواع واقسام کے ستر کھانے ہوں گے۔ نیز ہر کمرے میں ستر غلام اور ستر باندیاں ہوں گی۔ اور مومن کو ان سب تمتعات سے منتفع ہونے کے بقدر قوت ہوگی۔ اسی طرح جنات عدن کے متعلق حدیث میں ہے کہ عدن اللہ تعالےٰ کا ایسا گھر ہے جس کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گذرا ہوگا اور اس میں بجز ان تین اصناف کے کوئی

...رنہ ٹھہرایا جائے گا۔ انبیار۔ صدیقین اور شہدا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے طوبیٰ ہوا سکے
...ے جو اس میں داخل ہو۔
اب دوسری آیت جو بیان کی ہے اسکی تفسیر سنئے فرماتے ہیں کہ جس جنت کا متقیوں
...ے وعدہ کیا گیا ہے اسکی کیفیت یہ ہے کہ اس (کی عمارا) واشجار کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی
...س کا پھل اور سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا۔ اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا
مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے ماکولات کے دوام کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ باقی
...ہیں گی کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی لذت دائم رہے گی۔ بھوک
...بنا پر زائد نہ ہوگی اور سیری کی وجہ سے کم نہ ہوگی۔
علامہ شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ جنت کے پھلوں
کے بارے میں یہ جو آتا ہے کہ لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (جو نہ ختم ہوں گے اور نہ انکی روک
...وک ہوگی) اس کا کیا مطلب ہے تو اس کے متعلق شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ علماء ظاہر کے نزدیک
...و اس کا یہی مطلب ہے کہ موسم گذر جانے پر وہ پھل ختم ہو جائیں گے اور سال آئندہ پھر جدید
...یدا ہوں گے۔ اور وہ اسی طرح پھوٹتے رہیں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ عقل کا مبلغ علم اور پرواز
...ہم تو بس اتنا ہی ہے لیکن ہم لوگوں کو اس سلسلے میں جو علم ہے (یعنی بذریعہ کشف والہام الٰہی
...کے) وہ یہ ہے کہ جس طرح سے اللہ تعالےٰ نے جن کے لئے ہڈیوں میں غذا رکھ دی ہے۔ چنانچہ
...ہم دیکھتے ہیں ہڈی جوں کی توں رہتی ہے لیکن جن اسی سے آسودہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم
...بھی بلاشک وشبہ ثمر جنت سے کھائیں گے باوجود اس کے کہ وہ پھل درخت میں اپنی جگہ ہی پر
...لگا ہوگا وہاں سے جُدا نہ ہوگا اس لئے کہ وہ دار البقار ہے۔ وہاں چیزیں متجدد ہوتی رہتی
...ہیں اسی واسطے اس کا نام دارِ تکوین ہے۔ دارِ اعدام نہیں۔ اور اسی کے مثل جنت کا بازار بھی
...ہے کہ مؤمن بازار والوں کی صورتوں میں سے جس شخص کی صورت میں چاہے گا داخل ہو جائیگا
...باوجودیکہ اسی حال میں اسکی اپنی صورت بھی موجود رہے گی۔ چنانچہ اس کے گھروالوں میں سے
...کسی کو اس کے پہچاننے میں تردد نہ ہوگا۔ پس یہ چیز عقل کے ادراک سے بالاتر ہے (الیواقیت
...ج ۲ ص ۴۴)

سبحان اللہ! شیخ نے "کُلُّھَادَ ائِمٌ" کی کشفی تفسیر جو فرمائی وہ علماء ظاہر کی تف
سے گو مختلف ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بہت عجیب تفسیر ہے۔ واقعی زوال الا
امور دنیویہ ہی کی صفات سے ہیں۔ آخرت میں چونکہ ہر شے کو دوام ہوگا وہ اسی کو متقا
ہے کہ وہاں کے پھل بھی دائمی ہوں۔ رہا اس کا عجیب ہونا تو ایک یہی کیا جنت تو کل کی
عجائبات کا مجموعہ ہی ہے دنیا پر اس کو قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ قدرت کو بھ
اور یہ سمجھو کہ انسان جب اپنے اعمال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ راضی کرلے تو وہ خوش ہوکر ا
کیا کچھ نہ دینگے۔ اسکو اپنی حیثیت سے مت دیکھو بلکہ ان کی حیثیت سے دیکھو۔ طاعت پر
جزا وہ آخرت میں دینگے وہ اپنی حیثیت سے دینگے اور جس طرح سے ان کی ذات کو دنی
میں کوئی سمجھ نہیں سکتا وہ تو آخرت میں دیدار کے بعد ہی کچھ سمجھ میں آئے گی۔ یہی حال جنت
کا بھی ہے کہ اسکی حقیقت بھی انسان اس دنیا میں نہیں سمجھ سکتا۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ جب جنت
کی تعریف فرما رہے ہیں تو اس کو تو سمجھنا ہی ہوگا۔ اس سے صبر جائز نہیں ہے اور آپ تو ایک وق
کے کھانے سے صبر نہیں کرسکتے پھر جنت سے بھلا کیا صبر کرسکتے ہیں۔ اب وہاں چونکہ دوام ہے ایسا
وہاں کی کسی چیز میں تغیر و تبدل نہیں۔ بچے ملیں گے تو وہ بچے ہی رہیں گے اور لوگ جنت جوا
داخل ہوں گے تو جوان ہی رہیں گے۔ دنیا کی نعمت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے کیونکہ متعا
دنیویہ میں سے اکل (یعنی کھانا) ہی سب سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ آپ کارخانۂ عالم میں غور کر
تو اس کا زیادہ تر نظام اور لوگوں کی تمامتر دوڑ دھوپ کو اسی کے لئے پائیں گے۔ تجارت، ز
ملازمت اور جملہ صنعت و حرفت کا مآل تحصیل مال ہی ہے۔ اور مال کے استعمال میں سب
پہلا نمبر کھانے ہی کا ہے

پس اس دنیا کی جو ایسی بنیادی چیز ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ یہاں اس کی تیاری ؟
کتنی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔ مثلاً زمین کا جوتنا۔ بیج بونا اسکو سینچنا۔ اور اسکی حفاظت ک
کاٹنا۔ کوٹنا۔ پیسنا۔ پکانا، تب جاکر اس کے بعد کھانے کا نمبر آتا ہے۔ پھر یہ کھانا بھی ایس
نہیں ہے کہ بالکل بے خطر ہو۔ بلکہ مزاج کے غیر مناسب کوئی چیز کھالی جائے یا مقدار س
کچھ زیادہ کھالی جائے تو پیٹ میں درد ہوجائے یا اور کوئی بیماری لگ جائے یا سوء ہ

کی شکایت ہو جائے یا کھانے ہی میں اچھو لگ جائے یعنی کھانا بجائے کھانے پینے کی نالی میں جانے کے سانس کی میں چلا جائے تو جان ہی پر آبنتی ہے۔

غرض اس کے ہر ہر منزل پر ایک مصیبت کا سامنا ہے۔ تو یہ حال ہے دنیا کے لذائذ کا بخلاف اس کے جنت کے کھانے کا یہ حال ہے کہ جہاں خواہش کی نہیں کہ فوراً موجود۔ اور جس قدر کھالو کچھ کلفت نہیں، پھر کھایا اور ڈکار آئی کل ہضم۔ اور ڈکاریں بھی مشک وعنبر کی خوشبو۔ تو اللہ تعالیٰ نے جنت کو ایسی آرام دہ چیز اور دنیا کو ایسا منغص اور اس میں کدورات کی آمیزش اسی لئے کر دی ہے تاکہ آپ اس پر ریجھیں نہیں۔ پھر کھانا کھالینے پر بھی کدورات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کھانا اگرچہ اختیاری ہے لیکن اس کا ہضم ہو جانا اختیاری نہیں۔ اگر وہ ہضم ہو گیا تو خیر۔ ورنہ حکیم وڈاکٹر کی خوشامد کرو۔ چنانچہ یہ طب کا محکمہ بلکہ اور نہ جانے کتنے پیشے اسی کے طفیل میں زندہ ہیں اور چل رہے ہیں۔

اسی کے پیش نظر ایک بزرگ نے عافیت کے یہی معنیٰ ہی بیان کئے کہ عافیت کے معنیٰ ہیں پیٹ بھر کھانا اور کھل کر پاخانہ، عنوان تو ظرافت کا ہے لیکن بات بالکل صحیح ہے۔ ایک پیشاب کے رک جانے پر پیشاب لانے کی قیمت میں سلطنت دیجا سکتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ ہم لوگ عادت کے طور پر دونوں وقت کھانا کھاتے ہیں اور اس سے خون بن کر جزو بدن ہوتا ہے اور فضلہ آسانی سے خارج ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر کہیں بھی کھانا پانی پیٹ میں جانے کے بعد رک جائے تو پوری ایک مصیبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاخانہ سے آنے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائی کہ انسان یوں کہے کہ :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ " لاکھ لاکھ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز دور کر دی اور مجھے عافیت اور چین دیا "

اب سنئے کہ دنیا وی طعام میں چونکہ تنغص اور کدورت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا و بدلہ کے طور پر نہیں ہے اسی لئے اس میں مطیع و کافر سب شریک ہیں کما قال تعالیٰ وَارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیْلًا " اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں کی

قسم سے بچی عنایت کیجئے یعنی ان لوگوں کو جو کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر
ایمان رکھتے ہوں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو بھی جو کہ کافر ہے۔ سو ایسے
شخص کو تھوڑے روز خوب آرام برتاؤں گا۔" لیکن جنت کا کھانا چونکہ حق تعالیٰ کی طرف
سے جزا و بدلہ کے طور پر ہوگا اسی لئے ہر قسم کی کدورات اور منغصات کی آمیزش سے پاک
علماء نے فرمایا ہے کہ چونکہ جنت میں براز کی احتیاج ہی نہ پڑے گی اس لئے ان
کے بدن میں اس کے لئے عضو بھی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے متعلق فرمایا
کہ ان سے جنت میں یوں کہا جائے گا کہ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ "ا
اعمال کے صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو۔" اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہاں جو ماکولات
ملیں گے وہ دنیوی اعمال کا ثمرہ ہوں گے۔ اور ان پر کسی قسم کی کدورت مرتب نہ ہوگی
جبھی تو ان کو خوشگوار کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں بھی اگر چاہتے تو دنیا کے کھا
کو منغصات کی آمیزش سے پاک کر دیتے لیکن محض جنت کی قدر کرانے کے لئے اور ا
تاکہ اس میں بشر کا دماغی توازن ٹھیک رہے اور اس کا دل دنیا سے مکدر ہوتا رہے ا
اس کو عشق و محبت نہ ہونے پائے۔

چنانچہ کوئی کیسا ہی لطیف المزاج ہو، بادشاہ ہو یا کوئی ولی اور بزرگ ہو دنیا
تو اطعمۂ لذیذہ استعمال کرنے کے بعد اس کے اس نتیجے اور انجام سے اس کا دوچار
ناگزیر ہے تاکہ اپنی حقیقت اس کے پیش نظر رہے۔

ایک بڑھیا کہتی تھی کہ تم لوگ یہ جو حضرت حضرت کہتے ہو تو یہ بتاؤ کہ حضرت جی
بھی ہیں یا نہیں۔ مطلب اس کا یہی تھا کہ کوئی کیسا ہی بڑے مرتبے پر کیوں نہ پہنچ جائے اور
ہی بڑا ولی کامل کیوں نہ ہو جائے، رہتا ہے وہ انسان ہی، بشریت سے خارج نہیں ہو
اس لئے بشری اوصاف دیکھ کر اس پر تعجب نہ کرو۔ وہ اگر بزرگ ہیں تو انسان اور بشر
بھی تو ہیں۔

(جاری ہے)

سلامتی کا راستہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

دورِ حاضر کا جائزہ | حضرات! موجودہ ماحول و معاشرے کا اگر ایک سرسری جائزہ لیا جائے (تو یہ تجزیہ) سامنے آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

الف: عورتوں کی کثرت سے بےحیائی اور بے پردگی، عورتوں اور مردوں کا اختلاط، گھر گھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا عام ہونا، اور رات دن اس سے ناپاک راگ راگنی کا نشر ہونا جس کی وجہ سے فضاؤں کا ناپاک اور گندہ ہو جانا، اخبارات میں خواہشات و منکرات، فلم ایکٹرسوں کی عُریاں تصاویر، گندے اور ناپاک اشتہارات کی فراوانی، مخلوط تعلیم، چاروں طرف ایک شہوانی ماحول نظر آتا ہے۔

ب: دوسری طرف قمار خانے، شراب خانے، نائٹ کلب، فواحش و منکرات کے اڈے، عریاں ناچ گانے، بیہودگی، غنڈہ گردی، چوربازاری، ڈاکہ زنی، لوٹ مار، ظلمانی اور آتش فشانی کا دور دورہ ہے۔

ج: تیسری طرف رشوت خوری، بے انصافی، فریب، دھوکہ بازی، ایذارسانی اور جاہ پرستی کا دور دورہ ہے، جس کی وجہ سے عوام کہیں تو مظلوم، کہیں مجروح، کہیں مجبور اور کہیں مغلوب اور کہیں مرعوب ہو رہے ہیں۔ آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟

یہ سب مشیت الٰہی ہے کہ شر کی صورت میں نمودار ہو رہا ہے، یہ عمل کا ردِّ عمل ہے اللہ تعالیٰ خالقِ شر بھی ہیں اور خالقِ خیر بھی، یہ اللہ تعالیٰ کی تنہا واحد قدرت ہے کہ ان کے حکم سے سب کچھ جاری ہے۔

ہندوستان کا یہ حال، پاکستان کا یہ حال، یہاں کی سلطنت یہ ہے، وہاں کی تجارت

یہ ہے، تمام کام ان کے حکم سے ہو رہے۔ اب جب انھوں نے مشیت جاری کر دی ہے تو ایمان لانے والے کیلئے ایسا ممکن نہیں ہے کہ مشیت تو شر کی جاری ہے چاروں طرف شر ہی شر ہو۔ ہر طرف فتنہ و فساد کا دَور دَورہ ہو اور اسکے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس کوئی بچنے کی تدابیر نہ ہوں۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے رحم و کرم اور فضل عظیم سے کلام پاک میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سب کچھ بتلا دیا ہے، کیسا ہی دور ہو۔ کوئی بھی دشواری ہو، کیسے ہی تعلقات ہوں کیسی ہی سلطنت ہو۔ کیسے ہی مظالم ہوں۔ کیسی ہی بے راہ روی ہو، کیسی ہی مجبوری ہو، کیسا ہی دشمن ہو سب کے مقابلہ کے لئے قرآن مجید میں نسخے موجود ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل و کرم ہے کہ ایمان والوں کیلئے ہر زہر کا تریاق عطا فرمایا ہے۔

یہ دور جس سے ہم اور آپ سب گزر رہے ہیں اس میں ہر چیز وسیع پیمانے پر ہو رہی ہے ذرائع ابلاغ اتنے آسان ہوگئے ہیں کہ آج جاپان یا امریکہ ایک محلّہ معلوم ہوتا ہے۔ پہلے زمانے میں مملکتیں تھیں سلطنتیں تھیں، ذرا دُور دُور تھیں، رسم و رواج میں ایک دوسرے کا اتباع نہیں کرتے تھے، سب اپنی اپنی رسم ادا کرتے تھے، اور اپنی روایات پر قائم تھے لیکن ان کے مصائب اور مظالم اور بے ہودگی، ناپاک عزائم ایسے ہی تھے جیسا کہ اس زمانے میں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اس زمانے میں یہ سب چیزیں ذرا محدود پیمانے میں تھیں۔ ہر علاقے اور ملک کے فتنے اسی جگہ تک محدود رہتے تھے۔ اور آج وہی سب چیزیں وسیع پیمانے میں ہو رہی ہیں کیونکہ ذرائع ابلاغ بہت آسان اور وسیع ہوگئے ہیں۔ اس لئے پہلے انبیاء علیہم السلام ہمیشہ محدود طبقہ کے لئے آیا کرتے تھے اور ان کی اصلاح کرتے تھے اور وہ صرف اسی قوم و ملک اور زمانے کے لئے مبعوث ہوا کرتے تھے، لیکن جناب خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائناتِ کے لئے قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، آپ کو ایک خاص خطاب یعنے رحمۃ للعالمین سے نوازا گیا ہے۔

رحمۃ للعالمین کے معنیٰ کیا ہیں ؟

کوئی بھی دور ہو اور وہ جس حال میں گزرے ہر دور کے رحمۃ للعالمین ہیں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذات رحمۃ للعالمین ہے چاہے کتنا ہی پیچیدہ معاملہ ہو، جیسی بھی تاریکی چھا جائے لیکن رحمۃ للعالمین کے پاس روشنی ہے اور مفر ہے۔ لہٰذا دنیا میں جتنی پیچیدگی ہے جس کا ہیں حل نہیں ملتا اس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی (احادیث) کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسا ہی تریاق رکھا ہے کہ اس کے اندر ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ یہ ہمارا موجودہ دور، اگر نظر وسیع ہے تو ایک نظر ڈال کر دیکھئے پاکستان میں کیا ہو رہا ہے؟ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے؟ امریکہ کی تہذیب کیا ہے؟ لندن میں کیا ہو رہا ہے؟ تمام عالم پر کونسی تہذیب چھائی ہوئی ہے، آپ اپنے ماحول میں آئیے دیکھئے یہ تمام حالات امم سابقہ میں مثالاً موجود ہیں، اُمتیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قیامت تک کے لئے اُمتی ہیں اس لئے قیامت تک کے لئے تمام حالات کا بیان کلام پاک میں اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے ملاحظہ فرمایئے:

پچھلے تین انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا موازنہ کر کے دیکھ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہماری تینوں حالتیں جو ابھی بیان ہو چکیں موجود ہیں اور ان کا شافی علاج بھی موجود ہے

نفسانی و شہوانی ماحول کی مثال اور اسکا علاج

الف: آج ہمارا ماحول تمام تر شہوانیت اور نفسانیت سے بھرا ہوا ہے کوئی انکار نہیں سکتا ہے کہ عورتوں کی آزادی کی فراوانی ہو گئی ہے چاہے امریکہ ہو، چاہے لندن ہو، چاہے فرانس ہو، چاہے ایشیا ہو ان کی آزادی سے اور خلط ملط سے جنسی تصادم اس قدر قوی ہو گیا ہے کہ انتہا نہیں، اور ہمارا ماحول نفسانی و شہوانی ماحول میں گھرا ہوا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو ان کا ماحول کیسا بن گیا تھا؟ سات دروازوں کے اندر مقفل کر کے تمام شہوانی اور نفسانی جذبات اُبھارنے والے سامان مہیا کئے گئے تھے، کیا حضرت یوسف علیہ السلام بچے یا نہیں؟ بچے تو کیسے بچے؟

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي (پ ۱۳ - ع ۱) (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا۔ نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے۔ بجز اسکے جس پر میرا رب رحم کرے) یعنی میں بچ نہیں سکتا۔ میری مجال نہیں کہ بچ سکوں کیونکہ میرے ساتھ نفس لگا ہوا ہے جو کہ برائی

کی طرف مائل کرتا ہے مگر جس پر رحم کرے میرا رب۔

حضرت یوسفؑ نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا کہ سب دروازے کھل گئے، آنکھ بند کرکے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی طرف دوڑے کہ میں عاجز ہوں وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) مجھے بچائیے شہوانی ماحول سے۔ تمام دروازے کھل گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مثال دیکر بتلا دیا۔ ہم اتنے مقیّد تو نہیں جتنے مقیّد حضرت یوسف علیہ السلام تھے ہم کو ان کے حال سے سبق لینا چاہئے اور ہر بُرائی، ہر فتنہ سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

ظلمانی و آتشیں ماحول کی مثال اور اس سے نجات کا طریقہ

دوسرا ماحول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ تمام اعمال جو ہمارے چاروں طرف ہو رہے ہیں ذرا اس کا تجزیہ کرکے بتلایئے کیا ہو رہا ہے؟ جہنم کیا چیز ہے؟ جنّت کیا چیز ہے؟

جنت کہتے ہیں اعمالِ صالحہ کو، اعمالِ صالحہ کون سے ہیں؟ وہ اعمال جن سے صلاح و فلاح اطمینان سکون اور راحت نصیب ہوتی ہے، ان اعمال کو اعمالِ صالحہ کہتے ہیں۔ جس میں تکدّر ہو، نفسانیت ہو، شہوانیت ہو، اغراض ہوں اور اسی قسم کے لغو اور بیہودہ اعمال ہوں تو وہ سب جہنم کے اعمال ہیں۔

اب آنکھ بند کرکے سوچیے کون سے ماحول میں ہیں ہم؟ رحمانی یا شیطانی، ظلمانی یا نورانی۔ نورانی ماحول ہے تو مختصر اور چاروں طرف سے ظلمانی ماحول ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔ ظلمانی ماحول کا نتیجہ کیا ہے؟ نارِ جہنم۔ اگر ابھی سوئچ آف ہو جائے دنیا کا تو یہ جوا خانے، شراب خانے، نائٹ کلبیں سب کے سب آتشکدہ بن جائیں، یہ سب جہنم کے اعمال ہیں اور ہم سب اس میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس ظلمانی ماحول کی وضاحت کے لئے اللہ میاں نے ایک مثال دی ہے۔ نمرود نے میلوں دور چاروں طرف آگ جلادی اور اس میں ایک خلیل اللہ کو پھینکا جا رہا ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اس موقع پر جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں، کہئے کچھ کروں آپ کیلئے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نہیں بھیجا تو ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، ہم جانیں اور ہمارا رب جانیں ـــ کیا ہوا؟ پھینکے گئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بھڑکتی ہوئی آگ کے اندر میں نے اپنے

خلیل کے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ آگ کو ارشاد ہوا : یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (پ۔ ع ۵) "اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا میرے خلیل کے لیے"۔ آگ ٹھنڈی ہو گئی چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ گلزار ابراہیمی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ قدرتِ کاملہ کی مشیّت کا ظہور ہو چکا ہے۔ اگر اب بھی چاروں طرف جہنم کی آگ بھڑک رہی ہو تو ہمارے لئے اب بھی یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ہی نجات کا ذریعہ ہے جیسا اُس وقت ہوا تھا ویسا ہی اب بھی ہو سکتا ہے۔ ہم درود میں کیا پڑھتے ہیں ؟

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ آل کے معنی یہاں امت کے ہیں" اے اللہ سیدنا محمد اور امتیانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی ہی رحمت نازل فرما جیسے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اُمت پر رحم فرمایا تھا بیشک آپ تعریف کے لائق اور بزرگی والے ہیں"

ہمارے بھی وہی رب ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب تھے۔ جیسا پہلے انھوں نے کہا تھا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ۔ اب بھی وہ (اللہ تعالیٰ) کہہ سکتے ہیں ر آئندہ بھی کہیں گے۔ اب بھی جو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے اس کو سکون و طمانیتِ قلب صل ہوتی ہے۔ اگر ہم بھی اس ظلمت کدہ میں گھر جائیں تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنے پر وہ ہمیں ی نجات عطا فرمائیں گے، لہٰذا ہمیں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہیے۔

لوم، مغلوب، مرعوب، مجبور ماحول مثال اور نجات کا ذریعہ

تیسری بات، کیا کر رہا ہے صاحبِ اقتدار، صاحبِ حکومت؟ کتنے مظالم ہو رہے ہیں۔ اپنی اغراض کیلئے، اپنی نفسانیت کے لئے کتنے مظالم ڈھا رہے ہیں، کیسے کیسے قوانین بنا رہے ہیں جس میں شریعت کا احترام نہیں اور ان انین کی زد میں آنے کے بعد ہم سے تو شریعت پر عمل نہیں ہو سکتا، سود رائج الوقت بنایا رہا ہے، تصاویر پر تصاویر کھینچی جا رہی ہیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو اور گانے بجانے کا رواج عام ا جا رہا ہے تو ہم کیا کریں ؟

عدالت میں ناانصافی ہو رہی ہے، ظلم ہو رہا ہے، تاجر گرانی بڑھاتے جا رہے ہیں، چور زاری ہو رہی ہے۔ بد معاشی ہو رہی ہے، دفاتر کے اندر رشوت اور ایذا رسانی کثرت سے

ہورہی ہے، ہر طرف سے مجبور ہیں، ہمیں کہیں جنبش کرنے کا موقع نہیں ہے، کہیں بھی مفر نہیں کیسے بچ سکتے ہیں اور کہاں جا رہیں جہاں یہ سب باتیں نہ ہوں کون سی زمین ہے جہاں یہ آسمان نہ ہو، کہاں جاؤ گے ایسا معاشرہ ہوگیا ہے کہ کہیں مفر نہیں۔ ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی　　باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

" دریا کی گہرائی میں پہنچا دیتا ہے اور تمام راستے بند کر دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ ہشیار رہو، دامن کو گیلا مت کرو " کیسے بچیں بتائیں؟ کہاں جاکر رہیں؟ جہاں شریعت کی پاکیزگی ہو اور ظاہری و باطنی سکون ہو؟ کونسا ماحول ہے دنیا کا؟ کس خطہ میں ہے وہ؟

یہ مت بھولنا کہ قیامت نہیں آئے گی، قیامت ضرور آئے گی اور حساب وکتاب جو ہوگا وہ انفرادی ہوگا، وہاں جماعت کے ساتھ حساب نہیں ہوگا، ہر شخص کو فرداً فرداً حساب دینا ہوگا، نفسا نفسی ہوگی، اللہ تعالیٰ کا معاملہ سب کے ساتھ الگ الگ ہے، آپ کو تنہا ہوکر سوچنا پڑے گا۔ اجتماعیت کو جانے دیجئے۔

آخر مفر کہاں ہے؟ اتنا غلبہ صاحب اقتدار، نفس وشیطان اور معاشرہ اور ماحول وغیرہ کا ہے کہ ہم مغلوب ہوکر رہ گئے ہیں، کہیں تو ہم مغلوب ہیں، کہیں ہم مظلوم ہیں، کہیں مجروح ہیں، کہیں مجبور ہیں اور کہیں ہم مرعوب ہو رہے ہیں۔ غرض کہ ہم چاروں طرف سے جکڑے ہوئے ہیں ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی مثال دیکر سمجھا دیا کہ ہر چیز آسان ہوگئی۔ حضرت یونس علیہ السلام کو قعر دریا میں تختہ بند کر دیا گیا اور بطنِ ماہی میں پہنچا دیا گیا، یہ سب کیوں ہوا؟ اس لئے کہ امتیانِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک آنیوالے حالات میں قعر دریا تختہ بند ہونا ہوگا، اور جب اس سے مفر نہیں ملیگی تو حضرت یونس علیہ السلام کی مثال سے انھیں نجات ملیگی۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی حالت دکھائی کہ دیکھو ان کو بطنِ ماہی میں بھیجا اور مچھلی انھیں لئے لئے پھرتی ہے اور کسی طرح باہر نہیں آسکتے۔ یہ واقعی نقشہ ہے اس موجودہ معاشرہ کا اور صحیح مصداق ہے اس شعر کا ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی　　باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

فرماتے ہیں اللہ، کونسا اللہ؟ وہی اللہ جو حضرت یونس علیہ السلام کے اللہ، وہی ہمارے بھی اللہ۔ وہی اللہ جو قادرِ مطلق تھے وہ اب بھی قادرِ مطلق ہیں، ہمیں مثال دیکر بتارہے ہیں نبی کو مجبور، مغلوب، مظلوم، مجروح اور مرعوب اور ہر طرف سے جکڑا دیا پھر دیکھو کیسے بچتے ہیں؟
حضرت یوسف علیہ السلام کیسے بچے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے بچے؟ اب دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کیسے بچتے ہیں؟
حضرت یونس علیہ السلام کا ماحول یہی ماحولِ تختہ بندی یعنی مجبور اور مغلوب۔ یہ سب سے شدید حال ہے اور اس پر سب سے زیادہ اللہ کا وعدہ ہے، کیا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا؟ جب حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں کہا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (پ ح ۷) "تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پاک ہے تو، بیشک میں گنہ گاروں میں سے ہوں۔"

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ: سوا آپ کے (یا اللہ) کوئی معبود نہیں ہے۔
لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ: سوا آپ کے (یا اللہ) کوئی نہیں بچا سکتا۔
سُبْحٰنَکَ: آپ کی (اللہ تعالیٰ) ذات پاک ہے تمام عیب سے۔
اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ میں نے قصور کیا اپنی جان پر ظلم کیا۔ میں خطا کار ہوں۔
پھر ارشاد فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝
"توہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کو غم سے نجات بخشی، اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔"

فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ پس ان کے عذر کو اور ندامت کو ہم نے قبول کیا اور جواب دیا۔
وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ اور نجات دی ہم نے ان کو اس حالت سے۔
وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور قیامت تک تمام مومنین اور مسلمین امتیانِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح ہر تکلیف وہ صورت سے نجات دوں گا۔
یہ تختہ بندی جو چاروں طرف معاشرہ و ماحول میں ہے اس سے کیسے نجات ملے گی؟ ایسے ہی جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو نجات ملی تھی وہ بھی منفرد اور تنہا تھے۔ ساری امت کا ساتھ نہیں تھا۔ کیا کہا تھا حضرت یونس علیہ السلام نے؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہ "اے اللہ! میں قصور وار ہوں، میں نے ظلم کیا اپنے اوپر میں خطاکار ہوں، گناہگار ہوں۔" اتنا ہی تو کہا تھا کہ ارشاد ہوا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ "میں نے قبول کیا ان کی توبہ کو اور غم سے نجات دی۔"

وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ہ "اور قیامت تک مسلمانوں کو اسی طرح نجات دینگے"

لہٰذا ہمیں اس ماحول اور معاشرہ سے گھبرا کر کہنا چاہیئے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ہ

ان تینوں مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ کیسے ہی حالات ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے ان حالات سے نجات مل جاتی ہے۔

اب آیئے اپنی ابتدا کی طرف، حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پریشانی کی حالت میں کہا تھا: رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

"کہنے لگے وہ دونوں اے ہمارے رب ہم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔"

تو حضرت آدم علیہ السلام کو بھی تریاق ملا تھا۔ اور امتیانِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی تریاق بلا تعین جو تریاق حضرت آدم علیہ السلام کو ملا وہی تریاق انتہا میں بتلایا جا رہا ہے۔

چنانچہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیلؑ جو آخری وحی لیکر آئے تو۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ہ (سورۃ النصر، پ۳۰) "تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔"

تو یہاں بھی اختتام توبہ پر ہو رہا ہے، اب کوئی وحی نہیں آئے گی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ! بتایئے کہ جب ہر جگہ توبہ کے تریاق موجود ہیں تو کیسا ہی معاشرہ ہو، کیسے ہی مظالم ہوں، کیسی ہی مجبوری ہو اور کیسے ہی مشکل حالات کیوں نہ ہوں ہمیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہنا چاہیئے۔

اب نجات کی تدبیر کیا ہے؟ کیسا ہی ماحول ہو، کیسا ہی معاشرہ ہو، انفرادی طور پر اپنی نجات حاصل کر لو توبہ استغفار کے ذریعہ سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لو۔ آپ کو یہ بات

مِل گیا جو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے:

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ٥ اور یہ صیغہ ہے استغفار کا تو اس کو بھی پڑھو اور اس کے ساتھ استغفار بھی کرو۔ اور اس کے ساتھ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ٥ بھی پڑھو۔

اجتماعی نجات یہ تو تھا انفرادی نجات کا ذریعہ، لیکن یہ انسانیت اور شرافت کے خلاف بات ہے کہ تم نے نجات حاصل کرلی اور تمھارے اہل وعیال اور متعلقین اس کے گرداب میں پڑے ہوئے ہیں، اور یہ صلہ رحمی کے خلاف بات ہے تو اس لئے آپ ان کے لئے بھی دعا کیا کریں کہ اے اللہ ہم نے تو تریاق حاصل کرلیا انشاء اللہ اس پر عمل کریں گے۔ لیکن یہ نادان تو عمل نہیں کررہے ہیں، تو ان کے لئے کہو:

رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا یہاں وَارْحَمْنِیْ نہیں کہا وَارْحَمْنَا کہا گیا۔ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ یعنی اے اللہ ایسا بوجھ نہ ڈالئے جو ہم سے برداشت نہ ہو۔"

اگر ہمارے اہل وعیال ومتعلقین سب جہنم میں جائیں اور ہم جائیں جنت میں تو اس سے ہمارے عالم تعلقات میں بڑی آزمائش ہو جائیگی۔ لہٰذا ہمیں بھی معاف کردیجئے اور ان لوگوں کو بھی معاف کردیجئے اور ہم سب کو نجات دیجئے۔ فرشتے بھی یہی کام کرتے ہیں۔ عرش عظیم کے اردگرد ایک طبقہ فرشتوں کا ہے جو دعا کرتے ہیں مؤمن اور مسلمان کے لئے، اے اللہ یہ لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں لہٰذا ان کے قصور کو معاف فرمادیجئے۔

دیکھئے اللہ میاں نے ایک محکمہ اسی کام کیلئے مامور کررکھا ہے۔ اگر تم توبہ واستغفار کرتے رہوگے تو تمھاری استغفار فرشتوں کی استغفار کے ساتھ مل جائے گی اور وہ توبہ استغفار ضرور قبول ہوجائے گی۔

فرشتے کہتے ہیں، اے اللہ ان کو معاف کردیجئے ان کے متعلقین اور ان کی اولاد کو معاف کردیجئے اور ان کو توفیق دیجئے کہ توبہ واستغفار کریں۔ فکر نہ کیجئے، استغفار اور دعا کرتے رہیئے کبھی نہ کبھی یہ چیز ضرور اثر کریگی اور اسکی وجہ سے آپ کو گناہوں سے بالطبع نفرت ہونے لگے گی۔

جب اللہ تعالیٰ نے سب کچھ بتا دیا ہے تب کوئی پریشانی کی بات نہیں ہر وقت اس کا علاج ہے۔ چاہے ماحول کتنا ہی متاثر کیوں نہ ہو اگر کوئی شخص فائر پروف عمارت کے اندر رہ اور چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہو تو وہ شخص اپنے کمرے میں سکون سے بیٹھا ہوا ہوگا او رہے گا۔ اسی طرح ایمان والا بھی محفوظ ہے چاہے چاروں طرف کتنی ہی آندھی فواحشات وا کی آئے اگر وہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دے۔

اب دعا کر لیجئے ! اے اللہ! یہ تمام معاشرہ حاضرہ، معاملاتِ حاضرہ، تعلقاتِ حاضر حالاتِ حاضرہ، تمام طغیان و کفران، بے شرمی، بے حیائی اور بے غیرتی سے بھرا ہوا ہے، اے اللہ ایک نیا فتنہ پیدا ہوتا ہے، ہر طرف شر اور فتنہ کا ظہور ہو رہا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ " اے اللہ! ہمیں متعلقین کو تمام ظاہری اور باطنی آفات اور فتنوں سے اپنی پناہ عطا فرما۔"

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ط وَاعْفُ عَنَّاقف وَاغْفِرْ لَنَاقف وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ہ " اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ا نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو۔ اور درگذر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ کارساز ہیں سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔"

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ہ " اے ہمارے رب ہم کو ان ظالموں کے سا شامل نہ کیجئے۔" اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ " میں اللہ تعالیٰ سے مغ طلب کرتا ہوں ہر گناہ سے اور اسکے حضور توبہ کرتا ہوں۔" لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ہ " اے اللہ! دنیا میں بھی بچا لیجئے، اور آخرت میں بھی بچا لیجئے، نہ دنیا میں سزا دیجئے اور نہ آخرت میں مواخذہ کیجئے۔"

اے اللہ! آپنے ایمان عطا فرمایا ہے تو اسمیں قوت وصحت عطا فرمایئے اور اسکی حفاظ فرمایئے اور اسپر عمل کی توفیق عطا فرمایئے بہت بڑی توفیق توبہ واستغفار اور ندامتِ قلب عطا فرمایئے اور اسے قبول فرما لیجئے، آمین۔ آمین۔ آمین

بحق سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مومن کا ہتھیار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

مصلح الامۃ عارف باللہ مولانا شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہٗ دعاء و استعاذہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ انکی حیثیتیں دو ہیں بعض چیزیں انسان کو مقصود ہوتی ہیں جنکا وہ طالب ہوتا ہے ان کے طلب کرنے کو دعاء کہتے ہیں بعض چیزیں مضر ہوتی ہیں انسان ان سے پناہ مانگتا ہے اسے استعاذہ کہتے ہیں اور آپ کی بعثت چونکہ دونوں جہاں کی صلاح کے لئے ہوئی ہے اس لئے جو چیزیں بھی انسان کی فلاح دارین کے لئے مضر تھیں آپ نے اس سے پناہ مانگی ہے اور جو چیزیں کہ فلاح کے لئے درکار تھیں آپ نے اس کے لئے حق تعالےٰ سے دعاء کی ہے (وصیۃ السنۃ ص ۲۹۴)

دعائیں حدیث نبوی کے الفاظ میں "امت کے لئے ہتھیار ہیں۔ رات کے تیر دین کا ستون، زمین و آسمان کا نور ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بھی سنائی کہ دعاء کے ساتھ کوئی شخص ہرگز ہلاک نہیں ہوگا۔

دل جب ٹوٹ جائے، جسم و جان زخموں سے چور اور نڈھال ہو جائے۔ دنیا کے ہر سہارے ساتھ چھوڑ دیں وہ پتے بھی ہوا دینے لگیں جن پر تکیہ تھا، کشتی منجدھار میں ہو، موجوں کے غضبناک تھپیڑے غرق آب کرنے کیلئے سر پٹک رہے ہوں، کنارا دور دور تک نہ ہو تو ایک ہی ہستی غالب و کارآفریں، کارکشا، کارساز ہستی، آغوش رحمت و اجابت کھول دیتی ہے اور نصرت و حمایت کے غیبی فرشتے ایسی مخفی جگہوں سے اترتے ہیں جہاں انسانی تصور کی پرواز مشکل ہوتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی ہر موقعہ، ہر لمحہ، ہر موڑ پر دستگیری فرمائی ہے بقول حضرت مصلح الامت "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی محبت

اور شفقت کے ساتھ انھیں لوگوں کو سکھایا ہے جس طرح باپ اپنی اولاد کو سکھاتا ہے"
ان نازک لمحات میں جب انسان کے ہوش و حواس مفقود ہو جاتے ہیں، کلیجہ منہ کو آتا ہے دشمن کے نرغہ میں پھنسکر جان و مال، عزت و آبرو سب کچھ داؤں پر لگ جاتا ہے اللہ رب العزت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے راہنمائی فرمائی ہے۔ اُن میں وہ مخصوص دعائیں کلی ہیں جو مخصوص حالات کے لئے ہیں جنکے پڑھنے سے دل مضطرب تھم جاتا ہے، خوف و ہراس کی جگہ عزیمت و استقامت جاگزیں ہو جاتی ہے۔ یہی نہیں چودہ سوسالہ تجربات بتلاتے ہیں کہ مصائب و آفات، دشمن کی تمام تر سازشیں فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ نبی آخر الزماں کے شفا خانے میں ہر درد کا مداوا، ہر زخم کا مرہم ہے کوئی استعمال کرکے تو دیکھے، مگر قوم کو تو بی۔ بی۔ سی لندن کے تبصروں اور کیبل ٹی۔ وی پروگراموں سے فرصت نہیں کہ ان امور کی جانب متوجہ ہو۔ اس عمومی بے توجہی پر جد امجد مصلح الامۃ کی تنبیہ ملاحظہ فرماکر آگے بڑھیے:۔

"میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو جتنا مرزا اکبر اور اقبال کے اشعار میں آتا ہے اتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں نہیں آتا میں اسوقت آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی دعائیں اور آپ کے تعوذات ہی کو پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپکو اندازہ ہو جائے کہ دین و دنیا کی کوئی ضروری چیز ایسی نہیں ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا ہو یا مضر چیزوں سے پناہ نہ مانگی ہو اور آپ تو معصوم تھے، اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اسلئے زیادہ تر مقصد ان دعاؤں اور استعاذوں سے امت کو تعلیم کرنا ہے۔ اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ تو امت کا اسقدر لحاظ فرمائیں اور امت کو آپ کی ان دعاؤں کی جانب التفات تک نہ ہوسکے" (وصیۃ السنۃ ص۲۴۵)

ہائے! گھر میں ہر چیز موجود مگر باہر کے چٹخاروں کی لذت آشنا زبان بازاری کھانوں کی ایسی عادی کہ اپنی ہی راحت افزا اور لذت بخش نعمتوں سے محروم ہو گئی۔ کاش ملک گیر فسادات، عالمی انقلابات سے آنکھیں کھل جاتیں تو ہم دیکھتے کہ ہم نے کیا کھویا، اور کیا پایا؟ اور کیا تھے کیا ہو گئے۔

ہماری راہنمائی اور دست گیری کے لئے امت کا اولین اور آخرین سردار اور
ے احکامات موجود مگر قیادت کے لئے ہم نے غیروں کو گلے سے لگالیا۔ کس زخم کا وہ کونسا
ور مالہے جو قرآن و حدیث میں نہ ہو مگر شامت اعمال ہمارا عطار و معالج وہی ہے جسکے
ب ہم بیمار بھی ہوئے اور صراط مستقیم سے بھٹک بھی گئے۔ آج دیکھا جاتا ہے کہ ہر قسم
تدابیر کی جاتی ہیں، اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، فائلوں میں زیب و زینت بننے والی تجاویز
یل المیعاد منصوبوں کا ذکر بھی آتا ہے مگر کما حقہ، توجہ اگر نہیں ہے تو بس رسول اکرم صلی اللہ
وسلم کے ان ارشادات و ہدایات کی جانب جو دعاؤں اور استعاذوں کی شکل میں امت
کا ہارا دینے کے لئے موجود ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ادعیۂ مسنونہ و تعوذات ماثورہ دین اسلام
عظیم و بیش بہا سرمایہ ہیں جنکی جانب سے اعراض اور بے التفاتی کا نتیجہ و ثمرہ قدم قدم پر
رہ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ادعیہ ماثورہ سے غفلت و اعراض ہی پر حضرت والا
اللہ سرہٗ کا ایک اور ارشاد گرامی سنئے جس کے تاثر کی توانائی سے انابت الی اللہ کا
الکرتا ہے اور غفلت و بے حسی پر ضرب کاری لگتی ہے۔

"میں کہتا ہوں کہ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کو نہ سیکھئے گا
ین کا ایک بڑا حصہ آپ سے فوت ہو جائے گا اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اپنی ان دعاؤں
انسانی تمام ضروریات اور مضرات دینی اور دنیاوی، ظاہری اور باطنی، حالی اور
سب کو جمع فرمادینا یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کیونکہ جن
گوشوں تک آپ کی نظر پہونچی ہے اولیاء اور عقلاء بھی اسکے بیان سے قاصر تھے
بگراں چہ رسد" (وصیۃ السنۃ ص ۲۹۵)

مصلح الامت، مصلح قوم و نبض شناس امت تھے، دعاؤں سے دوری، غیر ضروری
دلچسپی اور اس میدان میں سناٹا دیکھکر وہ تڑپ اٹھے اور ہلا کر جھنجھوڑ کر، عجب
انداز اور پیرایۂ بیان سے غافلوں کو جگایا اور دعاء و مناجات پر آمادہ کیا، فرماتے ہیں:۔
"کوئی دعاء چاہے کیسی ہی مفید و مختصر کیوں نہ ہو آپ کو اس سے کیا لینا! نہ تو
کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں اور نہ آپ کو انکے یاد کرنے کی فرصت ہے۔ البتہ کسی شاعر کا

کوئی شعر آپ کو مل جائے تو اسے آپ ضرور یاد کرلیں گے؟

اور پھر حضرت والا قدس سرہٗ کا یہ جملہ تقرا دینے والا ہے اور ضرورت ہے کہ عارف باللہ کے ان ربانی کلمات کو ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹی پر نقش کر دیا جائے اور کاش ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن بنجائے

"میں کہتا ہوں کہ دین و دنیا دونوں کی فلاح کا دروازہ بند ہے ان کے کھلوانے کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں اور استعاذوں کو" اختیار کرو اسی سے دارین کی فلاح حاصل ہوگی ورنہ معاملہ مشکل ہے۔

حضرت اقدس کی زبان سے جس بلند آہنگی و اعتماد کے ساتھ یہ جملے صادر ہوئے ہیں اس میں جہاں نیابت محمدی کی جھلک ہے وہیں دوسری جانب مالک کون و مکان کے ساتھ مناجات و دعا کی تاریخ مسلسل بھی ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جب جب امت پر مشکل گھڑیاں آئیں، مصائب کے منڈلاتے ہوئے طوفانوں میں جان و مال کی بازی لگ گئی اولیا و اتقیا تو ایک طرف خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین نیاز بھی احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جھک گئی۔ وہ معرکہ بدر ہو کہ اٹھتے ہوئے سیاہ بادلوں کی خوفناک آندھیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر اللہ رب العزت سے التجا و تضرع میں مصروف ہو جاتے مگر ایک ہی واقعہ و صورت حال کے رد عمل کی دو مختلف صورتیں نظر آتی ہیں امت کا سردار دعا اور عمل میں مصروف ہے اور انکی ہی امت تبصرہ و تجزیہ اور گریبان تک پہونچنے والی سیاسی بحث اور مناقشہ آرائی میں۔

غرض احادیث میں کرب و بلا، سخت مصیبت و آزمائش کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں اور ہدایات انمول موتی کی طرح بکھری ہوئی ہیں انھیں میں سے دعائیں حالات و موقع کے لحاظ سے درج کی جاتی ہیں۔ آج زمانہ ملک و حکام کو سب و شتم کرنے کے بجائے مظلوم و ستم رسیدہ مسلمان اللہ رب العزت سے تعلق مضبوط کر کے جذبہ اور قبولیت کے مکمل اعتماد کے ساتھ ان لہولہان ہاتھوں کو پھر اٹھالے تو پھر یہی وہ ہے جس کے بارے میں سب سے زیادہ سچے انسان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

کا سب سے سچا قول وارد ہے کہ مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ ان شاء اللہ ماثورہ دعاؤں کی برکت سے تاریکیاں دور ہونگی ظلمتیں کافور ہونگی۔ ایک باپ کی اولاد کتنی ہی نالائق اور نافرمان سہی مگر اسی ناراض اور غضبناک باپ کی دہلیز پر جب لٹ پٹ کر بے یار و مددگار بیٹے ایسی حالت میں منت منت وسماجت کریں کہ جسم لہولہان ہو آنکھیں چھلک رہی ہوں تو غضب کا پہاڑ بھی پگھل اٹھے گا اور ناراضگی لطف وکرم سے بدل جائے گی۔ پھر کوئی بتلائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہزار عصیان وغفلت کے باوجود مظلومیت کے ان حالات میں سوز وتڑپ، اخلاص و درد کے ساتھ ہاتھ اٹھا دے اور ان کلماتِ طیبات کے واسطے سے دعا و التجا کرے جنکی مقبولیت کی سند خود لسانِ نبوت سے عطا ہوئی ہے تو کیا اللہ رب العزت نہیں سنیں گے ، سنیں گے اور یہ تو انھیں کا اعلان ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (یا وہ ذات جو بیقرار آدمی کی فریاد سنتا ہے جب وہ اسکو پکارتا ہے، اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے)

ان دعاؤں میں دعائے یونس علیہ السلام بھی ہے جنھیں قرآن وحدیث میں صاحب الحوت، ذوالنون، یونس بن متیٰ اور کبھی سرورِ کونین نے اخی یونس (میرا بھائی یونس) کہکر پکارا ہے۔ روایت صحیحہ کے مطابق سیدنا یونس علیہ السلام چالیس روز تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ سمندر کی گہرائی وتاریکی پھر شکم ماہی کا اندھیرا، زندگی بچنے اور کسی کے بچا لینے کا تصور بھی ناممکن تھا اور کوئی کیسے مدد کے لئے آ پہونچتا اور کس کے دست وبازو میں اتنی قوت تھی کہ بے قرار موجوں کے تھپیڑوں اور اچھلتی کودتی مچھلی کے بطن سے ایک انسانی زندگی کو موت کے غار سے نکال لیتا، مگر یہ تو انسانی وسائل محدود دائرہ قوت وفکر کی بات تھی خالقِ بحر وبر ہی جب کسی کی حفاظت پر آمادہ ہو جائے تو اسباب کے پیدا ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے سمندر خشک اور پہاڑ پلک جھپکتے روئی کا گالا بن سکتا ہے اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اسکا تو معمول یہ ہے کہ اس چیز کو کہدیتا ہے ہو جا بس ہو جاتی ہے) یونس علیہ السلام کی نجات کا ذریعہ

کا ذریعہ یہی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ بنا جو اللہ رب العزت نے انکے قلب پر القار فرما دیا اور اپنے فضل و کرم سے رہتی دنیا تک جملہ مسلمانوں کے رنج و آفات و مصائب کے لئے ایک نسخۂ کیمیا عطا فرما دیا۔ آج ہندی مسلمانوں کیلئے فضائے ہند بطن ماہی سے کم نہیں، حالات و ماحول کے اعتبار سے ظلمات میں گھر چکے ہیں، مسلمانان ہند کے سر سے موج خون گذر گئی، سورت لٹ گیا، سرزمین ہند کا چپہ چپہ مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا، تباہی و بربادی کی داستانِ غم، المناک حادثات، خونچکاں واقعات کا تسلسل ہے کہ ختم نہیں ہوتا، اذیت کا وہ کون سا حملہ تھا جو باقی رہ گیا، ظالموں کے ترکش کا وہ کونسا جگر دوز تیر تھا جو جگر کے پار نہوا۔ ان حالات میں دفاعی اسباب اور تدبیر کے بعد اللہ توفیق دے کہ ہم یقین بھرے قلوب کے ساتھ ان ادعیۂ ماثورہ کو روزانہ کا معمول بنالیں پھر کیا عجب رحمت حق لغزشوں، گناہوں، کوتاہیوں کے باوجود نجات و کامیابی کا ساحل عطا کر دے اور غیب کے پردوں سے وہ عصائے موسیٰ نمودار ہو خوف و ہراس میں ڈرانے والے فرعونی اژدہوں کو چشم زدن میں نگل ڈالے کہ ؎

"دعائے مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

آئیے! ان کلماتِ طیبات کو احادیث نبویہ اور دیگر اقوالِ ائمہ کی روشنی میں مطالعہ کریں خدا کرے ان کے پڑھنے سے قبولیت دعار کی قوت یقین میں اضافہ ہو اور جذبۂ ایمان و انقیاد بیدار ہو جائے۔ احادیث کے مطالعہ سے پہلے عارف باللہ جدامجد مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا ایک اور عارفانہ کلام جو دعاؤں کے موضوع پر ہے ضرور پڑھتے چلئے جس سے غفلت دور اور لذت مناجات بڑھتی ہے:۔

" آپ کو متوجہ کرتا رہتا ہوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں میرا کلام نہیں ہے اور نہ میرے باپ یا استاد کا کلام ہے۔ یہ اسلئے کہتا ہوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تو سب مسلمانوں کا ایمان ہے اس لئے جو دعائیں آپ نے اللہ تعالےٰ سے کی ہیں اور جو استعاذے فرمائے ہیں ہم اس سے کیسے مستغنی ہو جائیں گے۔

جب انسان کرب و بلا میں گھر جائے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص پر جب کوئی دنیوی مصیبت وبلا نازل ہو جائے تو کیا میں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ جب بھی کوئی اس کے واسطے سے دعاء کرے گا اسکی مصیبت دور کر دی جائے گی، وہ ذوالنون (مچھلی والے یعنی یونس علیہ السلام) کی دعاء لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہے (جامع الصغیر صحیح ج ۲ ۲۶۵ - بحوالہ ابن ابی الدنیا فی الفرج، والمستدرک للحاکم)

سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا وہ فرما رہے تھے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جسے کوئی مصیبت زدہ کہتا نہیں مگر اللہ تعالیٰ اس شخص سے مصیبت کو دور فرما دیتا ہے وہ کلمہ میرے بھائی یونسؑ کا ہے جب انھوں نے تاریکیوں میں پکار کر کہا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی - ص۱۱۱)

اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے ذریعے سے جب دعاء کیجاتی ہے تو قبول ہو جاتی ہے اور مانگا جاتا ہے تو دے دیا جاتا ہے وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ہے (حصن حصین رواہ الحاکم من حدیث سعد بن وقاص)۔

ابن جریر نے سعد بن ابی وقاص سے تخریج کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اسم جس کے واسطے سے جب دعا کیجائے قبول ہو جائے اور جب سوال کیا جائے تو دیا جائے یونسؑ بن متّیٰ کی دعاء ہے ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا یہ یونسؑ کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے ہے آپ نے فرمایا یہ یونس کے لئے مخصوص بھی ہے اور تمام مومنوں کے لیے بھی ہے جبکہ وہ اس کے واسطے سے دعاء کریں۔ کیا تم نے اللہ رب العزت کا فرمان نہیں سنا ہے وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (اور ایسے ہی ہم مومنوں کو بلا سے نجات دیں گے) اللہ کا یہ ارشاد اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کے ذریعہ سے دعا کریں۔ (زاد المسلم فیما اتفق علیہ البخاری ومسلم ص۱۴۱)

امر کا اندیشہ ہو یا کسی حادثہ عظیم میں گرفتار ہو جائے تو وہ یہ کہے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا : اللہ کی ذات ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اسی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ (حصن حصین ص۱۴۷ بحوالہ ترمذی و ابن ابی شیبہ)

مفتی اعظم مولانا محمد شفیع علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کے فوائد و برکات جو قرآن کریم نے بیان فرمائے وہ کچھ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ جو شخص بھی جذبۂ ایمانی کے ساتھ اس کا ورد کرے گا وہ یہ برکات حاصل کرے گا۔ مشائخ و علماء نے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل پڑھنے کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبۂ ایمان و انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا۔ ہجوم افکار و مصائب کے وقت حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل پڑھنا مجرب ہے (معارف القرآن جلد۲ ص۲۴۴)

مجدد مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں "اسی طرح جب مومن نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں کافی ہیں اور اس نے اپنا وظیفہ ہی یہ بنا لیا کہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر اور ہر موقع پر اس نے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھا تو پھر کہیں بھی اس کی گاڑی رکنے والی نہیں (وصیۃ السنۃ ص۲۴۸)

بے جا نہ ہوگا اگر حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تجزیہ جو مذکورہ دونوں دعاؤں کے متعلق ہے نقل کر دیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ مشکلات کا زمانہ ہے جس طرح اور تدابیر کیجاتی ہیں اور اہل الرائے جو تدابیر بتلاتے ہیں اس پر چلا جائے وہ تدبیریں اپنی جگہ ہیں لیکن روحانی طور پر بعض ادعیہ اور چیزیں ایسی ہیں کہ وہ بھی مشکلات کے حل کے اندر معین ہیں اور ایک مسلم کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ اللہ کے بتلائے ہوئے راستہ پر آدمی چل پڑے اور اس سے قطع نظر کرے کہ کیا ہوگا؟ بس وہ حل ہو جائیگی مگر ہم ایسے ماحول میں ہیں اس درجہ کا تو ہمارا ایمان نہیں ہے کہ بالکل ہر چیز سے قطع نظر کر کے اپنے آپ کو روحانی سلسلے میں ڈالدیں۔ لیکن میں کہتا ہوں دنیوی و معاشرتی تدابیر ضرور ہوں اس کے ساتھ ساتھ دینی تدابیر سے بھی غافل نہ رہا جائے۔ صحابہؓ پر مشکلات

پیش آئی ہیں بعض غزوات اور جنگوں میں جب غیر مسلموں سے مقابلہ پڑا ہے تو حق تعالیٰ نے اس وقت آیت اتاری حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اور اسکا ثمرہ بھی بتلایا کہ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ اور جوں ہی صحابہؓ نے اسکا ورد شروع کیا تو اللہ کی خبر ہے کہ انقلاب پیدا ہوگیا اور مصیبت سے نعمت آگئی اور اللہ کے فضل سے برائیاں دور ہوگئیں اسلئے اگر کوئی شخص کم ازکم روزانہ صبح کی نماز کے وقت سو مرتبہ ورد کرلیا کرے اور یہ نیت کرلیا کرے کہ میری بھی مشکل حل ہو اور میرے بھائیوں کی بھی ؎ یہ ایک ایسی تدبیر ہے جس کے بارے میں اللہ کا وعدہ ہے ہر ایک وعدہ ٹل سکتا ہے اللہ کا وعدہ نہیں ٹل سکتا۔ یہ تو بھی پڑھی بات ہے اس سے مشکلات حل ہونگی اسلئے ایک تو یہ اور ایک یہ آیت کریمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ یہ حضرت یونس علیہ السلام کو تدبیر بتلائی گئی تھی جبکہ وہ مصیبت میں گرفتار ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے اسوقت اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو یہ دعا تلقین فرمائی۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ مصیبت ختم ہوئی اور ایسی بہترین فضا سامنے آئی کہ یونس علیہ السلام کے سامنے کامیابیاں ہی کامیابیاں تھیں کوئی ناکامی باقی نہیں رہی۔ یہ ہمارے اعتقادات میں کچھ ضعف و سستی ہے جسکی وجہ سے ہم پورا دھیان نہ دے سکے لیکن میں کہتا ہوں کہ تجربہ کرکے تو دیکھئے انشاء اللہ حالات بدلیں گے یہ اللہ کی دی ہوئی خبر ہے کسی اور کا بتلایا ہوا نسخہ نہیں ہے جس کے علم میں کوئی کوتاہی ہو تو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کا صبح سو مرتبہ ورد کرلیا جائے اور لا الٰہ الا انت الخ سوتے وقت اسکا ورد[۱] کرلیا تو صبح کی دعا، تو مصیبت سے نعمت کا انقلاب پیدا کرے گی اور شام کی یہ دعا غم سے مسرت اور ناکامی سے کامیابی کا انقلاب پیدا کرے گی (خطبات حکیم الاسلام جلد ۴ ص ۵۸۵)

حکیم الاسلامؒ کے اس حکیمانہ تبصرہ کے بعد حالات و ماحول کے اعتبار سے چند دیگر دعائیں بھی لکھی جاتی ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور یہ یقین رکھیں کہ ماثورہ دعاؤں کے مقابلہ میں دیگر ہزار وظائف کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

---

[۱] اکیسو ایک مرتبہ اول و آخر گیارہ بار درود شریف

جب خوف واندیشہ ہو ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قوم سے خوف واندیشہ ہوتا تو آپ فرماتے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ (اے اللہ! ہم آپ کو دشمنوں کے مقابل لاتے ہیں اور انکے شر وفساد سے پناہ مانگتے ہیں۔ (کتاب الاذکار ص۱۱۴)

دشمن کا جب سامنا ہو انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے دشمن سے مقابلہ ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پڑھتے ہوئے سنا یَامَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (اے روز جزا کے مالک ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی کی مدد چاہتے ہیں) انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ملائکہ ان کو آگے پیچھے سے مار مار کر پچھاڑتے چلے جارہے ہیں (لابن السنی عمل الیوم واللیلۃ ص۱۰۵)

جب حاکم سے اندیشہ ہو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی حاکم یا کسی دوسرے شخص سے اندیشہ کرو تو اس وقت یہ کہو لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْحَکِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ عَزَّ جَارُکَ وَ جَلَّ ثَنَاءُکَ (کتاب الاذکار ص۱۱۱)

اضطراب وبے چینی کے وقت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب وپریشانی کے وقت فرماتے تھے لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ ۔ (بخاری ج ۲ ص۹۳۹)

احادیث کی روشنی میں مخصوص احوال کی دعاؤں پر مشتمل سطریں نظروں کے سامنے ہیں جنکے متعلق حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا ارشاد گرامی ہے کہ :-

"سب سے بڑی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانتے ہو کیا ہے ؟ یہی اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا" (وصیۃ السنۃ ص۴۶)

سوال یہ ہے کہ اس سنت سے مناسبت کیسے پیدا ہو یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا کی کیفیت کس طرح طاری ہو؟ یہ عادت بدسے تو کیسے بدلے کہ زبان کے ساتھ دل بھی شامل ہوجائے۔ خون جگر کی آمیزش ہو اور سینہ شوق مناجات سے لبریز ہو اس کا نسخہ بھی حضرت اقدس کی زبان فیض ترجمان سے سنتے چلئے :-

" اب آپ سے کہتا ہوں کہ اس سے بڑھکر اب آپ آسان چیز اور کیا چاہتے قدرت زبان سے کہنا کیا مشکل ہے۔ جتنا زیادہ سوال اللہ تعالے سے کروگے اسی قدر نسبت قوی ہوگی اور اتنا ہی ایمان و یقین بڑھے گا مانگتے خود سوال سے اور مسئول عنہ سے ایک نسبت ہوجائیگی۔ مگر کیجئے تب اسکا فائدہ دیکھئے اور اسکی فکر دیکھئے کہ قلب شامل نہیں ہے ابتدا میں نہ ہوگا جانے دیجئے آگے چل کر وہ بھی شریک ہوجائے گا یہاں تک کہ ابھی تو زبان پر پہلے آتا ہے پھر قلب تک پہونچتا ہے بعد میں پہلے قلب میں آئے گا اور وہاں سے زبان پر آوے گا اور قلب میں ایک تقاضا پیدا ہوگا کہ اسکو زبان سے بھی کہا جائے اور جب تک زبان سے آکر کہہ نہ لے گا تسلی نہ ہوگی۔
(وصیۃ السنۃ صـ ۴۱۲)

یہ سوال والتجا، دعا، و مناجات، گریہ وزاری، عرض و معروض کی تکرار ایک ان شاء اللہ رنگ لائیگی۔ اس رنگ لانے کا تذکرہ مولانا روم کی زبان سے سنئے ؎

چوں نشینی بر سر کوئے کسے عاقبت بینی تو ہم روئے کسے
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے عاقبت زاں در بروں آید سرے

(جب تم کسی کے کوچہ میں بیٹھ رہوگے بالآخر اسکا دیدار ہو ہی جائے گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی کے در پر دستک دیتے رہوگے تو دروازہ سے کوئی سر نمودار ہی ہوگا)

ان سطور کے پڑھنے کے بعد شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ دعاؤں کی ترغیب کے پردے میں ترک اسباب و تدبیر کا مشورہ دیا جارہا ہے مگر قرآن حکیم میں جب وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ .... تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ (دشمنوں کے مقابلہ کیلئے جہاں تک تمھارے

بس میں ہو ایسی قوت تیار رکھو جس سے خدا کے دشمنوں کے قلوب خوف و ہیبت سے بھر جائیں) کا صریح فرمان موجود ہے اور حدیث میں یہ اعلان بھی ہوا اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ فِي الرَّمْيِ (سنو! تیر اندازی یا پھینک دینے کی چیز ہی میں قوت کا راز پوشیدہ ہے) ایک صحابی سے آپؐ کا یہ ارشاد اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ (اس اونٹنی کے پیر کو باندھو پھر خدا پر توکل کرو) تو کس کی مجال ہے کہ اسباب ظاہرہ کے ترک اور عملی تدابیر سے باز رہنے کا مشورہ دے۔ اسباب ظاہرہ کو ترک کر کے صرف دعاؤں کے اختیار کرنے سے اگر خدا کی نصرت متوجہ ہو جاتی اور میدان سر کر لیا جاتا تو تاریخ میں اس اعزاز اور بے کرے دھرے سب کچھ حاصل ہو جانے کے انعام کی مستحق سب سے زیادہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی لیکن دیکھا تو یہ جاتا ہے کہ میدان جنگ میں خود حضور اقدس کے جسم اطہر پر آہنی زرہ تھی اور دست مبارک میں سیف و سنان۔ خدارا بتلایئے کہ اسباب ظاہری کے اختیار کرنے کی کیا یہ عملی تعلیم نہیں تھی اگر یہ نہ ہوتا تو رحمۃ اللعالمین کا جسم خون آلود نہ ہوتا، خود کی کڑیاں نہ گڑ جاتیں۔ دندان مبارک شہید نہ ہوتے۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جان و مال کا مجاہدہ زندگی کی کامیابی کے لئے اولین شرط ہے جس قوم نے اس شرط کو پورا کیا فتح و نصرت نے آگے بڑھ کر اسکے قدم چوم لئے اور سبقت کے میدان میں سب سے آگے رہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں زندگی نام ہے قوت کا جو قوم قوت سے محروم ہے وہ زندگی سے محروم ہے وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ کا قرآنی فلسفہ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگلے مفسروں نے اپنے زمانہ کی حالت کے مطابق قوت کی تفسیر تیر اندازی کی مشق سے کی تھی مگر یہ تشریح زمانہ کی حالت کے لحاظ سے بدلتی رہیگی اور قرآن پاک کے لفظ کا عموم اپنی وسعت کے دامن میں ہر اس چیز کو سمیٹتا رہے گا جس سے دشمنوں کی طاقت کا مقابلہ کیا جا سکے یہ عالم نہیں عالم اسباب ہے یہاں ہر شئے اسباب و علل کے پردے میں لپٹی ہوئی ہے کر کے ہی کچھ ملے گا بے عملی، تعطل، جمود، پست ہمتی کا صلہ تو مل چکا اور مل رہا ہے ـــــ قتل و خونریزی کے اس ماحول میں بھی جب بے سرو سامان عالی حوصلہ مسلمانوں نے جرأت و ہمت سے کام لیا خدا کی موعودہ نصرت ان کے پاس پہونچی اور وحشی درندوں کی یلغار ہزیمت میں بدل گئی غرض مصائب کے دفع کرنے کے لئے اسباب و وسائل کا اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ حالات اور مواقع کے لحاظ سے فرض بھی ہو جاتا ہے مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ تدبیر کا صرف نام ہی لیا جاتا ہے اور تنظیم کے مفہوم سے ناآشنا ہو کر تنظیم تنظیم کی رٹ لگائی جاتی ہے اور ایک سب سے بڑی تدبیر، سب سے بڑا ہتھیار، اللہ کے یہاں سب سے معزز شئے "دعا" اور ماثورہ دعا کو فراموش کر دیا جاتا ہے اور اللہ رب العزت نے امن و سکون اور عافیت کا مدار جن امور کو ٹھہرایا ہے ان کے کرنے کا تصور بھی نہیں آتا۔ اللہ تعالے ہمیں توفیق دے کہ ہم حسن تدبیر، حکمت عملی اور حدود جواز کے دائرے میں جان و مال کے دفاعی اسباب اختیار کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعاؤں کو اپنا سپر بنالیں کہ ؎

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

مکتوب نمبر ۱۵۴

حال :- ایک مرتبہ ایک اپنے مسلمان ملازم کو چند لوگوں کے شکایت کرنے کی بنا پر یوں سمجھا رہا تھا کہ دیکھو اگر تم مجھکو ناراض کر دو تو کیا میں تمکو ملازم رکھوں گا تو اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ روزی کون دیتا ہے، اس نے کہا کہ خدا، پھر میں نے کہا کہ اگر تم ان کو ناراض کر وگے تو تم کو روزی دیں گے، اس نے کہا کہ نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ لوگ تمہاری بابت یہ باتیں کہہ رہے ہیں، تم ان کاموں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہی کی وجہ سے تم لوگ ہلاک ہو رہے ہو۔ اس نے کہا کہ لوگوں نے آپ کو غلط بتایا، میں یہ کام نہیں کرتا، ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو میرا مخالف ہے عناداً کہتا ہے۔ میں نے کہا کہ وہی نہیں بلکہ ہر شخص تمہارے متعلق یہی کہتا ہے۔ اس نے کہا میں یہ کام نہیں کرتا۔ ہماری اور اسکی یہ گفتگو تنہائی میں ہو رہی تھی اسکی نظر زمین پر تھی اور ہماری نظر اس کے چہرے پر۔ یکایک قلب نے کہا کیا چند دنوں پہلے تم بھی انھیں امراض میں مبتلا نہیں تھے۔ بعض لوگوں کی شکایت کی وجہ سے ایک ظن کے تحت اس کو ذلیل کر رہے ہو جبکہ وہ اپنی خطا کا منکر ہے اور تمہارا تو یقینی ہے پھر اپنے کو کیا کہا تھا۔ پھر مارے ندامت کے میری نظر جھک گئی اور اس سے کہدیا کہ جاؤ۔ پھر وہ چلا گیا۔ یہ حالت کیوں ہوئی۔

تحقیق :- تواضع کی وجہ سے، اس کا نام انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت تھی۔ حال :- کیا اپنے ملازم کو یا گھر والوں کو خطا پر دارو گیر نہیں کرنا چاہئے

تحقیق :- کرو۔ مگر اپنی خطاؤں کو بھی اسوقت پیش نظر کر لو۔

حال :- طبیعت بہت گھبرایا کرتی ہے۔ اپنی حالت خراب ہی نظر آرہی ہے۔ جن معاصی کو ترک کئے ہوئے مدت گزر گئی اب پھر نفس کو اسی شدت کے ساتھ ابھرتے ہوئے پایا۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ بزرگوں کی صحبت میں ایک زمانہ تک رہے

بغیر راہِ راست پر استقامت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ۸ سال سے دعا مانگ رہا ہوں۔

تحقیق:۔ مانگے جاؤ۔ **حال:۔** کہ یا اللہ تعالیٰ حضرت کا ساتھ نصیب کر دیجئے تاکہ میری اصلاح کامل طور سے ہو جائے۔ معلوم نہیں وہ ساعتِ مبارک کب نصیب ہو گی۔ نہایت ہی حیرانی اور پریشانی ہو جایا کرتی ہے۔ نہ تو حضورِ قلب کے ساتھ عبادت ہی ہو پاتی ہے، نہ صدق و اخلاص ہی حاصل ہوتا ہے۔ ایسی عبادت کا کیا اعتبار۔ نہ معلوم اللہ تعالیٰ کیا معاملہ فرمائیں گے۔ حضرت سے علیحدگی میرے لئے سمِ قاتل بن گئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔

تحقیق:۔ کئے جاؤ دیکھو کیا ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر (۷۵)

حال:۔ حال ہی میں آنحضرت سلمہٗ کے رسالہ "اصلاحی مضمون" کے مکرر مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ اس میں عدم تحصیل اصلاح کے اسباب میں سے ایک سبب "حبِ دنیا کا استیلاء قلوب پر" بھی بتلایا گیا ہے پڑھ کر از حد افسوس ہوا کہ یہ ناکارہ بھی اس مرض میں مبتلا ہے اور اس کے نتیجہ میں اصلاح تام سے محروم ہوں۔ اسکا علاج رسالہ مذکورہ کے مطالعہ سے یہی سمجھ میں آیا کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر اہتمام سے رکھنی چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ حیٰوۃ المسلمین کی روح "دنیا سے دل نہ لگانا اور آخرت کی فکر میں رہنا" بھی مکرر سہ کرر پڑھتا رہا۔ **تحقیق:۔** الحمد للہ اب فائدہ ہوگا۔ **حال:۔** عقیدہ تو خادم کا بحمد اللہ یہی ہے کہ "وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی" (آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے)، لیکن عملاً دنیوی امور میں انہماک ہو جاتا ہے۔ اس انہماک کو رفع کرنے کا طریقہ یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ **تحقیق:۔** ٹھیک سمجھ میں آیا۔

حال:۔ اخروی امور میں حتی الامکان انہماک بڑھاتے رہیں۔ اگر اس میں رسوخ حاصل ہو جائے تو دنیائے دنی سے انہماک انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔

تحقیق :۔ بیشک ۔ حال :۔ اس لئے چند دنوں سے سوتے وقت اور یاد آنے پر چلتے پھرتے موت کا استحضار رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں۔ تحقیق :۔ یہ بہت مفید ہوگا۔

حال :۔ کہ آخر مجھے مرنا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے یہی سال اپنا آخری ہو بلکہ ممکن ہے کہ اپنا کفن بازار میں آبھی چکا ہو وغیرہا۔ حق تعالیٰ فکر آخرت میں رسوخ عطا فرمائیں۔ تحقیق :۔ آمین ۔ حال :۔ اسی طرح تلاوت قرآن کے وقت اور نماز میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں ان کی جانب غور سے توجہ رکھتا ہوں۔ تحقیق :۔ بہت عمدہ عمل اختیار کیا ہے فائدہ ہوگا۔

حال :۔ اور اس سے تنبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔

تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ یہ سب اسباب و تدبیر کے طور پر کر رہا ہوں رہا فائدہ، اثر اور رسوخ تو یہ حق سبحانہ' و تعالیٰ کے فضل و کرم اور آپ مخدوم کی عنایت و توجہ سے ممکن ہو تو ہو۔ اس لئے آں مخدوم سے ادبا درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ حق سبحانہ' و تعالیٰ زہد فی الدنیا اور رغبت الی الآخرت درجۂ حال میں نصیب فرمائیں۔ تحقیق :۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال :۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض ہے کہ خادم کو کسی کے مرنے پر حتیٰ کہ عزیز قریب کے فوت ہونے پر بھی رنج و افسوس نہیں ہوتا حتیٰ کہ قطرۂ آنسو بھی بمشکل ہی نکلتا ہے۔ تحقیق :۔ موت کے مراقبہ سے اسکا بھی علاج ہوجائیگا۔

حال :۔ شاید اس کا منشار قساوتِ قلب ہو۔ آں مخدوم سے علاج اور دعا سے دستگیری فرمانے کی استدعا ہے۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۵۶

حال :۔ حضرت والا کی طرف دھیان برابر لگا رہتا ہے اور جس قدر انابت الی اللہ تعالیٰ کا میلان بڑھتا ہے حضرت والا کے فیضان کی قدر بڑھتی ہے۔ دعا

فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کمترین کو بھی مخلصین میں شامل فرمالیں اور خاتمہ ایمان پر ہو آمین۔ **تحقیق** :- آمین۔

مکتوب نمبر ([illegible])

حال :- الحمدللہ حضرت اقدس کی دعا کی برکت سے یہ ناکارہ خلائق معمولات کو حتی الامکان بلاناغہ ادا کر رہا ہے۔ اس نالائق پر حضرت اقدس کے احسانات وانعامات بیشمار ہیں۔ اگر ساری عمر بھی ان کا شکریہ ادا کروں تو بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے سایۂ مبارک کو ہم ناکاروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ **تحقیق** :- آمین۔ **حال** :- گذشتہ عریضہ میں احقر نے حضرت اقدس سے تحصیل رضا کی تدبیر دریافت کیا تھا جس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ احکام شرعیہ ظاہرہ اور باطنہ پر عمل کرنا تحصیل رضا کی تدبیر ہے۔ الحمدللہ احقر احکام شرعیہ ظاہرہ پر عمل کر رہا ہے۔ اس میں رسوخ پیدا ہونے کے لئے حضرت والا دعا فرمائیں۔ **تحقیق** :- دعا کرتا ہوں۔

حال :- اب تحصیل تسلیم کی تدبیر ارشاد فرمائیں۔ **تحقیق** :- کسی بات پر دل سے اعتراض نہ ہو یہی اس کی حقیقت ہے اور یہی تدبیر ہے۔

حال :- اور اسکی حقیقت شرعیہ سے بھی مطلع فرمائیں انشاءاللہ حضرت اقدس کے ارشاد پر عمل کروں گا۔ **تحقیق** :- لکھ دیا۔

مکتوب نمبر ([illegible])

حال :- حضرت والا کا گرامی نامہ شرف صدور لایا جس میں حضرت والا نے دریافت فرمایا ہے کہ نفس کی خوشی کا کیا منشا ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ اپنی کمتری کا احساس ہر آن قلب میں رہتا ہے۔ کوئی کبھی تعریف کر دیتا ہے تو نفس خوش ہو جاتا ہے کہ یہ کمال تیرے اندر ہے جس کے سبب سے تعریف ہوتی ہے۔ بس

اس خوشی کا منشا اتنا ہی ہے اور کوئی بات یعنی عزت اور جاہ وغیرہ کا خیال نہیں ہوتا ہے۔ اور یہ خوشی بھی ہمیشہ نہیں ہوتی ہے۔ کبھی کبھی نفس خوش ہوتا ہے

تحقیق :- یہ خوشی اضطراری ہے اور شکر نعمت کے طور پر یہ مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ہے اللہ تعالیٰ نفس کی اصلاح فرمائے اور عبدیت نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر (۷۵۹)

حال :- حضرت والا کی خدمت میں اپنے مختلف متضاد خیالات بغرض اصلاح پیش کر رہا ہوں۔ اس مرتبہ الہ آباد اپنی حاضری کے موقع پر یہ سوچ رہا تھا کہ میری حاضری چونکہ عرصہ کے بعد ہو رہی ہے اور اس کے علاوہ میں عدم مکاتبت کا بھی مرتکب ہوں۔ اب دیکھئے اتنے بڑے مجرم کو اس کے جرم کی پاداش میں کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔ اپنا جرم چونکہ قطعی اور یقینی تھا اس لئے تاویل و ایار کی کوئی گنجائش تو تھی نہیں، اب تو صرف ایک ہی کام تھا وہ یہ کہ اپنے کو مواخذہ کے لئے ہمہ تن تیار رکھا جائے، چنانچہ استقامت علی المواخذہ کی دعا کرتا ہوا حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اب مجرم کی پیشی کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ جناب مولوی . . . . صاحب نے یہ اطلاع دی کہ حضرت والا نے بلایا ہے یہ سنکر میں نے سوچا کہ یہ حکم تو میرے دیگر رفقائے سفر ہی کے لئے ہو سکتا ہے کیونکہ ابھی تو مجھ کو مواخذہ کی بہت سی منزلیں طے کرنی ہیں اور اس کے بعد بھی گوہر مقصود کی زیارت ہو سکے گی یا نہیں۔ یہ سوچنا قبل از وقت تھا۔ چونکہ میں استقامت علی المواخذہ کی دعا کر چکا تھا اس لئے مواخذہ کے تصور سے دل کے کسی گوشہ میں کوئی تنگی نہیں محسوس ہو رہی تھی، بلکہ ایک گونہ یہ حوصلہ اور جذبہ اپنی پوری شدت کے ساتھ زور پکڑ رہا تھا کہ جلد از جلد مواخذہ والی منزل طے ہو جائے تو بہتر ہے۔ چونکہ قبل مواخذہ اپنی طلبی کا مجھکو یقین تو تھا نہیں اس لئے میں نے جناب مولوی . . . . صاحب سے یہ دریافت

کیا کہ میرے لئے کیا حکم ہے. موصوف نے فرمایا کہ آپ کو بھی بلایا ہے. یہ س
قدرے استعجاب ہوا اور از راہ ہمدردی کہ شاید موصوف ہی کو کوئی غلط فہمی
ہو اور خواہ مخواہ میری وجہ سے موصوف بھی مواخذہ میں آجائیں، یہ سوچ کر
دریافت کیا کہ کیا آپ کو میرا نام معلوم ہے. موصوف کا جواب چونکہ اثبا
میں تھا اب تاخیر بھی کس بات کی تھی امید وبیم کی کشمکش میں حضرت والا کی
میں پہنچ ہی گیا. لیکن وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا، شفقت و رافت کا ایک
سیلاب تھا جو کہ امڈا چلا آرہا تھا، کہاں مواخذہ کا وہ تصور اور کہاں
ہلکا سا زیر لب تبسم. ؎

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے امیر　　لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

لیکن اب ایک دوسرا تخیل جو حضرت والا کے عدم مواخذہ کی وجہ سے کس
قدر موجب اذیت بنا ہوا تھا، وہ یہ تھا کہ چونکہ میں ابھی اس راہ کا مبتدی ہو
اسی وجہ سے حضرت والا نے زجر و توبیخ سے کام نہیں لیا. کیونکہ مواخذہ اور باز
انھیں سے کی جاتی ہے جو لوگ عزم و استقلال کے مالک ہوں، راسخ العق
ہوں، طالب صادق ہوں. میں ان چیزوں سے عاری ہوں، متلون مزاج ہو

ع　　دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

غرض اسی طرح کے اور بہت سے خیالات یکے بعد دیگرے چلے آرہے تھے جو
لئے باعث پریشانی تھے. کبھی کبھی دل ان تمام باتوں کی نفی کرتا ہوا کہتا کہ نہ
میں نے استقامت علی المواخذہ کی دعا مانگی تھی ایک حوصلہ اور عزم کے سا
اس کے استقبال کو تیار تھا. ان باتوں کے باوجود بھی دل کو سکون نہیں مل رہا
ابھی اسی طرح کی باتوں کا تسلسل جاری ہی تھا کہ نیند اپنی پوری شدت کے سا
حملہ آور ہوئی اور میں سو گیا. صبح کو اٹھتا ہوں تو ایک پُرمسرت دوسرا ہی تخی
سامنے آیا جس سے بحمداللہ قدرے سکون ہوا. **تحقیق**:- الحمدللہ.

حال:- اور وہ یہ تھا کہ مواخذہ اور عدم مواخذہ کے چکر میں کیوں پڑ گیا

مقصود تو نفس کی اصلاح ہے اور اس کو تو شیخ ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس کی اصلاح کس طرح ہوگی۔ کبھی کبھی تو شیخ بظاہر اپنے ادنیٰ تبسم سے وہ کام لے لیتا ہے جو مرید کے حق میں مرید کے بڑے بڑے مجاہدہ سے زیادہ انفع ہوتا ہے۔

تحقیق :- بیشک۔ **حال** :- کیونکہ اگر کسی میں ذرہ برابر بھی غیرت باقی ہے تو بعض وقت شیخ کا عدم مواخذہ ہی مرید کے اصلاح کے لئے تریاق کا کام کرسکتا ہے۔ شیخ کا عدم مواخذہ نہ مرید کے لئے باعث توقیر ہے اور نہ شیخ کا مواخذہ ہی مرید کے لئے باعث تذلیل۔ **تحقیق** :- اور کیا۔ **حال** :- مقصود تو نفس کی اصلاح ہے اور وہ کس طرح ہوگی اسکو شیخ کامل ہی سمجھ سکتا ہے۔

تحقیق :- بیشک۔ **حال** :- جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو دولت سے نوازتا ہی اسلئے ہے کہ اس کے ایمان کی حفاظت ہوسکے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو دنیاوی نعمت کم دینے کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے تاکہ اسکے ایمان کی حفاظت ہوسکے۔ نہ دولت کی فراوانی اسکی توقیر کا باعث ہے اور نہ اسکی قلت اسکی تذلیل کا سبب بلکہ ہر دونوں میں مقصود بندے کے ایمان کی حفاظت ہی ہے۔ **تحقیق** :- بیشک۔ **حال** :- اسی طرح شیخ کامل ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس کی اصلاح کس طرح ہوگی ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر   مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

حضرت! اس خیال سے بہت سکون ہوا۔ **تحقیق** :- الحمدللہ۔

حال :- اللہ تعالیٰ ہم کو دین پر چلنے اور علم نافع و عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے

تحقیق :- آمین۔ **حال** :- اور حضرت والا کے فیوض و برکات سے کما حقہٗ مستفید فرما دے۔ **تحقیق** :- آمین۔

مکتوب نمبر (۷۶)

حال :- الحمدللہ حضرت اقدس کی دعا کی برکت سے یہ احقر افقر حقی الامکان

بلاناغہ معمولات کو ادا کر رہا ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ قبول فرما
حال:۔ حضرت اقدس! مداومت کے لئے دعا فرمائیں۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا
حال:۔ گذشتہ عریضہ میں احقر نے حضرت والا سے تحصیل تسلیم کی تدبیر اور حقی
دریافت کیا تھا جس پر حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی بات پر
سے اعتراض نہ ہونا ہی تسلیم کی حقیقت اور تدبیر ہے۔ الحمدللہ حضرت
کے ارشاد کو احقر خوب سمجھ گیا، الحمدللہ احکام شرعیہ سُنکر احقر کے دل
اعتراض ہی نہیں گذرتا، بلکہ احکام پر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے
تحقیق:۔ مبارک ہو۔ **حال**:۔ صفتِ تسلیم میں رسوخ پیدا ہونے کے
حضرت اقدس حق تعالیٰ شانہ، سے دعا فرمائیں۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا
حال:۔ اب تحصیلِ اخلاص کی تدبیر ارشاد فرمائیں اور اسکی حقیقتِ شرعیہ سے
مطلع فرمائیں۔ **تحقیق**:۔ نیت اور اخلاص ایک چیز ہے محرک عمل
تعالیٰ کی رضا ہونا چاہیے یہ اخلاص ہے اور نیت کو درست کرتے رہنا یہ
تحصیل کی تدبیر ہے۔ اور اغراض فاسدہ سے نیت کو صاف رکھنے کے
مستعد رہنا چاہیے خوب سمجھئے۔

مکتوب نمبر (۱۶۱)

حال:۔ عریضہ کے جواب باصواب سے شادکام ہوا۔ خوشی اس بات پر ہوئی کہ حضرت
کسی کو غلطی اور خطا کے قعر میں ایک لمحہ بھی رہنے دینا نہیں چاہتے۔ جب
کسی خطا کا صدور ہوا تو بس اسی وقت بلا تاخیر کے اصلاح فرمادی گئی
خدا کرے کہ اس نالائق اور جاہل کو اس کے سمجھنے اور ہمیشہ کے لئے اسکو حرز جان
بنانے کی توفیق اور ہمت نصیب ہوتی رہے۔ **تحقیق**:۔ آپ کی یہ تحریر
پسند آئی، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ فہم قرآن عطا فرمائے۔

شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ



وصیۃ العرفان

شمارہ ۵ مئی ۱۹۹۳ء جلد ۱۰

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامت حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۵ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق مئی ۱۹۹۳ء، جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ۶۰ روپیہ ششماہی ۳۵ روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۲/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہرماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ سالِ رواں یعنی ۱۹۹۳ء کا سالانہ زرِ تعاون صرف ساٹھ روپیہ اور ششماہی پینتیس روپیہ ہے۔ لہٰذا اپنا زرِ تعاون اوّلین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا۔ اَمَّا بَعْدُ! بعض احباب کے اصرار پر بعد استخارہ بندہ نے اللہ تعالیٰ کے ۹۹ اسمارِ حسنیٰ سمیت تقریباً پونے دو سو نام اس عربی نظم میں جمع کئے ہیں۔ اسکا نام المنظوم الاسنیٰ فی اسماء اللہ الحسنیٰ اور عرف قصیدۂ طوبیٰ رکھتا ہوں قصیدۂ طوبیٰ پہلا قصیدہ ہے جس میں اسمار اللہ بطریقہ دعار عربی میں منظوم ہیں۔ فالحمد للہ امید کامل ہے کہ قصیدۂ طوبیٰ کے پڑھنے سے بہتوں کی دینی و دنیاوی مرادیں اسمار اللہ الحسنیٰ کی برکت سے پوری ہونگی۔ قارئین خود اس کا تجربہ کرینگے۔ میں نے اپنے متعلقین کو جو مختلف مصیبتوں میں مبتلا تھے اسکے پڑھنے کو کہا الحمد للہ تیر بہدف پایا۔ حدیث پاک ہے کہ اسمار حسنیٰ پڑھنے کے بعد ہر دعا قبول اور ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔ نیز ان کا پڑھنے والا اور یاد کرنیوالا جنت میں جائیگا۔ تمام محدثین اور بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اسمار حسنیٰ سے بڑھ کر کوئی سے قبولیتِ دعا میں مؤثر نہیں۔

فوائد :- اسمار حسنیٰ کی برکت سے دعا مانگنا مستحسن ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے کوئی غم یا دکھ پہنچے تو یہ دعا پڑھے :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ
عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ
كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ
الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَنُوْرَ صَدْرِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ۔ (بیہقی عن ابن مسعودؓ)

ف۲ - حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ ناموں کا جس نے احصار کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ احصار کے معنی میں ائمہ کے بہت سے اقوال ہیں۔ جس نے یاد کئے تو دخول جنت یا اعلیٰ مراتب جنت نصیب ہوں گے (نوویؒ) جس نے دعا کے وقت شمار کئے، جس نے اسمار حسنیٰ کا ایک ایک کلمہ بطور تبرک اخلاص سے پڑھا۔ جو ان پر احاطہ علمی کرکے ایمان لایا۔ جس نے یاد کرکے عمل کیا۔ مثلاً اسم رزاق کو یاد کرکے یقین کیا کہ میرا رازق اللہ تعالیٰ ہے اور پھر رزق کے بارے میں اسکو اطمینان ہوا۔ ف۳ - اسمار حسنیٰ اکثر صفاتی ہیں ان میں اسم اللہ اسم ذات ہے۔ نیز اسم اعظم بھی یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ وطحاویؒ وامام رازیؒ کا۔ امام اشعری امام المتکلمینؒ کو انکی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر ان سے حال پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس بات پر مجھے بخش دیا کہ میں لفظ اللہ کے اسم ذات

ہونے کا قائل تھا بعض علماء کے نزدیک اسم اعظم اَللّٰھُمَّ اور بعض کے نزدیک قَیُّوْم ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسم اعظم کا علم کسی کو نہیں۔ ف۴۔ اللہ تعالیٰ کے نام بہت ہیں۔ اور ننانوے نام کی تخصیص بروایت ترمذی قبولیتِ دعا اور دخولِ جنت کیلئے ہے (نووی) ننانوے نام اہلبیت سے برخلاف روایت ترمذی اور طرح منقول ہیں۔ فائدہ ۱ میں ابن مسعودؓ کی روایت سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اسماء حسنیٰ بیں۔ ابوبکر بن العربیؒ بعض محققین سے اللہ تعالیٰ کے ہزار نام نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بھی تھوڑے ہیں امام رازیؒ بعض بزرگوں سے پانچ ہزار نام نقل کرتے ہیں۔ ایک ایک ہزار تو قرآن و حدیث۔ تورات، انجیل، زبور میں ہیں اور ایک ہزار لوح محفوظ میں ہیں جو بشر سے مخفی ہیں۔ اور بعض صوفیۂ کرام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نام ... ہیں ف۵ جن اسماء کا اذن شرع یعنی قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت نہ ہو اُن کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر عند الجمہور اور نزد امام ابوبکر باقلانیؒ و علامہ آلوسیؒ و رازیؒ جائز ہے بشرطیکہ ان کے معنی درست ہوں۔ اور امام غزالیؒ کے نزدیک اطلاق اسم ناجائز اور اطلاق صفت جائز ہے ف۶ جس نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے وہ اسم ہے جیسے یا رب یا اللہ ورنہ صفت مثل یَا حَیِیُّ (حیا والے) (طیبی) ف۷ اللہ تعالیٰ کے اسم کے اذن کیلئے صرف فعل یا مصدر کا ہونا کافی نہیں اسی وجہ سے رامی، مُسْتَھْزِئ۔ مُعَلِّم۔ مُنْزِل۔ مَاکِر اسماء حسنیٰ میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ان کے افعال قرآن مجید میں ثابت ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ قصیدہ عام و مقبول اور میرے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

طریقہ قضاء حاجات کیلئے جس کو پڑھنا ہو وہ باوضوء رو بہ قبلہ ہوکر ابتداء و اختتام پر درود شریف تین تین مرتبہ پڑھا کرے۔

فقیر محمد موسیٰ عفی عنہ روحانی بازی
استاذ حدیث و تفسیر جامعہ اشرفیہ
لاہور۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مِنَ الْاٰفَاتِ جُثْمَانًا وَّ دِیْنًا	حَسْبُنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَا
ہمہ قسم جسمانی و دینی آفات سے	اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے
مُیَسِّرُ مُعْضِلَاتِ السَّائِلِیْنَا	عَلِیْمٌ عَالِمٌ حَکَمٌ رَشِیْدٌ
آسان کرنیوالا مانگنے والوں کی مشکلات کو	اللہ ہے بڑا جاننے والا علم والا۔ فیصلہ کنندہ رہنما

سمیع سامع ھمسا ھمیسا — وقہار و قاھر قاھرینا

بسیار شنوائی والا، سننے والا ہلکی دھیمی آواز کو — بڑے قہر والا، زورآوروں پر غالب

مرید خافض للناس طورا — رفیع رافع الدرجات حینا

ارادہ کرنیوالا، گاہے لوگوں کو پست و ذلیل کرنیوالا — بلند ہے، اور کبھی انکے درجات کو بلند کرنیوالا

مقدمنا مؤخرنا مقاما — وسیع واسع الحکم رزینا

کبھی ہمارے مرتبہ کو آگے کرنیوالا اور کبھی پیچھے کرنیوالا — وسعت والا، عام مضبوط حکم والا

حفیظ حافظ الملکوت عدل — تعالی عن عقول العاقلینا

نگہبان، حفاظت کرنیوالا بڑی بادشاہی کا، عدل کنندہ — بلند و برتر ہے سوچنے والوں کی عقل سے

ھو المتکبر المعطی کبیر — عظیم باعث للمیتینا

بڑائی والا، عطیہ دینے والا، بڑا — عظمت والا، مُردوں کو اٹھانے والا

فان الکبریاء رداء ربی — ومتزر بعظمتہ یقینا

سو بڑائی میرے رب کی چادر ہے — اور اپنی عظمت کا پردہ اوڑھے ہوئے ہے یقینا

لطیف ظاھر صنعا ولکن — بکنھہ باطن عن ناظرینا

مہربان، ظاہر ہے باعتبار نشانات کے لیکن — اسکی ذات پوشیدہ ہے دیکھنے والوں سے

وحید واحد احد رقیب — وستار لذنب المذنبینا

یکتا، اکیلا، ایک، نگہبان — پردہ پوش ہے گنہگاروں کے گناہ کے لئے

غفور غافر صمد جمیل — وغفار لمن یستغفرونا

بڑا بخشنے والا، مغفرت کرنیوالا، بے نیاز، بہتر — بخشنے والا مغفرت مانگنے والوں کو

قدیر قادر وال ولی — ومقتدر باخذ الظالمینا

طاقت ور، توانا، حاکم، دوست رکھنے والا — مقدرت والا ظالموں کی گرفت پر

رحیم حاکم رحمن بر — جلی الشان لا یحصی شئونا

بہت مہربانی کرنیوالا، حکم کرنیوالا، رحم کرنیوالا، نیکی — بڑی شان والا، اس کے افعال کا شمار ممکن نہیں

قوی غالب باق وشاف — وجبار وجابر جابرینا

قوت والا، غالب، بقا والا اور شفا دینے والا — مجبور کرنے والا، تمام سرکشوں پر غالب

ولا معبود الا اللہ حقا — ھو الموجود عند السالکینا

سو کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے — اصلی موجود اللہ ہی ہے سالکوں کے نزدیک

سِوَاہُ اَحْسَبُہٗ ظِلًّا اَوْ حَبَابًا　　فَیَبْقیٰ وَجْہُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَا

اللہ کے ماسوا کو سایہ یا پانی کا بلبلہ سمجھو　　سو صرف اللہ رب العٰلمین کی ذات ہی باقی و دائم

سُبُّوْحٌ وَّ قُدُّوْسٌ وَّ فَرْدٌ　　تَفَرَّدَ بِالْعُلٰی وَبِاَنْ یَّکُوْنَا

سو اللہ تعالےٰ بہت پاک اور مقدس اور یکتا ہے　　تنہا ہے بلندی میں اور آئندہ سدا موجود ہونیکو

سَلَامٌ مُّؤْمِنٌ فَتَّاحٌ وَّادٍ　　خَزَائِنُ غَیْبِہٖ لِلْعَارِفِیْنَا

سلامتی دینے والا، امن دینے والا، کھولنے والا　　غیب کے درہ کو عارفوں کے لئے

کَرِیْمٌ وَّاہِبُ النُّعْمٰی حَکِیْمٌ　　وَدُوْدٌ وَّدِحِزْبِ الْمُؤْمِنِیْنَا

سخی، نعمتوں کا دینے والا، حکمت والا　　بہت محبت کرنیوالا، دوست گروہ تمام

شَہِیْدٌ مُّلْہِمٌ وِتْرٌ مَّتِیْنٌ　　وَقَیُّوْمٌ حَمِیْدُ الْحَامِدِیْنَا

حاضر، الہام کرنیوالا، تنہا، قوی　　بے مثل تھامنے والا، ستائش کرنیوالوں کا ستائش

مُمِیْتٌ مُّبْدِئٌ حَیٌّ وَّمُحْیٍ　　مُفِیْدٌ وَّارِثٌ لِّلْوَارِثِیْنَا

مارنے والا، پہلے پیدا کرنیوالا، زندہ اور زندہ　　فائدہ پہنچانیوالا، وارث ہے تمام وارثوں کا

بَدِیْعُ الْخَلْقِ ہَادِی النَّاسِ طُرًّا　　صِرَاطَ الدِّیْنِ وَالْعُقْبٰی مُبِیْنَا

بے نمونے مخلوق کا پیدا کرنیوالا، جملہ لوگوں کو ہدایت　　دین و آخرت کی واضح راہ کی جانب

غَنِیٌّ مَّانِعٌ مُّغْنٍ مَّلِیْکٌ　　وَضَارٌّ نَّافِعُ الْمُسْتَرْشِدِیْنَا

غنی، روکنے والا، غنی کرنے والا، مالک　　اور ضرر دینے والا، نفع بخشنے والا راہ راست کے

عَزِیْزٌ مَّالِکُ الْمُلْکِ مُعِزٌّ　　مُذِلٌّ اِنْ سَخِطْنَا اَوْ رَضِیْنَا

عزت والا، ملک کا مالک، عزت دینے والا　　ذلیل کرنیوالا چاہے ہم ناخوش ہوں یا خوش ہوں

وَذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ذُوْجَلَالٍ　　وَاِکْرَامٍ مُّجِیْرُ الْمُخْطِئِیْنَا

بڑے فضل والا، بلندی اور اکرام والا　　خطا کاروں کو بچانے والا

وَمَنَّانٌ وَّحَنَّانٌ عَفُوٌّ　　وَدَیَّانٌ یَّدِیْنُ الْعَامِلِیْنَا

بڑا احسان کرنیوالا، مہربان، معاف کرنیوالا　　اور بڑا بدلہ دینے والا، عمل کرنیوالوں کو جزا

مُہَیْمِنُنَا وَخَلَّاقٌ نَّصِیْرٌ　　وَخَالِقُ عَالَمِ خَلْقًا مَّتِیْنَا

ہمارا نگہبان، بڑا پیدا کرنے والا، مددگار　　اور سارے عالم کو مستحکم طریقہ سے پیدا کرنیوالا

مُقِیْتٌ بَاسِطٌ مُّحْصٍ مَّجِیْدٌ　　حَسِیْبٌ مَّاجِدٌ مَّجْدًا رَّکِیْنَا

روزی رساں، رزق فراخ کرنیوالا، شمار کرنیوالا، بڑا　　حساب لینے والا، بزرگ ہے، محکم بزرگی والا

ہُوَ الدَّہْرُ الْمُقَلِّبُ لِلَّیَالِیْ　　وَلِلْاَیَّامِ دَہْرَ الدَّاہِرِیْنَا

وہ ملک زمانہ ہے بدلنے والا راتوں کو　　اور دنوں کو ہمیشہ ہمیشہ

جَلِیْلٌ سَیِّدٌ نُوْرٌ سَرِیْعٌ — رَءُوْفٌ سِیَّمَا بِالْمُتَّقِیْنَا
بڑا، مالک، نور، سرعت والا — شفقت والا، خاصکر پرہیزگاروں پر

خَبِیْرٌ وَّاجِدٌ عَالٍ عَلِیٌّ — وَقَابِضُ [illegible]
خبردار، پانے والا، بلند، بلندی والا — ہم قبضہ والا، خواہ ہم تنہا [illegible]

وَمُنْتَقِمٌ وَّجَامِعُنَا صَبُوْرٌ — حَیِیٌّ تَائِبٌ [illegible]
اور انتقام لینے والا اور ہمیں جمع کرنیوالا، — شرم والا، توبہ قبول کرنیوالا توبہ کاروں سے

قَدِیْمٌ صَادِقٌ فِیْ کُلِّ قَوْلٍ — مُجِیْبٌ لِلْعُفَاةِ الْمُرْمِلِیْنَا
قدیم زمانہ والا، سچا ہے ہر قول میں — مانگنے والے مسکین لوگوں کو دینے والا

وَاَوَّلُ ثُمَّ اٰخِرُ کُلِّ شَیْءٍ — وَصَانِعُ خَلْقِہٖ صُنْعًا حَسِیْنًا
سب سے پہلے، اور ہر شے سے آخر ہے — بنانے والا مخلوق کو خوبصورت طریقہ سے

شَکُوْرٌ شَاکِرٌ مَوْلًی وَّکِیْلٌ — سَتِیْرٌ لَّا یُحِبُّ الْفَاضِحِیْنَا
شکرگذار، شکرکنندہ، مولیٰ، کارساز — پردہ پوش ہے، پسند نہیں کرتا رسواکنندوں کو

قَرِیْبٌ کَاشِفُ الضُّرِّ طَبِیْبٌ — مُحِیْطٌ فَارِجُ الْھَمِّ قَرِیْنًا
نزدیک، غم دور کرنیوالا، شفا دینے والا طبیب — احاطہ کنندہ، مشکل کشا متصل غم کے لئے

وَفَعَّالٌ وَّذُوْ طَوْلٍ رَّفِیْقٌ — لَنَا اَعْلٰی وَخَیْرُ الْخَالِقِیْنَا
بسیار کرنے والا، قوت والا، رفیق — اعلیٰ ہمارا اور ہمہ بنانے والوں سے بہتر ہے

مُدَبِّرُنَا وَفَاطِرُنَا کَفِیْلٌ — وَفَالِقُ حَبَّةٍ اَضْحَتْ دَفِیْنًا
ہمارا انتظام کرنیوالا، ہمارا پیدا کرنیوالا کفیل — اور اُگانیوالا اس دانہ کا کہ دفن ہو زمین میں

وَذُوْ عَرْشٍ وَّفِیٌّ ذُوانْتِقَامٍ — مُغِیْثٌ طَالِبٌ حَقًّا بِلِیْنَا
اور عرش والا، عہد پورا کرنیوالا بدلہ لینے — مددگار، طلب کنندہ حق کا جسکے ہم مکلف ہیں

مُوَفِّقُنَا وَبَارِئُنَا حَلِیْمٌ — جَوَادٌ وَّھُوَ خَیْرُ الْاَجْوَدِیْنَا
ہمیں توفیق بخشنے والا اور پیدا کرنیوالا تحمل — سخی، اور تمام سخیوں سے اچھا ہے

وَكَافٍ دَافِعُ الْأَمْرَاضِ حَقٌّ … وَقَاضِي حَاجَةِ الْمُسْتَنْجِدِينَا
کفایت کرنیوالا، مرضوں کو دفع کرنیوالا، حق ہے … اور حاجت روا ہے مانگنے والوں کی حاجت کا

فَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ يُسَامِي … تَعَالَى عَنْ سِمَاتِ النَّاقِصِينَا
نہیں ہے اس جیسی کوئی شے جو اسکی ہمسری کرے … بلند و پاک ہے ناقصوں کے نشانات سے

فَيَا رَزَّاقَنَا الْوَهَّابَ خَيْرًا … وَرَازِقَنَا وَكُنْتَ بِهِ ضَمِينَا
سو اے ہمیں رزق دینے والے، بھلائی بخشنے … اور ہمارے رازق، اور آپ رزق کے متکفل ہوئے

مُصَوِّرَنَا وَيَا تَوَّابُ ارْحَمْ … عَلَى الشَّادِي وَحِزْبِ الْقَارِئِينَا
اے ہماری صورتیں بنانے والے اور اے توبہ قبول کرنے والے … اِس نظم بنانے والے اور پڑھنے والوں کی جماعت پر

خَفِيَّ اللُّطْفِ أَدْرِكْنِي بِلُطْفٍ … خَفِيٍّ أَنْتَ خَيْرُ الْمُدْرِكِينَا
اے پوشیدہ مہربانی والے، مجھے پا لیجئے گا … خفی مہربانی سے، آپ تمام پانیوالوں سے بہتر ہو

حَوَى أَسْمَاءَكَ الْحُسْنَى نَشِيدِي … كَعِقْدٍ زَانَ جِيدَ الْحُورِ عِينَا
جمع کیا آپکے اسماء حسنیٰ کو میری اِس خوبصورت نظم نے … مانند جنتی ہار کے کہ زینت بخشے جنتی حور بڑی آنکھوں والی کی

فَعَوِّمْ ثُمَّ أَنْجِدْ فِي الْأَرَاضِي … وَشَرِّقْ ثُمَّ غَرِّبْ مُسْتَبِينَا
دعا ہے کہ یہ نظم زمین کے کونہ کونہ پست و بالا کو … اور مشرق و مغرب کو واضح طور پر پہونچے

وَصَافِحْ كُلَّ أُذْنٍ قَبْلَ إِذْنٍ … وَعَانِقْ كُلَّ قَلْبِ السَّامِعِينَا
اور مصافحہ کرے ہر کان سے بغیر اجازت کے … اور معانقہ کرے جملہ سننے والوں کے دلوں سے

فَاللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِخَيْرٍ … وَمَا يُرْضِيكَ أَرْضَاءً أَمِينَا
سو اے اللہ! ہمیں نیکی کی توفیق بخش … اور ہر اُس کام کی جو تجھے راضی کرے آمین تم

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

دنیا اور جنت کی لذتوں کا فرق | غرض دنیا کی ہر نعمت ممزوج ہے نقمت کے ساتھ تو صرف جنت ہی کی خاصیت ہے کہ وہاں کی نعمت کامل ہے اور نقمت سے پاک وصاف ہے۔ چنانچہ علامہ شعرانیؒ اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھتے ہیں:

فان قلت فما الفرق بین لذۃ اکل الدنیا واکل الجنۃ فالجواب الفرق بینهما ان اکل الدنیا تزول لذته اذا نزل الی الجوف بخلاف اکل الآخرۃ لذته تدوم مدۃ بقائه فی البطن حتی ینزل علیه طعام آخر فیجد له لذۃ اخری اعم مما قبلها (پس اگر تم کہو کہ دنیا اور جنت کے کھانوں کی لذت میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ دنیا کے کھانے کی لذت صرف منہ تک رہتی ہے۔ جہاں وہ پیٹ میں گیا لذت ختم۔ بخلاف آخرت کے کھانے کی لذت کے کہ جب تک وہ کھانا پیٹ میں موجود رہے گا لذت باقی رہے گی۔ چنانچہ جب دوسرا کھانا استعمال کرے گا تو پیٹ میں جانے کے بعد ایک دوسری لذت حاصل ہوگی۔ اس طرح پر کہ ایک دوسرا مزہ پیدا ہوجائے گا جو پہلی لذت سے عام ہوگا)

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اُکُلُهَا دَائِمٌ ہی کی فرع ہے یعنی جس طرح سے ثمرات کا اشجار پر سے زوال وانقطاع نہ ہوگا اسی طرح جو چیز وہاں کھائی جائے گی تو اس کی لذت صرف زبان تک محدود نہ رہے گی بلکہ جب یہ شخص تجدید لذت ہی چاہے گا تب ہی وہ لذت بھی ختم ہوگی۔ بخلاف دنیا کی لذتوں کے کہ وہ آنی ہوتی ہے اسلئے کہ دنیا فانی ہے۔

اس مقام پر علامہ شعرانیؒ نے ایک سوال قائم کیا ہے کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُكُلُهَا دَائِمٌ (اس کا پھل دائمی ہوگا) لیکن دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (اور انہیں اسمیں ان کا کھانا صبح و شام ملتا رہے گا) پس پہلی آیت تو دوام اکل کو مقتضی ہے اور ثانی آیت سے مخصوص اوقات میں ہی ان کو کھانا ملنے کا ذکر ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ اُكُلُهَا دائم

کا یہ مطلب ہے کہ اہل جنت سے نعمتہائے جنت منقطع نہ ہوں گی جب اور جس چیز کی خواہش کرینگے اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر وقت کھاتے ہی رہیں گے۔ لیکن غذا سے چونکہ جسم کو قوت حاصل ہوتی ہے اس لئے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی شخص ہمیشہ کھاتا ہی رہے۔ اس لئے اُکُلُهَا دَائِمٌ فرمادیا۔

اسی طرح جنت کی نعمتوں میں اسے بھی شمار کیا گیا ہے کہ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ "یعنی جس پرند کے گوشت کی خواہش کریں گے اسے موجود پائیں گے" اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ وہاں تم کو اس فکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ چڑیاں کہاں ہوں گی، کس مطبخ میں پکیں گی، طباخ کہاں سے آئیں گے، اس جملہ میں یہ فرمادیا کہ آپ کو ان تمام فکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ آپ تو صرف آرزو کرینگے مطلوب آپ کے سامنے ہوگا۔

غرض جنت کی نعمتوں اور لذتوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ جس اجر و انعام کے دینے والے حق تعالیٰ ہوں گے اس کا ہم تصور ہی کیا کرسکتے ہیں جیسی ان کی ذات ہے ان کے شایان شان ان کا اجر و انعام بھی ہے جس کے متعلق خود ارشاد فرماتے ہوں کہ نِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ (اور عمل کرنے والوں کے لئے کیسا اچھا معاوضہ ہے یعنی جس بدلہ وجزا کی تعریف حق تعالیٰ فرمائیں اور جو انھیں پسند آجائے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کس درجے کا ہوگا۔

اقسامِ انعام علماء فرماتے ہیں کہ مومن کو جنت میں جو انعامات ملیں گے وہ دو قسم کے ہوں گے۔ جسمانی اور روحانی۔ اور یہ اس لئے کہ خود انسان مرکب بھی ان دونوں ہی چیزوں سے ہے تو چونکہ اس نے یہاں، دنیا میں جو عمل کیا ہے اس میں اسکا جسم بھی شریک رہا ہے اس لئے آخرت میں جب جزا دیجائے گی جو جس طرح روح کی لذت و فرحت کا سامان کیا جائے گا اس کے جسم کو بھی جنت میں جسمانی نعمتیں یعنی کھانا، پینا، لباس وغیرہ ملے گا حتیٰ کہ عورتیں تک ملیں گی، جن کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا یعنی "ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں"

یعنی بعد مقاربت کے پھر کنواری ہو جائیں گی۔(میں کہتا ہوں یہ بھی اسی لئے ہوگا کہ وہاں کی سب نعمتیں دائم ہیں) اور وہ عورتیں محبوبہ ہیں" یعنی حرکات وشمائل، ناز و انداز، حسن وجمال سب چیزیں ان کی دلکش ہیں" اور اہل جنت کی ہم عمر ہیں" یہ سب نعتیں تو جسم سے متعلق ہوئیں۔ اب روح کے متعلق سنئے:۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (اور اللہ کی رضامندی سب نعمتوں) سے بڑھ کر ہے) اسکے متعلق روح المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رضا کو اکبر اسلئے فرمایا کہ ھُوَ مَبْدَءُ لِحُلُوْلِ دَارِ الْاِقَامَۃِ وَوُصُوْلِ کُلِّ سَعَادَۃٍ وَّکَرَامَۃٍ وَّھُوَ غَایَۃُ اَرَبِ الْمُحِبِّیْنَ وَمُنْتَھَی اُمْنِیَّۃِ الرَّاغِبِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا سب نعمتوں سے بڑھ کر اس لئے ہوگی کہ وہی دخول جنت کا سبب ہے بلکہ ہر سعادت وکرامت تک پہونچنے کا ذریعہ ہے۔ اہل محبت کی خواہشات کی انتہا ہے اور راغبین فی اللہ کی آرزوؤں کا منتہا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! یہ ندا سنکر سب متوجہ ہو جائیں گے اور لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ (اے ہمارے پروردگار! میں آپ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوتا ہوں اور آپ کی فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں اور ساری بھلائیاں آپ کے قبضۂ قدرت میں ہیں) کہتے ہوئے حکم کے منتظر رہیں گے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ بتلاؤ کہ تم راضی بھی ہوگئے یا نہیں سب کے سب عرض کرینگے اے ہمارے پروردگار نہ راضی ہونے کی کیا وجہ۔ آپ نے تو ہمیں اتنا عطا فرمایا ہے کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اتنا نہیں دیا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمائیں گے کہ اچھا اس سے بھی بڑھ کر کچھ اور چیز دوں؟ عرض کریں گے کہ اس سے بڑھ کر کسی اور نعمت کا ہونا تو ہماری چشم تصور میں بھی نہیں۔ حق تعالیٰ فرمائینگے کہ میں اپنی رضا تم سے متعلق کرتا ہوں اور اب اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

سبحان اللہ! ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (بڑی کامیابی یہی ہے) یہاں ذٰلِکَ کا

اشارہ عام طور پر جمیع مذکورات کی جانب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن صاحب روح المعا
نے ایک قول رضوان کی جانب اشارہ کا بھی نقل فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں
کہ یہ ایک بڑی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی نعمتیں اور اسکے حظوظ او
جنت و ما فیہا سب ہیچ ہیں۔

جنت و دوزخ سے عموی بے توجہی دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جنت اور ا
نعمتوں کا ذکر کس کس انداز سے فرمایا ہے تاکہ آپ اسکو سُنکر
غافل نہ رہنے پائیں۔ بلکہ اس کا اثر قلب پر لیں اور اسکے عاشق ہو جائیں لیکن
ب دیکھا جاتا ہے کہ نماز و روزے کا تو کچھ خیال بھی ہے مگر جنت و دوزخ کی
جانب ذرا توجہ نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس کے اجمالی ذ
پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ تفصیل کے ساتھ وہاں کی ایک ایک چیز کو بیان کیا ہے
چنانچہ قرآن کریم کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا گذرتا ہو جس میں جنت و دوزخ کا ذکر نہ
ہوا ہو۔ اس سے مقصود حق تعالیٰ کا یہی ہے کہ بندے اسکی جانب توجہ کریں۔ اور
اسکی نعمتوں کی تفصیل بیان کرکے تو گویا مومن کو کھڑا ہی کر دیا ہے۔ اس لئے کہ حقتعالیٰ
نے اس طرح سے بیان کرنے سے طبیعت میں ایک نشاط پیدا ہوتا ہے اور انسان احسان
کا بندہ ہے ہی۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیسی کیسی راحت کا
سامان مہیا فرمایا ہے تو اسکو بھی غیرت آتی ہے اور وہ عمل کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔

جنت اور اسکا شوق عین مطلوب شرعی ہے لہذا جب جنت کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد معلوم ہوا تو اب
اسکے بعد کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ہم جنت سے زاہد ہیں؟ اور
ہم تو ذات و صفات کی سیر کرتے ہیں؟

میں کہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ ان سب امور کی سیر کرا رہے ہیں تو کون ہے جو
ان سے زہد اختیار کرے اور پھر اپنے آپ کو طالب مولیٰ بھی سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہی جب
کسی چیز کی جانب توجہ دلائیں، اُدھر توجہ نہ کروگے تو پھر کدھر کروگے۔ وہ اگر جنت کا شوق
دلائیں تو اس سے رغبت کرنا پڑے گا اور اب زہد جائز ہی نہ ہوگا ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
(جب سلطان دین یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہم سے طمع چاہیں تب بھی ہم قناعت کریں تو ایسی قناعت پر خاک پڑے)

لیکن بعض مرتبہ نیک لوگ بھی ایسے الفاظ فرما دیتے ہیں جن سے بظاہر جنت کی عظمت اور وقعت میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حضرات اہل حال ہیں تو خیر معذور ہیں ورنہ ایسا کلام جائز نہ ہوگا مثلاً ایک بزرگ فرماتے ہیں سه

سوئے جناں بھی آنکھ اٹھاتا ہے، بار دل　　گردن جھکائے دیکھ رہا ہوں بہار دل

اسکے متعلق مشائخ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ سالک پر کوئی وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ جس میں اسکی توجہ و التفات حق تعالیٰ کی جانب خاص ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ "یعنی مجھ پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی جانب ایسی توجہ رہتی ہے کہ اس میں کسی نبی مرسل اور ملک مقرب کی گنجائش نہیں ہوتی تا بدیگراں چہ رسد"

ان اوقات میں توجہ دوسری طرف جائز نہیں۔ تو اب جس کا یہ حال ہو کہ اسکی توجہ خالق کی جانب ہو تو بیشک اُدھر سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی جانب التفات کرنا یہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی جانب التفات کرنا ہوگا جو جائز نہیں ہے۔ باقی جب یہ کیفیت نہ حاصل ہو اور اس کے قلب کا یہ حال نہ ہو تو اسکے لئے تو جنت کی جانب توجہ کرنی ہی ہوگی اور جنت تو بڑی چیز ہے، بیوی بچوں کی جانب توجہ کرنی ہوگی چنانچہ اس شخص کے لئے جنت سے زہد اور نعمائے جنت سے استغناء کمال تو کیا ہوتا جائز بھی نہیں ہے۔ روح المعانی میں وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (اسکی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اسکے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں) کے تحت لکھا ہے کہ:-

وَفِی الْاٰیَۃِ دلیل علیٰ ان رجاء الرحمۃ وخوف العذاب مما لا یخل بکمال العابد۔ وشاع عن بعض العابدین انہ قال لست اعبد اللہ تعالیٰ رجاء

جنته ولاخوفا من ناره والناس بين قادح لمن يقول ذالك ومادح والحق التفصيل وهوان من قاله اظهاراً للاستغناء عن فضل الله تعالیٰ ورحمته فهو مخطئٌ کافرٌ ومن قال لاعتقاد ان الله عز وجل اهل للعبادة لذاته حتی لو لم یکن هناك جنة ولا نار لکان اهلاً ان یعبد فهو محقق عارف کما لا یخفیٰ (ص ۹۳ پ۵) (آیت میں دلیل ہے کہ رحمت کی امید اور عذاب کا خوف یہ امور عابد کے کمال کے منافی نہیں۔ چنانچہ بعض عابدین کی یہ بات جومشہور ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں اللہ تعالےٰ کی عبادت اسکی جنت کے لالچ اور اسکی دوزخ کے خوف سے نہیں کرتا۔ تو بعض لوگوں نے اس قول کو پسند نہیں کیا۔ اور بعضوں نے ان کے اس قول پر اظہار مسرت کیا۔ اور حق اس مسئلہ میں تفصیل ہے یعنی جس شخص نے ان کلمات کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے استغنار ظاہر کرتے ہوئے کہا وہ خطا کار ہے بلکہ کافر ہے۔ لیکن جس شخص نے اس بات کو یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے مستحق عبادت ہیں یہانتک کہ اگر جنت اور دوزخ نہ بھی ہوتی تب بھی عبادت کیا جانا ان کا حق تھا تو اسمیں شک نہیں کہ یہ قائل محقق اور عارف ہے جیساکہ اہل فہم پر مخفی نہیں۔

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ اس قسم کے کلمات زبان لانا جائز نہیں ہے۔ اللہ ورسول نے تو اس کا اس قدر کثرت سے ذکر کیا ہے اور اس لئے کیا ہے تاکہ آپ کو اس سے عشق ومحبت ہو جائے۔ کیونکہ اصل داعیہ محبت ہی ہے۔ جب جنت کا شوق اور اسکی محبت قلب میں پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح سے جب دوزخ کا خوف قلب پر مستولی ہوگا تو پھر طاعت کا کرنا اور معاصی سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ اسی وجہ سے قرآن شریف کی تلاوت مشروع فرمائی گئی کہ انسان ان مضامین پر سے باربار گذرے اوران سے اثر لے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اَلشَّیْءُ اِذَا تَکَرَّرَ تَقَرَّرَ (جب کسی چیز کو باربار کہا جائے گا تو وہ قلب میں جاگزیں جائیگا)

چنانچہ اسی مصلحت سے صوفیا رکرام اللہ اللہ کا ذکر بتلاتے ہیں تاکہ اللہ کا نام بار بار زبان سے کہنے سے یہ دل نشیں ہو جائے۔ غرض یہ خدا کو تو پسند ہو اور آپ اس سے استغنار بھا

کس طرح جائز ہوسکتا ہے ؟ ہاں اگر ایسا بطور استغنا رکے نہ ہو بلکہ اس اعتقاد کے ساتھ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے مستحق عبادت ہیں تو البتہ جائز ہے جیساکہ صاحب ترصیع نے اس مضمون کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے :۔

فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مجھے اس بندے سے تعجب ہے جو میری عبادت جنت کی لالچ سے یا دوزخ کے خوف سے کرتا ہے ۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر میں دوزخ اور جنت نہ پیدا کئے ہوتا تو میں عبادت کا مستحق ہی نہ تھا ۔ عارفین کی عبادت ایسی نہیں ہوتی ۔ چنانچہ حضرت رابعہ بصریہؒ سے بھی منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ ؎

يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ خَوفاً مِّنْ لَظٰى　　　فَلَظٰى قَدْ عَبَدُوْا الَّا رَبَّنَا
وَلِذَا الخُلْدِ صَلَّوْا الَّا لَهٗ　　　شِبْهَ قَوْمٍ يَعْبُدُوْنَ الْوَثَنَا

یعنی لوگ اللہ کی عبادت کرتے ہیں جہنم کے ڈر سے ۔ پس یہ تو جہنم کی پرستش ہوئی نہ ہمارے رب کی ۔ اور جنت کی خاطر لوگوں نے نمازیں پڑھیں نہ خدا کے لئے پس یہ تو اس قوم کی مشابہت ہوئی جو کہ بُت پوجتی ہے ۔"

حاصل کلام یہ کہ جنت چونکہ حق تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اور ان کے دیدار کا محل ہے اسکی جانب تشویق و ترغیب کتاب و سنت میں دی گئی ہے اس لئے اسمیں رغبت کیجائے اور اس سے بھی کسی کو عشق و محبت ہو تو یہ بھی محمود بلکہ مطلوب ہے اور خلوص کے خلاف نہیں ۔ باقی حق تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں اسکی ذات کو پیش نظر رکھنا اور یہ سمجھنا کہ اگر بالفرض ترغیب جنت اور ترہیب نار نہ بھی ہوتی جب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت بندوں پر لازم تھی اس میں شک نہیں کہ یہ ایک اعلیٰ مقام ہے لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس مرتبے پر پہونچ کر انسان جنت سے چڑھنے لگے اور لذائذ جنت سے نفرت کرنے لگے کہ یہ بھی آئین محبت کے خلاف ہے ۔

ع　　عاشقاں جنت برائے دوست می دارند دوست

(خدا کی محبت کے متوالے جنت کو جو دوست رکھتے ہیں وہ اللہ ہی کیلئے دوست رکھتے ہیں اسلئے کہ جنت محل دیدار الٰہی ہے)

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جنت میں جب حوریں ہمارے پاس آئیں گی تو ہم ان سے کہیں گے کہ بی بی قرآن سُننا ہو تو آؤ ورنہ چلی جاؤ۔ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ یہ بزرگ یہاں ایسا فرما رہے ہیں وہاں جائیں گے تو ارادہ بدل جائے گا۔

جنت کی نعمتوں کا طریقہ شکر اللہ تعالےٰ نے مومن کے لئے آخرت میں جن جن نعمتوں کو مہیا فرما رکھا ہے وہاں اس کا شکر ہی یہ ہے کہ ان کو استعمال کیا جائے ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مہمان نواز ہوتا ہے تو اسکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مہمان اسکے اعزاز و اکرام کو قبول کرے اگر کوئی تکلف کرتا ہے تو اسکو اس سے ایذا ہوتی ہے۔ اسی طرح سے سمجھئے کہ جب اللہ تعالےٰ جنت میں ان چیزوں کے ذریعے مومن کا اکرام فرمانا چاہتے ہیں تو اب ان کا استعمال ضروری ہوگا اور ان سے اعراض عجب نہیں کہ شاہی عطیہ کی ناقدری قرار پاکر بے ادبی شمار ہو۔

چنانچہ ازواج اور حوریں جو وہاں مومن کو ملیں گی وہ صلہ و بدلہ ہوں گی دنیا کی ترک شہوت کا۔ اور اللہ تعالےٰ انھیں ظاہری اور باطنی گندگیوں سے طاہر فرما دینگے اسی لئے تاکہ ان سے تمتع کدورات کی آمیزش سے دور رہے۔ کیونکہ عیش تو دراصل آخرت ہی کا عیش ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ (اے اللہ نہیں ہے عیش و راحت مگر صرف آخرت کا) حقیقی عیش یہاں کسی کو میسر نہیں۔ دنیا کو اللہ تعالےٰ نے ایسا بنایا ہی نہیں۔ یہاں جسے آپ عیش سمجھتے ہیں وہ عیش کا دھوکہ ہے۔ حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا کی وقعت میرے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ ملتا۔ دنیا تو غفلت کا نام ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن   نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(جانتے ہو دنیا کس چیز کا نام ہے؟ دنیا خدا سے غافل ہونے کا نام ہے ساز و سامان چاندی سونا بیوی بچوں کا نام دنیا نہیں ہے)

(جاری)

معاصی کبائر وصغائر کے بیان میں علماء کی مستقل تصانیف بھی متعدد موجود ہیں جن میں زیادہ مفصّل اور مشہور کتاب اَلزَّواجِر عَنْ اِقْتِرَافِ الْکَبَائِر علامہ ابن حجر ہیثمی مکّی کی تصنیف ہے جو تقریباً ساڑھے چار سو صفحات کی کتاب دو جلدوں میں ہے اور جس میں چار سو سرسٹھ گناہوں کا مفصّل بیان مع وعید از قرآن وحدیث و آثار سلف کے مذکور ہے۔

لیکن اس وقت ضرورت اسکی تھی کہ مختصر طور اجمالی نقشہ مرتب کیا جائے تاکہ ایک نظر میں انسان اس کو دیکھکر اپنے اعمال واحوال کا جائزہ لے سکے۔ اس غرض کیلئے امام زین الدین ابن نجیم مصری کا ایک رسالہ جو ان کے مجموعۂ رسائل زینیہ میں درج ہے اس کو اردو زبان میں منتقل کر دینا کافی سمجھا،

اس رسالہ میں علامہ موصوف نے اوّل سب کبیرہ گناہوں کی پھر صغیرہ گناہوں کی فہرست دی ہے۔ اس کے بعد صغیرہ وکبیرہ گناہوں کی تعریف پر مفصّل کلام کیا ہے۔ اور اس کے بعد ان میں سے خاص خاص گناہوں کے متعلق کچھ تشریح وتفصیل بھی بیان کی ہے۔ احقر نے بغرض سہولت مناسب سمجھا کہ صغیرہ وکبیرہ کی تعریف پہلے لکھدی جاوے۔ پھر ان کی فہرست۔ اور جس گناہ کے متعلق کوئی تشریح ضروری ہو وہ اسکے ساتھ ہی لکھ دی جاوے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ

گناہِ کبیرہ وصغیرہ کی تعریف

ایک جماعت علماء کا قول تو یہ ہے کہ ہر گناہ کبیرہ ہی ہے کوئی صغیرہ نہیں کیونکہ ہر گناہ میں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت ہے۔ اور مخالفت اللہ اور اسکے رسولؐ کی کتنی ہی کم ہو وہ بھی سخت اور بڑا گناہ ہے۔ اسلئے اس کو صغیرہ نہیں کہہ سکتے۔ پھر صغیرہ کبیرہ کی تقسیم جو معروف ومشہور ہے یہ محض اضافی اور نسبتی ہے کہ بعض گناہ بمقابلہ دوسرے گناہ کے صغیرہ ہوتا ہے۔ شیخ ابو اسحٰق اسفرائنی، قاضی ابو بکر باقلانی، امام الحرمین تقی الدین سبکی، اور عام اشاعرہ کا یہی قول ہے۔ اور

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ گناہ بعض صغیرہ ہیں بعض کبیرہ، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کے کرنے والے کو فاسق، مردود الشہادۃ سمجھا جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے فاعل کو فاسق نہیں کہا جاتا اور اس کی شہادت رد نہیں کی جاتی۔

قسم اوّل کو اصطلاح میں کبیرہ اور ثانی کو صغیرہ کہا جاتا ہے اور پہلی جماعت اور جمہور کا اختلاف بھی درحقیقت محض تسمیہ اور نام کا اختلاف ہے، حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ جمہور علماء جو بعض گناہوں کو صغیرہ کہتے ہیں۔ اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ ان کے کرنے میں کوئی برائی نہیں یا معمولی خرابی ہے بلکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی حیثیت سے ہرگناہ بڑا اور سخت وبال ہے (زواجر ملخصاً) آگ کا بڑا انگارہ جیسا تباہ کن ہے ویسی ہی چھوٹی چنگاری بھی ہے۔ بچھو چھوٹا ہو یا بڑا انسان کے لئے دونوں مصیبت ہیں۔

پھر اصطلاحی کبیرہ وصغیرہ کی تعریف میں علماء کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ علامہ ابن نجیمؒ نے اپنے رسالہ میں تقریباً چالیس اقوال مختلف نقل کئے ہیں۔ اسی طرح سے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے بہت سے مختلف اقوال لکھے ہیں، مگر ان سب میں جو زیادہ جامع اور سلفِ صحابہ و تابعین سے منقول ہے یہ ہے کہ "جس گناہ پر قرآن یا حدیث میں آگ اور جہنم کی وعید بصراحت آئی ہو وہ کبیرہ ہے اور جس پر اس کی تصریح منقول نہیں محض ممانعت وارد ہوئی ہے وہ صغیرہ ہے، حضرت حسن بصریؒ، سعیدؒ ابن جبیر، مجاہدؒ، ضحاکؒ وغیرہم سے یہی تعریف منقول ہے۔ (زواجر)

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس گناہ پر انسان بے پروائی کے ساتھ ڈھیٹ ہوکر اقدام کرے وہ کبیرہ ہے خواہ کتنا ہی چھوٹا گناہ ہو، اور جو گناہ اتفاقی سرزد ہوگیا اور اس کے ساتھ وہ دل میں خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے، ندامت و افسوس ساتھ ساتھ ہیں وہ صغیرہ ہے خواہ کتنا ہی بڑا گناہ ہو۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

بار بار کرنے اور اصرار کرنے

سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے

امام رافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس گناہ کو صغیرہ کہا جاتا ہے وہ اسی وقت تک صغیرہ ہے جب تک اس پر اصرار اور دوام نہ کرے، احیاناً صادر ہو جائے۔ اور جو شخص کسی صغیرہ گناہ پر اصرار و دوام کرے وہ مثل مرتکب کبیرہ ہے۔

نیز جو شخص بہت سے صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو یہاں تک کہ وہ اس کی طاعات پر غالب آجائیں وہ بھی فاسق مردود الشہادۃ ہے (زواجر)

اب وہ فہرست کبائر و صغائر کی علامہ ابن نجیمؒ کے رسالہ سے نقل کی جاتی ہے۔

کبائر

۱۔ زنا (عورت سے بدفعلی) کرنا۔ ۲۔ لواطت (لڑکے سے بدفعلی) کرنا۔ ۳۔ شراب پینا اگرچہ ایک قطرہ ہو۔ اسی طرح تاڑی، گانجہ، بھنگ وغیرہ نشہ کی چیزیں پینا۔ ۴۔ چوری کرنا۔ ۵۔ پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔ ۶۔ ناحق کسی کو قتل کرنا۔ ۷۔ شہادت کو چھپانا جبکہ اس کے سوا اور کوئی شاہد نہ ہو۔ ۸۔ جھوٹی گواہی دینا۔ ۹۔ جھوٹی قسم کھانا۔ ۱۰۔ کسی کا مال غصب کرنا۔ ۱۱۔ میدانِ جہاد سے بھاگنا (جبکہ مقابلہ کی قدرت موجود ہو) ۱۲۔ سود کھانا۔ ۱۳۔ یتیم کا مال ناحق کھانا۔ ۱۴۔ رشوت لینا۔ ۱۵۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ ۱۶۔ قطع رحمی کرنا (قریبی رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا) ۱۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی قول یا فعل کو بالقصد جھوٹ منسوب کرنا۔ ۱۸۔ رمضان میں بلا عذر کے قصداً روزہ توڑنا۔ ۱۹۔ ناپ تول میں کمی کرنا۔ ۲۰۔ کسی نماز فرض کو اپنے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا ۲۱۔ زکوٰۃ یا روزہ کو اپنے وقت پر ادا نہ کرنا (عذر و مرض کی صورتیں مستثنیٰ ہیں)۔ ۲۲۔ حج فرض ادا کئے بغیر مرجانا (اگر موت کے وقت

وصیت کردی اور حج کا انتظام چھوڑا تو اس گناہ سے نکل گیا)۔ ۲۳۔ کسی مسلمان کو ظلماً نقصان پہنچایا۔ ۲۴۔ کسی صحابی کو بُرا کہنا۔ ۲۵۔ علمار اور حفاظ قرآن کو بُرا کہنا، ان کو بدنام کرنے کے درپے ہونا۔ ۲۶۔ کسی ظالم سے کسی کی چغل خوری کرنا۔ ۲۷۔ دیاثت یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کو باختیار خود حرام میں مبتلا کرنا یا اس پر راضی ہونا۔ ۲۸۔ قیادت یعنی کسی اجنبی عورت کو حرام پر آمادہ کرنا اور اس کے لئے دلالی کرنا۔ ۲۹۔ باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا۔ ۳۰۔ جادو سیکھنا اور سکھانا یا اس کا عمل کرنا۔ ۳۱۔ قرآن کو یاد کر کے بھلا دینا (یعنی باختیار خود لاپروائی سے بھلا دیں)، کسی مرض وضعف وغیرہ سے ایسا ہو جائے وہ اس میں داخل نہیں۔ اور بعض علمار نے فرمایا کہ نسیان قرآن جو گناہ کبیرہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا بھول جائے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔) ۳۲۔ کسی جاندار کو آگ میں جلانا (سانپ، بچھو، تتیے کی ایذا سے بچنے کی اگر کوئی اور صورت جلانے کے سوا نہ ہو تو مضائقہ نہیں)۔ ۳۳۔ کسی عورت کو اس کے شوہر کے پاس جانے اور حقوق شوہری ادا کرنے سے روکنا۔ ۳۴۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے مایوس ہونا۔ ۳۵۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔ ۳۶۔ مردار جانور کا گوشت کھانا (حالتِ اضطرار مستثنیٰ ہے)۔ ۳۷۔ خنزیر کا گوشت وغیرہ کھانا (حالتِ اضطرار مستثنیٰ ہے)۔ ۳۸۔ چغل خوری کرنا۔ ۳۹۔ کسی مسلمان یا غیر مسلم ذمی کی غیبت کرنا۔ ۴۰۔ جوا کھیلنا۔ ۴۱۔ مال میں اسراف (مصلحت وضرورت سے زائد خرچ کرنا)۔ ۴۲۔ زمین میں فساد پھیلانا۔ ۴۳۔ کسی حاکم کا حق سے عدول کرنا۔ (ت) ۴۴۔ اپنی عورت کو ماں بیٹی کے مثل کہنا جس کو عربی میں ظہار کہتے ہیں۔ ۴۵۔ ڈاکہ زنی کرنا۔ ۴۶۔ کسی صغیرہ گناہ پر مداومت کرنا۔ (ج) ۴۷۔ معاصی پر کسی کی اعانت کرنا یا گناہ پر آمادہ کرنا۔ ۴۸۔ لوگوں کو گانا سُنانا۔ اور عورت کا گانا مطلقاً (ھ) ۴۹۔ لوگوں کے سامنے ستر کھولنا۔ ۵۰۔ کسی حق واجب کے ادا کرنے میں بخل کرنا۔ ۵۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ سے افضل کہنا۔ ۵۲۔ خودکشی کرنا یا اپنے کسی عضو کو باختیار خود تلف کرنا اور یہ دوسرے کو قتل کرنے سے زیادہ گناہ ہے (ابوداؤد)

۵۳۔ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا۔ ۵۴۔ صدقہ (یا ہدیہ) دے کر احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا۔ ۵۵۔ قضا و قدر (تقدیر) کا انکار کرنا۔ ۵۶۔ اپنے امیر سے غداری کرنا۔ ۵۷۔ نجومی یا کاہن کی تصدیق کرنا۔ ۵۸۔ لوگوں کے نسب پر طعنے دینا۔ ۵۹۔ کسی مخلوق کے لئے بطور نذر و تقرب جانور کی قربانی کرنا۔ ۶۰۔ تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔ ۶۱۔ کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو بلانا یا کوئی بُری رسم نکالنا۔ ۶۲۔ اپنے بھائی مسلمان کی طرف تلوار یا چاقو وغیرہ سے مارنے کا اشارہ کرنا۔ ۶۳۔ جھگڑے لڑائی کا خوگر ہونا۔ ۶۴۔ غلام کو خصی بنوانا یا اسکے کسی عضو کو کٹوانا یا اسکو سخت سزا دینا۔ ۶۵۔ احسان کرنیوالے کی ناشکری کرنا۔ ۶۶۔ ضرورت سے زائد پانی میں بخل کرنا۔ ۶۷۔ حرم محترم میں الحاد و گمراہی پھیلانا (یہ ہر جگہ گناہ ہے مگر حرم میں اشد ہے)۔ ۶۸۔ لوگوں کے پوشیدہ عیوب کو تلاش کرنا اور ان کے درپے ہونا (بن)۔ ۶۹۔ چوسر کھیلنا یا طبلہ سارنگی وغیرہ بجانا (اور ہر ایسا کھیل کھیلنا جس کی حرمت پر علماء کا اتفاق ہے گناہ کبیرہ میں داخل ہے)۔ ۷۰۔ بھنگ کھانا پینا۔ ۷۱۔ مسلمان کا کسی مسلمان کو کافر کہنا۔ ۷۲۔ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے حقوق میں برابری نہ کرنا۔ ۷۳۔ استمناء بالید (اپنے ہاتھ سے مشت زنی کر کے شہوت پوری کرنا)۔ ۷۴۔ حائضہ عورت سے جماع کرنا۔ ۷۵۔ مسلمانوں پر اشیاء کی گرانی سے خوش ہونا۔ ۷۶۔ کسی جانور گائے بکری وغیرہ سے جماع کرنا۔ ۷۷۔ عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔ ۷۸۔ کسی کھانے کو برا کہنا (بنانے یا پکانے کی خرابی بیان کرنا اس میں داخل ہے)۔ ۷۹۔ گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا۔ ۸۰۔ دنیا کی محبت (یعنی دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا) ۸۱۔ بے ریش لڑکے کی طرف شہوت سے نظر کرنا۔ ۸۲۔ کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا۔ ۸۳۔ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا

صغائر

(۱) غیر محرم عورت کی طرف بقصد دیکھنا۔ (۲) شہوت پوری کرنے کیلئے اپنے

ہاتھ سے مشت زنی کرنا[1]۔ (۳) اجنبی عورت کے ساتھ تنہا مکان میں بیٹھنا یا اس کو ہاتھ لگانا۔ (۴) کسی انسان یا جانور پر لعنت کرنا۔ (۵) وہ جھوٹ جس میں کسی کو کوئی نقصان نہ پہونچے۔ (۶) کسی مسلمان کی ہجو کرنا، اگرچہ اشارہ کنایہ سے ہو اور بات سچی ہو۔ (۷) بالاخانہ وغیرہ پر بلا ضرورت چڑھنا جس سے لوگوں کے مکانات سامنے پڑیں۔ (۸) کسی مسلمان سے بلا عذر ترک تعلق رکھنا تین دن سے زائد۔ (۹) بغیر علم و تحقیق کے کسی کی طرف سے جھگڑا کرنا اور بعد علم و تحقیق کے خلاف حق پر لڑائی جھگڑا کرنا۔ (۱۰) نماز میں ہنسنا خود ہنسنا یا کسی مصیبت کی وجہ سے رونا۔ (۱۱) مرد کو ریشمی لباس پہننا۔ (۱۲) اکڑ کر اور اترا کر چلنا۔ (۱۳) کسی فاسق کے پاس بیٹھنا اٹھنا۔ (۱۴) مکروہ اوقات (طلوع و غروب اور نصف النہار کے وقت) میں نماز پڑھنا۔ (۱۵) ایامِ منہیّہ (عیدین اور ایام تشریق) میں روزہ رکھنا۔ (۱۶) کسی مسجد میں نجاست داخل کرنا۔ (۱۷) مسجد میں مجنون یا اتنے چھوٹے بچے کو لے جانا جس سے مسجد کی تلویث کا خطرہ ہو۔ (۱۸) پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا۔ (۱۹) حمام میں بالکل ننگا ہو جانا اگرچہ لوگوں کے سامنے نہ ہو۔ (۲۰) صومِ وصال یعنی اس طرح روزہ پر روزہ رکھنا کہ درمیان میں بالکل افطار نہ کرے۔ (۲۱) جس عورت سے ظہار کر لیا ہو کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کرنا۔ (۲۲) عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا (مجبوری سفر کرنا پڑے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے)۔ (۲۳) کسی کھانے پینے کی ضروری چیزیں اناج وغیرہ کو گرانی کے انتظار میں روکنا۔ (۲۴) کسی چیز کا معاملہ دو شخصوں میں خرید و فروخت کا ہو رہا ہے یا کسی کی منگنی کسی جگہ لگی ہے اس کا جواب ہونے سے پہلے اسکی خریداری یا اس میں پیغام ڈالنا۔ (۲۵) گاؤں والے جو مال شہر میں فروخت کرنے کے لئے لادیں اس کو بطور آڑھت کے فروخت کرنا۔ (۲۶) شہر میں آنے والے مال کو بازار میں آنے سے پہلے شہر سے باہر جا کر خریدنا۔ (۲۷) جمعہ کی اذان کے بعد بیع و شرار کرنا۔ (۲۸) سودے کے عیب کو اس کی بیع کے وقت چھپانا۔ (۲۹) شوقیہ کتا پالنا (شکار کے لئے یا کھیت، باغ، گھر کی حفاظت کیلئے پالا جائے تو جائز ہے)۔ (۳۰) شراب کو اپنے گھر میں رکھنا (۳۱) شطرنج کھیلنا۔

[1] اسکو علامہ ابن نجیمؒ نے کبائر کی فہرست میں بلفظ ناکح الکف شمار کیا ہے اور پھر صغائر میں بلفظ استمنا بالید شمار کیا ہے، مفہوم دونوں لفظوں کا بظاہر ایک ہے اسلئے تکرار و تضاد معلوم ہوتا ہے اور ممکن کہ دونوں کے مفہوم میں ان کے نزدیک کوئی فرق ہو

(۳۲) شراب کی خرید فروخت کرنا (ع)۔ (۳۳) معمولی چیزیں ایک دو دفعہ کی چوری کرنا۔ (۳۴) حدیث سُنانے یا بتلانے پر اجرت ٹھہرانا۔ (ت)۔ (۳۵) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔ (۳۶) غسل خانے یا پانی کے گھاٹ پر پیشاب کرنا۔ (۳۷) نماز میں سَدْل کرنا یعنی کپڑے کو اس کے وضعِ طبعی کے خلاف لٹکانا۔ (۳۸) بحالتِ جنابت (حالتِ غسل) اذان دینا۔ (۳۹) بحالتِ جنابت مسجد میں بلا عذر داخل ہونا۔ (۴۰) نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھکر کھڑا ہونا۔ (۴۱) نماز میں ایک لمبی چادر میں اس طرح لپٹ جانا کہ ہاتھ نکالنا مشکل ہو۔ (۴۲) نماز میں کپڑے یا بدن کے ساتھ کھیل کرنا۔ یعنی بلاضرورت کسی عضو کو حرکت دینا یا کپڑے کو اُلٹ پلٹ کرنا۔ (۴۳) کسی نماز پڑھنے والے کے آگے اس کی طرف رُخ کرکے بیٹھنا یا کھڑا ہونا۔ (۴۴) نماز میں دائیں بائیں یا آسمان کی طرف دیکھنا۔ (۴۵) مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ (۴۶) مسجد میں ایسے کام کرنا جو عبادت نہیں۔ (۴۷) روزہ کی حالت میں بی بی کے ساتھ مباشرت (ننگے ہو کر لپٹنا)۔ (۴۸) روزہ میں اپنی بی بی کا بوسہ لینا جب کہ اس کے حد سے بڑھنے کا خطرہ ہو۔ (۴۹) زکوٰۃ ردّی مال سے ادا کرنا۔ (۵۰) جانور کو پشت کی طرف سے ذبح کرنا۔ (۵۱) سڑی ہوئی مچھلی یا جو مر کر پانی کے اوپر آجائے اس کو کھانا۔ (۵۲) مچھلی کے سوا کوئی اور دوسرا جانور مرا ہوا کھانا۔ (۵۳) حلال و مذبوح جانور کے اعضاء مخصوصہ اور مثانہ وغدود کا کھانا۔ (۵۴) حکومت کی طرف سے (بلاضرورت) چیزوں کا بھاؤ مقرر کرنا۔ (۵۵) لڑکی عاقلہ بالغہ کا اپنا نکاح خود بغیر اجازت ولی کرنا (جب کہ ولی بلاوجہ نکاح میں مانع نہ ہو)۔ (۵۶) نکاح شِغار (یعنی ایک لڑکی کے مہر میں بجائے روپیہ پیسہ کے اپنی لڑکی دینا۔ اور وہ صورت جس کو ہمارے عرف میں آنٹا سانٹا کہتے ہیں، اس میں دونوں لڑکیوں کا مہر علیحدہ علیحدہ مقرر ہوتا ہے، وہ اس میں داخل نہیں، جائز ہے)۔ (۵۷) زوجہ کو ایک سے زائد طلاق دینا۔ (۵۸) زوجہ کو بلاضرورت بائن طلاق دینا (بلکہ رجعی طلاق دینا چاہیئے)۔ (۵۹) بحالتِ حیض طلاق دینا (خلع کی صورت مستثنیٰ ہے) (۶۰) جس طہر میں جماع کرچکا ہے اس میں طلاق دینا۔ (۶۱) مطلقہ بی بی سے بذریعہ فعل (جماع وغیرہ) کے رجعت کرنا (بلکہ اول رجعت قول سے ہونی چاہیئے)۔ (۶۲)

عورت کو تکلیف پہنچانے اور عدت طویل کرنے کے خیال سے رجعت کرنا۔ (۶۳) عورت کو تکلیف پہنچانے کے خیال سے ایلاء کرنا (یعنی اس کے پاس جانے سے قسم کھانا) (۶۴) اپنی اولاد کو چیز دینے میں برابری نہ کرنا (ہاں کسی لڑکے لڑکی میں علم وصلاحیت زیادہ ہونے کے سبب اس کو کچھ زیادہ دیدے تو مضائقہ نہیں ہے)۔ (۶۵) قاضی وحاکم کا مقدمہ کے فریقین کے ساتھ نشست میں یا اپنی توجہ میں برابری نہ کرنا۔ (۶۶) بادشاہ کا انعام قبول نہ کرنا۔ (۶۷) جس شخص کے پاس مال حرام زیادہ، حلال کم ہو اس کا ہدیہ یا دعوت بغیر عذر کے بلا تحقیق قبول کرنا۔ (۶۸) مغصوبہ زمین کی پیداوار سے کھانا۔ (۶۹) مغصوبہ زمین میں داخل ہونا، اگرچہ نماز ہی کے لئے ہو۔ (۷۰) غیر کی زمین میں بغیر اسکی اجازت کے چلنا۔ (۷۱) کسی جانور کا مُثلہ کرنا، یعنی ناک کان وغیرہ کاٹنا۔ (۷۲) کسی حربی کافر یا مرتد کو تین روز تک توبہ کرکے مسلمان ہونے کی دعوت دینے سے پہلے قتل کر دینا۔ (۷۳) عورت مرتدہ کو قتل کر دینا۔ (۷۴) نماز میں جو سجدۂ تلاوت واجب ہو اس کو مؤخر کر دینا یا چھوڑ دینا۔ (۷۵) نماز کے لئے کسی خاص سورت کی قرارت کو مقرر کرنا۔ (۷۶) بغیر ضرورت کے دو آدمیوں کو ایک قبر میں دفن کرنا۔ (۷۷) جنازہ کی نماز مسجد کے اندر پڑھنا۔ (علی روایۃ التحریم)۔ (۷۸) جنازہ کی چارپائی کو ڈولی کی طرح بانس باندھ کر اٹھانا۔ (۷۹) کسی تصویر کے سامنے یا دائیں بائیں ہوتے ہوئے نماز پڑھنا یا اس پر سجدہ کرنا۔ (۸۰) دانتوں کو سونے کے تاروں سے باندھنا۔ (۸۱) سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا۔ (۸۲) مُردے کے چہرے کو بوسہ دینا۔ (۸۳) کافر کو بلا ضرورت ابتداءً سلام کرنا (ہاں وہ سلام کرے تو جواب میں وَعَلَیْکَ یا هَدَاكَ اللّٰهُ کہنا چاہئے)۔ (۸۴) مخالف اسلام قوم کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا۔ (۸۵) خصی غلام سے خدمت لینا یا اس کے کسب سے کھانا (علی

(۸۶) بچوں کو ایسا لباس پہنانا جو بالغ کے لئے ممنوع ہے۔ (۸۷) اپنا دل بہلانے کے لئے گانا (معتمد قول کے مطابق)۔ (۸۸) کسی عبادت کو شروع کرکے باطل کرنا

الفرج بعد الشدّة

از

امام ابوبکر ابن ابی الدنیا کی بہترین شرح

یعنی

مصیبت کے بعد راحت ۱

از

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ العزیز

ناشر

دفتر وصیۃ العرفان

خانقاہ مُصلحُ الامّۃ رح، روشن باغ، الہ آباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ کُلِّ ضِیْقٍ سَعَةً وَّبَعْدَ کُلِّ عُسْرٍ یُّسْرًا وَّاَدْرَكَ عِبَادَ
الرَّحْمَةِ وَاِلَّا لَکَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِھِمْ خُسْرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خِیَرَةِ خَلْقِهٖ وَاَ[illegible]
عِبَادِهٖ وَمُرْشِدِھِمْ اِلَی النِّعْمَتَیْنِ صَبْرًا وَّشُکْرًا وَّعَلٰی [illegible] بِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ ھُدُوْا اِلَی
الطَّیِّبِ [illegible] [illegible]سُوْنَ فِی الْحَالَتَیْنِ عُرْفًا وَّنُکْرًا

(سب تعریف اس ذات کیلئے ہے جس نے تنگی کے بعد کشادگی دی اور مشکل کے بعد آسانی پیدا فرمائی اور اپنے بندوں کیساتھ رحمت کا معاملہ کیا ورنہ ان کا انجام نقصان اور خسارہ ہی ہوتا اور درود وسلام ہو اس کی مخلوق میں سب سے بہتر اور اس کے بندوں کے معتمد علیہ پر، صبر اور شکر کی دو نعمتوں کی طرف رہبری کرنیوالے پر، اور ان کے آل واصحاب پر جو بھلی بری دونوں حالتوں میں عمدہ

قول (وفعل) کی طرف ہدایت یافتہ ہوئے)

امّا بعد : دنیا ایسے تغیرات وحوادث کی آماجگاہ ہے کہ اس کے کسی حال کو کسی وقت قرار نہیں کبھی صبح ہے، کبھی شام، کبھی چاندنی، کبھی اندھیری، کبھی دن چھوٹے کبھی رات، کبھی خشکی اور کبھی برسات ؎

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیس ؎ عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

ایک ہی شخص پر اس کی عمر میں جتنے بڑے بڑے انقلابی دور گذرتے ہیں ان کا بھی احاطہ دشوار ہے۔ ہر شخص پر کوئی نہ کوئی ایسا وقت آتا ہے کہ اسکی فرحت وانبساط اور مسرت وخوشی کی حد نہیں ہوتی، اسے اسوقت بھول کر بھی یہ تصور نہیں آتا کہ یہ حالت مصیبت ورنج کے ساتھ بدل سکتی ہے۔ اسی طرح کیا ہی صاحب حشمت وجلال اور مالک دولت واموال ہو اس پر بھی ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ دنیا کی ساری راحتیں کو بھول جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں، حالانکہ حقیقت وہ ہے جو عرب کے ایک حکیم نے بیان کی ہے ؎

فَرَحٌ وَّحُزْنٌ مَرَّةً ؎ لَا الْحُزْنُ دَامَ وَلَا السُّرُوْرُ

(۸۹) بیوی یا کنیز کے ساتھ کسی ایسے شخص کے سامنے جماع کرنا جو عقل و ہوش رکھتا ہو اگرچہ سورہا ہو (بہت چھوٹا بچہ مستثنیٰ ہے)۔ (۹۰) کسی امیر یا حاکم کے استقبال کیلئے نکلنا۔ (۹۱) لوگوں کا راستہ تنگ کرکے کھڑا ہونا یا راستہ پر بیٹھ جانا۔ (۹۲) اذان سننے کے بعد گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرتے رہنا۔ (۹۳) پیٹ بھرنے کے بعد زیادہ کھانا (روزہ یا مہمان کی وجہ سے کچھ زیادہ کھایا جائے وہ مستثنیٰ ہے) (۹۴) بغیر بھوک کے کھانا (کسی مرض کے سبب بھوک نہ لگے اور قوت کے لئے غذا ضروری ہو تو وہ مستثنیٰ ہے) (ش) (۹۵) عالم، بزرگ، باپ کے سوا کسی کے ہاتھ چومنا۔ (۹۶) محض ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنا (مخاطب کے بہرہ ہونے یا دور ہونے کے سبب زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے بھی اشارہ کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں (ش) (۹۷) تلاوت قرآن کرنے والے کو اپنے باپ یا استاد کے سوا کسی اور کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا۔

نوٹ :۔ فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل گناہ بھی صغائر میں داخل ہیں۔

(۹۸) مسلمان سے بدگمانی کرنا۔ (۹۹) حسد کرنا۔ (۱۰۰) تکبر و خودپسندی۔ (۱۰۱) گانا سننا۔ (۱۰۲) جنابت (غسل کی حاجت) والے کو مسجد میں بلا عذر بیٹھنا۔ (۱۰۳) کسی مسلمان کی غیبت سنکر سکوت کرنا۔ (۱۰۴) مصیبت کے وقت آواز کے ساتھ چلاکر رونا اور سینہ کوبی وغیرہ کرنا۔ (۱۰۵) جو لوگ کسی شخص کی امامت سے ناراض ہوں ان کی امامت کرنا۔ اگرچہ ان کی ناراضی بے وجہ ہو اور اس میں عیب نہ ہو۔ (۱۱۶) خطبہ کے وقت کلام کرنا۔ (۱۱۷) مسجد میں لوگوں کی گردنوں پر پھلانگ کر آگے بڑھنا۔ (۱۰۸) مسجد کی چھت پر نجاست ڈالنا۔ (۱۰۹) راستہ میں نجاست ڈالنا۔ (۱۱۰) اپنا لڑکا جس کی عمر سات سال سے زائد ہو اس کے ساتھ ایک بستر میں سونا۔ (۱۱۱) تلاوتِ قرآن بحالت جنابت یا حیض و نفاس کرنا۔ (۱۱۲) لغو و باطل چیزوں میں وقت ضائع کرنا، مثلاً سلاطین کے ناز و نعمت کا تذکرہ۔ (۱۱۳) بے فائدہ کلام کرنا۔ (۱۱۴) کسی کی مدح میں مبالغہ کرنا۔ (۱۱۵) کلام میں بتکلف قافیہ بندی یا زوردار بنانے

کے لئے تصنع کرنا۔ (۱۱۶) گالی گلوج اور زبان درازی کرنا۔ (۱۱۷) ہنسی، دل لگی پر افراط (زیادتی کرنا)۔ (۱۱۸) کسی کے بھید کو ظاہر کرنا۔ (۱۱۹) احباب واصحاب کے حق میں کوتاہی کرنا۔ (۱۲۰) وعدہ کرنے کے وقت ہی دل میں وعدہ پورا نہ کرنے کا ارادہ ہونا۔ (۱۲۱) دینی امور کی بے حرمتی کے بغیر زیادہ غصہ کرنا۔ (۱۲۲) بے حمیتی کرنا یعنی اپنے عزیز و قریب اور دوست کو باوجود قدرت کے ظلم سے نہ بچانا۔ (غ)۔ (۱۲۳) زکوٰۃ یا حج کو بلا عذر کے مؤخر کرنا (اور بعض کے نزدیک یہ کبائر میں داخل ہے)۔ (۱۲۴) سستی کی وجہ سے جماعت ترک کرنا۔ (۱۲۵) خلاف حق جنبہ داری کرنا۔ (۱۲۶) کسی ذمی غیر مسلم کو "اے کافر" کہہ کر خطاب کرنا جب کہ اس کو اس سے تکلیف ہوتی ہو۔ (۱۲۷) ان لفظوں سے دعا کرنا بِمَقْعَدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ یَا بِحَقِّ فُلَانٍ۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "صغائر و کبائر" میں مذکورہ تعداد اسی ترتیب کے ساتھ لکھی ہے، جس میں تراسی ۸۳ کبائر، ایک سو ستائیس ۱۲۷ صغائر، کل دو سو دس ۲۱۰ ہیں اور علامہ ابن حجرؒ نے اس سے بہت زیادہ تعداد لکھی ہے، پھر جن گناہوں کو ابن نجیمؒ نے صغائر میں شمار کیا ہے ان میں سے اکثر وہ ہیں کہ ان کو ابن حجرؒ نے زواجر میں کبائر میں شمار فرمایا ہے، یہ اختلاف بظاہر صغیرہ کبیرہ کی تعریف کے اختلاف پر مبنی ہے۔ اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ کسی گناہ کے صغیرہ ہونے کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں ہے کہ اس کا ارتکاب معمولی بات ہے یا اس سے بچنے کی زیادہ فکر ضروری نہیں، بلکہ یہ فرق محض ایک اصطلاحی فرق ہے، ورنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی ہونے کی حیثیت سے ہر گناہ شدید اور مصیبت عظیمہ ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہر گناہ سے بچائے۔ آمین۔

اسی پر رسالہ کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امیدوار ہوں کہ اس کو قبول فرمائیں اور سب مسلمانوں کے لئے مفید ونافع بنائیں، شاید اسکی برکت سے اس سراپا گناہ وبال تباہ کو بھی گناہوں سے بچنے کی توفیق ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دیوبند، ۱۳ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ

الکلام فی مصائب الایام اور مصیبت کے بعد راحت رکھا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کیلئے نافع و مفید بنائے۔ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ فِیْ کُلِّ مَکَانٍ وَزَمَانٍ۔ (ہر وقت اور ہر جگہ اسی سے مدد طلب کئے جانے کے لائق ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیث:۔ امام ابو بکر ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ اپنی سند[1] کے ساتھ بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (مصیبت کے وقت) حق تعالیٰ کی رحمت سے زوالِ مصیبت کا انتظار ایک عبادت ہے۔ اور جو شخص تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا حق تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔

حدیث۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی دعا مانگو کہ حق تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے۔ اور افضل عبادت (بعد فرائض کے) یہ ہے کہ آدمی (مصیبت کے وقت) زوالِ مصیبت و فراخیٔ عیش کا منتظر رہے۔

حدیث۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع نعمت کوئی نہیں جو کسی انسان کو دی گئی ہو۔

(ف) کیونکہ صبر ہی ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ مصیبت بھی راحت بن جاتی ہے جس کو صبر کی ہمت و توفیق عطا ہو جائے وہ آخرت میں تو درجاتِ اُخروی سے مالا مال ہوگا ہی دنیا میں بھی کبھی پریشان نہ ہوگا۔

حدیث۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے آیت کریمہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (ہر وقت اس کی اک نئی شان ہے "یعنی کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے" کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی شیونِ مختلفہ یہ ہیں کہ (جب چاہیں) گناہ معاف فرمادیں، مصیبت کو دور فرمادیں، ایک قوم کو سربلند اور دوسری کو پست کردیں۔

حدیث۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سواری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا۔ اچانک آپ نے ارشاد فرمایا:۔

---

[1] امام موصوف نے اس رسالہ میں تمام روایات حدیث کو اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے لیکن عوام کے لئے سند لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے احقر نے بحذفِ اسناد ترجمہ کیا ہے ۱۲ محمد شفیع عفاعنہ

"جب مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو یہ چیز لکھی جا چکی اور دفتر طے کر دیا گیا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر ساری مخلوق مل کر یہ چاہیں کہ تمھیں کوئی ایسا نفع پہنچائیں جو حق تعالیٰ نے تمھارے نصیب میں نہیں لکھا تو ہرگز ان کو قدرت نہ ہوگی۔ اور اگر ساری مخلوق یہ ارادہ کرے کہ تم ایسا نقصان پہنچائے جو تمھارے لئے مقدر نہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکے گی۔"

حدیث[۱۶]۔ حضرت سہیل بن سعد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا:

"اے لڑکے تم چاہتے ہو کہ میں چند کلمات بتلاؤں جو تمھیں (ہر حال میں) نفع دیں۔ ابن عباس نے عرض کیا، ضرور یا رسول اللہ، آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم حق تعالیٰ (کے احکام) کی حفاظت کرو تمھاری حفاظت فرمائیں گے۔ تم حق تعالیٰ کو یاد رکھو تو اسکو (ہر مصیبت کے وقت) اپنے ساتھ پاؤ گے (یعنی اس کی مدد تمھارے شاملِ حال ہوگی)، جب کوئی سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو جو کچھ انسان پر (راحت یا مصیبت) آنے والی ہے وہ لکھی جا چکی ہے (اس کے خلاف نہیں ہو سکتا) اگر ساری مخلوق تمھیں وہ نفع پہنچانا چاہے جو تمہارے لئے مقدر نہیں تو وہ ہرگز اس پر قادر نہ ہوں گے۔ پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہو تو کر لو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ مکروہات اور خلافِ طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور یہ کہ راحت مصیبت کے ساتھ اور فراخی تنگی کے ساتھ ہے (یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا)۔

کثرتِ استغفار فقر و مصائب کا اچھا علاج ہے

حدیث۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص استغفار کی کثرت کریگا حق تعالیٰ اسکو ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی اور بیگمان رزق عطا فرمائیں گے۔ حدیث۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اسکے لئے ہر تنگی سے خلاصی کی صورت نکال دیتے ہیں اور بیگمان رزق عطا فرماتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو خدا تعالیٰ اسکے لئے کافی ہے) اور پھر فرماتے تھے کہ اے ابوذر اگر تمام آدمی اس آیت پر عمل کر لیتے تو سب کو یہی کافی ہو جاتی۔

شی اور رنج تھوڑی دیر کا ہے۔ نہ غم ہمیشہ باقی رہتا ہے نہ خوشی۔)

فارسی میں حضرت حافظؒ کا یہ شعر بھی گویا اسی کا ترجمہ ہے ؎

بنوش بادہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند چناں نہ ماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

(بے فکر ہو کر شراب پیو کہ غم و الم کا زمانہ ہمیشہ نہ رہیگا۔ اگر ویسا نہ رہا تو ایسا بھی نہ رہیگا)

اور کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

شہے کہ تاجِ مرصع صباح بر سر داشت نمازِ شام وراخشت زیرِ سر دیدم

(صبح کے وقت جس بادشاہ نے سر پر تاجِ مرصع رکھا شام کیوقت میں نے اسکے سر کے نیچے اینٹ کا تکیہ دیکھا)

معی جو تاریخ عرب کے مشہور و معروف امام ہیں۔ ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید رمیں پہنچے اور کہا کہ امیر المومنین! ایک شعر سناتا ہوں جو انسان کی نصیحت کیلئے کافی ں کو لکھ لیجیئے اور کچھ پاس نہ ہو تو اپنے کمر بند پر لکھ لیجئے۔ وہ یہ ہے ؎

بِشْ مُوْسِرًا اِنْ شِئْتَ اَوْمُعْسِرًا لَابُدَّ فِی الدُّنْیَا مِنَ الْھَمِّ

خواہ مالدار ہو کر جیو یا تنگدست دنیا میں غم و رنج کا پہونچنا ناگزیر ہے)

دنیا اور اہل دنیا کے عروج و نزول ترقی و تنزل کی داستانیں فقط وہی نہیں جو تاریخ صور دفتروں میں محفوظ نظر آتی ہیں، بلکہ اگر غور کیجئے تو انسان کے گرد و پیش کی کل اور اس کا ذرہ ذرہ ایک درسِ عبرت اور ہر انسانی حالت کی بے ثباتی کی خاموش نان ہے ؎

ہر تجدد ہے غیب کی آواز ہر تغیر میں ہیں ہزاروں راز

انسان جس گھر میں آباد ہے اور اس کو بلا شرکت غیرے اپنا ملوکہ و مقبوضہ خیال کرتا ہے غور کرے کہ اب سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے یہ کس کی ملک تھا اور وہ آج کہاں ہے؟ لے دعویٰ مالکیت کا کیا انجام ہوا۔ متنبی نے خوب کہا ہے ؎

تَمَلَّکَھَا الْاٰتِیْ تَمَلُّکَ سَالِبٍ وَفَارَقَھَا الْمَاضِیْ فِرَاقَ سَلِیْبٍ

لا شخص دنیا کا اس طرح مالک ہوتا ہے جیسے کوئی غاصب دوسرے کی ملک پر قابض ہو جائے اور جانیوالا دنیا

کو اس طرح چھوڑتا ہے جیسے کسی کا مال لوٹ لیا جائے۔

الغرض آفات وحوادث ترقی وتنزل کے انقلابی دور فقط غربا ر ومساکین یا بےکس و
لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دنیا میں آنیوالے ہر انسان کو اس سے دوچار ہونا ناگزیر ہے
محض تقدیر خداوندی کے تابع ہے ؎

ذرہ ذرہ دہر کا پابستہ تقدیر ہے — زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

حوادث کے وقوع سے پہلے اور وقوع کے بعد انسان کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ وہ مسئلہ
بڑے بڑے عقلاء اس میں حیران ہیں، ناخن عقل وتدبیر اس گتھی کے سلجھانے میں کند نظر آتے
لیکن اسلامی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس مسئلہ میں بھی انسان کو
ایسے بلند اور محفوظ مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ تشویش وپریشانی اس کے پاس نہیں آسکتی اور با
آثار کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حوادث کی وہاں تک رسائی نہیں۔ کیونکہ آفات وحوادث بجائے پر
کرنے کے اس کے سکون وجمعیت خاطر میں اضافہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور یہ حال ہوجاتا ہے

نہ شوخی چل سکی باد صبا کی — بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

آج کل ہر جگہ کے مسلمان عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ایسے حوادث وآفات کے
سے گذر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ، جس کو دیکھو پریشان مصیبت زدہ۔ پھر ہر شخص اپنے اپنے خیال
مطابق اس کے علاج وتدبیر میں مشغول ہے، مگر نتیجہ اس کے سوا نہیں۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس لئے خیال آیا کہ آفات ومصائب اور تمام پریشانیوں کا جو نہایت صحیح ومؤثر اور
ومجرب علاج رحیم امت حکیم الحکماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کیلئے تجویز فرما گئے ہیں ان
مسلمانوں کو توجہ دلائی جائے کہ درحقیقت انکے تمام امراض وآفات کا وہی علاج ہوسکتا ہے
اس سلسلہ میں علمائے امت کی بہت سی مستقل تصانیف "الفرج بعد الشدۃ" کے نام سے
ہیں، جن میں سے اسوقت امام حدیث شیخ ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۲ھ کا رسالہ کت
"الفرج بعد الشدۃ" پیش نظر ہے۔ یہ رسالہ ضروری مضامین کو جامع بھی ہے اور مصنف کی جلالت
کی وجہ سے قابل اعتماد بھی۔ اس لئے اس کا ترجمہ مع مختصر شرح کے لکھا جاتا ہے۔ نام اس ترجمہ کا

اور یہاں استطراداً (ضمناً) اسکے متعلق چند باتیں یاد آگئیں وہ بھی بتلادوں. ایک یہ کہ ب کو مناسب ہے کہ بچہ کے ہاتھ سے بھی کبھی کبھی خرچ کرایا کرے کبھی اس کے ہاتھ سے فقیر کو دیا دیا کبھی مدرسہ میں دلوادیا تاکہ انکا حوصلہ بڑھے اور مال کی حرص نہ پیدا ہو دوسرے یہ کہ جب ان کے ہاتھ سے کسی دوسرے کو رقم دلواؤ خواہ فقیر کو یا مدرسہ کو تو اسوقت یہ رقم بچہ کو ہبہ نہ کرو بلکہ اباحت کے طور پر دو ورنہ وہ اسکی ملک ہوجائیگی پھر ہبہ صبی حرام ہوگا۔ اور اگر غلطی سے ایسا ہوجائے تو فقیر سے یا مدرسہ والوں سے رقم واپس لو بلکہ خود بچہ کو اس کے عوض اور رقم دیدو جس میں نیت عوض کی قید ضروری ہے ورنہ یہ مستقل ہبہ ہوگا پہلے کا عوض نہ ہوگا اور مدرسہ والوں، چندہ کرنے والوں کو بھی چندہ لیتے ہوئے ان مسائل کا لحاظ رکھنا چاہئے یہ چندہ جمع کرنے والے ہر شخص کی رقم لے لیتے ہیں خواہ کوئی بچہ دے یا عورت اور ان مسائل کا مطلق لحاظ نہیں کرتے چنانچہ پانی پت میں ایک مدرسہ کے سفیر جو واعظ النساء تھے کہ ہمیشہ عورتوں ہی میں وعظ کہا کرتے تھے تشریف لائے اور چندہ کا وعظ کہا ان کو ایک ہی حدیث یاد تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے عورتو! میں نے تم کو جہنم میں سب سے زیادہ دیکھا ہے بس صدقہ کرکے اپنے کو جہنم سے بچاؤ اگرچہ زیور ہی میں سے ہو۔ اسی حدیث کا ہمیشہ بیان کرتے تھے۔ عورتیں مردوں کے اعتبار سے زیادہ مال دار ہیں کیونکہ تھوڑا بہت زیور ہر عورت کے ہاتھ کان میں ہر وقت ہوتا ہے۔ نیز یہ مردوں سے زیادہ سخی بھی ہیں کیونکہ زیور میں انکو کونسی مشقت پڑی تھی یا تو شوہر نے کما کر بنادیا یا ماں باپ نے جوڑ جاڑ کر چڑھادیا ان کو تو ہر حال میں مفت ہی پڑتا ہے اس لئے چندہ کے وعظ میں ان کے ہاتھ کان سے بہت جلدی زیور نکلنے لگتا ہے وہ سفیر صاحب غالباً اسی لئے عورتوں میں زیادہ وعظ کہتے تھے کہ یہ مال دار بھی ہیں اور عقل سے کوری بھی ہیں ہر شخص کی باتوں سے متاثر ہوجاتی ہیں ان سے چندہ خوب ملے گا۔ چنانچہ ہر وعظ کے بعد ان کے پاس بہت سا زیور جمع ہوجاتا تھا.

ایک دن کسی عورت نے اپنے کان کی سونے کی بالیاں چندہ میں دیدیں سفیر صاحب بڑے خوش ہوئے مگر تھوڑی ہی دیر میں ان کی خوشی کرکری ہوگئی کیونکہ اس عورت کا خاوند

جو گھر میں آیا اس نے بیوی کے کان ننگے دیکھے پوچھا بالیاں کیا ہوئیں کہا مدرسہ کے
چندہ میں دیدیں کہا بیوقوف تو کون تھی دینے والی تجھے پہننے کو دی تھیں یا تیری ملک
بنا دی تھی۔ اس کے بعد وہ سفیر صاحب کے پاس آیا اور کہا آپ کو میری بیوی نے سونے
کی بالیاں چندہ میں دی تھیں وہ واپس کر دیجئے کیونکہ وہ اسکی ملک نہیں ہیں یہ
ملک ہیں اور اس نے میری بغیر اجازت دی ہیں۔ سیدھی اور معقول بات تھی مگر سفیر
کسی طرح واپس دینے کو تیار نہ ہوئے اور اس سے جھگڑا کرنے لگے ان دنوں میں
وہاں گیا ہوا تھا سفیر صاحب میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ آپ معقول بات
کیوں نہیں مانتے اور بالیاں واپس کیوں نہیں دیتے تو انھوں نے بڑا عذر یہ کیا کہ میں تو
روپیہ کی رسید کاٹ کر دے چکا ہوں اب اگر بالیاں واپس دے دوں تو مدرسہ
والے تو مجھ سے روپیہ وصول کرلیں گے کیونکہ رسید کٹی ہوئی ہے۔ میں نے کہا اس کی
تدبیر یوں کیجئے کہ ان سے وہ رسید منگوا لیجئے اور اس پر ان کے قلم سے لکھوا لیجئے کہ ہم نے
یہ چندہ واپس لے لیا اور دستخط کرا کے ایک دو گواہیاں بھی کرا لیجئے۔ اسی طرح
رسید پر جو آپ کے پاس ہے واپسی مع دستخط اور گواہوں کے لکھوا لیجئے پھر مدرسہ
والے آپ سے کچھ نہ کہیں گے۔ یہ تدبیر سن کر مولوی صاحب کے حواس درست ہوئے
ان کا بال بال بچا اور اس غریب کی بالی بچی۔ پس عورتوں سے چندہ لینے والوں کو بڑی
کرنا چاہئے کیونکہ یہ اکثر بدون شوہر سے پوچھے شوہر ہی کے مال میں سخاوت کیا کرتی ہیں
یہ مسائل درمیان میں استطراداً مذکور ہو گئے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس طرح آپ بچہ کے ہاتھ سے رقم دلوا کر بچہ کا نام کر دیتے ہیں
اسی طرح اللہ تعالےٰ آپ کا نام کر رہے ہیں ورنہ بتلائیے کہ جان آپ کی کدھر سے ہوئی
مال آپ کا کدھر سے ہو گیا یہ سب کچھ حق تعالےٰ کا ہے آپ کا نام برائے نام ہے اب
بتلاؤ اس کے عوض میں جو کچھ جنت کی نعمتیں ملیں گی وہ عوض ہے ہرگز نہیں بلکہ سراسر فضل
و رحمت ہے مگر اس برائے نام ملک کا شریعت نے اعتبار کیا ہے اور اس کو ملک حقیقی
ہی کے احکام دیئے ہیں یہ شریعت کا بڑا احسان ہے ورنہ اگر یہ نہ ہو اور حقیقت کو

سئلہ عملاً بھی مان لیا جائے کہ ؎

درحقیقت مالکِ ہر شے خداست ایں امانت چند روزہ نزد ماست

حقیقۃً ہر چیز کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں یہ ساری چیزیں چند روز کیلئے بطور امانت ہمارے پاس ہیں)
عالم میں فساد برپا ہو جائے کوئی کسی کی بیوی کو لے بھاگے کوئی کسی کی نقدی اور
یور پر قبضہ کرلے اور جب مالک کہے کہ یہ تو میری چیز ہے اسکو یہی کہہ کر دھمکا دے
یزی کہاں سے آئی تھی سب چیزیں خدا کی ہیں ہم بھی خدا کے ہیں۔ آج تک تونے برتا
ب ہم برتیں گے۔ اس مسئلہ پر عمل ہونے لگے تو پھر شیخ صاحب بھی پٹھانوں جیسے کام
نے لگیں، اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

سرِ پنہاں ست اندر زیر و بم فاش گر گویم جہاں برہم زنم

راز کے نشیب و فراز میں ایک راز یعنی راز توحید پوشیدہ ہے اگر کھول کر بیان کردوں
تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے)

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہی مطلب بیان فرمایا تھا
اگر توحید کو ظاہر کردوں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ
حید کا تو یہی مقتضا ہے کہ خدا تعالیٰ کے روبرو کسی کی مِلک مِلک نہیں۔

ایک مقام پر مولانا نے اسکے مناسب ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک ایسا ہی
ص ایک شخص کے باغ میں گھس کر انگور کھانے لگا۔ باغبان آگیا تو اس کو دیکھ کر بھی آپ
رے نہیں بے تکلف کھاتے رہے اس نے دھمکایا کہ نامعقول! یہ کیا کر رہا ہے بدون اجازت
ے میرا پھل کھا رہا ہے تو وہ صاحبِ حقیقت بولے بس خاموش رہ بک بک نہ لگا۔ باغ
ا خدا کا پھل بھی خدا کا ہاتھ بھی خدا کا میں بھی خدا کا پھر تو روکنے والا کون ہے؟
س نے نوکر کو آواز دی کہ ایک رستا اور ڈنڈا لانا اور اس میں اسکو جکڑ کر ڈنڈے
ے مارنا شروع کیا اب وہ لگا چلّانے تو باغ والا کہتا ہے کہ بس خاموش رہو رستا
ا خدا کا ڈنڈا بھی خدا کا پھر چلّانے کی کیا بات ہے غرض خوب مارا آخر اس نے
ا عقیدہ سے توبہ کی اور کہا ؎

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار اختیار ست اختیار است اختیار

(اس شخص نے کہا اے مرد دانا! میں نے جبر سے توبہ کرلی (اب مجھے مزید تکلیف نہ دیجئے) یقیناً
آدمی کو اختیار حاصل ہے وہ مجبور محض نہیں)

اہل جبر وہی لوگ ہیں جو حقیقت کے قائل ہیں اور اختیار کے انکار کی وجہ سے شریعت کے منکر ہیں انھوں نے سے "درحقیقت مالک ہر شے خدا است" میں اتنا اور اضافہ کردیا کہ "فاعل ہر شے نیز خدا است" کہ ہر کام کرنے والا بھی انسان نہیں بلکہ خدا ہی ہے اور صفت اختیار سے جو خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے انکار کر بیٹھے ہیں۔

میں کہتا ہوں بہت اچھا اگر انسان کو اختیار کچھ نہیں ہے تو پھر سب کو اعمال صالحہ کے حد بھی جہنم کے لئے تیار رہنا چاہئے کیونکہ آپ نے یہ اعمال تھوڑا ہی کئے ہیں آپ تو ہو۔ تھے جیسے یہاں مجبور ہو آخرت میں بھی مجبور ہو اللہ تعالیٰ جہاں بھیج دیں چلے جانا۔

صاحبو! انسان میں صفتِ اختیار کا ہونا دلیل کا محتاج نہیں بلکہ یہ وجدانی امر ہے ہر شخص وجدان سے اسکو محسوس کرتا ہے کہ ہاں میرے اندر اختیار ہے۔ دیکھئے مرتعش (جس کے ہاتھ میں رعشہ ہو) اور کاتب کی حرکتِ ید میں فرق بیّن ہے پہلا شخص حرکت میں مجبور ہے دوسرا مجبور نہیں (ایک شخص کو ڈھا کر زبردستی اس کا منہ کھول کر کسی نے شراب پلادی اور ایک نے روپیہ ہاتھ میں لیا اور شراب کی بھٹی پر گیا بھاؤ تاؤ کیا اور بوتل خرید کر پی لی۔ کیا دونوں برابر ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ مجبور پہلا شخص ہے۔ دوسرے کو مجبور کوئی نہیں کہہ سکتا ۱۲)

اور یہ ایسا فرق ہے جس کو حیوانات بھی جانتے ہیں اگر آپ کتے یا بھیڑیئے کے ڈھیلا یا لاٹھی ماریں تو وہ لاٹھی ڈھیلے پر حملہ نہ کریگا بلکہ آپ پر حملہ کرے گا وہ بھی جانتا ہے کہ لاٹھی اور ڈھیلے کی خطا نہیں وہ تو مجبور ہے خطا آدمی کی ہے جو اختیار سے ہم کو ستا رہا ہے بہرحال اگر شریعت نہ ہو تو حقیقت سے تو سارے عالم میں فساد ہو جائے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ شریعت نے جو انسان کے برائے نام ملک اور اختیار کو تسلیم کرکے اس کے احکام مقرر کئے ہیں اس سے یہ تو مقصود نہیں کہ تم حق تعالےٰ

کے سامنے بھی اپنی ملک جتلایا کرو۔ بس انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیقت پر نظر رکھے کہ اپنی جان کو اپنی جان نہ سمجھے نہ مال کو اپنا مال سمجھے نہ اپنے کمالات کو اپنے کمالات سمجھے بلکہ سب کو عطایائے حق سمجھتا رہے اور بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے شریعت پر نظر رکھے۔ یہ ایک اشکال تھا جس کو میں نے درمیان میں حل کر دیا۔

اہتمام حسنات و اجتناب سیئات | اب اصل بات کی طرف عود کرتا ہوں کہ تم حق تعالیٰ سے حساب نہ کرو اور شعبان و رمضان میں تفاوت نہ کرو جب موقع ہو فوراً خرچ کر دو تمکو کیا خبر کہ اسوقت کتنا ثواب ملا، رمضان سے کم ملا یا زیادہ۔ کیا عجب ہے کہ اس وقت ضرورت کے وقت جو مسکین کو سہارا مل گیا ہے اسکی دعا عرش تک گئی اور پرگئی ہوگی اور اس دعا سے تم کو کیا کچھ ملا ہوگا اور مان لو کہ اسوقت رمضان سے کم ہی ثواب ملا تو تم کو کیا خبر ہے کہ رمضان تک تم زندہ رہو یا نہ رہو۔ اور یوں امید تو پہلے زمانہ میں بھی کسی کو نہ تھی کہ ایک دن یقیناً زندہ رہیں گے مگر پہلے زندگی کی ایسی ناامیدی بھی نہ تھی جیسی آج کل ہوگئی ہے کیونکہ آئے دن نئی نئی وبائیں قسم قسم کی بلائیں آتی رہتی ہیں اب تو ایک دن کا بھی بھروسہ نہیں، اگر کہو کہ ہم وصیت کر جائیں گے کہ رمضان میں اتنی رقم دیدی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وصیت کا ثواب اپنے ہاتھ سے دینے کے برابر نہیں۔ دوسرے کیا بھروسہ ہے کہ ورثہ ادا کریں گے یا نہیں۔ یہ غلطی تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جو راغب الی الخیر ہیں اور جو راغب الی الخیر نہیں ہیں ان کے یہاں تو رمضان کا مہینہ آتا ہی نہیں جیسا ایک جنٹل مین کا قصہ ہے کہ رمضان میں ایک دوست ان سے ملنے گئے تو دیکھا وہ بے تکلف ناشتہ کر رہے سگریٹ پی رہے ہیں۔ کہا کیا آپ رمضان میں ایسا کرتے ہیں۔ کہنے لگے رمضان کیا ہوتا ہے کہا ایک مہینہ کا نام ہے تو جنٹل مین نے مہینوں کی گنتی شروع کی جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل۔ مئی۔ جون۔ جولائی۔ الخ کہا ان میں تو رمضان کا نام کہیں بھی نہیں۔ یہ تو نمبر اول کے جنٹل مین تھے اور جو نمبر دوم کے جنٹل مین ہیں انکے یہاں رمضان آتا تو ہے مگر بلائے بے درماں کی طرح آتا ہے کیونکہ وہ سارے سال

تومشغول رہتے ہیں جنوری فروری مں رمضان کی خبران کوایک دم ہو جاتی ہے کہ آج رمضان آگیا تو وہ گھبرا کر کہتے ہیں کہ ابھی ابھی تو گیا تھا ابھی پھر آگیا۔

صاحبو! مسلمانوں کو شمسی حساب میں ایسا غلو نہ چاہئے کہ سال بھر بھی اسلامی مہینوں کی خبر نہ ہو۔ یہ میں نے مانا کہ تجارتی ضرورتیں شمسی حساب پر مجبور کرتی ہیں تو میں اس سے منع نہیں کرتا آپ تجارتی کاغذات میں اسی سے حساب رکھئے مگر نجی معاملات میں کونسی مجبوری ہے۔ دوستوں کو جو رات دن خطوط لکھے جاتے ہیں ان میں شمسی حساب کی کیا ضرورت ہے۔ اسکو چھوڑو اور اپنی نجی خط وکتابت میں قمری حساب کو استعمال کرو۔ غرض اسمیں شک نہیں کہ رمضان میں تضاعف حسنات ہوتا ہے اور اسلئے تمام سال میں رمضان کا مہینہ سب مہینوں سے افضل ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں جو لوگوں نے سمجھا ہے کہ اسکی وجہ سے طاعات کو دوسرے مہینوں پر ملتوی رکھتے ہیں کہ رمضان میں کریں گے۔

یاد رکھو کہ شارع کا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ ایک تو یہ غلطی تھی ایک دوسری غلطی پر اور متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ لوگوں نے رمضان کے فضائل میں سے بس یہی یاد کر لیا ہے کہ اس میں حسنات کا تضاعف ہوتا ہے اور یہ نہیں یاد رکھا کہ گناہ کا بھی تضاعف ہوتا ہے کیونکہ مبارک مکان و مبارک زمان میں جس طرح نیکی بڑھتی ہے گناہ بھی بڑھتا ہے جیسا زنا کرنا ہر جگہ بُرا ہے مگر مسجد میں کرنا بہت ہی برا ہے۔ اسی طرح رمضان کا گناہ اور دنوں کے گناہ سے سخت ہوگا۔ پس رمضان میں جیسا کہ طاعات وحسنات کا اہتمام ضروری ہے ایسا ہی سیئات سے اجتناب بھی سخت ضروری ہے۔ مگر یار لوگوں نے گناہوں میں بھی وہی خانہ ساز حساب لگایا ہے جو حسنات میں لگایا تھا یعنی اللہ تعالیٰ سے ضابطہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ علماء سے پوچھتے ہیں کہ یہ کام کرنا کیسا ہے وہ بتلاتے ہیں کہ گناہ ہے تو اس کے بعد سوال ہوتا ہے کہ یہ چھوٹا ہی سا گناہ ہے یا بڑا گناہ ہے میں ایسے نامعقولوں کو یہ جواب دیتا ہوں کہ کیوں صاحب اگر چھوٹا گناہ ہوا تو آپ کا ارادہ کرنے کا ہے؟ اگر کہے ہاں تو میں کہتا ہوں کہ پھر مجھے بھی اجازت دو کہ تمھارے گھر کے چھپر میں ایک چھوٹی سی چنگاری

رکھ دوں اور اگر کوئی ایسا کرے اور یہ کہے کہ یہ تو ذرا سی چنگاری ہے اس کا کیا حرج ہے تو تم گوارا کر لوگے ؟ اس کا جواب سب یہی دیتے ہیں کہ نہیں کیونکہ ذرا سی چنگاری کا بڑھ جانا کیا مشکل ہے۔ خدا بُری گھڑی نہ لائے۔ تو حضرت اس [illegible] کا بڑھ جانا کیا مشکل ہے خصوصاً گناہ کا اثر گناہ تو ایسا ہے جس کا بڑھنا بڑے [illegible] کا ہے اور اسی سے لوگ بہت بے فکر ہیں یعنی نگاہِ بد۔

کانپور میں ایک صاحب بوڑھے تھے پابند صوم وصلوٰۃ تہجد گزار تھے مگر اس مرضِ بدنظری کی بدولت ایک یہودن کے عشق میں گرفتار تھے اور یہ حال ہوا کہ ایک دن میرے سامنے رونے لگے اور کہا کہ اس عشق نے تو میرا ایمان بھی برباد کر دیا نہ میرا اسلام رہا نہ ایمان۔ بس اگر وہ یہودن ہے تو میں یہودی ہوں اور وہ مسلمان ہے تو میں مسلمان ہوں میں نے کہا توبہ کرو توبہ۔ یہ کیا بکتے ہو مگر وہ ایسے بے خود تھے کہ باوجود میرا ادب کرنے کے میرے سامنے بھی ایسے کلمات کفر کہہ گئے۔ حضرت یہ نظرِ بد سخت خطرناک ہے حدیث میں ہے اَلنَّظَرُ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ (نظرِ بد شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے) اور ایک شاعر کہتا ہے ؎

درونِ سینۂ من زخم بے نشان زدۂ   بحیرتم چہ عجب تیرِ بے کمان زدۂ

(میرے سینہ کے اندر تم نے ایسا زخم لگایا ہے جس کا نشان بھی نہیں ملتا، میں حیرت زدہ ہوں کتنی عجیب بات ہے کہ تم نے بغیر کمان کے یہ تیر کیسے چلا دیا)

واقعی یہ تیرِ بے کمان ہی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اسلئے رمضان میں تمام گناہوں سے عموماً اور نظرِ بد سے خصوصاً نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے یہ مضمون صرف استطراداً بیان ہو گیا کیونکہ اسوقت جو آیت میں نے پڑھی ہے اور اس سے جو مضمون بیان کرنے کا ارادہ ہے اس کو رمضان سے صرف اسی وجہ سے تعلق نہیں ہے کہ آیت میں انفاق کا ذکر ہے اور رمضان میں انفاق کی فضیلت وارد ہے بلکہ زیادہ تعلق دوسری وجہ سے ہے مگر استطراداً کچھ مضمون انفاق بھی بیان کر دیا گیا کیونکہ آیت میں تو انفاق کا بھی ذکر ہے گو مجھ کو مقصود بالذات دوسرا مضمون ہے۔

ؔ رواہ الحاکم عن ابی حذیفۃ وصح اسنادہ کذا فی تخریج العراقی

پختگی نفس رضائے الٰہی ہے

اب میں اصل مقصود کو شروع کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے ترجمہ آیت کا سننا ضروری ہے تاکہ ترجمہ نہ جاننے والوں کو بھی ربط کا عجیب ہونا معلوم ہو جائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں میں پختگی پیدا کریں (تاکہ انفاق بھی اور دوسرے اعمال صالحہ بھی سہولت سے صادر ہوا کریں، ان لوگوں کے نفد ونفقات کی حالت مثل ایک باغ کی حالت کے ہے جو بلند زمین پر ہے (اس پر یہ شبہ کیا جائے کہ زمین تو نشیب کی اچھی ہوتی ہے جس میں پانی ٹھہرے بلند زمین میں پانی کیوں ٹھہرے گا۔ جواب یہ ہے کہ زمین بلند سے یہ کیونکر سمجھ لیا گیا کہ وہ گنبد ہے بلکہ بلند بھی ہے اور مسطح بھی ہے کیونکہ بلندی پر ہوا لطیف ہوتی ہے)

اسکے بعد ارشاد ہے۔ اَصَابَهَا وَابِلٌ "اسکو موسلا دھار بارش نصیب ہوگئی" تو وہ اپنا پھل دوچند لایا یا چارچند۔ (دو باتیں اسلئے کہی کہ ضعف کے معنی میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ضعف کہتے ہیں مجموعہ مثلین کو تو ضعفین تثنیہ ہے اسکے معنی چار مثل یعنی چارچند کے ہوگئے اور بعض نے کہا ہے کہ ان مثلین میں سے ہر مثل کو ضعف کہتے ہیں ان کے نزدیک ضعفین کا ترجمہ دوچند ہوگا جیسے زوج کبھی ہر فرد کو کہتے ہیں جس کا تثنیہ زوجین بمعنی صنفین آتا ہے اور کبھی مجموعہ فردین کو کہتے ہیں جیسے دو کے عدد کو زوج کہتے ہیں بمعنی مجموعہ عددین)

آگے فرماتے ہیں فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ اور "اگر اسکو موسلا دھار بارش نہ پہونچے تو پھوار بھی کافی ہے" (اَیْ فَطَلٌّ یَکْفِیْهِ اَوْ یَکْفِیْهِ طَلٌّ یا تو طلٌّ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یا فاعل ہے جسکا فعل مقدر ہے اور نکرہ کا مبتدا ہونا جو ممنوع ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ مفید نہیں ہوتا اور اگر مفید ہو تو مبتدا ہونا جائز ہے اور یہاں مفید ہے۔ وجہ افادہ کی یہ ہے کہ یہ صورۃً نکرہ ہے اور معنیً نکرہ موصوفہ ہے کیونکہ طل سے مراد مطلق طل نہیں بلکہ وہ طل ہے جو اس باغ کے لئے اسکو پہونچے)

(جاری)

(۵۳۸) فرمایا کہ وقف بھی چونکہ ایک رکن مذہبی ہے اس لئے گورنمنٹ کی مداخلت اس میں جائز نہیں جیسا کہ نماز و روزہ زکوٰۃ وغیرہ میں مداخلت جائز نہیں۔ اسی طرح نکاح وطلاق میں بھی یہی حکم ہے اگر شبہ ہو کہ شوہر تین طلاق دے کر پھر رکھنا چاہتا ہے تو مطلقہ کا استخلاص عدالت کفار سے تو شرعاً جائز ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گورنمنٹ سے امداد وقوع طلاق کا وہ نہیں لیتی بلکہ اثر طلاق میں امداد چاہتی ہے یعنی طلاق کے بعد جو اس کو آزادی ہونی چاہئے اس میں امداد چاہتی ہے اور اس طرح اپنے کو ضرر سے بچانا چاہتی ہے۔ پھر اگر شبہ ہو کہ وقف میں بھی متولیان سخت گڑبڑی مچاتے ہیں اور مال وقف کو کھا ڈالتے ہیں اور مساکین محروم رہ جاتے ہیں اس طرح مساکین کا ضرر ہوتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ صورت عدم النفع کی ہے نہ کہ ضرر کی۔ اس لئے وقف کو استخلاص مطلقہ پر قیاس نہیں کر سکتے کیوں کہ متولیوں کی گڑبڑی سے مساکین کا ضرر نہیں ہاں عدم نفع ضرور ہے۔ مثلاً کسی کی جیب سے سو روپیہ کا نوٹ نکال کر لے لے یہ تو اس کا ضرر ہے اور اگر کوئی شخص اس کو سو روپیہ کا نوٹ دینے والا تھا مگر دیا نہیں یا کسی نے دینے نہیں دیا تو یہ جس کو دینے والا تھا اس کا ضرر نہیں ہوا۔ بلکہ عدم نفع کی صورت ہوئی بس ضرر اور ہے اور عدم نفع اور۔

(۵۳۹) فرمایا کہ جن چیزوں کی حاجت خیر القرون میں نہیں ہوئی اور خیر القرون کے بعد حاجت پیش آئی ہو اور نصوص ان کے خلاف نہ ہوں، وہ تو مسکوت عنہا ہو سکتی ہیں مظالم حکام تو ہمیشہ ہی پیش آتے رہے لیکن پھر بھی نصوص میں جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ جدید مخترعہ تدابیر مسکوت عنہا نہ ہوں گی بلکہ منہی عنہا ہوں گی کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے ان کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہیں۔

(۵۴۰) فرمایا کہ ہر شخص کا یہ فطری امر ہونا چاہئے کہ مصالح دنیویہ کو شریعت مقدسہ پر مقدم نہ کرے۔

(۵۴۱) مسئلہ خلافت کے متعلق فرمایا کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے اسمیں ضرورت ہے اتفاق کی حدوثاً بھی بقاءً بھی۔ اوّل تو مجھ کو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے۔ لیکن اگر علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے تو بقا کا کون ذمہ دار ہے اس لئے کہ بقا کے لئے صرف ارادت

کافی نہیں بلکہ قہر و قوت کی ضرورت ہے اور وہ قوت امیرالمومنین سے ہے اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیر یا سردار نہیں جوان کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے جو روح اس کام کے کرنے کی۔ تو خلاصہ شرط یہ ٹھہرا کہ مسلمانوں کا کوئی امیرالمومنین ہو۔ اصول شرعیہ کے ماتحت ہو کر کام کرو۔ جوش سے کام مت لو۔ ہوش سے کام لو۔ جوش کا انجام خراب نکلے گا۔ حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو۔ حضرات صحابہؓ تو عین قتال کے وقت بھی حدود کی حفاظت اور رعایت فرماتے تھے جس پر آج ہم کو فخر ہے۔ اگر دین نہ رہا اور احکام اسلام پامال کر کے کوئی کام بھی کیا تو وہ کام پھر دین کا نہ ہو گا۔ کیا یہ دین کی خیر خواہی اور ہمدردی کہلائی جا سکتی ہے۔ اجی جان دینا تو مشکل نہیں مگر یہ تو اطمینان ہو کہ اپنے مصرف پر گئی جان بھی کمبخت دی اور خلجان مول لیا کہ جس کام کے لئے جان دی ہے وہ دین ہے یا نہیں یوں ہی بیٹھے بٹھلائے جا کر جان دینا کون سی انسانیت ہے۔ عوام کے بھروسہ جبکہ ان میں دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا نہایت خطرناک بات ہے اور یہ خطرہ دنیا ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کا اثر دین پر بھی ہو گا اور یہ نہایت قوی اندیشہ ہے۔

(۵۴۲) ایک شخص نے لکھا کہ اکثر سوچا کرتا ہوں کہ بیوی سے چند روز کی جدائی میں تو دل پر بن جاتی ہے۔ دائمی مفارقت کے وقت کیا گزرے گی۔ فرمایا اول تو مومن کی من جانب اللہ اعانت ہوتی ہے۔ وقوع کے وقت اللہ تعالیٰ کا تعلق ایسا غالب کر دیا جاتا ہے کہ دوسرے تعلقات مغلوب ہو جاتے ہیں۔ گو حزن طبعی کسی درجہ میں رہے۔ جیسے موت کی کراہت حیات میں کسی درجہ میں ہوتی ہے مگر عین موت کے وقت اکثر تو یہ کراہت مبدل بہ شوق اور اقل درجہ مبدل بہ گوارائی ہو جاتی ہے۔ کما ورد فی الحدیث "وَيُشَاهِدُ كَثِيرًا"۔

(۵۴۳) فرمایا کہ جنت میں یہ بیبیاں حوروں سے افضل و اجمل ہوں گی۔ اور اجمل ہونا نہ خلافِ عقل ہے نہ خلافِ نقل۔ اس لئے اپنی بیویوں کے ملنے کیلئے دعا کرنا نہ خلافِ عقل ہے نہ خلافِ نقل۔

(۵۴۴) فرمایا کہ ضاد کو صحیح مخرج سے ادا کرنے کا قصد کیا جائے پھر خواہ کچھ ہی ںہ سے نکلے معذور ہے اور اگر قصداً غلط پڑھے گا گناہ ہوگا۔ باقی صحت صلوٰۃ اس یں اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ بلویٰ کے سبب نماز صحیح ہوجائے گی۔ البتہ اقتدا ح خواں کی اس میں بھی اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ غیر قادر علی الادا را تصحیح کے پیچھے نماز ہوجائے گی اور قادر غلط خواں کے پیچھے نہ ہوگی۔

(۵۴۵) فرمایا کہ جانی یا مالی نقصان وغیرہ پر اگر رنج طبعی ہو مگر حق تعالےٰ پر عتراض نہ ہو تو وہ تفویض کے منافی نہیں۔

(۵۴۶) فرمایا کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ تدبیر کرکے اللہ پر بھروسہ کرے مگر شرط یہ ہے کہ وہ تدبیر مباح ہو اور اس میں انہماک نہ ہو۔ توکل بعض کے لئے مطلق تدبیر ظنی کا ترک رنا ہے۔ اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک ردے۔ اور تفویض یہ ہے کہ اس کے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے علق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالےٰ پر اعتراض نہ کرے۔ پس فویض کی حقیقت توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر رضا بہ قضا ہے (التوکل بدایۃ. والتسلیم واسطۃ والتفویض نہایۃ)" توکل ابتدا ہے اور تسلیم درمیانی درجہ ہے تفویض نتہا ہے"

(۵۴۷) فرمایا کہ تکبر کا ایک علاج یہ ہے کہ عادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کئے جائیں مثلاً کپڑے میں پیوند لگا کر پہنے بلکہ غیر میل کا پیوند لگالے۔ اگر اتنا اور کرے کہ ایک ہفتہ یا ایک مہینہ تو ایسا لباس پہنے اور ایک ہفتہ یا ایک مہینہ عمدہ لباس پہنے تو س طرح چونکہ نفس کو زیادہ انقباض ہوگا اس لئے زیادہ مجاہدہ اور جلد اصلاح ہوگی۔

(۵۴۸) فرمایا کہ شیخ اور مرید کی مناسبت کے معنیٰ یہ ہیں کہ شیخ کی سب باتیں رید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں۔ اور یہی مناسبت شرط ہے یعت کی نہ کہ تعلیم کی۔

(۵۴۹) فرمایا کہ حدیث میں۔ عِفُّوْا عَنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ تَعِفَّ نِسَاءُ کُمْ

دُبِرُّوْا آبَاءَکُمْ تَبِرُّکُمْ اَبْنَاءُکُمْ" یعنی تم مسلمانوں کی عورتوں سے بچتے رہو تو تمھاری عورتیں باعصمت رہیں گی۔ تم اپنے باپ کا ادب ملحوظ رکھو تو تمھاری اولاد تمھارا ادب کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دوسروں کی عورتوں پر نظر رکھتا ہے اور ان کی عصمت برباد کرتا ہے اس کی عورتوں کی بھی عصمت برباد ہوجاتی ہے۔

(۵۵۰) فرمایا کہ اگرچہ کفار پر آخرت میں رحمت خاص نہ ہوگی مگر عام رحمت ایک معنی کر آخرت میں ان پر بھی ہوگی۔ کیونکہ جس قدر عذاب کفار کو آخرت میں دیا جائیگا کفار اس سے زیادہ کے مستحق تھے اور حق سبحانہ تعالیٰ اس سے زیادہ پر قادر بھی ہیں، مگر اس استحقاق سے وہ عذاب ہلکا ہی ہوگا۔

(۵۵۱) فرمایا کہ اللہ اللہ کہنا اگر خلوص سے بھی نہ ہو تب بھی بیکار نہیں کہنے سے استعداد تو ہوجائے گی اور یہ اول بار ہی کہنا آئندہ عمل پر معین ہوجائے گا۔ لہٰذا ادنیٰ عمل کو بھی بیکار نہ سمجھو اور کوئی ساعت کسی نہ کسی عمل سے خالی نہ رہنے دو اسی لئے مشائخ نے پاس انفاس تجویز کیا ہے کہ کچھ نہ کچھ سلسلہ رہے۔ ؎

یک چشم زدن غافل زاں شاہ نباشی	شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

"دیکھو آنکھ کی ایک جھپک کے برابر بھی اس شاہ دوجہاں سے غافل نہ ہونا کہ ممکن ہے وہ نگاہ کرم کرے اور تم بے خبر رہو۔"

(۵۵۲) فرمایا کہ شب قدر میں نیند نہ آنے کی تدبیر یہ ہے کہ متفرق اعمال شروع کر دیئے جائیں تاکہ توجہ منقسم رہے۔ کچھ دیر نوافل پڑھ لئے پھر تلاوت کرلی۔ پھر ذکر کرنے لگے، پھر وعظ شروع کر دیا یا سننے لگے اگر تجدید نشاط کے لئے بیچ بیچ میں تھوڑی بات بھی کرلے تو مضائقہ نہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے باتیں کرلیتے تھے، باتیں مقصود نہ تھیں بلکہ طبیعت کی تازگی کے لئے ایسا فرماتے۔ اسی طرح نفس کو خوش رکھ کر جاگے اور اگر تکان ایسا ہوجائے کہ نیند سے بالکل بے قابو ہوجائے تو سو رہے۔ کیونکہ ارشاد ہے فَلْیَرْقُدْ۔ ایسی حالت میں سونے ہی میں فضیلت ہے۔ بہرحال عبدیت مطلوب ہے خواہ سونے میں ہو یا جاگنے میں۔ اپنے کو خدا کے سپرد کر دے جیسا حکم ہو وہی کرے۔ اتباع نفس

کے لئے کچھ نہ کرے۔ یہی عبدیت ہے

(۵۵۳) فرمایا کہ اپنے آپ کو مٹانا جس کو تواضع کہتے ہیں بڑے کام کی اور نفع کی چیز ہے۔ یہ مٹانا وہ چیز ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے بندگان خدا نے سلطنتیں چھوڑ دیں، دنیا بھر کی پرواہ نہ کی۔ کوئی بات تو تھی جس کی بدولت دنیا بھر سے اس کو ترجیح دیتے تھے۔

(۵۵۴) فرمایا کہ تمھارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا، یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے۔ اس معنیٰ کر یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور ایک حیثیت یہ کہ خدا تعالےٰ نے ہم کو اس کی توفیق دی، اس معنیٰ کر یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ خدا کا عطیہ ہے اور حق تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے۔

(۵۵۵) فرمایا کہ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتقا کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل ان کی شان کے موافق ہے اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظر عنایت سے ہو سکتی ہے جس کیلئے ادنیٰ سبب بھی کافی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک ذاکر شاغل کی بخشش محض اس پر ہوئی کہ بے نمک کی کھچڑی خوشی سے کھالی تھی۔

(۵۵۶) فرمایا کہ بی بی کا یہ بھی حق ہے کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اسکی تعداد اپنی اور بیوی کی حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ۔ دس بیس روپے جیسی گنجائش ہو۔

(۵۵۷) فرمایا کہ عورتیں غایت حیا سے آپس میں بھی سلام نہیں کرتیں۔ ایسی شرم قابل ترک ہے جس سے سنت متروک ہو جائے۔ عورتیں مردوں کو گو سلام نہ کریں مگر آپس میں تو سلام کر لیا کریں۔ اور مردوں میں بھی جو محرم ہوں اُن کو سلام کر لیا کریں۔

(۵۵۸) عورتوں کی اصلاح خاوند سے بہ نسبت پیر کے زیادہ ہو سکتی ہے۔

(۵۵۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ

عِنْدَکُمْ" یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں۔ اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قیدی ہو اور ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔ لفظ عوان سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مقید ہو کر رہنے ہی کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشا حیا ہے اور حیا عورت کیلئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہونچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا ان پر ظلم نہیں بلکہ حقیقت میں دل جوئی ہے۔

(۵۶۰) فرمایا کہ قید حبس خلاف طبع کو کہتے ہیں اور جو حبس خلاف طبع نہ ہو اسکو قید ہرگز نہ کہیں گے ورنہ پاخانہ میں جو آدمی پردہ کر کے بیٹھتا ہے اس کو بھی قید کہنا چاہئے مگر اس کو کوئی قید نہیں کہتا کیونکہ یہ حبس خلاف طبع نہیں بلکہ موافق طبع ہے۔ اسی طرح عورتوں کا پردہ میں رہنا قید موافق طبع ہے اس لئے اسکو عرفی قید نہیں کہہ سکتے۔

(۵۶۱) فرمایا کہ مردوں کو غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالٰی نے کس عمدہ پیرایہ میں عورتوں کی سفارش کی ہے۔ فرماتے ہیں وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔ یعنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اگر کسی وجہ سے تم کو وہ ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناپسند ہو اور اللہ تعالٰی نے اس میں بہت بھلائیاں رکھدی ہوں" مثلاً عورت کی بدخلقی پر صبر کرنے سے اجر کثیر کا وعدہ ہے یا مثلاً اس سے کوئی اولاد ہو جائے جو قیامت میں اسکی دستگیری کرے۔

(۵۶۲) فرمایا کہ کبر و عظمت واستیلاء انسان کے لئے احکام تکوینیہ ہیں اور تواضع وانکسار و اضمحلال احکام تشریعیہ۔ پس ایک کی وجہ سے دوسرے کی نفی نہ کی جائیگی اور کبر و عظمت کے مقتضا پر عمل کرنے سے تو تواضع وانکسار و اضمحلال مفقود ہوتے ہیں اس لئے یہ جائز نہیں اور تواضع وانکسار و اضمحلال پر عمل کرنے سے کبر و عظمت کی

نفی نہیں ہوتی کیونکہ تحقیق پھر بھی رہے گی گو درجہ مادہ میں سہی اور مقصود تکوین کا محض تحقیق ہے نہ کہ عمل جیسا کہ تشریع سے مقصود عمل ہے پس یہی صورت متعین ہوگی کہ صفات عظمت صرف درجۂ مادہ تک رہیں اور صفاتِ عبدیت درجہ عمل میں. اس طرح سے دونوں جمع ہوجائیں گے.

(۵۶۳) فرمایا کہ جس کیفیت میں عقلیت کا غلبہ ہوگا وہ اس سے افضل ہوگی جس میں طبیعت کا غلبہ ہوگا کیونکہ طبیعت کے غلبہ میں خطرہ رہتا ہے اختلال نظام اعمال کا بخلاف غلبہ عقلیت کے. اور شان عقلیت کے غلبہ کی کیفیت مشابہ ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام کی کیفیات کے. اسی لئے تو لو تعلمون ما اعلم[1] کے ساتھ دوسروں کیلئے توضحک قلیل وبکاء کثیر وعدم تلذذ بالنساء لازم فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باوجود اس علم کے اُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ کا حکم کیا گیا.

(۵۶۴) فرمایا کہ شیخ کا اتباع مطلق و اطاعت مطلقہ نہ عقائد میں ہے نہ کشفیات میں نہ جمیع مسائل میں نہ امور معاشیہ میں (مثلاً شیخ طالب سے کہے کہ تم اپنی لڑکی کا رشتہ میرے لڑکے سے یا کسی اور سے کر دو) صرف طرق تربیت تشخیص امراض و تجویز تدابیر اور ان مسائل میں ہے جن کا تعلق اصلاح و تربیت باطنی سے ہے. وہ بھی اس وقت تک جب تک کہ ان کا جواز مرید و شیخ کے درمیان متفق علیہ ہو اور اگر اختلاف ہو تو شیخ سے مناظرہ کرنا تو خلاف طریق ہے اور امتثال امر خلاف شریعت ہے ایسی صورت میں ادب جامع بین بین یہ ہے کہ علماء سے استفتاء کر کے یا اپنی تحقیق سے حکم متعین کر کے شیخ کو اطلاع کرے کہ میں فلاں عمل کو جائز نہیں سمجھتا اور ہمارے سلسلہ میں اسکی تعلیم ہے مجھکو کیا کرنا چاہئے. اس پر اگر شیخ پھر بھی وہی حکم دے تو اس شیخ کو چھوڑ دینا چاہئے اور اگر وہ ترک کی اجازت دے تو یہ بھی اسکی متابعت ہے. یہ معنی ہیں اتباع کامل کے یعنی جو مرض نفسانی اس نے تجویز کیا ہو یا جو تدبیر اس نے تجویز کی ہو یا جو عمل مشروع (جس کا مشروع ہونا شیخ و مرید میں متفق علیہ ہو) تجویز کیا ہو، ان چیزوں میں اتباع کامل کرے ذرا بھی اپنی رائے کو دخل نہ دے اور باقی

[1] اگر تم وہ باتیں جانتے جو میں جانتا ہوں [2] میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں نکاح بھی کرتا ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور (کبھی) نہیں بھی رکھتا ہوں

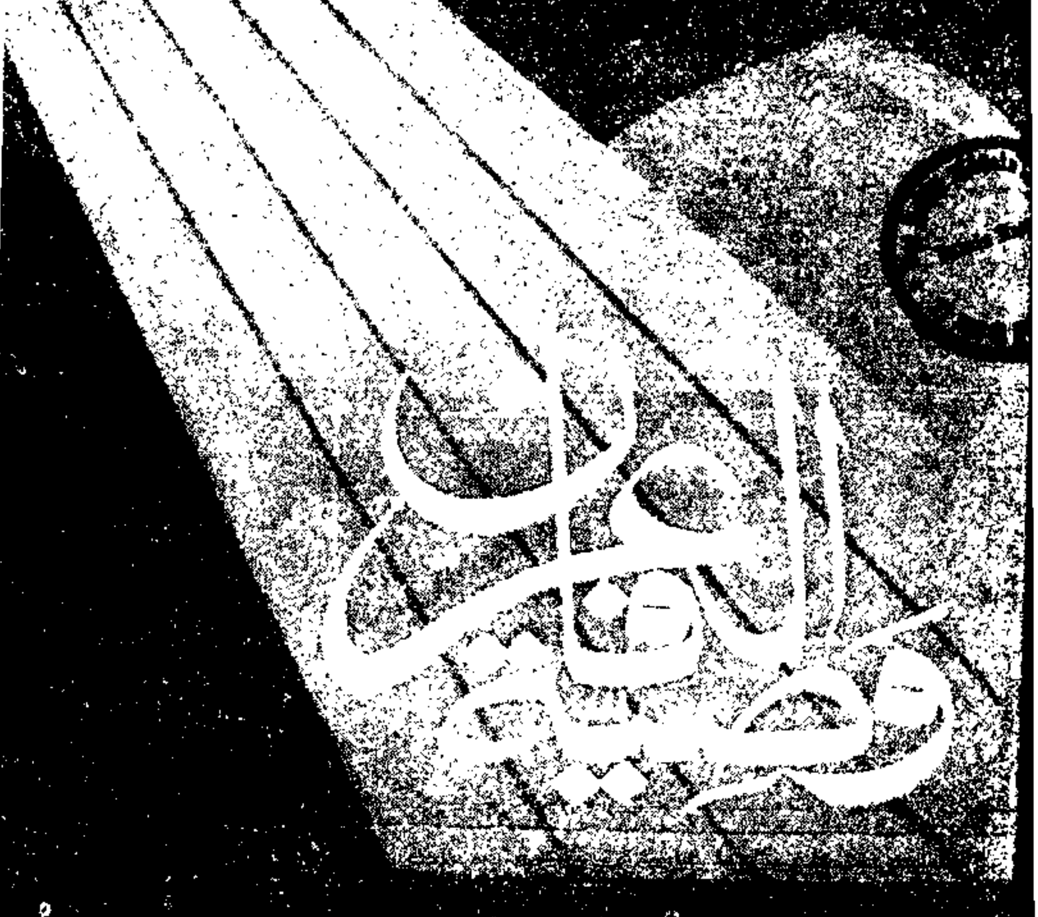
امور میں اتباع مراد نہیں۔

(۵۶۵) ایک اجازت یافتہ کے شغف در شاعری کے متعلق حسب ذیل علاج
شاعری کے دو درجے ہیں ایک تصنیف یعنی شعر گوئی۔ دوسرا درجہ نقل یعنی شعر خو
سو شعر گوئی تو چند روزہ کے لیۓ بالکل ہی چھوڑ دیجیۓ۔ اس چند روز کی کوئی مدّت معین
نہیں اس کی اجمالی حد یہی ہے کہ اگر کبھی بہت ہی تقاضا ہو مجھ کو اطلاع کر کے مشورہ کر
جاوے۔ اگر کسی خاص حدود وقیود سے اجازت مصلحت ہوگی تنگی نہ کی جاۓ گی اور خلا
مصلحت میں توسع نہ کیا جاۓ گا۔ یہ تو شعر گوئی کے متعلق ہوا۔ رہی شعر خوانی بطور مشغلہ کے
اپنے حظ کے لیۓ سو بلا ضرورت تو اس سے بھی بُعد ہی مناسب ہے اور اگر کوئی ذی اثر اصرار
کرے کہ جواب دینے سے طبیعت پر ثقل ہو اس کے لیۓ ایک دستور العمل ٹھہرا لیا جاۓ وہ یہ
(۱) ایک دن میں آدھ گھنٹہ سے ایک گھنٹہ تک وقت دیا جاۓ۔ گھڑی پاس رکھ کر
بیٹھا جاۓ اور صاحب فرمائش سے اوّل کہدیا جاۓ کہ میرے مشیر نے میرے لیۓ یہ تجویز کیا
اگر منظور ہو تو اس قید کے ساتھ حاضر ہوں۔ پھر اس میں اپنی سہولت و مصلحت دیکھ کر اختیا
ہے خواہ گھنٹہ کوئی خاص ہو مثلاً فلاں وقت سے فلاں وقت تک خواہ جس روز جب موقع اور ضرور
ہو۔ اگر دوسرے وقت کوئی فرمائش کرے عذر کر دیا جاۓ کہ کل کو وقت دے سکتا ہوں
ایک روز میں دوبار کی اجازت نہیں۔
(۲) اس گھنٹہ میں سے دس منٹ اور اگر آدھ گھنٹہ ہو تو اس میں سے پانچ منٹ بچا
کوئی نہ کوئی وعظ ضرور پڑھ دیا جاۓ۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی سے اسکی شرط بھی لگالی جاۓ (۳)
اس جلسہ کا بالالتزام دعا پر ختم کیا جاۓ کہ اسمیں جو کدورات وشوائب نفسانیہ ہوں اے اللہ
معاف فرما۔ (۴) اور جتنی دیر یہ مشغولی رہے اندازے سے اتنی ہی دیر استغفار کا شغل رکھا جاۓ۔ اسکے
ایک جگہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں نہ شمار کی ضرورت ہے متفرق اوقات سے اتنا وقت اندازے
پورا کر دیا جاۓ۔ فی الحال یہ معمول ۱۳۵۲ھ کے ختم تک کیلۓ ہے رمضان میں نصف گھنٹہ سے زیا
نہ دیا جاۓ۔ آخر شوال یا اوائل ذیقعدہ میں پھر مشورہ کر لیا جاۓ۔ اور دیگر لسانی گناہوں کو جو لکھا ہے مثلاً غیبت
وغیرہ کہ جس سے دوسروں کی دلآزاری ہوتی ہے تو اسکا علاج فی الحال یہ کافی ہے کہ ایسا ہو جانے کے بعد مخاطب کو خوش کیا
جاۓ بڑے سے معذرت کر کے اور چھوٹے کو احسان کر کے

(جاری)

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ



شمارہ ۶ جون ۱۹۹۳ء جلد ۱۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۴ بخشی بازار الہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۶۔ ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ مطابق جون ۱۹۹۳ء ، جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵- بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳
فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر: صغیر حسن۔ : اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

جن حضرات نے سال رواں ۹۳ء کا زر تعاون ابتک ارسال نہیں فرمایا ہے انکا رسالہ آئندہ ماہ جولائی سے بند کردیا جائے گا اگر آپ نے بھی ارسال نہ فرمایا ہو تو فوراً ارسال فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نمازیں سنّت کے مطابق پڑھئے!!!

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

نماز دین کا ستون ہے، اسکو ٹھیک ٹھیک سنّت کے مطابق ادا کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، ہم لوگ بیفکری کیساتھ نماز کے ارکان جس طرح سمجھ میں آتا ہے، ادا کرتے رہتے ہیں اور اس بات کی فکر نہیں کرتے کہ وہ ارکان مسنون طریقے سے ادا ہوں، اسکی وجہ سے ہماری نمازیں سنّت کے انوار و برکات سے محروم رہتی ہیں، حالانکہ ان ارکان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے سے نہ وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے، نہ محنت زیادہ ہوتی ہے، بس ذرا سی توجہ کی بات ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی توجہ دیکر صحیح طریقہ سیکھ لیں اور اسکی عادت ڈال لیں تو جتنے وقت میں ہم آج نماز پڑھتے ہیں اتنے ہی وقت میں وہ نماز سنّت کے مطابق ادا ہو جائیگی۔ اور اس کا اجر و ثواب بھی اور انوار و برکات بھی آج سے کہیں زیادہ ہوں گے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو نماز کا ایک ایک عمل خوب توجہ کیساتھ سنت کیمطابق انجام دینے کا بڑا اہتمام تھا اور وہ ایک دوسرے سے سنتیں سیکھتے بھی رہتے تھے۔

اسی ضرورت کے پیش نظر احقر نے اپنی ایک مجلس میں نماز کا مسنون طریقہ اور اس سلسلے میں جو غلطیاں رواج پا گئی ہیں۔ انکی تفصیل بیان کی تھی جس سے بفضلہ تعالیٰ سامعین کو بہت فائدہ ہوا بعض احباب نے خیال ظاہر کیا کہ یہ باتیں ایک مختصر سے رسالے کی شکل میں آجائیں تو ہر شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے گا چنانچہ اس مختصر سے رسالے میں نماز کا مسنون طریقہ اور اسکو آداب کے ساتھ ادا کرنیکی ترکیب بیان کرنی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو ہم سب کیلئے مفید بنائیں اور اسپر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نماز کے مسائل پر بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں بحمد اللہ شائع ہو چکی ہیں، یہاں نماز کے تمام مسائل بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف نماز کے ارکان کی ہیئت سنّت کے مطابق بنانے کیلئے چند ضروری باتیں بیان کرنی ہیں، اور اُن غلطیوں اور کوتاہیوں پر تنبیہ کرنی ہے جو آجکل بہت زیادہ رواج

پاگئی ہیں۔ ان چند مختصر باتوں پر عمل کرنے سے انشاء اللہ نماز کی کم از کم ظاہری صورت سنت کے مطابق ہو جائیگی، اور ایک مسلمان اپنے پروردگار کے حضور کم از کم یہ عرضداشت پیش کرسکے گا کہ

ترے محبوب کی یارب! شباہت لیکے آیا ہوں
حقیقت اسکو تو کردے، میں صورت لیکے آیا ہوں

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

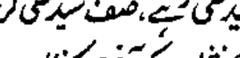
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

نماز شروع کرنے سے پہلے | یہ باتیں یاد رکھئے، اور ان پر عمل کا اطمینان کرلیجئے:۔

(۱) آپ کا رخ قبلے کی طرف ہونا ضروری ہے۔ (۲) آپ کو سیدھا کھڑے ہونا چاہئے اور آپکی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے، گردن کو جھکا کر ٹھوڑی سینے سے لگالینا بھی مکروہ ہے، اور بلا وجہ سینے کو جھکا کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں، اس طرح سیدھے کھڑے ہوں کہ نظر سجدے کی جگہ پر رہے۔ (۳) آپکے پاؤں کی انگلیوں کا رُخ بھی قبلے کی جانب رہے اور دونوں پاؤں سیدھے قبلہ رُخ رہیں (پاؤں کو دائیں بائیں ترچھا رکھنا خلافِ سنت ہے) دونوں پاؤں قبلہ رخ ہونے چاہئیں



(۴) دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگل کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ (۵) اگر جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ کی صف سیدھی رہے، صف سیدھی کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی دونوں ایڑیوں کے آخری سرے صف یا اسکے نشان کے آخری کنارے پر رکھ لے، اس طرح:۔



(۶) جماعت کی صورت میں اس بات کا بھی اطمینان کرلیں کہ دائیں بائیں کھڑے ہونے والوں کے بازوؤں کیساتھ آپکے بازو ملے ہوئے ہیں، اور بیچ میں کوئی خلا نہیں ہے۔ (۷) پاجامے کو ٹخنے کے نیچے لٹکانا ہر حالت میں ناجائز ہے، ظاہر ہے کہ نماز میں اسکی شناعت اور بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا

اطمینان کرلیں کہ پاجامہ ٹخنے سے اُونچا ہے۔ (۸) ہاتھ کی آستینیں پوری طرح ڈھکی ہوئی ہونی چاہئیں، صرف ہاتھ کُھلے رہیں، بعض لوگ آستینیں چڑھا کر نماز پڑھتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ (۹) ایسے کپڑے پہن کر نماز میں کھڑے ہونا مکروہ ہے جنھیں پہن کر انسان لوگوں کے سامنے نہ جاتا ہو۔

نماز شروع کرتے وقت (۱) دل میں نیت کرلیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں۔ (۲) ہاتھ کانوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیوں کا رُخ قبلے کی طرف ہو، اور انگوٹھوں کے سرے کان کی لَو سے یا تو بالکل مل جائیں، یا اُسکے برابر آجائیں، اور باقی انگلیاں اوپر کی طرف سیدھی ہوں بعض لوگ ہتھیلیوں کا رُخ قبلے کی طرف کرنے کے بجائے کانوں کی طرف کرلیتے ہیں۔ بعض لوگ کانوں کو ہاتھوں سے بالکل ڈھک لیتے ہیں۔ بعض لوگ ہاتھ پوری طرح کانوں تک اٹھائے بغیر ہلکا اشارہ سا کردیتے ہیں۔ بعض لوگ کان کی لَو کو ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں۔ یہ سب طریقے غلط اور خلافِ سنّت ہیں۔ انکو چھوڑنا چاہئے۔ (۳) مذکورہ بالا طریقے پر ہاتھ اٹھاتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہیں، پھر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں پہنچے کے گرد حلقہ بناکر اُسے پکڑ لیں باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اسطرح پھیلادیں کہ تینوں انگلیوں کا رخ کہنی کی طرف رہے۔ (۴) دونوں ہاتھوں کو ناف سے ذرا نیچے رکھ کر مذکورہ بالا طریقے سے باندھ لیں۔

کھڑے ہونے کی حالت میں (۱) اگر اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں، یا امامت کررہے ہوں تو پہلے سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ الخ پھر سورۂ فاتحہ، پھر کوئی اور سورت پڑھیں، اور اگر کسی امام کے پیچھے ہوں تو صرف سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ پڑھکر خاموش ہوجائیں، اور امام کی قرأت کو دھیان لگا کر سنیں۔ اگر امام زور سے نہ پڑھ رہا ہو تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ کا دھیان کئے رکھیں۔ (۲) جب خود قرأت کررہے ہوں تو سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر رُک کر سانس توڑ دیں، پھر دوسری آیت پڑھیں، کئی کئی آیتیں ایک سانس میں نہ پڑھیں۔ مثلاً الحمد للہ رب العلمین پر سانس توڑ دیں، پھر الرحمٰن الرحیم پر پھر مالک یوم الدین پر۔ اس طرح پوری سورۂ فاتحہ پڑھیں، لیکن اسکے بعد کی قرأت میں ایک سانس میں ایک سے زیادہ آیتیں بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں۔ (۳) بغیر کسی ضرورت کے جسم کے کسی حصّے کو حرکت نہ دیں، جتنے سکون کیساتھ کھڑے ہوں اتنا ہی بہتر ہے۔ اگر کھجلی وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی صرف سخت ضرورت کے وقت اور کم سے کم۔ (۴) جسم کا سارا

زور ایک پاؤں پر دیکر دوسرے پاؤں کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دینا کہ اسمیں خم آجائے نماز کے ادب کے خلاف ہے اس سے پرہیز کریں، یا تو دونوں پاؤں پر برابر زور دیں، یا ایک پاؤں پر زور دیں تو اس طرح کہ دوسرے پاؤں میں خم پیدا نہ ہو۔ (۵) جمائی آنے لگے تو اسکو روکنے کی پوری کوشش کریں۔ (۶) کھڑے ہونے کی حالت میں نظریں سجدے کی جگہ پر رکھیں، اِدھر اُدھر یا سامنے دیکھنے سے پرہیز کریں۔

رکوع میں | رکوع میں جاتے وقت ان باتوں کا خاص خیال رکھیں :۔

(۱) اپنے اوپر کے دھڑ کو اس حد تک جھکائیں کہ گردن اور پُشت تقریباً ایک سطح پر آجائے نہ اس سے زیادہ جھکائیں، نہ اس سے کم۔ (۲) رکوع کی حالت میں گردن کو اتنا نہ جھکائیں کہ ٹھوڑی سینے سے ملنے لگے۔ اور نہ اتنا اوپر رکھیں کہ گردن کمر سے بلند ہوجائے، بلکہ گردن اور کمر ایک سطح پر ہونی چاہئے۔ (۳) رکوع میں پاؤں سیدھے رکھیں، ان میں خم نہ ہونا چاہیئے۔ (۴) دونوں ہاتھ گھٹنوں پر اس طرح رکھیں کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوئی ہوں، یعنی ہر دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ ہو اور اس طرح دائیں ہاتھ سے دائیں گھٹنے کو، اور بائیں ہاتھ سے بائیں گھٹنے کو پکڑ لیں۔ (۵) رکوع کی حالت میں کلائیاں اور بازو سیدھے تنے ہوئے رہنے چاہئیں ان میں خم نہ آنا چاہیئے۔ (۶) کم از کم اتنی دیر رکوع میں رُکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہا جاسکے۔ (۷) رکوع کی حالت میں نظریں پاؤں کی طرف ہونی چاہئیں۔ (۸) دونوں پاؤں پر زور برابر رہنا چاہیئے اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے کے بالمقابل رہنے چاہئیں۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت | (۱) رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اتنے سیدھے ہوجائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔ (۲) اس حالت میں بھی نظر سجدے کی جگہ پر رہنی چاہیئے۔ (۳) کھڑے ہوتے وقت کھڑے ہونے کے بجائے کھڑے ہونے کا صرف اشارہ کرتے ہیں اور جسم کے جُھکاؤ کی حالت ہی میں سجدے کے لئے چلے جاتے ہیں ان کے ذمے نماز کا لوٹانا واجب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں، جب تک سیدھے ہونے کا اطمینان نہ ہوجائے سجدے میں نہ جائیں۔

سجدے میں جاتے وقت | سجدے میں جاتے وقت اس طریقے کا خیال رکھیں کہ :۔

(۱) سب سے پہلے گھٹنوں کو خم دیکر انھیں زمین کی طرف اس طرح لیجائیں کہ سینہ آگے کو نہ جھکے جب گھٹنے زمین پر ٹک جائیں اسکے بعد سینے کو جُھکائیں۔ (۲) جبتک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں اسوقت تک اوپر

کے دھڑ کو جھکانے سے حتی الامکان پرہیز کریں ـــــ آج کل سجدے میں جانے کے اس مخصوص ادب سے بے پروائی بہت عام ہوگئی ہے۔ اکثر لوگ شروع ہی سے سینہ آگے کو جُھکا کر سجدے میں جاتے ہیں۔ لیکن صحیح طریقہ وہی ہے جو نمبر۱ اور نمبر۲ میں بیان کیا گیا، بغیر کسی عذر کے اسکو نہ چھوڑنا چاہئے (۳) گھٹنوں کے بعد پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک، پھر پیشانی۔

سجدے میں (۱) سجدے میں سر کو دونوں ہاتھوں کے درمیان اس طرح رکھیں کہ دونوں انگوٹھوں کے سرے کانوں کی لَو کے سامنے ہوجائیں۔ (۲) سجدے میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بند ہونی چاہئیں، یعنی انگلیاں بالکل ملی ملی ہوں اور انکے درمیان فاصلہ نہ ہو۔ (۳) انگلیوں کا رُخ قبلے کی طرف ہونا چاہئے (۴) کہنیاں زمین سے اٹھی ہونی چاہئیں، کہنیوں کو زمین پر ٹیکنا درست نہیں۔ (۵) دونوں بازو پہلوؤں سے الگ ہٹے ہوئے ہونے چاہئیں، انھیں پہلوؤں سے بالکل ملا کر نہ رکھیں۔ (۶) کہنیوں کو دائیں بائیں اتنی دور تک بھی نہ پھیلائیں جس سے برابر کے نماز پڑھنے والوں کو تکلیف ہو۔ (۷) رانیں پیٹ سے ملی ہوئی نہیں ہونی چاہئیں پیٹ اور رانیں الگ الگ رکھی جائیں۔ (۸) پورے سجدے کے دوران ناک زمین پر ٹکی رہے، زمین سے نہ اٹھے۔ (۹) دونوں پاؤں اس طرح کھڑے رکھے جائیں کہ ایڑیاں اوپر ہوں اور تمام انگلیاں اچھی طرح مڑکر قبلہ رُخ ہوگئی ہوں۔ جو لوگ اپنے پاؤں کی بناوٹ کی وجہ سے تمام انگلیاں موڑنے پر قادر نہ ہوں وہ جتنی موڑ سکیں، اتنی موڑنے کا اہتمام کریں۔ بلا وجہ انگلیوں کو سیدھا زمین پر ٹیکنا درست نہیں۔ (۱۰) اس بات کا خیال رکھیں کہ سجدے کے دوران پاؤں زمین سے اٹھنے نہ پائیں، بعض لوگ اس طرح سجدہ کرتے ہیں کہ پاؤں کی کوئی انگلی ایک لمحہ کیلئے بھی زمین پر نہیں ٹکتی۔ اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا، اور نتیجۃً نماز بھی نہیں ہوتی، اس سے اہتمام کے ساتھ پرہیز کریں۔ (۱۱) سجدے کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گزاریں کہ تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں۔ پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھالینا منع ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان (۱) ایک سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے دوزانو سیدھے بیٹھ جائیں پھر دوسرا سجدہ کریں، ذرا سا سر اٹھا کر سیدھے ہوئے بغیر دوسرا سجدہ کرلینا گناہ ہے اور اسطرح کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہوجاتا ہے۔ (۲) بایاں پاؤں بچھا کر اُس پر بیٹھیں، اور دایاں پاؤں اسطرح کھڑا کرلیں کہ اسکی اُنگلیاں مڑکر قبلہ رُخ ہوجائیں۔ بعض لوگ دونوں پاؤں کھڑے کرکے انکی ایڑیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں۔ (۳) بیٹھنے کے وقت دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے ہونے چاہئیں۔ مگر انگلیاں گھٹنوں

کی طرف نکلی ہوئی نہ ہوں، بلکہ انگلیوں کے آخری سرے گھٹنے کے ابتدائی کنارے تک پہونچ جائیں۔ (۴) بیٹھنے کے وقت نظریں اپنی گود کی طرف ہونی چاہئیں۔ (۵) اتنی دیر بیٹھیں کہ اسمیں کم از کم ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللہ کہا جاسکے۔ اور اگر اتنی دیر بیٹھیں کہ اسمیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاسْتُرْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ پڑھا جاسکے تو بہتر ہے۔ لیکن فرض نمازوں میں یہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، نفلوں میں پڑھ لینا بہتر ہے۔

دوسرا سجدہ اور اس سے اٹھنا | (۱) دوسرے سجدے میں بھی اسطرح جائیں کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر، پھر ناک، پھر پیشانی۔ (۲) سجدے کی ہیئت وہی ہونی چاہئے جو پہلے سجدے میں بیان کی گئی۔ (۳) سجدے سے اٹھتے وقت پہلے پیشانی زمین سے اٹھائیں، پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔ (۴) اٹھتے وقت زمین کا سہارا نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر جسم بھاری ہو یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مشکل ہو تو سہارا لینا بھی جائز ہے۔ (۵) اٹھنے کے بعد ہر رکعت کے شروع میں سورہ فاتحہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں

قعدے میں | (۱) قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا ذکر کیا گیا۔ (۲) التحیات پڑھتے وقت جب "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ" پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی اٹھاکر اشارہ کریں، اور "اِلَّا اللّٰہ" پر گرادیں۔ (۳) اشارے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں، چھنگلی اور اسکے برابر والی انگلی کو بند کرلیں، اور شہادت کی انگلی کو اسطرح اٹھائیں کہ انگلی قبلے کی طرف جھکی ہوئی ہو۔ بالکل سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے۔ (۴) اِلَّا اللّٰہ کہتے وقت شہادت کی انگلی تو نیچے کرلیں لیکن باقی انگلیوں کی جو ہیئت اشارے کے وقت بنائی تھی، اسکو آخر تک برقرار رکھیں۔

سلام پھیرتے وقت | (۱) دونوں طرف سلام پھیرتے وقت گردن کو اتنا موڑیں کہ پیچھے بیٹھے آدمی کو آپکے رخسار نظر آجائیں۔ (۲) سلام پھیرتے وقت نظریں کندھے کی طرف ہونی چاہئیں۔ (۳) جب دائیں طرف گردن پھیر کر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہیں تو یہ نیت کریں کہ دائیں طرف جو انسان اور فرشتے ہیں، انکو سلام کررہے ہیں، اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود انسانوں اور فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کریں۔

دُعا کا طریقہ :- (۱) دعا کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے جائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو، نہ ہاتھوں کو بالکل ملائیں، اور نہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھیں۔ (۲) دعا کرتے وقت ہاتھوں کے اندرونی حصّے کو چہرے کے سامنے رکھیں۔

البتہ یہ چیزیں کبھی سبب غفلت بن جایا کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لذائذ منعم غفلت ہیں، پس ان کو عیش کیا سمجھا جائے۔ اور آخرت دارالذکر ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں عذاب میں ہوتے ہوئے بھی کفار خدا کو یاد کریں گے مگر چونکہ وہ دار العمل نہیں ہے اس لئے معتبر نہیں۔

تلاوت قرآن کا ایک عظیم فائدہ | بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ اس کے ذریعے مضامین قرآن کا تکرار ہوتا رہے جن میں سے ایک جنت بھی ہے اور اس کا کثرت ذکر سبب بن جائے اس سے محبت کا۔ اب اگر آدمی کے اندر نفاق نہیں ہے اور وہ دل سے قرآن کی تلاوت کرے گا تو ممکن نہیں کہ دنیا اسکے قلب میں باقی رہے اور آخرت اسکے دل میں نہ آجائے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے ذکر و تلاوت کا اثر نہیں لیا تو سمجھو کہ ادھر ہی سے دروازہ بند ہے۔ اب آپ پر ذکر سے اثر نہ ہو تلاوت سے اثر نہ ہو پھر آخر اثر کس چیز سے ہوگا۔

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک | اثر کے متعلق بھی لوگوں میں بڑی ناواقفیت ہے سمجھتے یہ ہیں کہ جب ایک لاکھ بار ذکر کرلیں گے یا پورا قرآن ختم کرلیں گے تب اثر ہوگا تو یہ بات نہیں ہے اثر کے لئے ایک آیت اور ایک بار کا ذکر بھی کافی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی اثر لینے والا ہو۔

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ ذکر کے بعد جو اثر محسوس ہوتا ہے وہ آخری بار کا اثر نہیں ہوتا۔ اثر تو جو آخری بار کا ہوتا ہے وہی اول بار کا بھی ہوتا ہے لیکن پہلی بار کا ذکر محسوس نہ ہوا تھا کچھ مدت کرتے کرتے اب اس کا احساس ہوا ہے۔ پس اس اثر کے پیدا کرنے میں اول بار اور آخر بار دونوں برابر ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے کسی پتھر پر مسلسل پانی گرنے کی وجہ سے گڑھا ہو جائے تو پتھر پر اس اثر کے پیدا کرنے میں صرف آخری قطرے کو دخل نہیں ہے بلکہ جملہ قطرات کو مساوی درجہ میں دخل ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ پہلے دوسرے قطرے کا اثر محسوس نہ ہوا تھا احساس کچھ زمانے کے بعد ہوا۔

اب بھی لوگوں سے کہتا ہوں کہ کامیابی چاہتے ہو تو کام کرو کیونکہ ع

کامیابی تو کام سے ہوگی

ورنہ کام کیا ہے ذکر و فکر۔ تو اس کو نہیں سنتے اور اگر اس پر آئے بھی تو یہ چاہتے ہیں کہ بس تین دن میں کامیاب ہوجائیں۔ حالانکہ آپ نے دیکھا کہ اثر ہونے لئے کچھ مدت درکار ہوتی ہے لیکن بات یہ ہے کہ محنت اور مجاہدے سے گھبراتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا اگر عمل سے اور مجاہدہ کی مشقت سے گھبراتے ہو تو دوسرا کام کرد۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جنت اور دوزخ کی جو نظری سیر کرائی ہے اسی کو کرواور اللہ تعالیٰ کے بیان کی روشنی میں کچھ ان چیزوں ہی کی معرفت حاصل کرو اگر انکی صحیح معرفت حاصل ہوگی تب بھی وہ تم کو چین سے نہ بیٹھنے دیگی۔ باقی کسی کو ذات وصفات کی سیر تو نہ حاصل ہو اور محض دعویٰ کرے کہ ہم ذات وصفات کی سیر کرتے ہیں یہ تو بہت ہی بُرا ہے اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگ ہوئے ہیں جو ذات وصفات کی سیر کرتے تھے۔

چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک بزرگ تھے جو اپنے آپ کو مہدی کہتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کو لکھا تھا کہ سُنا ہے کہ وہاں کوئی بزرگ ہیں جو خود کو مہدی موعود کہتے ہیں ان کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے اور اگر وہ اہل حق میں سے ہوں تو میرے اور میرے احباب کے لئے ان سے دعا کی درخواست فرمادیجئے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے جواب دیا کہ وہ ہیں تو اہل حق میں سے لیکن مہدی موعود نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ایسے مقام پر ہیں کہ اسماء صفات میں سے اسم ہادی کی جب ان پر تجلی ہوئی تو اپنے آپ کو مہدی سمجھ بیٹھے اور چونکہ مخلص تھے اس لئے کسی نے ان کی تردید نہیں کی۔ باقی آپ کے لئے اور آپ کے احباب کیلئے ان سے دعا کراؤں گا۔

غفاریت کی معرفت | تو دیکھئے لوگوں نے اسماء اور صفات کی بھی سیر کی ہے۔ اس پر آپ سے کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم غفور بھی ہے اسکی جس قدر معرفت ایک گنہ گار کو ہوسکتی ہے شاید دوسرے کو اتنی نہ ہوتی ہو۔ اگر ہم اپنے اوپر اسم ہادی کی تجلی نہیں کرسکتے تو غفور ہی کی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے واقعہ اِرَم میں ارضِ سبا کے لیے فرمایا ہے کہ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ

غَفُوْرٌ" (عمدہ شہر اور بخشنے والا پروردگار)

میں کہتا ہوں اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے اور یہاں بلدۂ طیبہ کیا ہے ؟ جنت اور حق تعالیٰ ربِ غفور ہیں جنت کے طیب ہونے میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ جنت مومن کے لئے کرامت ہے اس طرح پر کہ دنیا میں جو چیز باہم انسانوں میں لازم سی ہے وہاں وہ نہ ہوگی یعنی وہاں حسد نہ ہوگا۔ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ" اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم ان کو دور کردیں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی" یہاں دنیا میں تو ایک پیر کے مرید کا مرتبہ اگر زیادہ ہوتا ہے تو دوسرے کو اس پر حسد ہونے لگتا ہے۔ اور اگر حسد نہ بھی ہوا تو غبطہ تو ہوتا ہی ہے۔ لیکن جنت میں یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ ایک کا مقام بڑا ہو اور دوسرے کا کم۔ تو کم درجے والے کو دوسرے پر حسد نہ ہوگا۔ ہماری طرف کے ایک شخص تھے وہ کچھ تھے تو نہیں۔ مگر ڈینگ بہت ہانکتے تھے کہ میں کھلا پلا کر اللہ تعالےٰ تک پہونچا دیتا ہوں۔ وہ تو غلط کہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے متعلق البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ کھلا پلا کر لوگوں کو اپنے تک پہونچا دیتے ہیں۔ اس طرح پر کہ نعمتیں دیتے ہیں اور اس پر شکر کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور بندے کو اسکے ذریعے اپنی معرفت کرا دیتے ہیں بلکہ اپنا عاشق بنا دیتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ "بھائی ہم تو عاشق احسانی ہیں" اور اسمیں شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے احسانات اور انعامات اس قدر ہیں کہ انسان ان کو بنظر اعتقاد دیکھے تو ضرور عاشق ہوئے بغیر رہے نہیں۔ اگرچہ انعامات ہی کی وجہ سے سہی۔ بہرحال عاشق تو ہوگیا۔ آپ نے تو اب تک یہ سنا ہوگا کہ آدمی خواہشات کو ترک کرکے خدا تک پہونچتا ہے۔ مگر یہ عام اور علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ یہ ان خواہشات کے بارے میں ہے جو ممنوع ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو انکی جائز خواہشات عطا فرما کر ان کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا واقعہ | حضرت امام شافعیؒ ایک امیر کے مہمان ہوئے اس کا خادم روناتی

سہ رشک

عمدہ عمدہ کھانوں کی فہرست مرتب کرکے پیش کرتا وہ ہر روز ایک نیا کھانا لکھدیتا
ایک دن امام شافعیؒ نے اس فہرست پر اپنی جانب سے ایک جدید کھانے کا اضافہ فرمادیا۔ کھانے کے بعد اس رئیس نے خادم سے پوچھا کہ آج فلاں کھانا دسترخوان پر کیسے تھا۔ میں نے تو فہرست میں اسکو نہیں لکھا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت امام صاحب نے خود اپنے دست مبارک سے اسکو فہرست پر بڑھادیا تھا یہ معلوم کرکے وہ بہت خوش ہوئے اور اسکو آزاد کردیا۔ خوش اس پر ہوئے کہ امام صاحب نے مجھے بالکل اپنا جانا اور خود اپنے دست مبارک سے لکھ دیا۔ تو دیکھئے اللہ تعالے اپنے مخلص بندوں کی خواہش کو اس طرح پوری فرماتے ہیں۔

حوائج بشریہ بھی عبادت بن جاتی ہیں اب آپ جو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف نماز د روزہ ہی عبادت ہے۔ کھانا پینا اس سے خارج ہے تو میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں تو انسان کا زیادہ وقت غیر عبادت میں گذرتا اسلئے اللہ تعالے نے مومن کے سب ہی کام کو عبادت بنادیا حتی کہ اسکا کھانا پینا بھی عبادت ہے۔ کچھ بزرگ کھانا کھارہے تھے ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان کو سلام کیا۔ ان میں سے کسی نے جواب نہیں دیا۔ اسکو تعجب ہوا کہ سلام کا جواب تو واجب ہے اور یہ لوگ صورت سے نیک بھی معلوم ہوتے ہیں تعجب ہے کہ انھوں نے جواب کیوں نہیں دیا ان حضرات نے بھی اس کے خلجان کو محسوس کیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوگئے تو اسکے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ ہم نے اس وقت جو جواب نہیں دیا تھا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم صوفی لوگ ہیں ہمارا سب کام خدا تعالے کے لیئے ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ کھانا بھی اپنی خواہش نفس کیلئے نہیں تھا بلکہ خدا کے لئے تھا (یعنی تقویٰ علی العبادت "عبادت پر قوت حاصل کرنا کے لئے تھا) اور اس نیت کی وجہ سے ہمارا کھانا بھی عبادت تھا۔ اور مسئلہ ہے کہ عبادت کے وقت اول تو آنے والے کو سلام ہی نہیں کرنا چاہئے اور اگر کوئی کرے بھی تو اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

یہ میں نے اس پر بیان کیا کہ جن چیزوں کو ہم دنیوی سمجھتے ہیں مومن کے نزدیک ایمان کی وجہ سے وہ بھی دین ہوجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان نے جو کہ انسان کا ازلی دشمن

ے کھانے پینے اور پہننے کی راہ سے بھی انسان کو گمراہ کیا ہے جس کے متعلق پہلے مفصل
لام کر چکا ہوں۔ یہانتک کہ اسی کو رد فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
ل مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ
نُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط" آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے
یدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے
ینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے۔ آپ یہ کہدیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت
کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہلِ ایمان ہی کے لئے ہیں"۔

اب اس کے بعد کیا مشکل رہ جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کو اور اپنے تعلق
کو کس قدر آسان فرما دیا ہے۔ اور ان کے تحصیل کا ذریعہ ایسی چیزوں کو بنا دیا ہے جو ہماری
خواہشات اور نفس کی مرغوبات ہیں اس کے بعد بھی کوئی شخص اس طرف نہ آنا چاہے تو اس
کا کیا علاج ہے۔

س دور کا سب سے آسان کام

اسی لئے میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم سے کوئی چیز ہونے والی
نہیں سوائے ایک چیز کے۔ جب یہ کہتا ہوں تو اس کو بہت غور سے سنتے ہیں اور سننے
کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ وہ ہے فساد۔ فساد کرنے کے لئے چاہو
تو کسی بڑے شخص کے مقابل میں آ سکتے ہو اور فاسد کرنا چاہو تو بڑی سی بڑی جگہ کو فاسد کر دو
اور یہ اس لئے کرتے ہو کہ رستے سے ہٹے ہوئے ہو۔ نہ قرآن کا جانتے ہو نہ جنت و دوزخ کو
پہچانتے ہو اور کیسے جان سکتے جبکہ کوئی بتلانے والا نہیں۔ علماء نے بھی آج جنت دوزخ کا
وعظ ترک کر کے رکھدیا ہے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول نے جس کا اس قدر کثرت سے
ذکر کیا ہو علماء کی زبان اس کے بیان کرنے میں لڑکھڑائے؟ لیکن یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آج
اگر مسلمانوں کو کھڑا کیا جا سکتا ہے تو صرف جنت ہی کے وعظ سے۔

خواہشاتِ نفس کو فنا کرنے کا صلہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں جنت کا بھی ذکر فرمایا ہے اور دوزخ
کا بھی پھر ہر ایک کا ذکر اجمالی بھی فرمایا ہے اور تفصیلی بھی۔ اجمالی ذکر
سے تو قرآن شریف کا شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو لیکن کہیں کہیں جنت کی نعمتوں کا ذکر

نہایت ہی تفصیل سے فرمایا ہے۔ اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جانب تشویق وترغیب مقصود ہے۔ چنانچہ سورۃ رحمٰن میں فرماتے ہیں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اسکے لئے دو باغ ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (دونوں باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے کہ بہتے چلے جائیں گے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) فِیْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (ان دونوں باغوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) مُتَّكِئِیْنَ عَلٰی فُرُشٍ ۢ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (وہ لوگ تکیہ لگائے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور ان دونوں باغوں کا پھل بہت نزدیک ہوگا، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ (ان میں نیچی نگاہ والیاں ہوں گی کہ ان لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہوگا اور نہ تو کسی جن نے، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) كَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں، سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے) هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (بھلا غایت اطاعت کا بدلہ بجز غایت عنایت کے اور بھی ہوسکتا ہے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہوجاؤگے)

یہ دیکھئے ہم لوگ بھی آپس کے معاملات اور احسان کرنے کے وقت اس آیت

پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ دنیوی امور کے لئے ہے لیکن حق تعالیٰ اسکو جنت کی نعمتوں کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ چونکہ ہمارے ان مخلص بندوں نے دنیا میں اپنی خواہشات کو فنا کیا تھا اور اپنے لذائذ اور حظوظ کو محض میری خاطر چھوڑا تھا۔ اس لئے ہم اس کا پورا پورا بدلہ انھیں جنت میں دینگے۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ ہر اعتبار سے جزاء کامل ہوگی۔

دیکھئے دنیا میں ان سے ان کی خواہش کو مٹوایا گیا تو جنت کے متعلق فرماتے ہیں وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۞ (اور تمہارے لئے اسمیں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اسمیں جو مانگوگے موجود ہے)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ" یعنی اس میں انھیں وہ چیزیں ملیں گی جن کی وہ خواہش کرینگے اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی"

اسی طرح ایک جگہ فرمایا کہ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۞ (اور چڑیوں کا گوشت جو انکو مرغوب ہو) ترک شہوت کی جزا استعمال شہوت کے ساتھ دی جارہی ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مومن دنیا میں اپنی مشیت کو فنا کر دیتا ہے۔

چنانچہ اس سے یہ مطالبہ ہے کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرے تو انشاء اللہ (اگر خدا چاہے) کہے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجیے کہ میں اسکو کل کر دونگا۔ مگر خدا کے چاہنے کو ملا لیا کیجیے)

لیکن جنت میں مشیت بھی انھیں کے حوالے کر دیجائیگی۔ چنانچہ جنتی جب جنت میں داخل ہوں گے تو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ۞ یعنی یہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں غرض عمل کرنیوالوں کا اچھا بدلہ ہے۔" یعنی یہ نہیں فرمایا کہ جہاں اللہ چاہے بلکہ یہ فرمایا کہ جہاں بندے چاہیں آئیں جائیں

اور اللہ تعالیٰ طاعت کا یہ صلہ کبھی دنیا میں بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں فرماتے ہیں وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ یعنی "ہم نے ایسے عجیب طور پر یوسف (علیہ السلام) کو ملک مصر میں بااختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں" جیسا کہ بادشاہوں کو آزادی ہوتی ہے یعنی یا تو ایک وہ وقت تھا کہ کنویں میں محبوس تھے پھر عزیز کی ماتحتی میں مقید رہے پھر قید خانہ میں بند رہے اور آج یہ خود مختاری اور آزادی عنایت ہوئی۔ "بات یہ ہے کہ ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کردیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے" یعنی دنیا میں بھی نیکی کا اجر ملتا ہے کہ اسکو حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں منصوص بھی ہے۔ فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً "یعنی جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے۔"

اب سورہ رحمٰن کے مضمون کی جانب پھر عود کرتا ہوں :-

آگے فرماتے ہیں کہ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ یعنی "ان دونوں باغوں سے کم درجے میں دو باغ اور ہیں، سو اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے" مُدْهَامَّتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (دونوں باغ گہرے سبز ہوں گے، سو اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے) فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ (ان دونوں باغوں میں دو چشمے ہوں گے جو کہ جوش مارتے ہوں گے، سو اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے) فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ (یعنی ان دونوں باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے سو اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے)

(جاری)

الفرج بعد الشدّة

از

امام ابوبکر ابن ابی الدنیا کی بہترین شرح

یعنی

مصیبت کے بعد راحت

از

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ العزیز

ناشر

دفتر وصیۃ العرفان

خانقاہ مُصلحُ الامّۃ رح، روشن باغ، الٰہ آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ كُلِّ ضِيْقٍ سَعَةً وَبَعْدَ كُلِّ عُسْرٍ يُسْرًا وَاَدْرَكَ عِبَادَهٗ بِالرَّحْمَةِ وَاِلَّا لَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهِمْ خُسْرًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خِيَرَةِ خَلْقِهٖ وَاُمَنَةِ عِبَادِهٖ وَمُرْشِدِهِمْ اِلَى النِّعْمَتَيْنِ صَبْرًا وَشُكْرًا وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ فِى الْحَالَتَيْنِ عُرْفًا وَنُكْرًا

(سب تعریف اس ذات کیلئے ہے جس نے تنگی کے بعد کشادگی دی اور مشکل کے بعد آسانی پیدا فرمائی اور اپنے بندوں کیساتھ رحمت کا معاملہ کیا ورنہ ان کا انجام نقصان اور خسارہ ہی ہوتا۔ اور درود وسلام ہو اس کی مخلوق میں سب سے بہتر اور اس کے بندوں کے معتمد علیہ پر، صبر اور شکر کی دو نعمتوں کی طرف ان کی رہبری کرنیوالے پر، اور ان کے آل واصحاب پر جو بھلی بری دونوں حالتوں میں عمدہ قول (وفعل) کی طرف ہدایت یافتہ ہوئے)۔

امّا بعد: دنیا ایسے تغیرات وحوادث کی آماجگاہ ہے کہ اس کے کسی حال کو کسی وقت قرار نہیں کبھی صبح ہے، کبھی شام، کبھی چاندنی، کبھی اندھیری، کبھی دن چھوٹے کبھی رات، کبھی خشکی اور کبھی برسات ؎

کسی کی ایک طرح پر بسر ہوئی نہ انیسؔ — عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

ایک ہی شخص پر اس کی عمر میں جتنے بڑے بڑے انقلابی دور گذرتے ہیں ان کا بھی احاطہ دشوار ہے۔ ہر شخص پر کوئی نہ کوئی ایسا وقت آتا ہے کہ اسکی فرحت وانبساط اور مسرت وخوشی کی حد نہیں ہوتی، اسے اسوقت بھول کر بھی یہ تصور نہیں آتا کہ یہ حالت مصیبت ورنج کے ساتھ بدل سکتی ہے۔ اسی طرح کیسا ہی صاحب حشمت وجلال اور مالک دولت واموال ہو اس پر بھی ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ دنیا کی ساری راحتیں بھول جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں، حالانکہ حقیقت وہ ہے جو عرب کے ایک حکیم نے بیان کی ہے ؎

فَرَحٌ وَحُزْنٌ مَرَّةً — لَا الْحُزْنُ دَامَ وَلَا السُّرُوْرُ

خوشی اور رنج تھوڑی دیر کا ہے ۔ نہ غم ہمیشہ باقی رہتا ہے نہ خوشی ۔)
فارسی میں حضرت حافظؒ کا یہ شعر بھی گویا اسی کا ترجمہ ہے ؎

بنوش بادہ کہ ایام غم نہ خواہد ماند چناں نہ ماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

(بے فکر ہو کر شراب پیو کہ غم والم کا زمانہ ہمیشہ نہ رہیگا ۔ اگر ویسا نہ رہا تو ایسا بھی نہ رہیگا)
اور کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

شہے کہ تاجِ مرصع صباح برسرداشت نمازِ شام وراخشت زیرسر دیدم

(صبح کے وقت جس بادشاہ نے سر پر تاجِ مرصع رکھا شام کیوقت میں نے اسکے سر کے نیچے اینٹ کا تکیہ دیکھا)

اصمعی جو تاریخ عرب کے مشہور و معروف امام ہیں ۔ ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید کے دربار میں پہنچے اور کہا کہ امیر المومنین ! ایک شعر سناتا ہوں جو انسان کی نصیحت کیلئے کافی ہے ۔ اس کو لکھ لیجئے اور کچھ پاس نہ ہو تو اپنے کمر بند پر لکھ لیجئے ۔ وہ یہ ہے ؎

عِشْ مُوْسِرًا اِنْ شِئْتَ اَوْمُعْسِرًا لَابُدَّ فِی الدُّنْیَا مِنَ الْھَمِّ

(خواہ مالدار ہو کر جیو یا تنگدست دنیا میں غم و رنج کا پہونچنا ناگزیر ہے)

دنیا اور اہل دنیا کے عروج و نزول ترقی و تنزل کی داستانیں فقط وہی نہیں جو تاریخ کے غیر محصور دفتروں میں محفوظ نظر آتی ہیں ، بلکہ اگر غور کیجئے تو انسان کے گرد وپیش کی کل کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ ایک درسِ عبرت اور ہر انسانی حالت کی بے ثباتی کی خاموش داستان ہے ؎

ہر تجدد ہے غیب کی آواز ہر تغیر میں ہیں ہزاروں راز

انسان جس گھر میں آباد ہے اور اس کو بلا شرکت غیرے اپنا مملوکہ و مقبوضہ خیال کرتا ہے ذرا تو غور کرے کہ اب سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے یہ کس کی ملک تھا اور وہ آج کہاں ہے ؟ اس کے دعویٔ مالکیت کا کیا انجام ہوا ۔ متنبی نے خوب کہا ہے ؎

تَمَلَّکَهَا الْاٰتِیْ تَمَلُّکَ سَالِبٍ وَفَارَقَهَا الْمَاضِیْ فِرَاقَ سَلِیْبٍ

(آنیوالا شخص دنیا کا اس طرح مالک ہوتا ہے جیسے کوئی غاصب دوسرے کی ملک پر قابض ہو جائے اور جانیوالا دنیا

کو اس طرح چھوڑتا ہے جیسے کسی کا مال لوٹ لیا جائے۔

الغرض آفات وحوادث ترقی وتنزل کے انقلابی دور فقط غربار ومساکین یا بےکس وبےبس لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دنیا میں آنیوالے ہر انسان کو اس سے دوچار ہونا ناگزیر ہے جو محض تقدیر خداوندی کے تابع ہے ؎

ذرّہ ذرّہ دہر کا پابستہ تقدیر ہے زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

حوادث کے وقوع سے پہلے اور وقوع کے بعد انسان کو کیا کرنا چاہیئے؟ یہ وہ مسئلہ ہے کہ بڑے بڑے عقلاء اس میں حیران ہیں، ناخن عقل وتدبیر اس گتھی کے سلجھانے میں کُند نظر آتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اس مسئلہ میں بھی انسان کو ایک ایسے بلند اور محفوظ مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ تشویش وپریشانی اس کے پاس نہیں آسکتی اور باعتبار آثار کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ حوادث کی وہاں تک رسائی نہیں کیونکہ آفات وحوادث بجائے پریشان کرنے کے اس کے سکون وجمعیّتِ خاطر میں اضافہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور یہ حال ہوجاتا ہے کہ ؎

نہ شوخی چل سکی باد صبا کی بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

آج کل ہر جگہ کے مسلمان عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ایسے حوادث وآفات کے دور سے گذر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ، جس کو دیکھو پریشان مصیبت زدہ۔ پھر ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق اس کے علاج وتدبیر میں مشغول ہے، مگر نتیجہ اس کے سوا نہیں۔ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس لئے خیال آیا کہ آفات ومصائب اور تمام پریشانیوں کا جو نہایت صحیح ومؤثر اور مفید ومجرّب علاج رحیم امت حکیم الحکماء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کیلئے تجویز فرماگئے ہیں اسکی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی جائے کہ درحقیقت انکے تمام امراض وآفات کا وہی علاج ہوسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں علمائے امت کی بہت سی مستقل تصانیف "الفرج بعد الشدۃ" کے نام سے موجود ہیں، جن میں سے اسوقت امام حدیث شیخ ابوبکر عبداللہ بن ابی الدنیا متوفی ۲۸۲ھ کا رسالہ کتاب "الفرج بعد الشدۃ" پیش نظر ہے۔ یہ رسالہ ضروری مضامین کو جامع بھی ہے اور مصنف کی جلالت شان کی وجہ سے قابل اعتماد بھی۔ اس لئے اس کا ترجمہ مع مختصر شرح کے لکھا جاتا ہے۔ نام اس ترجمہ کا مصائب

الکلام فی مصائب الایام اور مصیبت کے بعد راحت رکھا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کیلئے نافع و مفید بنائے۔ وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ فِی کُلِّ مَکَانٍ وَزَمَانٍ۔ (ہر وقت اور ہر جگہ اسی مدد طلب کئے جانے کے لائق ہے)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیث۔ امام ابوبکر ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ اپنی سند[1] کے ساتھ بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (مصیبت کے وقت) حق تعالیٰ کی رحمت سے زوالِ مصیبت کا انتظار ایک عبادت ہے۔ اور جو شخص تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا حق تعالیٰ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جائے گا۔

حدیث۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی دعا مانگو کہ حق تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے۔ اور افضل عبادت (بعد فرائض کے) یہ ہے کہ آدمی (مصیبت کے وقت) زوالِ مصیبت و فراخئ عیش کا منتظر رہے۔

حدیث۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع نعمت کوئی نہیں جو کسی انسان کو دی گئی ہو۔

(ف) کیونکہ صبر ہی ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ مصیبت بھی راحت بن جاتی ہے جس کو صبر کی ہمت و توفیق عطا ہو جائے وہ آخرت میں تو درجات اُخروی سے مالا مال ہو گا ہی دنیا میں بھی کبھی پریشان نہ ہو گا۔

حدیث۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے آیت کریمہ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (ہر وقت اسکی ایک نئی شان ہے) "یعنی کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔" کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی شیونِ مختلفہ یہ ہیں کہ (جب چاہیں) گناہ معاف فرمادیں، مصیبت کو دور فرمادیں، ایک قوم کو سربلند اور دوسری کو پست کر دیں۔

حدیث۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سواری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا۔ اچانک آپ نے ارشاد فرمایا:-

---

[1] امام موصوف نے اس رسالہ میں تمام روایات حدیث کو اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے لیکن عوام کے لئے سند لکھنے کی ضرورت نہیں اس لئے احقر نے بحذفِ اسناد ترجمہ کیا ہے ۱۲ محمد شفیع عفا عنہ

جب مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو یہ چیز لکھی جا چکی اور دفتر لپیٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر ساری مخلوق مل کر یہ چاہیں کہ تمہیں کوئی ایسا نفع پہنچائیں جو حق تعالیٰ نے تمہارے نصیب میں نہیں لکھا تو ہرگز ان کو قدرت نہ ہوگی۔ اور اگر ساری مخلوق یہ ارادہ کرے کہ تم ایسا نقصان پہنچائے جو تمہارے لئے مقدر نہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکے گی۔"

حدیث حضرت سہیل بن سعد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے فرمایا:

"اے لڑکے تم چاہتے ہو کہ میں چند کلمات بتلاؤں جو تمہیں (ہر حال میں) نفع دیں۔ ابن عباسؓ نے عرض کیا، ضرور یا رسول اللہ، آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم حق تعالیٰ (کے احکام) کی حفاظت کرو حق تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں گے۔ تم حق تعالیٰ کو یاد رکھو تو اسکو (ہر مصیبت کے وقت) اپنے سامنے پاؤ گے (یعنی اس کی مدد تمہارے شاملِ حال ہوگی) جب کوئی سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے کرو جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو جو کچھ انسان پر (راحت یا مصیبت) آنے والی ہے وہ لکھی جا چکی ہے (اس کے خلاف نہیں ہو سکتا) اگر ساری مخلوق تمہیں وہ نفع پہنچانا چاہے جو تمہارے لئے مقدر نہیں تو وہ ہرگز اس پر قادر نہ ہوں گے۔ پس اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہو تو کر لو اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ مکروہات اور خلافِ طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی خیر ہے اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور یہ کہ راحت مصیبت کے ساتھ اور فراخی تنگی کے ساتھ ہے (یہ جملہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا)

کثرتِ استغفار فقر و مصائب کا اچھا علاج ہے

حدیث۔ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص استغفار کی کثرت کریگا حق تعالیٰ اسکو ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے کشادگی اور بیگمان رزق عطا فرمائیں گے۔ **حدیث**۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے: وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اسکے لئے ہر تنگی سے خلاصی کی صورت نکالدیتے ہیں اور بیگماں رزق عطا فرماتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو خدا تعالیٰ اسکے لئے کافی ہے) اور پھر فرماتے تھے کہ اے ابوذر اگر تمام آدمی اس آیت پر عمل کر لیتے تو سب کو یہی کافی ہو جاتی۔

ل یث (۹) حضرت ابوعبیدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ فلاں قبیلہ نے مجھ پر لوٹ ڈال دی اور
ے سب اونٹ اور ایک لڑکے کو لے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمدؐ
تمام اہل بیت ہیں تو اس وقت ایک مُد (تقریباً آدھ سیر) کھانا بھی نہیں ہے۔ تم اپنی حاجت
ر تعالیٰ سے مانگو یہ شخص گھر واپس آیا تو بی بی نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا
اب دیا۔ اُس نے واقعہ بیان کیا تو بی بی نے کہا کہ آپ نے بہت اچھی تعلیم فرمائی (انھوں نے
یم نبوی کے موافق دعا کی) تھوڑے ہی عرصے میں حق تعالیٰ کے فضل سے اسکے اونٹ اور
کا واپس مل گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسکی اطلاع
، آپ نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ ہر مشکل کے وقت انسان کو حق تعالیٰ ہی کی طرف
جوع کرنا چاہیئے اس سے ہر حاجت کا سوال کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت
رمائی وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (اور جو شخص
لہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اسکو ایسی جگہ سے روزی
ہونچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا)

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ الخ ننانوے آفتوں کا علاج ہے

حدیث (۱۰) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ
(حالات کے بدلنے اور ہر قسم کی قوت صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے) ننانوے بیماریوں کا علاج
ہے جن میں سب سے کم غم وفکر ہے۔

(ف) یعنی اس کا پڑھنا غم وفکر کو دور کرتا ہے اور اسکے علاوہ اور اٹھانوے
بڑی بڑی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔

حدیث (۱۱) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مصیبت کی گھڑیاں معصیت کی گھڑیوں کا کفارہ
ہوجاتی ہیں۔

حدیث (۱۲) ابومجلزؒ فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ جس
حال پر میں نے صبح کی ہے وہ اچھا ہے یا بُرا کیونکہ مجھے کچھ خبر نہیں کہ جس حالت کو میں پسند

کرتا ہوں میرے لئے وہ بہتر ہے یا جس کو مکروہ و مبغوض سمجھتا ہوں وہ میرے لئے

(ف) آیت قرآنیہ کی طرف اشارہ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ بسا اوقات کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور اسکی تمنا کرتا ہے مگر درحقیقت وہ چیز اسکے لئے بُری اور تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان کسی چیز کو اپنے لئے سمجھتا ہے مگر اس میں اسکی بھلائی ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ ہماری مکروہ و ناپسندیدہ چیزوں میں اگر ہماری بھلائی نہیں تو پسندیدہ میں بھی بھلائی نہیں ہو سکتی۔

(ف) عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے ؎

بس رہین وسوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا

(اے دل وسوسہ میں گرد ہو کر (پھنس کر) رہ جاؤ گے اگر (اللہ کی جانب سے پیش آنیوالی) خوشی اور مصیبت میں امتیاز کرو گے۔ یعنی خوشی کو پسند اور بلا کو ناپسند کرو گے

گر مرادت را مذاقِ شکر است نامرادی نے مراد دلبر است

(اگر تمہاری مراد شکر جیسی مزیدار ہے تو تمہاری نامرادی کیا محبوب کی مراد نہیں ہے؟ (!) وہ بھی لذیذ ہی معلوم ہونی چاہیئے)

حدیث (۱۳) منصور بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت حسنؓ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر دریافت کر مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَ میں نے دریافت کیا تو فرمایا سبحان اللہ! کیا اس میں بھی کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ "کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ انکے پیدا ہونے سے پہلے ہی کتاب (ازلی فتروں) میں لکھی

حدیث (۱۴) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے نفس کو دنیوی فکرات میں داخل کرو۔ اور پھر صبر کے ذریعہ نکال لو۔ اور چاہیئے کہ جو عیوب تم اپنے نفس میں خود دیکھتے ہو وہ تمہیں لوگوں کی بدگوئی و عیب جوئی سے روک دیں۔

(جاری)

اس کے بعد ارشاد ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں) اس کا ربط آیت کے اجزاء کی تحلیل سے معلوم ہوگا بدون اسکے معلوم نہ ہوگا اور تحلیل اجزاء میں طول ہے اس لئے اسکو ترک کرتا ہوں اگر موقع ہوا تو آخر میں اس پر بھی تنبیہ کر دوں گا خدا کرے یاد رہے۔

اب میں اپنا مقصود جو اس آیت سے مجھے استنباط کرنا ہے بیان کرتا ہوں اور وہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو میں اپنے احباب سے اکثر خاص خطاب سے عرض کیا کرتا ہوں اور آج عام خطاب سے سب کے سامنے عرض کرتا ہوں پس مسئلہ تو جدید نہیں مگر شاید تقریر میں کچھ جدت آجائے اور قدیم بھی ہو تو ہر قدیم فرسودہ نہیں ہوتا آسمان کتنا پرانا ہے مگر حالت یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۔ ذرا دیکھو تو آسمان کہیں سے کچھ پھٹا ہوا نظر آتا ہے پھر بار بار دیکھو نگاہ ذلیل و کر تھک کر تمہاری طرف لوٹ آئیگی اور کوئی شقاق یا فطور نظر نہ آئے گا) شمس و قمر کتنے پرانے ہیں مگر دیکھو ویسے ہی آب و تاب کے ساتھ ابتک موجود ہیں اور بعضے پرانے بڈھے نئے بڈھوں سے اچھے ہیں۔

بہر حال مضمون کا جدید ہونا کچھ ضرور نہیں مگر آجکل لوگوں کو جدت کا ہیضہ ہے ہیضہ مردوں کو بھی ہوتا ہے گو حیض عورتوں ہی کو ہوتا ہے مگر ہیضہ اور حیض قریب ہی قریب ہے تجوید و قرأت سے کون بولتا ہے عام تکلم و تلفظ میں تو حیض و ہیضہ برابر ہے قرأت پر ایک لطیفہ یاد آیا ایک قاری صاحب نے اپنے شاگردوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ہر بات قرأت سے کیا کرو تو ایک دفعہ حقہ پیتے ہوئے قاری صاحب کے عمامہ پر چنگاری گر پڑی شاگرد نے قاری صاحب کے سامنے کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرأت کے ساتھ پڑھ کر نہایت ترتیل سے کہا جناب قاری صاحب جناب قاری صاحب آپ کے عمامہ شریف پر آگ کی ایک چنگاری گر پڑی ہے اور ہر جگہ خوب مد کھینچا اتنی دیر میں عمامہ کئی انگل جل گیا۔

<u>راحت کی جگہ عالم آخرت ہے</u> | وہ مسئلہ یہ ہے کہ آجکل بعض سالکین کو سہولت کی بہت

تلاش ہے جس کی وجہ بس صرف راحت طلبی ہے جیسے ایک طبیب ماہر کہتا ہے کہ کوئی صورت ایسی ہوتی کہ سارا کھانا ایک دم سے پیٹ میں اتر جایا کرے لقمہ لقمہ نہ کھانا پڑے تاکہ مدافعِ طعام نہ ہو۔ خیر اس شخص کی اس رائے کی بنا تو ایک مصلحت بھی ہے لیکن آجکل تو ایسا ممکن بھی ہوتا تو اسکی بنار راحت طلبی ہی ہوتی۔

افسوس آجکل سالکین بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے خودبخود سارا کام ایک دن میں ہوجائے یہ سخت غلطی ہے۔ صاحبو! راحت کی جگہ تو عالمِ آخرت ہے اور وہاں بھی راحت حاصل ہوگی وہ بھی دنیا کی جہد کا ثمرہ ہے۔

ع چند روزے جہد کن باقی بخند

(چند روز مشقت برداشت کرلو پھر تو ہنسنا ہی ہنسنا ہے یعنی راحت ہی راحت ہے) بدون مشقت و مجاہدہ کے راحت نصیب نہیں ہوسکتی ہاں اگر حق تعالے خود ہی دنیا میں راحت دیدیں تو اور بات ہے تم کو طلب راحت کا کیا حق ہے تمہارا مذاق تو یہ ہونا چاہئے

سہ زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

(زندہ رکھیں آپ کی عنایت، مار ڈالیں تو جان آپ پر نثار دل آپ کی محبت میں اسیر ہوچکا ہے جو کچھ بھی کریں مرضی آپ کی

مولانا ایسے ہی لوگوں کی بابت فرماتے ہیں سہ

بس زبون وسوسہ باشی دلا — گر طرب را باز دانی از بلا

(اے دل! (راہ عشق میں محبوب کی جانب سے پیش آنے والی) راحت و خوشی اور بلاؤں میں تونے اگر ذرا بھی فرق کیا تو بس وساوس سے مغلوب ہوکر رہ جائے گا)

اور فرماتے ہیں سہ

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق — تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

(تم عشق سے ایک ہی نشتر میں بھاگنے لگے تم کیا جانو کہ عشق کیا چیز ہے تم عشق کے نام کے سوا جانتے ہی کیا ہو) پس آجکل سالکین کی محبت وطلب کی یہ حالت ہے جیسے ایک شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھکر کہا کرتا تھا کہ اے اللہ مجھے کچھ دے۔ کسی ظریف نے سُن لیا

اس نے اسکے ساتھ دل لگی کی کہ اگلے دن اندھیرے سے اس درخت پر ایک رسّی ساتھ لیکر جا بیٹھا جب رات کو وہ شخص آیا اور وہی دعا شروع کی کہ اے اللہ مجھے کھینچ لے تو اس ظریف نے دبی زبان سے کہا کہ اے میرے بندے آج میں تجھے کھینچتا ہوں یہ رسّی اپنے گلے میں ڈال لے وہ بڑا خوش ہوا کہ اب مجھے معراج ہوگی رسی کا پھندا فوراً گلے میں ڈال لیا اور ظریف نے کھینچنا شروع کیا جب ایک بالشت زمین سے اٹھا اور پھندے سے گلا گھٹنے لگا تو فوراً کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے چھوڑ میں نہیں کھنچتا اس نے رسی چھوڑ دی اور اس نے فوراً پھندا گلے سے نکال کر اپنے گھر کا راستہ لیا پھر ساری عمر اس درخت کے نیچے جانے کا نام نہیں لیا۔ بس یہی حالت آجکل کے طالبوں کی ہے کہ جبتک تکلیف نہ سوجھی اور عمل میں کچھ مشقت نہ ہو اسوقت تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت وعشق کا دعویٰ ہے اور جہاں تکلیف یا مشقت ہوئی سارا عشق رخصت ہوا حالانکہ ان کو تو جان دینے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ ہمارے حاجی صاحب کا شعر ہے ع "متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے (الیٰ آخرہ)"

مگر اب سالک، سالک نہیں ہونا چاہتے بلکہ مالک ہونا چاہتے ہیں اسی لئے سہولت کے طالب ہیں۔ چنانچہ میرے پاس کثرت سے خطوط میں یہ فرمائش آتی ہے کہ کوئی سہل سا طریقہ، آسان سا عمل، کوئی سہل سا نسخہ بتلا دیجئے۔ ایسی درخواست کا جواب ایک بزرگ نے خوب دیا ان سے ایک پنشن یافتہ ڈپٹی کلکٹر نے یہی درخواست کی تھی کہ کوئی سہل سا طریق بتلا دیجئے جس سے بہت جلدی کامیابی ہو جائے۔ ان بزرگ نے ابھی اسکا جواب نہیں دیا بلکہ باتوں میں لگایا اور باتوں باتوں میں ان سے دریافت کیا کہ ڈپٹی صاحب ذرا اپنی سوانح عمری تو بیان فرمائیے کہ آپ نے کیا کیا پڑھا اور کس طرح ڈپٹی کلکٹر ہوئے انھوں نے اپنی سرگذشت بیان کی کہ بارہ سال تک انگریزی پڑھی بی۔ اے کا امتحان دیا پھر قانون کا امتحان دیا پھر سال بھر تک ملازمت کیلئے سفارشیں حاصل کیں درخواستیں دیں تو نائب تحصیلدار ہوا پھر کئی سال کے بعد تحصیلدار ہوا پھر کئی سال کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہوا اور سالہا سال کی ملازمت کے بعد اب پنشن ملی ہے جب یہ اپنی سرگذشت

بیان کر چکے تو بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو شرم نہیں آتی کہ دنیا مردار کے لئے تو اتنی عمر برباد کی اور مشقتیں برداشت کیں اور طلب خدا کیلئے یہ درخواست ہے کہ تھوڑی سی مدت میں کامیابی ہو جائے ڈپٹی صاحب کم از کم طلب خدا کیلئے اس سے دُگنی مدت تو صرف کرو کیونکہ آخرت دنیا سے افضل ہے (تو افضل کے لئے مفضول سے دگنی مدت تو چاہئے ورنہ مساوی تو ضرور چاہئے) واقعی عقل کا مقتضا تو یہی ہے جو ان بزرگ نے فرمایا اب آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ جو لوگ طلب خدا میں سہولت کے طالب ہیں وہ کیسی سخت غلطی میں مبتلا ہیں ہم کو تو وہ کام کرنا چاہئے جس کا ہم کو حکم ہوا ہے۔ وصول وحصول کا تقاضا نہ کرنا چاہئے کیونکہ ہماری برائے نام کوشش پر وصول وحصول کا مرتب ہو جانا خود خلاف قاعدہ ہے تو اس برائے نام کوشش پر حصول ثمرات کا اپنے کو مستحق سمجھنا اور عدم حصول پر شکایت کرنا سخت نادانی ہے

تحصیل عمل بالاختیار | وہ کام کیا ہے جس کا ہم کو حکم ہوا ہے وہ تحصیل عمل بالاختیار ہے کہ اپنے اختیار کو صرف کرکے اعمال کو بجا لائیں اور اسی استعمال اختیار کا دوسرا لقب امانت ہے جس کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط کہ "ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین اور جبال پر پیش کی (کہ اس کا تحمل کرتے ہو) تو سب نے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسکو اٹھا لیا" اس امانت سے مراد کیا ہے محققین علماء فرماتے ہیں کہ اس سے تکلیف تشریعی مراد ہے اور تکلیف کے معنیٰ تحصیل عمل بالاختیار کیونکہ مطلق عبادت واطاعت سے تو کوئی شئے خالی نہیں چنانچہ حق تعالےٰ فرماتے ہیں ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں سا تھا سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا بخوشی حاضر ہیں) یعنی ہم نے زمین وآسمان سے کہا کہ ہمارے احکام (تکوینیہ) کیلئے تیار ہو جاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے سب نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے تیار ہیں اور لفظ طائعین سے صاف رد ہو رہا ہے ان لوگوں کا جو سمٰوات وارض وجبال

عبادت کو حالیہ یا قسریہ[۵] کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کیا قسر د حال میں طوع بھی ہوا کرتا ہے ہرگز نہیں۔ بہرحال عابد و مطیع تو تمام مخلوقات ہیں لیکن مکلّف سب نہیں بجز انسان کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلیف و اطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا وہ تکلیف ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالے نے تمام مخلوق سے فرمایا تھا کہ ہمارے کچھ احکام تشریعیہ ہیں ان کا مکلّف بالاختیار کون ہوتا ہے یعنی جو شخص ان کا تحمل کرے گا اسکو صفت اختیار مع عقل کے عطا کی جائیگی یعنی اس کی قوت ارادیہ ان احکام پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہ ہوگی بلکہ عمل و عدم عمل دونوں پر قدرت دی جائے گی پھر جو اپنے اختیار سے احکام کو بجالائے اسکو مقرب بنالیا جائے گا اور جو اپنے اختیار سے احکام میں کوتاہی کریگا اس کو مطرود کردیا جائے گا۔ اس سے سمٰوات و ارض وجبال اور تمام مخلوق ڈر گئی انسان اسکے لئے آمادہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکو مکلف بنادیا یعنی اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کردی گئی باقی مخلوقات میں یہ صفت اختیار اور عقل نہیں ہے۔ وہ جن احکام تکوینیہ کو یا عبادت کو بجالاتے ہیں وہ ان کے لئے طبعی ہیں یعنی انکی قوت ارادیہ اس کے خلاف کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی بخلاف انسان کے کہ جن احکام کا یہ مکلّف ہے وہ اسکے لئے طبعی نہیں بلکہ اسکی قوت ارادیہ عمل و عدم عمل دونوں کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اب اسکی تکلیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ اپنے اختیار سے ایک جانب کو ترجیح دے یعنی جانب عمل کو مامورات اور جانب عدم عمل کو منہیات میں اسی کا نام تحصیل عمل ہے اور اس سے یہ لازم نہیں کہ غیر انسان عاقل نہ ہو ممکن ہے کہ دوسری مخلوقات بھی عاقل ہوں مگر عاقل کامل نہیں یعنی ان کو عقل کا وہ درجہ حاصل نہیں جو تکلیف احکام کے لئے کافی ہو۔ آخر صبیٔ مُراہق بھی تو عاقل ہے مگر باوجود عقل کے مکلّف نہیں کیونکہ اسکی عقل کامل نہیں جو تکلیف کے لئے کافی ہو اور چونکہ اس پر کوئی شرعی اشکال لازم نہیں آتا اس لئے میں اس کا قائل ہوں کہ تمام مخلوقات حیوانات و نباتات حتیٰ کہ جمادات بھی عاقل ہیں یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ انسان

---

[۵] اضطراری اور جبری

کے سوا سب غیر عاقل ہیں ہاں یہ مسلّم ہے کہ ان میں اتنی عقل نہیں جو تکلیف کیلئے کافی ہو پس وہ مثل مراہق کے عاقل ہو سکتے ہیں اس کی کسی نص سے نفی نہیں ہوتی بلکہ تائید ہوتی ہے۔ آخر ہُدہُد کی گفتگو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ جو قرآن میں مذکور ہے کیا یہ سب طبعی کلام ہے ہرگز نہیں بلکہ عاقلانہ کلام ہے اور اگر اسکو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ قرار دو کہ اللہ تعالیٰ نے انکی خدمت کے لئے بعض حیوانات کو عقل دیدی تھی تو میں کہوں گا کہ اب بھی بعض حیوانات کی حرکات ایسی ہوتی ہیں کہ خالی از عقل کہنا دشوار ہے۔

چنانچہ جس کی حکایت میں اب بیان کرتا ہوں وہ مرحوم مرگیا یعنی ہمارے گھر میں ایک طوطا تھا اس نے ایکدن بیبیوں کو پان کھاتے دیکھکر خود بھی پنجرہ سے نکل کر اس ترتیب سے پان کھایا کہ اول تو پان کا ذرا سا ٹکڑا منہ میں رکھا پھر چونا کی ڈبیہ میں سے چونچ پر ذرا سا چونا لیا پھر کتھ کی ڈبیہ میں سے کتھ لیا اور دو دانہ چھالیہ کے اٹھائے اور سب کو ملا کر کھا گیا اور عجیب بات یہ کہ کہ وہاں ہی تمباکو کی ڈبیہ تھی مگر تمباکو نہیں کھایا سب کو اس حرکت پر حیرت ہوگئی کہ اس نے کیونکر باقاعدہ سارا کام کیا اور جب حیوانات میں بھی ایک درجہ عقل کا ہو سکتا ہے اور اسکے بعد بھی وہ مکلف نہیں تو یہاں سے سمجھ لو کہ اگر مجاذیب میں بھی ایک درجہ عقل کا ہو تو کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے اور یہ نہ کہنا چاہیئے کہ ان کو تو کھانے پینے کا پورا ہوش ہے پھر یہ مجذوب کدھر سے ہوئے اسی لئے شیخ ابن عربی رح فرماتے ہیں کہ مجاذیب پر اعتراض نہ کرو گو ظاہر میں وہ صحیح الحواس معلوم ہوں کیونکہ صحت حواس تو بہائم میں بھی ہے جانور بھی اپنے نفع و نقصان کو سمجھتا ہے مگر اتنے ادراک سے وہ مکلف نہیں ہوا تو مجذوب بھی باوجود عقل قلیل کے غیر مکلّف ہو سکتا ہے جس کی مثال واضح وہی ہے صبی مراہق کی۔ مگر اسکے لئے ایک معیار بھی ہے کہیں تم کافروں کو بھی مجذوب نہ کہنے لگو وہ معیار یہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں ؎

جملہ دانایاں ہمیں گفتہ ہمیں ہست دانا رحمۃ للعالمیں

ع ؎ ظرافت سے مرحوم کہدیا

تمام عقلمندوں نے یہی بات کہی ہے ۔ دانا اور عاقل یعنی محقق عالم سارے عالم کیلئے رحمت ہے،
یہ دوسرا مصرعہ جملہ معترضہ ہے جو بطور مدح کے درمیان میں لایا گیا ہے کہ واقعی محقق بھی عالم کیلئے
سراپا رحمت ہے یہ گفت کا مقولہ نہیں، اس کا مقولہ اگلے شعر میں ہے ؎

گر انارے می خری خنداں بخر کہ دہد خندہ اش زدانہ او خبر

کہ اگر انار خریدنا ہو تو ہنستا ہوا انار خریدو کیونکہ اسکی ہنسی اسکے دانہ (کی بھلائی اور برائی) کی
خبر دیتی ہے) کہ اگر تم انار خریدو تو کھلا ہوا خریدو کیونکہ کھلے ہوئے انار کا اندرونی حال
ظاہر ہوجاتا ہے بند انار مت لو کہیں اندر سے کچا اور خراب نہ نکلے ؎

نامبارک خندۂ آں لالہ بود کہ زخنداں او سواد دل نمود

(منحوس ہنسی وہ لالہ کی ہنسی ہے کہ اسکے ہنسنے سے اسکے دل کی سیاہی ظاہر ہوجاتی ہے)
مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کرو اور اس سے فیض لینا چاہو تو پہلے علامت و آثار
کو دیکھ کر اسے جانچ لو اور اگر وہ سالک ہو تو آثار سلوک کو دیکھو اور اگر مجذوب ہو تو یہ
دیکھو کہ اس زمانہ کے صلحاء اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں اگر وہ اسکو مجذوب کہیں اچھا
کہیں تو وہ اچھا ہے گو نماز روزہ کا پابند نہ ہو۔ اگر صلحاء زمانہ اس کو مجذوب نہ سمجھیں
اور ظاہری حالت اسکی خلاف شرع ہو تو اس کے پاس نہ جاؤ تو امانت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے
مخلوقات سے فرمایا کہ یہ صفت اختیار ہے اور یہ عقل ہے ان کو کون لیتا ہے جو ان کو لے گا وہ
مکلف احکام بنایا جائے گا اس سے سب ڈر گئے اور انسان تیار ہوگیا پس مکلف بجز
انسان وجنات کے کوئی نہیں اور شمس وقمر و احجار جو جہنم میں جائیں گے، تو معذب ہو کر نہ
جائیں گے تاکہ تکلیف کا شبہ ہو بلکہ آلۂ تعذیب ہو کر جائیں گے تاکہ کفار کو ان کو دیکھکر
حسرت ہو کہ افسوس ہم نے کن چیزوں کو معبود بنایا تھا جو ہماری تو کیا اپنی بھی امداد نہیں
کرسکتے اور گو عدم امداد کا علم غیبت میں بھی ہوسکتا تھا مگر اس صورت میں کفار کو یہ
وسوسہ ہوتا کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ نے ہمارے معبودوں کو کہاں مقید کردیا جو ہماری امداد نہ
کرسکے اسلئے سب کو پاس پاس کردیں گے کہ لو یہ تمہارے معبود ہیں اگر ان میں کچھ طاقت ہے
تو ان سے امداد طلب کرلو اس صورت میں ان کو حسرت زیادہ ہوگی ۔

اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ انسان کو کیا سوجھی تھی جو اس امانت کیلئے تیار ہوگیا کیا یہی سب سے بڑا تیس مارخاں تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان میں عشق کا مادہ بہت زیادہ ہے اسی لئے میں ابتداء طالب علمی میں کہا کرتا تھا کہ انسان کی حقیقت حیوان عاشق ہے اسکی فصل عاشق ہے کیونکہ ناطق تو جنات و ملائکہ بھی ہیں عاشق انسان کے سوا کوئی نہیں (اور عشق و محبت میں فرق ہے اسلئے محبت کا وجود ملائکہ وجنات میں بھی ہوسکتا ہے۔ میں محبت کی ان سے نفی نہیں کرتا عشق کی نفی کرتا ہوں جس کے لئے جوش اور شوق اور ہیجان و ولولہ لازم ہے ۱۲) غرض انسان میں عشق بہت زیادہ تھا اور اسوقت بھی تھا جبکہ اسکو عقل کامل بھی عطا نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ عقل کامل تو بعد حمل امانت کے عطا ہوئی اور غلبۂ عشق تو قلت عقل ہی میں زیادہ ہوتا ہے اسی لئے کیفیات باطنہ کا غلبہ قلیل العقل پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ غلبۂ کیفیات کے لئے یکسوئی شرط ہے جو غیر عاقل کو زیادہ میسر ہوتی ہے اور عاقل کو تو ایک سوئی کے برابر بھی یکسوئی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اس کا دماغ برابر کام کرتا رہتا ہے اور یہ گفتگو قاعدہ کی بنا پر ہے ورنہ باب جذب الٰہی ہر شخص پر مفتوح ہوسکتا ہے وہ کسی قاعدہ سے مقید نہیں۔

بہرحال انسان کے حمل امانت کا منشاء عشق تھا اور اسکو میں نے عارف شیرازیؒ کے کلام سے سمجھا ہے فرماتے ہیں ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

(آسمان امانت کے بوجھ کو نہ اٹھاسکا۔ قرعۂ فال مجھ دیوانہ کے نام پڑگیا)

اس میں لفظ دیوانہ سے منشاء حمل امانت پر اشارہ ہے (اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ عشق دیوانگی کا نام ہے جو محبت کے علاوہ درجہ ہے ۱۲)

فرشتے سوچتے ہی رہ گئے انجام ہستی کو
دل ناداں اٹھا اور بڑھ کے بنیاد جہاں رکھدی

(۵۶۶) فرمایا کہ میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے جب انکا مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں ان کو داخل نہیں سکتے۔ اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقاید کفریہ کو کفر نہیں کہتے۔ ور کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے۔ کیا اگر مسیلمہ کذاب کو کوئی شخص نبی نہ مانتا ہو مگر اسکے عقاید کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا۔

(۵۶۷) فرمایا کہ گو افعال عباد کے ساتھ تقدیر و مشیت الٰہیہ کا تعلق ہے اور اس تعلق کا اثر یہ ہے کہ اس مقدر کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا لیکن ایسے تعلق سے بھی اختیار و قدرت عبد کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تعلق اس طرح ہے کہ فلاں شخص فلاں کام فلاں وقت اپنے اختیار و قدرت سے کرے گا تو تقدیر جس طرح اس فعل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اسی طرح اس فاعل کی قدرت و اختیار کے ساتھ بھی متعلق ہوتی ہے سو اگر تعلق تقدیر سے اس فعل کا وقوع لازم آگیا تو اسی تعلق سے وجود اختیار و قدرت کا بھی لازم ہو گیا تو مسئلہ تقدیر سے بجائے نفی قدرت کے قدرت عبد کا وجود اور مؤکد ہو گیا۔

اضافۂ جدیدہ (۱) فرمایا کہ امور اختیاریہ میں عبادت (پابندی احکام شریعت) اور غیر اختیاریہ میں عبودیت (یعنی تفویض) یہی خلاصہ ہے حیات کے دستور العمل کا

(۵۶۸) فرمایا کہ جب ضرورت پیش آتی ہے حکیم صاحب کے پاس خود جاتا ہوں ان کو نہیں بلاتا۔ ایک مرتبہ حکیم صاحب فرمانے لگے کہ مجھ کو شرم معلوم ہوتی ہے میں ہی حاضر ہو جایا کروں گا، میں نے کہا نہیں شرم کی کیا بات ہے میرا نہ آنا اور آپ کا بلانا عدل کے خلاف ہے۔ محتاج کو چاہیئے کہ وہ محتاج الیہ کے پاس جائے اور الحمد للہ یہ سب باتیں میری امور طبعیہ ہیں۔ مجھ کو کوئی اہتمام یا سوچ بچار کرنا نہیں پڑتا۔

(۵۶۹) فرمایا کہ جس کو حق تعالٰے نے جیسا بنا دیا ہے اس کے لئے وہی مناسب تھا گو ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ میں ایسا ہوتا اور اپنی حالت پر قناعت نہیں ہوتی لیکن غور کر کے دیکھے اور سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ میرے مناسب وہی حالت ہے

جس میں خدا نے مجھکو رکھا ہے۔

(۵۷۰) فرمایا کہ ہر صورت میں مردوں کو اپنے بیبیوں کی قدر کرنا چاہئے دو وجہ سے ایک تو بی بی ہونے کی وجہ سے کہ وہ ان کے ہاتھ میں قید ہیں اور یہ بات جوانمردی کے خلاف ہے کہ جو ہر طرح اپنے بس میں ہو اس کو تکلیف پہونچائی جائے۔ دوسرے دین کی وجہ سے کیونکہ تم مسلمان ہو وہ بھی مسلمان ہیں جیسے تم دین کے کام کرتے ہو وہ بھی کرتی ہیں اور یہ کسی کو معلوم نہیں کہ دین کے اعتبار سے اللہ تعالےٰ کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ یہ بات کوئی ضروری نہیں کہ عورت مرد سے ہمیشہ گھٹی ہوئی ہو ممکن ہے اللہ تعالےٰ کے نزدیک مرد کے برابر بلکہ اس سے زیادہ ہو پس عورتوں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالےٰ بیکس اور مجبور اور شکستہ دل کا تھوڑا سا عمل بھی قبول فرمالیتے ہیں اور اس کے درجے بڑھا دیتے ہیں۔

(۵۷۱) فرمایا راستہ میں کبھی کوئی اندھا ملتا ہے تو میں بعض اوقات اس کو سلام نہیں کرتا مزاج پرسی بھی نہیں کرتا مگر بعد میں شرماتا ہوں اور اپنے کو بیحد ملامت کرتا ہوں کہ یہ تو خیانت ہے۔

(۵۷۲) فرمایا کہ علّت یا حکمت دریافت کرنے میں عوام کے لئے ایک ضرر بھی ہے وہ یہ کہ علّت یا حکمت معلوم ہوجانے کے بعد طاعت کی عظمت کا وہ اثر قلب پر نہیں ہوتا جو بدون اس کے معلوم کئے عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ پس تم احکام کی حکمت معلوم کرکے اس کی عظمت کو کیوں کھوتے ہو۔ اور اگر ایسا ہی علم اسرار کا شوق ہے تو اسکی بھی یہی صورت ہے کہ پہلے بدون علت معلوم کئے ہی عمل شروع کردو کام کرتے کرتے برکات و اسرار خود ہی محسوس ہونے لگتے ہیں۔ وہی سچا عاشق ہے جو علل وحِکَم کے درپے نہ ہو باقی مجتہدین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ عمل شروع کرنے کے لئے حکمت تلاش نہیں کرتے نہ علت پر عمل کو موقوف رکھتے ہیں بلکہ تعدیہ و استنباط احکام کے لئے علل دریافت کرتے ہیں۔

(۵۷۳) فرمایا کہ اگر پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تکیہ پر سر رکھ کر سو رہو جب

طبیعت ہلکی ہو جائے پھر پڑھنے لگو۔ اور اگر نیند کو زبردستی دفع بھی کیا جائے تو اس کا
انجام یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ صفرا میں اشتعال بڑھ جاتا ہے سودا
میں ترقی ہو جاتی ہے خیالات فاسدہ آنے لگتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کو الہام
سمجھ کر اپنے کو بزرگ جاننے لگتا ہے آخر یہ ہوتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے۔ اسی لئے جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نیند کی بہت رعایت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا تَفْرِيْطَ
فِي النَّوْمِ (نیند میں کوئی کوتاہی نہیں یعنی نیند کی وجہ سے اگر کسی عمل میں کوتاہی ہو جائے
تو وہ قابل معافی ہے)

(۵۷۴) فرمایا کہ تشدد فی العمل کے متعلق ایک دقیق اور مفید بات یہ ہے کہ جو عمل
میں زیادہ کاوش کرتا ہے وہ خاص ثمرات کا منتظر رہتا ہے اگر اس میں دیر ہوتی ہے تو
وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود ایسے مجاہدات کے مجھ کو اب تک ثمرات کیوں نہ ملے گویا اپنی
عبادت پر ناز ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں اور اپنے کو ثمرات کا مستحق سمجھنے لگتا
ہے کہ میری عبادت پر ثمرات کا دینا گویا خدا کے ذمہ ہو گیا۔ اور یہ عین کبر ہے۔ اور جو شخص
اعتدال سے کرتا ہے تو وہ خیال ہی نہیں رکھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں جس پر
ثمرات مرتب ہوتے وہ تو ثمرات کا خیال کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔ ایسا شخص صرف فضل
کا امیدوار ہوتا ہے۔

(۵۷۵) ایک مولوی صاحب نے مثنوی شریف کے اس مصرع کا مطلب دریافت
کیا۔ مصرع

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند

(آنکھ، کان، منہ سب بند رکھو)

حضرت والا نے فرمایا کہ اس میں مولانا کی مراد اشغال نہیں ہیں بلکہ نامرضیات حق سے
پرہیز کرنا ہے۔ یہ اشغال تو صوفیہ نے بہت آخر زمانہ میں جوگیوں سے لئے ہیں اور
اس میں کچھ حرج بھی نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس کی حکایت
سنکر خندق کھدوائی بوجہ مفید ہونے کے۔ اور اشغال تو بہت ادنیٰ درجہ کی چیز ہیں اور
آجکل تو بزرگوں نے ان میں سے اکثر کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ لوگوں پر ضعف غالب ہے اور

اشغال سے دماغ، معدہ وغیرہ سب خراب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس میں ہلاک ہو گئے اور حضرت مولانا رومؒ کے زمانہ میں تو اشغال تھے بھی نہیں، یہ تو بہت آخر زمانہ کی ایجاد ہے۔

(۵۷۶) فرمایا کہ لباس کا یہ معیار ہے کہ ایسا لباس پہنے کہ خود اسکی طرف ملتفت نہ ہو یعنی اپنی نظر اس پر نہ پڑے۔ اگر کوئی نواب دو سو روپیہ کا جوڑا پہن لے تو وہ اسکی طرف کچھ بھی توجہ نہ کرے گا بخلاف معمولی غریب آدمی کے کہ اگر وہ پانچ روپیہ کا بھی پہن لیگا تو اسکے پھول بوٹوں ہی کو دیکھا کرے گا۔ اس لئے اس کے لئے دو سو کا جائز اور اسکے لئے پانچ کا ناجائز۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح اگر کوئی شخص بہت ہی ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنے تو اس کا قلب بھی ضرور اس میں مشغول ہو جائے گا اول تو یہ خیال کرے گا کہ میں بہت ذلیل و خوار ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ میں ایسا نفس مردہ ہوں کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں اپنی عزت کی۔ بس یہ بھی مشغولی ہے۔

(۵۷۷) ایک صاحب کا ایک لمبا خط آیا جس میں دین و دنیا دونوں کے متعلق پریشانیاں لکھی تھیں۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اپنے معاملات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے وہ جو کریں اس میں راضی رہے۔ یہ بہترین تدبیر ہے کوئی عمل کر کے دیکھے۔

(۵۷۸) فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کو ذکر و شغل تعلیم کیا جاتا ہے جہاں ان کو تھوڑی سی مدت گزری تو خیال کرنے لگتے ہیں کہ اتنے دن ہو گئے کچھ نہیں ہوا۔ کیا خدا تعالیٰ کے ذمہ قرض ہے اور کیا تمہارا استحقاق ہے کہ ان کے ذمہ پورا کرنا واجب ہو ایک اشکال اس صورت میں یہ وارد ہوتا ہے کہ ہم سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اس لئے ہم کو ملنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کون وعدہ پورا کر رہے ہیں کہ وہ اپنا وعدہ پورا کریں تو گویا تمہارے ایفا نہ کرنے کی حالت میں خدائے تعالیٰ کا وعدہ ہی نہیں ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ کہ "تم میرے عہد کو پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کروں گا" ایسا خیال کرنا حقیقت میں کبر ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہمیں اپنی حقیقت کی خبر نہیں۔ اگر حقیقت کی خبر ہو تو پانچ وقت

بھی نماز کی توفیق ہونے پر بھی ہمیں تعجب ہو۔ اور معلوم ہو کہ ہم تو اس قابل بھی نہ تھے یہ محض ان کا فضل ہے کہ ہمیں اس کی بھی توفیق ہوئی۔ اگر کوئی شخص کسی امیر کے یہاں سڑا ہوا خربوزہ لے جائے اور انعام کے استحقاق کا دعویٰ کرنے لگے تو اسکی کیا گت بنے گی۔ ظاہر ہے کہ دربار سے ذلت کے ساتھ نکال دیا جائے گا۔ حق تعالیٰ کا وہ فضل ہے کہ ہم کو سڑے ہوئے پر بھی انعام دیتے ہیں اور اپنے دربار سے نہیں نکالتے اس کو ہم غنیمت نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا کہ کیسے درجات۔ اس کا تو ہم کو خطرہ بھی نہیں آتا۔ یہی مدنظر ہے کہ جوتیاں نہ لگیں جس کے ہم مستحق ہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص فوجداری کا مجرم ہو اور مستحق جیل خانہ کا ہو اور حاکم اس پر رحم کھا کر بری کر دے اور وہ یوں کہنے لگے کہ مجھے گاؤں تو ملے ہی نہیں تو یوں کہا جائے گا کہ تیرا گاؤں ملنا تو یہی ہے کہ تو جیل خانہ سے بچ گیا۔ ف :۔ اس سے کمال عبدیت اور حقیقت شناسی اور شان تربیت مریدین ظاہر ہے

(۵۷۹) فرمایا کہ ذوق پیدا ہوتا ہے اہل اللہ کی صحبت اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے سے جو کہ اعتقاد و انقیاد کے ساتھ ہو کیونکہ یہاں محض تقلید سے کام چلتا ہے چون و چرا کرنے سے کام نہیں چلتا ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(عقل اور سمجھ تیز کرنا (اللہ تک پہونچنے کا) راستہ نہیں ہے (بلکہ اس راہ میں عاجزی اور شکستگی کی ضرورت ہے اس لئے کہ) اللہ کا فضل شکستہ دل لوگوں پر ہوا کرتا ہے، جیسے کوئی بچہ استاد کے سامنے الف بے لیکر بیٹھے اور استاد پڑھا دے کہہ الف اور کہہ بے اور بچہ یوں کہنے لگے کہ الف کی صورت ایسی کیوں ہوئی اور بے کی ایسی کس واسطے ہوئی تو استاد اس سے کہے گا کہ تو اپنے گھر کا راستہ لے۔ بات یہ ہے کہ ابتدا ہر امر کی تقلید محض ہے۔

(۵۸۰) فرمایا کہ طالب کی نیت تو رہبر بننے کی بھی نہ ہونی چاہیئے بلکہ یہ نیت ہو کہ ہمیں راستہ نظر آجائے۔ اور رہبر بننے کی نیت شرک فی الطریقت ہے۔ بلکہ بزرگ بننے کی بھی نیت نہ ہونی چاہیئے اگر یہ نیت ہے تو وہ شخص غیر حق کا طالب ہے۔ خود کچھ تجویز نہ کرے۔

(۵۸۱) فرمایا کہ حاجی صاحب کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق و سوزش ہو

اورظاہر میں اتباع ہو اور بزرگی وہ ہے جیس میں بزرگی بھی مٹ جائے مگر بدون پہلے بزرگی دیے فنا حاصل نہیں ہوتی جیسے انبہ میں شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے۔ شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے جس انبہ میں ترشی نہ آئے وہ شیریں نہیں ہوتا بلکہ اس کا مزہ خراب رہتا ہے۔ بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر فنا حاصل ہوتا ہے۔

(۵۸۲) فرمایا کہ اہل اللہ میں خودداری کہاں گالیاں بھی پڑنے لگیں تو پرواہ نہیں ہوتی گو طبعاً حزن ہو یہ حالت نہیں ہوتی کہ کسی کے بُرا بھلا کہنے پر اس کے درپے ہوگئے مشورہ کرتے پھر رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک طالب علم نے مولوی صاحب کا مقابلہ کیا مگر پھر بھی اس کے درپے نہ ہوئے حالانکہ ان کو اس پر پورا قابو تھا کیونکہ جن کے یہاں وہ ہیں وہ مجسٹریٹ ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا بھی کہ میں اسکو چھ ماہ سے کم جیل نہ بھیجوں گا۔ مگر مولوی صاحب نے کہا کہ میں اپنے نفس کیلئے ایسا نہ کروں گا۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک نمونہ اس وقت دکھایا مگر یہ مطلب نہیں کہ جس کو فنا کا درجہ حاصل نہیں ہوا تو وہ بزرگ نہیں بلکہ فنا یہ ہے کہ بزرگی ہوکر وہ بھی مٹ جائے جس کی علامت یہ ہے کہ بزرگ ہوکر اپنے کو بزرگ نہ سمجھے۔ اور صاحب فنا کیلئے یہ ضروری نہیں کہ کسی کے گستاخی کرنے پر دل میں خیال بھی نہ آئے۔ ہاں مقتضا پر عمل نہ ہوگا۔ ویسے تو امور طبعیہ ستاتے ہی ہیں۔ اور یہ سب چیزیں خدائے تعالیٰ کا عطیہ ہیں استحقاق کسی کو بھی نہیں مگر ہاں دُھن میں لگا رہے۔

(۵۸۳) فرمایا کہ ایک بار حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ کسی سے کسی قسم کی توقع مت رکھو چنانچہ مجھ سے بھی مت رکھو۔ یہ بات دین و دنیا کا گُر ہے۔ جس شخص کی یہ حالت ہوگی وہ افکار و ہموم سے نجات پاجائے گا۔

(۵۸۴) فرمایا کہ تکلفات اور رسوم نے معاشرت کا ناس کر رکھا ہے۔ مجھ کو مبہم بات سے ایسی پریشانی ہوتی ہے کہ بیان نہیں کرسکتا۔ زیادہ نہ بولنے کو ادب خیال کرتے ہیں۔ یہ تکلفات ایرانیوں سے سیکھی ہیں۔ مبہم بات سنت کے بھی خلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کتنا واضح ہوتا ہے مگر پھر بھی تین تین بار فرماتے تھے۔ صاف کلام کرنا سنت ہے۔ چنانچہ دیکھئے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کون

ہے۔ اس نے کہا اَنَا کہ میں ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اَنَا اَنَا معنی میں ہیں یا ہوتا ہے اپنا نام لو۔ بعض لوگ آتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ آپ اپنا خادم بنا لیجئے مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرید کر لیجئے۔ مگر یہ کلام مجمل ہے کیونکہ خادم تو عام ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے دامن میں لے لیجئے۔ اس کا مطلب تو یہ ہونا چاہئے کہ داماد بنا لیجئے۔ پھر جب تفتیش کرکے پوچھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مطلب یہ تھا کہ مرید کر لیجئے۔ خلاصہ یہ کہ مجمل بات کبھی ہی نہ چاہیئے بلکہ ایسا کلام بولے کہ مقصود پر دلالت مطابقی رکھتا ہو مجمل کلام بولنا تہذیب نہیں تعذیب ہے۔

(۵۸۵) فرمایا کہ شیخ وہ ہے کہ مصلح ہو نرا صالح ہونا کافی نہیں۔ ولی کے لئے صالح ہونے کی ضرورت ہے مصلح ہو یا نہ ہو۔ اور شیخ ولی ہونے کے لئے دونوں کے جمع ہونیکی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو۔ مصلح اگر صالح اور متقی نہیں تو ایسوں کے رستہ بتلانے میں برکت نہیں ہوتی عادۃ اللہ ہے کہ جو ایسوں سے رجوع کرتے ہیں ان کو طریق کی آمادگی نہیں ہوتی۔ شیخ کو چاہیئے کہ اپنے لئے خلوت کا بھی کچھ نہ کچھ وقت تجویز کرے اس سے بھی برکت ہوتی ہے۔

(۵۸۶) فرمایا کہ ایک بات سمجھ لینے کے قابل ہے کہ احکام شریعت کے خلاف کرنے سے تو آخرت میں عذاب ہوگا۔ اور آداب طریقت کے خلاف کرنے سے معصیت تو نہیں ہوتی۔ مگر دنیوی ضرر لاحق ہو جاتا ہے۔ آخرت کا ضرر نہ ہوگا گو کبھی بواسطہ آخرت سے بھی محرومی ہو جائے گی۔ کیونکہ اس مخالفت کا اول ضرر یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا نام لینے کی عادت جاتی رہتی ہے پھر تعطل ہو جاتا ہے پھر ترک مستحب پھر ترک سنت اور واجبات یہانتک کہ سلب ایمان کی نوبت آجاتی ہے کہیں اگر اس حالت میں بھی ہمت سے شریعت کا کام کرتا رہے تو آخرت کا نقصان نہیں مگر انشراح و راحت و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ پیر کے ناراض ہو جانے سے اللہ میاں ناراض ہوں گے۔ اور آداب طریقت میں سے کوئی ادب غامض نہیں۔ پیر کو مکدر نہ کیا جائے۔ طعن و اعتراض اس پر نہ ہو پیر سے غلطی ہو جانے پر نصیحت بھی کرے مگر ہو ادب سے۔

(۵۸۷) فرمایا کہ پیر کو مکدر نہ کرنا چاہئے۔ اگر تکدر سے بچنے کا قصد کرے اور تکدر ہو جائے تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔ اثر ہوتا ہے قلتِ مبالات کا۔ پس یہ تین حالتیں ہیں ایک تو دل دکھانے کا قصد ہو۔ دوسرے دل دکھانے کا قصد نہ ہو۔ تیسرے دل نہ دکھانے کا قصد ہو۔ پہلی حالت اشد ہے دوسری اہون۔ تیسری پسندیدہ۔ دوسری حالت کا باعث قلت مبالات ہے جس دل میں محبت وعظمت ہوگی تو بے پروائی نہیں ہو سکتی۔ اگر قلت مبالات ہے اور بے پروائی ہے تو یا تو محبت کم ہے یا عظمت کم ہے۔ اگر محبت وعظمت دونوں نہ ہوں تو ایسے موقع پر عقل سے کام لے سوچ کر کام کرے جس سے تکدر نہ ہو۔

(۵۸۸) فرمایا جس بات میں کوئی فائدہ نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہئے۔ جس کا عمل اس پر ہوگا اسکی زندگی بڑی حلاوت کی ہوگی خیر دنیا خیر عقبیٰ دونوں اسی کو حاصل ہوں گی لایعنی باتوں میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔

(۵۸۹) فرمایا کہ بڑے بننے میں لوگوں کو حظ ہے حالانکہ چھوٹے ہونے میں حظ ہے کیونکہ بڑے بننے میں سارے بار اس پر آجاتے ہیں۔ ہاں اگر منجانب اللہ کوئی خدمت اسکے سپرد ہو جائے تو اسکی اعانت ہوتی ہے اور خود بڑا بننے میں اعانت نہیں ہوتی۔ مولانا بڑے بننے کی مذمت میں فرماتے ہیں ؎

۱۔ خویش را رنجور سازد زار زار　　تا ترا بیرون کنند از اشتہار

۲۔ اشتہار خلق بند محکم است　　بند ایں از بند آہن کے کم است

(۱اپنے کو بیمار ضعیف ونا تواں بنائے رکھو تا کہ یہ باتیں تم کو شہرت سے دور رکھیں) (۲مخلوق میں مشہور ہونا ایک زبردست قید ہے۔ اور یہ قید وبند لوہے کی قید سے ہرگز کم نہیں ہے) اور جبکہ وہ بڑائی بھی جو کہ بلا قصد خود بخود ملے وہ بھی محل خطر ہے تو خود بڑا بننے کا تو کچھ کہنا ہی نہیں اور ایسے لوگ کم ہیں کہ سامان بڑائی کا ہو اور گمان بڑائی کا نہ آئے۔ یہ صدیقین کا کام ہے

(جاری)

حال :۔ حضرت! بلاکسی تامل اور اینچ پیچ کے صاف صاف عرض کرتا ہے کہ بس اس کے نام کے ساتھ برائے نام مولویت کی دُم لگی ہوئی ہے مگر جہالت کی حد یہاں تک ہے کہ اپنا مافی الضمیر بھی ادا کرنے سے قاصر ہے۔ مقصود ہوتا ہے کچھ اور لکھ جاتا ہے کچھ اور۔ اس لئے اب ذرا سوچ کر اور سنبھل کر عرض کر رہا ہے خدا کرے اب جہالت اثر نہ کرنے پائے اور مقصود ذرا صحیح طور پر ادا کر سکے، اس مرتبہ کی حاضری سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہم قرآن شریف کی طرف متوجہ ہی نہیں ہیں بس طوطے کی طرح بلاکسی خاص توجہ اور تذکر کے اس کے الفاظ پر گزر گئے نہ معنی سمجھے نہ مطلب اور نہ اس کے سمجھنے کی طرف دھیان ہے نہ خیال۔ بطور وظیفہ اور تبرک کے سرسری طور پر گویا کہ کچھ گن گنا لیا پھر لپیٹ کر رکھ دیا اور اسی کو سمجھ لیا کہ بس ہم نے تو تیر مار لیا بڑے بھاری ذاکر شاغل اور تالیٔ قرآن ہو گئے۔ بیشک یہ قرآن شریف کی بڑی ہی ناقدری ہے اور اسکی طرف سے حد درجہ کی بے اعتنائی ہے کہ وہ خداوند قدوس احکم الحاکمین کا کلام مقدس اور کلام ربانی۔ ہے جس طرح خداوند تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی اور جامع صفات کمالیہ ہے اسی طرح اس کا کلام بھی انہی صفات کے ساتھ متصف ہے اس کے اندر وہ تمام محاسن اور خوبیاں جمع فرمادی گئی ہیں جو رب العالمین کے کلام میں ہو سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس لئے نازل فرمایا کہ ہم اس کے الفاظ کو صحیح طور پر پڑھیں پھر اس کے معنی اور مطالب کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوں۔ اور اپنی امکانی کوشش صرف کرنے سے دریغ نہ کریں اور پھر اس پر دل وجان سے عمل کرنے کے لئے اس طرح جھکیں کہ اگر اس میں جان بھی چلی جائے تو یقین کریں کہ یہ ممات نہیں بلکہ اصلی حیات ہے کیونکہ اس میں حق سبحانہ تعالیٰ کے رضار کی قوی امید ہے جو کہ ایک مومن کا مقصود اصلی ہے۔

اب حضرت کے بار بار جھنجھوڑنے اور تنبیہ فرمانے سے یہ ذہن نشین ہو گیا کہ ابتک قرآن شریف سے بہت دوری رہی ہے اس کے سمجھنے کا کبھی قصد ہی نہیں کیا

اس لئے تمام بداخلاقیاں یکسر ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں۔ ایک رذیلہ کا بھی ازالہ نہیں ہوتا۔ اب اگر ہم فلاح دارین اور اللہ و رسول کی رضا کے طالب ہیں تو ہم کو کلام اللہ شریف کی طرف دل و جان سے ہر طرح توجہ کامل کرنا بیحد ضروری ہے اور کسی کامل سے حاصل کرنے اور اس کے سامنے اپنے کو بصیرت کے ساتھ جھکا دینے اور گرا دینے سے کچھ نصیب ہو سکتا ہے اور اپنے پرانے وطیرہ کو بدلنا از بس لازمی ہے اور اب تک ہجران قرآن کرکے جو قرآن پر ظلم کیا ہے اس سے بہت ہی توبہ و استغفار کرکے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کرکے معافی مانگنے کی ضرورت ہے اور اس سے اس کی ذات اور صفات اور کلام اللہ کی دل سے محبت ہونے اور دل سے لگاؤ پیدا ہو جانے کے لیے بار بار دعا مانگنے اور کوشش کی توفیق نصیب ہونے کے لئے تضرع و ابتہال سے عرض معروض کرتے رہنا چاہیئے اور اپنی استطاعت اور استعداد کے موافق اس کے حاصل کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے ٹھیک سے لگ جانا چاہیئے۔ امید ہے کہ اس نسخہ سے ہم کو شفا حاصل ہو۔ اور یہ نسخہ نسخہ کیمیا ثابت ہو اور اس نالائق نیز پوری امت کے اصلاح و سدھار کا سامان پیدا ہو جائے یا اللہ ان باتوں کو میرے دل میں ببرکت شیخ راسخ کر دیجئے۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمایئے

تحقیق:۔ آمین۔

(مکتوب نمبر ۶۲)

حال:۔ ایک عریضہ بذریعہ مکرمی۔۔۔ صاحب ارسال خدمت کر چکا ہوں ملاحظہ میں پیش ہوا ہوگا، اسوقت عریضۂ ہذا تحریر کرنیکی ضرورت پیش ہوئی کہ شب کو قریب ۴ بجے میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق ؒ نے تم کو سلام کہا ہے، اس خبر سے مجھے اسقدر خوشی ہوئی کہ میں نے غسل کا ارادہ کیا کہ غسل کرکے اور کپڑا بدل کر دو رکعت نماز ادا کروں

چنانچہ میں فوراً بمبے کے نیچے بیٹھ گیا غسل کیا بنیائن اور کرتا پہنا اور بھیگا تہبند باندھے ہوئے غسل خانے سے باہر نکلا کہ پائجامہ پہنوں۔ چنانچہ پائجامہ لیکر میں کمرے کے اندر چلا گیا اور پائجامہ پہن ہی رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی گھڑی دیکھی تو ۴ بجکر ۲۰ منٹ ہوئے تھے، اٹھ کر وضو کیا اور اپنے اوراد و وظائف میں مشغول ہو گیا جس کا معمول ہے۔ میں نے خواب کسی سے بیان نہیں کیا۔ آپ سے استدعا ہے کہ اس خواب کی تعبیر سے مجھے سرفراز فرمائیں آپ کی عین عنایت ہوگی تکلیف کی معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن کوئی اور ایسا شخص سمجھ میں نہ آیا جس سے خواب کی تعبیر پوچھ سکتا۔

تحقیق:- عنایت فرمائے بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے پہلے خط کا جواب دے چکا ہوں، سید صاحب سے مل جائے گا خواب نہایت مبارک ہے آپ کو صدق و خلوص جو سادات کا موروثی ہے انشاءاللہ تعالیٰ ملے گا اور ان کا فیض آپ کو پہونچے گا، منتظر رہیئے اور میرے لئے بھی دعا کرتے رہیئے، اس خواب سے مجھکو بہت مسرت ہوئی، والسلام

(مکتوب نمبر)

حال:- اس بار جب حضرت کے یہاں سے لوٹ کر آیا تو مختصر المعانی کا یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا ؎

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ　　اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

(اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کچھ عجیب نہیں کہ سارے عالم کو کسی ایک فرد میں جمع کر دیں یعنی بشمار خصوصیات اور کمالات کا حامل بنا دیں)

آپ کی وہ اونچی اونچی اللہ والی باتیں جس سے قلوب دہل جاتے ہیں اور رونگٹے کانپ جاتے ہیں سنکر حضرت امام غزالیؒ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا ہے مثلاً کلام الٰہی کے متعلق جو انکشافات کالشمس فی نصف النہار واضح ہی نہیں بلکہ شرح صدر فرمائے ہیں وہ ایسی ایسی حقیقت بیّنہ ہے جس کو

ہر شخص بلا کسی تامل اور غور وخوض کے بدل وجان تسلیم کر لینے میں اپنی فلاح و بہبود سمجھتا ہے کہ آپ نے ساری امت کی دکھتی ہوئی رگ نہایت مضبوطی سا تھ پکڑ لی ہے۔ اور صرف پکڑی ہی نہیں بلکہ بحولہٖ وقوتہٖ تبارک وتعالےٰ کمر کس کر اس پر عمل درآمد نہایت ہی جامع، انفع اور اسلم طریق سے شروع فرمادیا ہے۔ خدا کرے ہم سب کو حضرت والا سے اس نعمت عظمیٰ اور دولت بے بہا کے حاصل کرنے کی خلوص و استقلال کے ساتھ توفیق ملتی رہے۔ بندہ کا دل کہتا ہے کہ اسوقت دین پر اور بالخصوص اس کا جو اُم اور راس ہے یعنی قرآن کریم پر جس قدر تراکم غبار ہوگیا ہے اسکی ہر ایک تہ کو چھانٹنے اور صاف کرنے کے لئے مجددانہ شان سے حضرت تجدید دین فرمارہے ہیں۔ تمام علوم ومعارف کا منبع اور سرچشمہ کلام اللہ ہے اور سب کا منتہیٰ اور مقصود یہی ہے۔ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ مولوی مولٰنا کہلائے جانے والے بہت سے اصحاب قرآن کے معنیٰ سے نابلد ہیں اور حضرت! بندہ تو اس سے بھی ترقی کرکے کہتا ہے کہ معنیٰ تو دور کی چیز ہے ہماری برادری کے بہت سے لوگ صحیح الفاظ نکالنے اور پڑھنے سے قاصر ہیں اور اسکی وجہ محض وہی ہے جو حضرت فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کے پڑھنے اور اس کے سمجھنے کا قصد ہی نہیں کیا ادھر ادھر کی باتوں میں رہ گئے اور اصل مقصود کو کھو کر کہیں اور جا لگے اور اس طرف دھیان نہ کرنے کی وجہ بھی حضرت کے فرمودہ ایک واقعہ سے معلوم ہو رہی ہے کہ جامع ازہر مصر یا بغداد کے نظامیہ کو جس بادشاہ نے قائم کیا تھا وہ ایک روز شب میں مدرسہ کے اندر گشت کرکے طلبہ سے فرادیٰ فرادیٰ علم پڑھنے کی غرض وغایت پوچھنے لگا تو کسی نے کہا کہ میں اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ میرے والد صاحب قاضی ہیں پس فارغ ہونے کے بعد میں بھی درجہ قضاۃ پر پہونچ جاؤں گا۔ کسی طالب علم نے کہا کہ میرے والد مفتی ہیں پڑھ کر میں بھی مفتی ہوجاؤں گا۔ کسی نے کہا کہ میں اپنے والد کی جگہ پر صدر الصدور بنا دیا جاؤں گا غرضیکہ سب نے کسی نہ کسی دنیوی غرض کو بیان کیا۔ اخیر میں حضرت امام غزالیؒ کے پاس جاکر ان سے

بھی وجہ دریافت کی آپ اسوقت وہیں پر تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس غرض سے علم حاصل کر رہا ہوں کہ اس علم کے ذریعہ سے مرضیات و منہیات الہیہ معلوم کرسکوں تاکہ مرضیات کو تو لے لوں اور اس پر پابند ہو جاؤں اور منہیات کو ترک کر کے اس سے الگ ہو جاؤں اور اس سے بچتا رہوں۔ بادشاہ جب اپنے محل میں گیا اور صبح کو اعیانِ دولت کو جمع کر کے رات کے واقعات سنائے اور یہ کہا کہ میں نے تو طلبہ کے بیانات وجہ سنکر قصد کر لیا تھا کہ بس میں اب اس مدرسہ کو توڑ دوں گا کیونکہ سبھوں کی غرض محض کسب دنیا ہے کوئی بھی اللہ اور دین کے لئے نہیں پڑھ رہا ہے۔ مگر ایک لڑکے نے کہا کہ میں اللہ کے لئے اور دین حاصل کرنے کے لئے پڑھ رہا ہوں۔ پس اسکی وجہ سے اس توڑنے کے ارادے کو توڑ دیا۔

حضرت بالکل یہی حال ہمارا ہے ابتداہی سے نیت فاسد ہے پس وہی فساد ہر جگہ اپنا اثر دکھاتا ہے جس طرح نحو، صرف، ادب، معانی، منطق، کلام اور فقہ وغیرہ کے فنون پڑھتے ہیں اسی طرح تفسیر اور کلام اللہ بھی مثل حریری متنبی اور حماسہ وغیرہ کے پڑھ لیتے ہیں بلکہ یہاں بھی بندہ ترقی کر کے کہتا ہے کہ جس قدر اور فنون میں محنت کرتے ہیں اور جی لگا کر پڑھتے ہیں اس سے کہیں کم درجہ بلکہ عُشرِ عشیر قرآن سیکھنے میں کوشش کرتے ہیں۔ خود بندہ کے ایک ہم سبق بلوچستانی صاحب تھے ان کے متعلق معلوم ہوا کہ بیس سال تک صرف منطق پڑھتے رہے ہیں وہ بھی ایک جگہ نہیں دور دور مقامات میں گھوم گھوم کر اس فن کو حاصل کیا ہے۔ جہاں خبر ملی کہ کوئی منطق کے ماہر استاذ ہیں بس وہاں پہونچ گئے، ان سے سیکھنے کے بعد کسی اور کا پتہ چلا تو ان کے پاس وارد ہو گئے اس طرح بیس سال تک گھومتے اور چکر لگاتے رہے اور جب دینیات کی باری آئی بس ایک سال پڑھ کر رخت سفر باندھ لیا اور اسی پر اکتفا کر لیا۔ بھلا اس سے قرآن شریف آسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ہم سب کورے کے کورے رہ گئے ہیں

بلکہ اس گندگی کی وجہ سے اپنا گھر تو خراب ہو ہی گیا س کا اثر بد اور دن
بھی جا پہونچا اور اب بداخلاقی کی وجہ سے کسی طرح بھی سکون و اطمینان نہ
گھر گھر قریہ قریہ بلد در بلد فساد ہی فساد کا دور دورہ ہے۔ بڑے چھوٹے پڑھ
اور اَن پڑھ۔

غرضیکہ آنواں کا آنواں سب ہی ایک طرح کے ہو رہے ہیں۔ مدرسہ ہو
جلسے جلوس ہوں یا اور قسم کے ادارے سب پر بحرانی کیفیت طاری، بلکہ مس
ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ انا ولاغیری کا ادعائے باطل۔ حضرت اس تھوڑی س
یں بہت کچھ دیکھ چکا اور بہت سی گھاٹیوں سے گذر چکا۔ اب نہایت ہی
اور ادب سے التماس ہے کہ دعا فرمائیں کہ اس نالائق کو آپ کی حقانی باتو
اور ربانی طریقوں پر خلوص اور استقلال سے چلنے کی توفیق ہمیشہ ملتی رہے۔

تحقیق:۔ پوری تحریر دیکھی خوب لکھا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ

(مکتوب نمبر ۶۴)

حال:۔ عریضۂ احقر مشرف بجواب گرامی حضرت والا اشرف صدور لایا۔ سا
کچھ ارشادات عالیہ دوسرے پرچہ پر عزیزی و محترمی مولوی ..... صاحب
کے لکھے ہوئے جو حضرت والا ہی کے حکم سے لکھے گئے ہیں مزید موجب ہدایت
راہ بنے جو یقیناً وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ کی ضوء افشانی کر رہے ہیں:۔

پہلا ارشاد یہ ہے کہ "اب میں لکھنے ہی والا تھا کہ آپ اب یہاں نہ آیئے مگر خ
جانے سے پہلے ہی آپ کا خط آگیا بہت اچھا ہوا" سیّدی! یہ گنہ گار بلاشبہ
باطنی نجاست اور ذہنی غباوت و بلادت کی بنا پر اسی قابل ہے کہ کتے کی طرح
مجلس پاک سے دور رکھا جائے۔ اگر مجھ گندے اور ناکارہ کے ساتھ ایسا معاملہ
ہوتا یا آئندہ ہو تو یہ بالکل عدل اور عین انصاف ہے۔ مگر ہمیشہ اسکے برخلاف
وصنع و کرم فرمایا گیا ہے یہ حضرت والا کا غایت درجہ حلم و سراپا فضل ہے مجرم
بندہ تو ہمیشہ فضل ہی کا متمنی رہا اور اب بھی اسکی التجا کرتا ہے کیونکہ پہلے م

یں تو اس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ **تحقیق** :۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے
:۔ مزید ارشاد ہوا ہے کہ "حضرت مولانا قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف
کی کتابیں مشائخ کے لئے ہیں طالبین کے لئے نہیں۔ جیسے طب کی کتابیں طبیب
کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ تفسیر کی کتابیں مفسر
کے لئے ہیں اور حدیث کی کتابیں محدث کے لئے ہیں اور فقہ کی کتابیں فقیہ
کے لئے ہیں سب کیلئے نہیں ہیں، اسکو خوب سمجھئے"
یق :۔ اسی طرح قرآن شریف اہل اللہ کے لئے ہے۔ **حال** :۔ سیدی اس ارشاد عالی
پر بفضلہ تعالیٰ ایمان ہے اور یہ ایمان تقلیدی اور بالغیب نہیں ہے بلکہ حضرت والا
دامت برکاتہم کے دربار گہربار میں ہمہ وقت اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔
یق :۔ الحمدللہ۔ **حال** :۔ فقہ و حدیث، تفسیر و تصوف کی بڑی بڑی کتابوں
کا تو ذکر ہی کیا ہے ان کتابوں کا تو لفظی ترجمہ بھی ہم جیسے نا اہلوں سے مشکل ہے
نہ یہ کہ ان کے مضامین عالیہ دقیقہ تک رسائی۔ درسیات کی ابتدائی کتابیں جو چھوٹی
اور سہل سمجھی جاتی ہیں۔ مثلاً گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی یہ بھی محقق اور کامل
ہی کیلئے ہیں۔ حضرت والا ہی کی خدمت میں پہونچ کر ان کتابوں کی اہمیت معلوم
ہوئی۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔ **حال** :۔ اور مشاہدہ ہوا کہ تصوف کی کتابیں
مشائخ کے لئے ہیں طالبین کے لئے نہیں۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔
ال :۔ جب کبھی کوئی حکایت یا کوئی مضمون حضرت والا نے ان کتابوں کا سنایا تو
معلوم ہوا کہ کیسے کیسے جواہرات ہیں جو کبھی سجھائی نہ دیئے۔ **تحقیق** :۔ بیشک
ال :۔ اور کیسے سجھائی دے دیکھنے کو تو چشم بینا چاہیئے۔ **تحقیق** :۔ بیشک
ال :۔ میرے مولیٰ خیر یہ تو تصوف کی کتابیں ہیں ان میں اخلاق کے مضامین ہیں
حضرت والا تو جس کتاب اور جس چیز کو لے لیتے ہیں وہاں حقائق و معارف ہی
نکل آتے ہیں۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔ **حال** :۔ سچ ہے ؎

نہ گویند از سر بازیچہ حرفے کز و پندے نہ گیرد صاحب ہوش
(مزاح کے طور پر بھی لوگ کوئی بات کہتے ہیں تو عقلمند آدمی اس سے بھی نصیحت و عبرت حاصل کرلیتا ہے)

اور مجھ جیسے بیہوش اور بلید کے لئے تو ؎

وگر صد باب حکمت پیش ناداں بخوانی آیدش بازیچہ درگوش

(اور اگر حکمت و دانائی کی سیکڑوں نصیحتیں نادان و بدفہم کے سامنے بیان کرو تو اس کے کان میں ایک تماشا ہی معلوم ہوں گی)

حضرت والا کی خدمت میں دست بستہ اور بڑی ہی لجاجت سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال**:۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا سے اخذ فیوض کی توفیق مرحمت فرمائیں اور محرومی سے بچائیں۔ **تحقیق**: آمین

حال:۔ کیونکہ ؎

بے عنایات حق وخاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بدون عنایت خداوندی اور اللہ والوں کی توجہ کے اگر کوئی شخص فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہی ہے)

اور یہاں تو یہ عاجز بالکل بندۂ نفس و شیطان ہے دعا فرمائیں کہ

تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال**:۔ اللہ تعالیٰ ان کے پنجہ سے رہائی بخشیں۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ اور ان کے مکائد سے نجات عنایت فرمائیں۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ قرآن و حدیث کے علوم اور اس سے ذوق و مناسبت کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے "کہ بس اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل خاص سے کسی بندے پر مفتوح فرماتے ہیں ورنہ دروازہ بالکل بند ہے اس کے بعد روح المعانی کی عبارت العجب کل العجب الخ نقل کرائی گئی ہے۔ واقعی بالکل بند ہی بندہے قفل لگا ہوا ہے۔ اور علوم عربیہ لغت، نحو، صرف، معانی وغیرہ سے اس کی عقدہ کشائی کی فکر حماقت ہی حماقت اور خیال خام ہے، بالکل بجا ارشاد فرمایا گیا ہے کہ لغت کا علم اور ہے اور قرآن و حدیث کا علم اور اس سے ذوق و مناسبت اور ہے **تحقیق**:۔ بالکل یہی بات ہے

حال:۔ دعا فرمائیں کہ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال**:۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور ذوق نصیب فرمائیں۔ **تحقیق**:۔ آمین



شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا
دینی اصلاحی ماہوار رسالہ
مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الٰہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ مطابق جولائی ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جا سکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

جن احباب نے سال رواں کا زر تعاون ابتک نہیں ارسال فرمایا وہ براہ کرم اولین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیں بصورت دیگر ہم انکے نام اجراء رسالہ سے معذور ہوں گے۔

باسمہ سبحانہٗ

خیز ..... از خواب گراں خیز!

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ

اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں سو جو شخص دیکھ لیگا وہ اپنا فائدہ کریگا جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کریگا اور میں تمہارا نگراں نہیں ہوں

ایک موج خون سر سے گذر چکی ہے، ابتلا و آزمائش کے کتنے مرحلے ابھی طے کرنے ہیں، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے یہ حادثات اگر اب بھی ہمارے مزاج کو بدلنے میں ناکام رہے، اور یہ سانحات کوئی تغیر پیدا نہ کر سکے تو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹنے سے ہمیں کوئی روک نہیں سکتا، بات تشویش کی یہ نہیں کہ ساری دنیا عالم اسلام کے خلاف سازش میں منہمک ہے بلکہ مسلمانوں کی غفلت، بے راہروی دین سے انحراف، تعلیم سے دوری، عمل میں کوتاہی اور عیش پسندی، جمود اور بے حسی اصل تشویشناک امر ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ○

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے پھر (انکی نافرمانیوں کے سبب) ہم انھیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے، تاکہ عاجزی کریں۔ع٥

یہ حادثات اور واقعات آگاہ اور متنبہ کرنے کیلئے ایک الارم ہیں تاکہ ہم اپنا احتساب کریں اور سوچیں وہ خدا جو ہم پر نہایت مہربان تھا، وہ آخر کیوں ناراض ہوگیا، اسکی رحمتیں کیوں ہم سے دور ہوتی جارہی ہیں اسکے فضل کا معاملہ کیوں ختم ہوتا جارہا ہے؟ اسکی مدد شامل حال کیوں نہیں ہوتی؟ اسکے بندوں کا قافلہ جب اس ملک کے ساحلوں پہ اترا، سرحدوں میں داخل ہوا، نہایت مختصر ہونے کے باوجود سربلند اور غالب تھا، لیکن آج ہم عظیم افرادی قوت اور وسائل و ذرائع ہونے کے باوجود پست تر ہوکر ذلت و رسوائی کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ خدا وحدہ لاشریک پر ایمان رکھنے والے بندے کبھی ریگستانوں کو روندتے اور چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے ایوانوں تک پہنچے تھے، لیکن آج ہم اپنے تحفظ کیلئے پناہ گاہوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں، وہ جذبۂ ایمان کہاں؟ جس کی حرارت نے ہمارے بازوؤں میں ایسی قوت عطا کی تھی کہ ایک ہی ضرب سے

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا تو کیوں نہیں عاجزی کرتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان ان کے

باطل کی صفیں پراگندہ ہوجاتیں اور مضبوط فصیلیں شگاف زدہ ہوجایا کرتیں اب ہم اتنے ناتواں اور ضعیف ہوگئے کہ اپنے اسلاف کی عظمتوں اور عمارتوں کی پاسبانی بھی نہ کرسکے۔ بت پرستوں کے قلب میں چند ہزار افراد نے "اللہ کا گھر" بنایا تھا اور آج کروڑوں اس گھر کی حفاظت نہ کرسکے حسرت و یاس کی تصویر بنے اشک بار آنکھوں سے انہدام کا کربناک منظر دیکھتے رہے یہ صرف اس بنا پر سے

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے   آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

کیا ہم نے کبھی اس تبدیلی پر غور کیا ہے۔ موجودہ حیثیت سے بے چین و مضطرب ہوئے زوال کے اسباب جاننے کی کوشش کی؟ اگر نہیں تو یہ ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی اسی غفلت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم تغافل برت رہے ہیں۔ جانتے سمجھتے اعراض کر رہے ہیں تو پھر اس سے زیادہ سنگین نتائج کے لئے تیار رہنا چاہئے

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ○   جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے عمل کی سزا پائیں گے (پ الانعام)

اب بھی موقع ہے کہ حالات سے سبق لیں اور اپنے رب کریم کو رو کر، گڑگڑا کر راضی کرلیں اعمال سیئہ اور عقائد فاسدہ سے توبہ کرکے خدائے ذوالجلال کی طرف رجوع ہوں اور اسی سے فریاد کریں اور یکسو ہوکر اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو انشاء اللہ احکم الحاکمین دستگیری فرمائیں گے اور باطل کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائیں گے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔

حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں "مسلمان اگر خدا کی طرف متوجہ ہوجائیں اور الحاح وزاری سے دعا شروع کردیں تو آج بھی خدا کی رحمت متوجہ ہوسکتی ہے مکہ کے مسلمانوں پر جب قریش نے مظالم کی حد کردی اور ان کو ہجرت کرکے مدینہ منورہ بھی نہ جانے دیا تو ان مسلمانوں نے دعا ہی کا سہارا لیا۔ جب کوئی قوم مغلوب ہو اور اس پر ظلم کیا جارہا ہو تو اس سے نجات کا طریقہ یہی ہے کہ بس اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ

بایا جائے اور الحاح وزاری کے ساتھ انھیں سے فریاد کی جائے اور کہا جائے
یا اخرجنا من هٰذه القریة الظالم — اے ہمارے پروردگار ہمکو اس بستی سے نکال جسکے
اهلها واجعل لنا من لدنک ولیا — رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لیے کسی دوست کو
واجعل لنا من لدنک نصیرا — کھڑا کیجیے اور ہمارے لیے کسی حامی کو بھیجیے (درد و رنج)
دست زنداں کی آرزو کوئی ایسا خواب نہیں جو شرمندۂ تعبیر نہو سکے بشرطیکہ یہاں یقین
قوت اور کردار وعمل کی پختگی کے ساتھ ظلم وجور کے اس طوفان بلاخیز کا مقابلہ کیا جائے
ایمان وعمل یہی وہ ہتھیار ہیں جس سے اہل ایمان نے دنیاوی اسباب سے بے سروسامان
ہوتے ہوئے بھی مضبوط اور ناقابل تسخیر سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیے۔ انکی یورشیں
بلند فصیلیں روک سکیں، نہ آہنی دیواریں، دشت وجبل اور بحر بیکراں ان کے
مرکب تیزگام کے لئے مانع نہ بن سکے۔ نہ دشمن کی طاقت سے مرعوب ہوئے، نہ ان کے
ساز و سامان سے خوف زدہ، بلکہ دشمن کی کثرت اور طاقت ان کے ایمان کی زیادتی
کا باعث بنتی اور انکا تعلق خدا کی ذات سے مضبوط تر ہو جاتا

الذین قال لهم الناس ان الناس — جب ان سے آکر لوگوں نے بیان کیا کہ کفار نے تمہارے
قد جمعوا لکم فاخشوهم فزادهم — مقابلے کیلئے لشکر کثیر جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو!
ایمانا وقالوا حسبنا الله ونعم — تو انکا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور کہنے لگے خدا ہمارے لئے
الوکیل (پ۴ آل عمران) — کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

اسی یقین واعتماد کی بنا پر بارہا چشم فلک نے دیکھا بے سروساماں سروساماں والوں
پر غالب آ گئے

کم من فئة قلیلة غلبت فئة — بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی
کثیرة باذن الله والله مع الصٰبرین — جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال
رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔

مشیت الٰہی اور نصرت خداوندی ایسے ایسے عجیب کرشمے دکھاتی ہے کہ دیدہ و دل حیران
اور عقل و ذہن متحیر ہو کر رہ جاتے ہیں ناممکن کس طرح ممکن بنکر وقوع پذیر ہوتا ہے اسکا ادراک

(بقیہ ص ۲۴ پر)

خواتین کی نماز | اوپر نماز کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ مَردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کی نماز مندرجۂ ذیل معاملات میں مردوں سے مختلف ہے۔ لہٰذا خواتین کو ان مسائل کا خیال رکھنا چاہیئے :۔

(۱) خواتین کو نماز شروع کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیئے کہ اُن کے چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کے سوا تمام جسم کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔ بعض خواتین اس طرح نماز پڑھتی ہیں کہ ان کے بال کُھلے رہتے ہیں۔ بعض خواتین کی کلائیاں کھلی رہتی ہیں۔ بعض خواتین کے کان کُھلے رہتے ہیں۔ بعض خواتین اتنا چھوٹا دوپٹہ استعمال کرتی ہیں کہ اس کے نیچے بال لٹکے نظر آتے ہیں۔ یہ سب طریقے ناجائز ہیں۔ اور اگر نماز کے دوران چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے سوا جسم کا کوئی عضو بھی چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھُلا رہ گیا جس میں تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہا جا سکے تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ اور اس سے کم کھُلا رہ گیا تو نماز ہو جائے گی۔ مگر گناہ ہوگا۔

(۲) خواتین کیلئے کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے سے افضل ہے اور برآمدے میں پڑھنا صحن سے افضل ہے۔ (۳) عورتوں کو نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک نہیں، بلکہ کندھوں تک اُٹھانے چاہئیں۔ اور وہ بھی دوپٹے کے اندر ہی سے اٹھانے چاہئیں، دوپٹے سے باہر نہ نکالے جائیں۔ (بہشتی زیور)

(۴) عورتیں ہاتھ سینے پر اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ دیں۔ انھیں مَردوں کی طرح ناف پر ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔ (۵) رکوع میں عورتوں کیلئے مَردوں کی طرح کمر کو بالکل سیدھا کرنا ضروری نہیں۔ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کم جُھکنا چاہیئے۔ (طحطاوی علی المراقی ص ۱۴۱)

(۶) رکوع کی حالت میں مَردوں کو انگلیاں گھٹنوں پر کھول کر رکھنی چاہئیں لیکن عورتوں کیلئے حکم یہ ہے کہ وہ انگلیاں ملا کر رکھیں، یعنی انگلیوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو۔ (درمختار)

(۷) عورتوں کو رکوع میں اپنے پاؤں بالکل سیدھے نہ رکھنے چاہئیں، بلکہ گھٹنوں کو

گے کی طرف ذرا سا خم دے کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ (درمختار)

(۸) مردوں کو حکم یہ ہے کہ رکوع میں ان کے بازو پہلوؤں سے جدا اور تنے ہوئے ہوں، لیکن عورتوں کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیئے کہ ان کے بازو پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں۔ (ایضاً) (۹) عورتوں کو دونوں پاؤں ملا کر کھڑا ہونا چاہیئے خاص طور پر دونوں ٹخنے تقریباً مل جانے چاہئیں۔ پاؤں کے درمیان فاصلہ نہ ہونا چاہیئے۔ (بہشتی زیور)

(۱۰) سجدے میں جاتے وقت مردوں کیلئے یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ جبتک گھٹنے زمین پر نہ ٹکیں اُسوقت تک وہ سینہ نہ جھکائیں۔ لیکن عورتوں کیلئے یہ طریقہ نہیں ہے وہ شروع ہی سے سینہ جھکا کر سجدے میں جا سکتی ہیں۔ (۱۱) عورتوں کو سجدہ اسطرح کرنا چاہیئے کہ ان کا پیٹ رانوں سے بالکل مِل جائے اور بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں۔ نیز عورت پاؤں کو کھڑا کرنے کے بجائے انھیں دائیں طرف نکال کر بچھا دے۔ (۱۲) مردوں کیلئے سجدے میں کہنیاں زمین پر رکھنا منع ہے لیکن عورتوں کو کہنیوں سمیت پوری بانہیں زمین پر رکھ دینی چاہئیں۔ (درمختار)

(۱۳) سجدوں کے درمیان اور التحیات پڑھنے کیلئے جب بیٹھنا ہو تو بائیں کولھے پر بیٹھیں، اور دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکالدیں اور دائیں پنڈلی پر رکھیں۔ (طحطاوی) (۱۴) مردوں کے لئے حکم یہ ہیکہ وہ رکوع میں اُنگلیاں کھول کر رکھنے کا اہتمام کریں اور سجدے میں بند رکھنے کا، اور نماز کے باقی افعال میں انھیں اپنی حالت پر چھوڑ دیں، نہ بند کرنیکا اہتمام کریں نہ کھولنے کا۔ لیکن عورت کیلئے ہر حالت میں حکم یہ ہیکہ وہ انگلیوں کو بند رکھے، یعنی انکے درمیان فاصلہ نہ چھوڑے۔ رکوع میں بھی سجدے میں بھی، دو سجدوں کے درمیان بھی۔ اور قعدوں میں بھی۔ (۱۵) عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ ہے انکے لئے اکیلی نماز پڑھنا ہی بہتر ہے۔ البتہ اگر گھر کے محرم افراد گھر میں جماعت کر رہے ہوں تو انکے ساتھ جماعت میں شامل ہو جانے میں کچھ حرج نہیں لیکن ایسے میں مردوں کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے، برابر میں ہرگز کھڑی نہ ہوں۔

مسجد کے چند ضروری آداب (۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں:۔ بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

(۲) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کرلیں کہ جتنی دیر مسجد میں رہونگا اعتکاف میں رہونگا

اس طرح انشاء اللہ اعتکاف کا ثواب بھی ملے گا۔ (۳) داخل ہونے کے بعد اگلی صف میں بیٹھنا افضل ہے، لیکن اگر جگہ بھر گئی ہو تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائیں۔ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنا جائز نہیں۔ (۴) جو لوگ مسجد میں پہلے سے بیٹھے ذکر یا تلاوت میں مشغول ہوں، ان کو سلام نہیں کرنا چاہیئے، البتہ اگر اُن میں سے کوئی از خود متوجہ ہو اور ذکر وغیرہ میں مشغول نہ ہو، تو اُس کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (۵) مسجد میں سنتیں یا نفلیں پڑھنی ہوں تو اسکے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں سامنے سے لوگوں کے گزرنے کا احتمال ہو۔ بعض لوگ پچھلی صفوں میں نماز شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ انکے سامنے اگلی صفوں میں جگہ خالی ہوتی ہے چنانچہ انکی وجہ سے دور تک لوگوں کیلئے گزرنا مشکل ہوجاتا ہے اور انھیں لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہے ایسا کرنا گناہ ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی حالت میں نمازی کے سامنے سے گزر گیا تو اسکے گزرنے کا گناہ بھی نماز پڑھنے والے پر ہوگا۔ (۶) مسجد میں داخل ہونے کے بعد اگر نماز میں کچھ دیر ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی نیت سے پڑھ لیں، اسکا بہت ثواب ہے۔ اگر وقت نہ ہو تو سنتوں ہی میں تحیۃ المسجد کی نیت کرلیں اور اگر سنتیں پڑھنے کا بھی وقت نہیں ہے اور جماعت کھڑی ہے تو فرض میں بھی یہ نیت کی جا سکتی ہے۔

(۷) جبتک مسجد میں بیٹھیں ذکر کرتے رہیں۔ خاص طور پر اس کلمے کا ورد کرتے رہیں:۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (۸) مسجد میں بیٹھنے کے دوران بلا ضرورت باتیں نہ کریں، نہ کوئی ایسا کام کریں جس سے نماز پڑھنے والوں یا ذکر کرنیوالوں کی عبادت میں خلل آئے۔ (۹) نماز کھڑی ہو تو اگلی صفوں کو پہلے پُر کریں، اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو تو پچھلی صف میں کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ (۱۰) جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے جب امام منبر پر آجائے تو اس وقت سے نماز ختم ہونے تک بولنا یا نماز پڑھنا یا کسی کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز نہیں ہے۔ اس دوران اگر کوئی شخص بولنے لگے تو اُسے چپ رہنے کی تاکید کرنا بھی جائز نہیں۔ (۱۱) خطبہ کے دوران اسطرح بیٹھنا چاہیئے جیسے التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور دوسرے خطبہ میں ہاتھ زانو پر رکھ لیتے ہیں۔ یہ طریقہ بے اصل ہے، دونوں خطبوں میں ہاتھ زانو پر رکھ کر بیٹھنا چاہیئے۔ (۱۲) ہر ایسے کام سے پرہیز کریں جس سے مسجد میں گندگی ہو، بدبو پھیلے یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچے (۱۳) کسی دوسرے شخص کو کوئی غلط کام کرتے دیکھیں تو چپکے سے نرمی کے ساتھ سمجھا دیں، اسکو بر سرِ عام رُسوا کرنے، ڈانٹ ڈپٹ یا لڑائی جھگڑے سے مکمل پرہیز کریں۔

اب اسکے بعد جنّت کی دوسری نوع کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
فِیْهِنَّ خَیْرَاتٌ حِسَانٌ ٥ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ٥ (ان میں خوبصورت خوب سیرت عورتیں ہوں گی۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔) حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ ٥ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ٥ (وہ عورتیں گوری رنگت کی ہونگی۔ خیموں میں محفوظ ہونگی سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے) لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ٥ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ٥ (ان لوگوں سے پہلے ان پر نہ تو کسی آدمی نے تصرف کیا ہو گا اور نہ جن نے۔ سو اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے) مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ٥ فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ ٥ (وہ لوگ سبز مشجر اور عجیب خوبصورت کپڑوں پر تکیہ لگا کے بیٹھے ہوں گے۔ سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے) تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ٥ (بڑا بابرکت نام ہے آپ کے رب کا جو عظمت والا اور احسان والا ہے)

اسی طرح سے ایک اور مقام پر جنتیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ٥ (بیشک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہونگے) فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ٥ (یعنی باغوں میں اور نہروں میں) یَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِیْنَ ٥ (وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے) کَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ٥ (یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری اور بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے نکاح کر دیں گے) یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِکُلِّ فَاکِهَةٍ اٰمِنِیْنَ ٥ (اور وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے) لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ (اور وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے)

سبحان اللہ! کلام کی شوکت و شان ملاحظہ فرمایئے مجال نہیں کہ کوئی اہل دل ان آیات کی تلاوت کر دے اور اہل ایمان کے قلوب نہ ہل جائیں۔ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا وعظ ہے اس سے بڑھ کر کس کا وعظ ہو سکتا ہے۔

جہنم کے ہولناک احوال اسی طرح ایک جگہ دوزخ اور دوزخیوں کے حالات کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۝ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ۝ ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ ۝ (بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم یعنی کافر کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ اور پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسکو پکڑو۔ پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لیجاؤ پھر اس کے سر پر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑ دو (اور اس سے استہزا کیا جائیگا کہ) لے چکھ تو تو بڑا معزز اور مکرم بنتا تھا (اور دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے) (سورہ دخان)

دل کی نرمی اور تری یہ تو میں نے محض مثال کے طور پر قرآن شریف سے دو ایک مقام آپ کو سُنا دیا تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ قرآن شریف میں بھی جنت و دوزخ کا ذکر ہے جس کو ہم لوگ بھولے ہوئے ہیں کیونکہ آج سب کچھ ہے۔ نماز روزہ بھی ہے ذکر و تلاوت بھی ہے مگر اصلی چیز جو ہونی چاہئے تھی وہی غائب ہے یعنی قلب میں ذرا تری نہیں ہے۔ اسی تری اور نرمی پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کے حالات بالتفصیل سنائے ہیں۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے لئے رونا نہیں آتا۔ میں نے کہا کہ خیر اللہ تعالیٰ کیلئے نہ آتا ہو۔ مگر بیوی بچوں کیلئے آئے گا۔ یعنی جب یہ لوگ پریشان کرینگے تو رو دو گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہم سے تعویذ بھی لینے آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی نسبت کی وجہ سے یہ لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کو رونا نہیں آتا۔

میں کہتا ہوں کہ تمہارے اس حال پر اولیاء اللہ کو رونا آتا ہے ؎

روتی ہے خلق میری تباہی کو دیکھکر روتا ہوں میں کہ ہائے میری چشم نم نہیں

مولانا رومؒ عاشق کے حالات پر کلام کرتے کرتے فرماتے ہیں کہ تم ان باتوں کو کیا سمجھو تم تو عاشق نان ہو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے راستہ فلسفیوں کا اختیار کر رکھا ہے یعنی بالکل خشک۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آپ کے قلب میں کچھ تاثر پیدا کریں

قیامت کا منظر چنانچہ اسی جنت و دوزخ ہی کے ذکر کو لے لیجئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اسکو ایسے ایسے عنوان سے بیان فرمایا ہے کہ قلوب ہل ہل جائیں۔ مثلاً قیامت کا نقشہ کھینچتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا يُبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ كَلَّا (یعنی یہ لوگ اس دن کو بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم اسکو قریب دیکھ رہے ہیں جس دن کہ آسمان تیل کے تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیگا اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیئے جائینگے مجرم اس بات کی تمنا کریں گے کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا بلکہ تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اسکو بچالے تو یہ ہرگز نہ ہوگا)

اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى وَجَمَعَ فَاَوْعٰى (وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال اتار دیگی اور اس شخص کو بلا دے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی اور بے رُخی کی ہوگی اور جمع کیا ہوگا پھر اسکو اٹھا اٹھا کر رکھا ہوگا)

فطرت انسانی اور طاعت کی کارفرمائی آگے انسان کی فطرت کو بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھلا جہنم کا عذاب وہ کیونکر برداشت کرسکے گا جبکہ اس کا یہ حال ہے کہ وہ

نہایت ہی کم ہمت اور جزع فزع کرنے والا پیدا ہی کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ
اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ٥ (انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے جب اسکو تکلیف پہونچتی ہے
توجزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اسکو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے)
یہ انسان من حیث الانسان کا حال ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے هَلُوْعًا جَزُوْعًا اور مَنُوْعًا
کا خوب ہی ترجمہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا "بیشک آدمی بنا
ہے جی کا کچا" اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا "جب پہونچے اسکو برائی تو بے صبرا" وَاِذَا مَسَّهُ
الْخَيْرُ مَنُوْعًا" اور جب پہونچے اسکو بھلائی تو بے توفیقا" لیکن آگے اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ
سے استثنا بھی فرمادیا۔ یعنی" وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو لوگ اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں"

اس میں تصریح ہے کہ طاعت کی شرکت کی وجہ سے انسان ہلوع ہونے سے نکل جاتا
ہے۔ پھر آگے انکے اور اوصاف بیان کئے ہیں اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَائِمُوْنَ وَ
الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ٥ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ٥ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ
غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ٥ (یعنی جو لوگ نماز کے پابند ہیں اور جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی سب
کا حق مقرر ہے اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب
سے ڈرنے والے ہیں واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ٥ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ٥
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ٥ (اور
ان لوگوں کے اوصاف یہ ہیں کہ جو کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں سوا اپنی
بیویوں یا لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اسکے علاوہ طلبگار ہوا ایسے
لوگ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔ اور جو اپنی سپردگی میں لی ہوئی امانتوں اور اپنے عہد

کاخیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ادا کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہوں گے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گویا شاہی مہمان ہوں گے)

جنت اور اہل ایمان کی عزت افزائی جنت کا مضمون کئی دنوں سے بیان کر رہا ہوں خیال کر رہا تھا کہ اسکو آپ کے سامنے کسی ایسے عنوان سے بیان کروں کہ آپ پر اس کا اثر ہو اور آپ محظوظ ہوں۔ تو یہی سمجھ میں آیا کہ ان آیات کے مضامین کو آپ کے سامنے پیش کروں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت مومن کے لئے اکرام کا محل ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں ان کو داخل کرنا یہی اکرام ہے اور اہل جنت مکرّم ہیں۔ اب اس عنوان سے بڑھ کر جنت کی ترغیب وتشویق کے لئے اور دوسرا عنوان ہو ہی کیا سکتا ہے۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ ہم فلاں جگہ گئے صاحب خانہ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ کہاں ٹھہریں گے۔ یعنی کہاں آپ کے لئے انتظام کروں بس اسی سے وہ خوش ہو گئے کہ ہم کو اپنا خاص آدمی سمجھا۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے بھی جنت کو محل اکرام بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کسی کا اکرام جب کرتا ہے تو اپنی ہی حیثیت سے کرتا ہے۔ نیز مہمان بھی جس درجے کا ہوتا ہے اکرام میں اسکی حیثیت بھی ملحوظ ہوتی ہے پس جہاں اللہ تعالیٰ اکرام فرمانے والے ہوں اور مومنین جن میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین جیسے حضرات شامل ہوں، یہ لوگ مہمان ہوں تو اس اکرام کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

باقی جنت چونکہ غیب ہے اسلئے اس کا حقیقی بیان تو عالم الغیب یعنی اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کے بعد اللہ کے رسول بیان کر سکتے ہیں اور دوسرا کوئی کیا بیان کر سکتا ہے۔ جنت تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اسلئے اسکی حقیقت سے وہ جتنا واقف ہو سکتے ہیں اور دوسرا کون جان سکتا ہے اور جب جانتا نہیں تو بیان بھی نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے جتنا ذکر جنت کا اور اسکی نعمتوں کا اسی طرح سے دوزخ کا اور اسکے عذاب کا قرآن شریف میں بیان فرمادیا ہے اثر لینے کے لئے وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس لئے ہم کو اتنا تو سمجھنا ہی ہوگا کہ اس سے اعراض و استغنا

جائز نہیں۔ لیکن ہماری غفلت کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قدر اہتمام فرمانے کے
باوجود آج ہمارے قلوب جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے خالی ہیں اور اسلئے
ہیں کہ ہم قرآن نہیں پڑھتے نہ ہم سے کوئی قرآن کا وعظ بیان کرتا ہے۔ پس جب قرآن کو
سے بدل دیا جائے گا تو جو انجام ہوگا ظاہر ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا وعظ ہو سکتا ہے
قرآن سے زیادہ مؤثر کونسی کتاب ہو سکتی ہے لیکن ہم نے جب جنت اور جنتیوں کا حال قرآن
شریف سے نہ معلوم کیا تو ہم نے کیا قرآن پڑھا ؎

اِسے دیکھا اُسے دیکھا اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا
نہ دیکھا یار کو اغیار میں دیکھا تو کیا دیکھا

دوزخ اور کفار کی ذلت و رسوائی

جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے جنت کو اکرام اور جنتیوں کو مکرمون فرمایا ہے اور جگہ جگہ اس بات کی بھی بشارت دی ہے کہ مومنین جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں انھیں خلود[1] نصیب ہوگا۔ اسی طرح سے اسکے بالمقابل دوزخ کو دار الہوان[2] فرمایا ہے اور یہ کہ کفار و مشرکین اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے چنانچہ سورۂ فرقان میں عباد الرحمٰن کے چند اوصاف شمار کرا کے آخر میں فرمایا وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ (یعنی وہ لوگ جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اسکو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر۔ اور وہ زنا نہیں کرتے)

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا (یعنی اور جو شخص ایسے کام کرے گا (کہ شرک کرے یا شرک کے ساتھ قتل ناحق بھی کرے یا زنا بھی کرے) تو سزا سے اسکو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا)

دیکھئے اسمیں تصریح ہے کہ کفار وہاں مخذول و مطرود و مہان ہوں گے جس طرح کہ اہل ایمان معزز و مکرم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو دار اکرام فرمایا تو دوزخ کو دار الہوان جنت میں بھی خلود ہوگا اور دوزخ میں بھی۔ اور جس طرح جنت میں اکرام کی جملہ اقسام مجتمع

---

[1] ہمیشہ کا قیام۔ [2] ذلت کا گھر

جنتی آپسمیں ایک دوسرے کا اکرام کریں گے، فرشتے انھیں خوشخبری سنائیں گے اللہ
ان سے خوش و راضی ہوں گے۔ اسی طرح سے دوزخ میں اہانت کی جتنی قسمیں ہو سکتی
سب جمع ہوں گی۔ چنانچہ دوزخی آپسمیں ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کرینگے فرشتے
ان پر لعنت بھیجیں گے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوں گے۔
ان سے یہ فرمائیں گے کہ ہٹو مجھ سے بات نہ کرو۔

علماء نے لکھا ہے کہ جہنّم کی آگ اور وہاں کے سانپ بچھو کا عذاب تو جسمانی ہوگا لیکن
تعالیٰ کی ناراضگی کا جو عذاب ہوگا وہ روحانی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت دوزخ کا مضمون
ین فرمایا ہے وہ معمولی نہیں ہے نہایت ہی زبردست مضمون ہے مگر اسکو سمجھو تب نا؟ اور اگر
آن کو بھی اور دوسری کتابوں کی طرح سمجھو اور اسکے مضامین کی جانب التفات نہ کرو تو
سمجھو گے۔ دنیا کا اعزاز و اکرام تو آپ کی سمجھ میں خوب آتا ہوگا لیکن جنت کا اکرام پیش نظر نہیں
اگر یہی ایک آیت أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ (وہ لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل
وں گے) سمجھ میں آجائے تو انسان اس اعزاز کے حاصل کرنے کیلئے مر مٹے اس لئے کہ ہم
یکھتے ہیں کہ دنیوی عزت اور جاہ حاصل کرنے کے لئے انسان کیا کیا نہیں کرتا حالانکہ یہ بھی
نتا ہے کہ یہاں کی راحت کدورات کی آمیزش سے خالی نہیں اور جنت کی راحت اور وہاں
اکرام خالص ہوگا۔ چنانچہ وہاں کسی کو کسی کی جانب سے کوئی تکلیف نہ پہونچے گی۔
کسی نے خوب کہا ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

بہشت وہ جگہ ہے کہ جہاں کسی طرح کا آزار نہ ہوگا کسی کو کسی سے کوئی شکوہ شکایت نہ ہوگی)
جنت کا حُسن صورت اور حُسن سیرت اور جب اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ
لهم فيها أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (یعنی انکو جنت میں جو بیبیاں ملیں گی
ہر قسم کی گندگیوں سے پاک وصاف ہونگی) یعنی ظاہری نجاسات سے بھی ملوث نہ ہوں گی
اور باطنی کدورات یعنی بد اخلاقیوں سے بھی پاک ہوں گی۔ تو جب ان کی بیبیوں کا یہ حال ہوگا
تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود اہل جنت میں اخلاقِ رذیلہ موجود ہوں۔ وہاں یہ لوگ بھی حُسن ظاہری

اور باطنی حسن سے آراستہ ہونگے اور ہر ایک کا حُسن اسکے ایمان وعمل کے مطابق ہوگا چنانچہ مومن کا ایمان اورعمل یہاں آکر دوسری ہی شکل اختیار کرلے گا اور اس میں ایسی کشش ہوگی کہ جب ایک مومن دوسرے کو دیکھے گا تو دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ جنت غیب ہے اس لئے بس اتنا ہی بتلا سکتے ہیں جتنا قرآن وحدیث میں آیا ہے باقی وہاں کا صحیح منظر تو کچھ دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔

جنت فضل خداوندی ہے | مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

رو بَرِ سلطان و کار و بار بیں حسن تجری تحتہا الانہار بیں

(بادشاہ کے پاس جاؤ اور ان کے کاروبار کو دیکھو ان محلات کے حسن کا نظارہ کرو جن کے نیچے نہریں جاری ہیں)

مولاناؒ نے وہاں کے انتظامات کو کاروبار سے جو تعبیر فرمایا ہے خوب فرمایا بلاشبہ جنت کے انتظامات اور وہاں کے نوع بنوع انعامات کا جو سلسلہ ہے وہ ایک کاروبار ہی ہے جو کہنے کو تو مومن کے ایمان وعمل کا صلہ ہے لیکن حقیقت میں حق تعالیٰ کا محض فضل و کرم ہے۔ کیونکہ ہمارے عمل میں اور وہاں کے اجر میں کوئی نسبت نہیں اور علماء نے تو یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن جن نعمتوں سے نوازا ہے مثلاً اس کو وجود عطا فرمایا، صحت دی، آنکھ، کان، ہاتھ و دیگر اعضاء صحیح وسالم بنائے قلب دماغ درست رکھا۔ نیز مطعومات وملبوسات و دیگر ضروریات بہم فرمائیں۔ اور پھر اس سے طاعت کا بھی مطالبہ کیا تو انسان نے اپنی طاعت کا صلہ تو گویا پیشگی ہی پالیا انھیں نعمتوں کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان پر مزید اجر کا مستحق ہو لہذا آخرت میں اسکو جو کچھ ملے گا وہ محض حق تعالیٰ کا فضل اور ان کی جانب سے تبرع ہی ہے چنانچہ ہمارے عمل کے بارے میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں اور خوب فرماتے ہیں ؎

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد انچہ در وہمت نیاید آں دہد

(یعنی اللہ تعالیٰ کی داد و دہش کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ہم سے آدھی جان بھی لیتے ہیں تو اس کے بدلہ سو جان عطا فرماتے ہیں اور جو کچھ تمھارے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا وہ اجر

عطا فرماتے ہیں) سبحان اللہ! کیا کرم ہے اور کیسی بخشش ہے اس سے بڑھ کر اس مضمون کی ادائیگی ممکن نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم اس وقت حاصل ہوگا جبکہ انکی رضا حاصل ہوجائے اور رضا حاصل ہوتی ہے اس وقت جبکہ آدمی طاعت وتقویٰ اختیار کرے۔ چنانچہ مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے متعلق مجھے ایسا مکشوف ہورہا ہے کہ اگر ایک شخص صرف ایک بار اس کلمہ مبارکہ کو کہہ دے تو اس کا جو اجر ملے گا اور حق تعالیٰ کی اس پر جو رضا مرتب ہوگی وہ اتنی زیادہ ہوگی کہ اگر اسکو تقسیم کیا جائے تو سب لوگوں کی مغفرت ہوجائے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سب سے بڑا سبب کفر وشرک ہے یعنی یہ کہ انسان سب سے تو تعلقات رکھے اور اپنے خالق حقیقی اور محبوب حقیقی ہی سے معرض رہے۔ پس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے نے گویا سب سے منہ موڑ کر اللہ کی جانب اپنا رُخ (روگرداں) کرلیا۔ اس شخص سے اللہ تعالیٰ خوش ہوجاتے ہیں۔ پھر جب خوش ہوگئے تو جو نہ انعام فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں دوسروں سے تعلقات کی اجازت دی ہے لیکن غیر اللہ سے ایسا تعلق رکھنا جو اللہ تعالیٰ ہی سے پھیر دے یہ ان کو ناپسند ہے۔ غرض بندے اور معبود کا جو تعلق ہے اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ دنیا میں انسان اپنے مالک حقیقی سے ایک آن بھی غافل نہ رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ معلوم کرے اور اس پر اپنے کو لگادے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا سا وقت بھی جو گذر جائے وہ خوشا وقت ہے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے به ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(دلی سکون واطمینان کے ساتھ تھوڑی دیر بھی محبوب حقیقی کی طرف متوجہ رہنا یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ شاہی چتر ہو اور تمام دن شور وشغب میں گزرے) اور ؎

خوشا وقتے وخرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے

(وہ کیسا بہتر وقت اور مبارک زمانہ ہوتا ہے جبکہ ایک دوست اپنے دوست کے وصل سے لطف اندوز

(ف) یعنی انسان کا کمال یہ ہے کہ باوجود دنیوی افکار میں مبتلا ہونے کے پھر تقویٰ پر بذریعہ صبر قائم رہے او
جب کوئی عیب اپنے اندر بھی دیکھتا ہو تو کم از کم اس عیب میں دوسروں کی بدگوئی و عیب جوئی میں مبتلا نہ ہو لیکن اسکے یہ
نہیں کہ اگر کوئی عیب خود کرتا ہے تو دوسروں کو از روئے خیر خواہی اس کا عیب ہونا بھی نہ بتلائے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ الخ کے بعض فضائل | **واقعہ** (۱۵) ابو الخیر اسحاق عرادی فرماتے ہیں
کہ (جب عہد فاروقی میں مسلمانوں نے فارس پر جہاد کیا تو) شہر کرخ کے قریب ان
سپاہ کا جنرل اژدہر اسی ہاتھیوں کی فوج لیکر مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا۔ ان خونخوار ہاتھیو
کے منظم پرے کو دیکھ کر قریب تھا کہ مسلمانوں کے گھوڑے اور لشکر کی تمام صفیں منتشر ہو جا
مسلمانوں کے امیر لشکر محمد بن قاسم پریشان ہوئے مختلف تدبیریں کیں کوئی کارگر نہ ہوئی۔
چند بار آواز سے پڑھا لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (حالات کے بدلنے اور
ہر قسم کی قوت صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو بلند اور عظمت والا ہے) حق تعالیٰ نے اس
کلمہ کو مسلمانوں کے لئے ایک قلعہ بنا دیا کہ ہاتھی جو اسلامی فوج پر چڑھے آرہے تھے
یکایک رک گئے اور حق تعالیٰ نے ان پر سخت گرمی اور پیاس کو مسلط کر دیا جس کی وجہ
سے پریشان ہو کر وہ پانی کی طرف دوڑنے لگے۔ فیل بانوں نے ہر طرح روکنا چاہا مگر وہ
ان کے قابو سے باہر تھے۔

اسوقت اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر حملہ کیا بس میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا

واقعہ (۱۶) بہت سے مشائخ حضرت حبیب ابن مسلمؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ جب کسی
دشمن کے مقابلہ پر جاتے تھے تو کلمہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھنے کو بہت پسند
کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا اور یہ کلمہ شریف پڑھا تو رومی
قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر مسلمانوں نے اس کا ورد کیا تو قلعہ کی دیواریں شق ہو گئیں اور
مسلمانوں کی فوج اندر داخل ہو گئی۔

حدیث (۱۷) حضرت خالد بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے ارشاد فرمایا کہ زیادہ فکر میں نہ پڑو جو کچھ مقدر ہے ہو کر
رہے گا۔ اور جو تمہارا رزق ہے تمہیں ضرور پہنچے گا۔

حدیث (۱۸) حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محمد بن علیؒ
حضرت محمد بن منکدرؒ کے پاس سے گزرے ان کو مغموم دیکھا اور پوچھا کہ مغموم کیوں ہو۔
ابو حازمؒ نے جواب دیا کہ بارِ قرض کی وجہ سے مغموم ہیں۔ محمد بن علی نے فرمایا کہ یہ ادائے قرض
کیلئے دعا بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ ابو حازمؒ نے عرض کیا کہ کرتے ہیں۔ حضرت محمد بن علیؓ نے
فرمایا کہ بندہ کے لئے بہت اس حاجت میں برکت ہوتی ہے جس میں وہ اپنے رب سے دعا
مانگتا ہے۔ خواہ کوئی حاجت ہو۔

ارشاد (۱۹) حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ بندہ جس چیز کو ناپسند کرتا ہے
وہ اس کے لئے اس حالت سے بہتر ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ کیونکہ ناپسندیدہ اور مبغوض
حالت اسکو دعا پر آمادہ کر دیتے ہیں اور حسب مرضی کام ہو جانا اسکو غفلت میں ڈالدیتا ہے،

ارشاد (۲۰) حضرت داؤد علیہ السلام یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجِ الدُّعَاءِ
بِالْبَلَاءِ سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجِ الشُّكْرِ بِالرَّخَاءِ یعنی حق تعالیٰ بڑا ہی پاک ہے جو انسان کو
بلا میں مبتلا کر کے اسکی زبان سے دعا نکلواتا ہے اور راحت دے کر اسکی زبان سے شکر نکلواتا ہے۔

ارشاد (۲۱) حضرت کردوس بن عمرو جو کتب سابقہ کے عالم تھے فرماتے ہیں کہ بعض کتب
سابقہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات کسی مقبول بندہ کو تکلیف
میں مبتلا فرما دیتے ہیں تاکہ وہ تضرع وزاری کریں حق تعالیٰ انکی تضرع وزاری کو سنتے ہیں۔

ارشاد (۲۲) حضرت بشر بن بشار مجاشعیؒ (جو زہاد وعباد میں مشہور ومعروف ہیں) فرماتے
ہیں کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ مجھے وصیت کرو اس نے کہا کہ تقدیر الٰہی تمہیں جس جگہ ڈالے
صبر وسکون کے ساتھ اپنے نفس کو وہاں ڈال دو۔ اسی کے ذریعہ تمہارا قلب فارغ ہوگا اور
تمہارا غم ہلکا ہوگا اور تقدیر پر ناراضی کا اظہار ہرگز نہ کرو۔ ورنہ خدا تعالیٰ کا غضب ایسی طرح
تم پر نازل ہوگا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی

حدیث (۲۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت پیش آئے اور وہ اسکو لوگوں کے سامنے پیش کرے
(یعنی حق تعالیٰ سے قطع نظر کر کے لوگوں ہی کو حاجت روا قرار دے) تو اسکی حاجت پوری

نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ اپنی حاجت حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تو حق تعالیٰ یا تو اسکی مراد جلد پوری فرمادینگے اور یا اگر اس کی عمر پوری ہوچکی ہے تو وفات دے۔ اسکو راحت عطا فرمائیں گے۔

حدیث (۲۴) حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں سے قطع نظر کرکے حق تعالیٰ پر اعتماد و توکل کرے حق تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے کفیل بن جاتے ہیں اور بے گمان رزق دیتے ہیں اور جو شخص (حق تعالیٰ کی رحمت سے قطع نظر کرکے) محض لوگوں پر بھروسہ کرے اور ان سے اپنی حاجت طلب کرے تو خدا تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کردیتے ہیں۔

حدیث (۲۵) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے بھلائی کی دعا کرتے رہو اور حق تعالیٰ کی رحمت کے نفحات[۱] سے منتفع ہونے کی کوشش میں لگے رہو۔ کیونکہ اسکی رحمت کے بہت سے نفحات ہوتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان سے فائز المرام فرمادیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ تمھاری عیب پوشی فرمائے اور خوف و خطرہ سے نجات دے۔

ارشاد (۲۶) حضرت مالک بن دینارؒ اپنے مرضِ وفات میں بوقت وفات یہ فرماتے تھے کہ مصائب کے ساتھ حق تعالیٰ کی نعمتیں کس قدر قریب ہیں کہ مصیبت کے بعد راحت اور راحت کے بعد مصیبت آتی رہتی ہے۔ اور قریب ہی زمانہ میں راحت و مصیبت کی دونوں حالتیں زائل ہوجاتی ہیں۔

حدیث (۲۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تنگی و مصیبت اگر کسی بل کے اندر بھی گھس جائیں تو ضروری ہے کہ یُسر و فراخی بھی اس کے ساتھ اُسی بل کے اندر پہنچ جائیگی۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ط (موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے۔ بیشک مشکلات کے ساتھ آسانی ہونے والی ہے)

حدیث (۲۸) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا کہ جب

---

[۱] جھونکے

ان پر کوئی شدت، وتکلیف آجاتی ہے تو خدا تعالیٰ اسکے بعد اس کو فراخیٔ عیش نصیب
ماہے اور بیشک ایک تنگی دو فرحتوں پر غالب نہیں آسکتی اور یہ کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے
اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (خود بھی صبر کرو اور
دوسروں کو صبر پر آمادہ کرو اور سرحد کی حفاظت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو شاید تمھیں
فلاح حاصل ہوجائے)

حدیث (۲۹) حضرت یزید رقاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن
مالک رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے اور جہاں تک میرا علم ہے حضرت انسؓ نے اسکو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ارشاد فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں محبوس
تھے اور ارادہ کیا کہ حق تعالیٰ سے دعا کریں تو یہ کلمات کہے :-

اَللّٰھُمَّ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (بار الہا! آپ کے سوا
کوئی معبود نہیں، آپ (سارے نقائص سے) پاک ہیں بیشک میں ہی قصور وار ہوں) یہ دعا
سیدھی عرش پر پہونچی۔ ملائکہ نے عرض کیا یا اللہ یہ ایک ضعیف آواز ہے اور پہچانی ہوئی ہے
(یعنی ہم پہلے بھی یہ آواز سُنا کرتے تھے) اور (تعجب یہ ہے کہ) یہ آواز بلادِ غریبہ (دور دراز ملک)
سے آرہی ہے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم ان کو پہچانتے نہیں؟ ملائکہ نے عرض کیا اے
ہمارے مالک یہ کون ہیں۔ فرمایا کہ یہ ہمارا بندہ یونس ہے۔ ملائکہ نے عرض کیا کہ آپ کے بندے
یونس نبی تو وہ ہیں کہ ہمیشہ ان کے اعمالِ مقبولہ اور مقبول دعائیں بارگاہِ قدس میں آتی رہتی ہیں پھر
فرشتوں نے عرض کیا یارب وہ راحت وتندرستی کے وقت آپ کی اطاعت وذکر میں رہتے تھے
اب سختی ومصیبت کے وقت آپ ان پر رحم فرمایئے اور مصیبت سے نجات دیجئے۔ حق تعالیٰ نے
مچھلی کو حکم دے دیا اس نے آپ کو ایک کھلے میدان میں ڈال دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اسی میدان میں ایک کدو کی
بیل ان کے لئے اُگا دی (کیونکہ ضعیف کے لئے یہ بہترین غذا ہے) اور ایک پہاڑی بکری کو
اس کے لئے تیار کردیا کہ صبح شام آپ کے پاس آکر کھڑی ہوجاتی آپ اس کا دودھ پی لیتے
(اس سے حق تعالیٰ نے اُن کو قوت عطا فرمادی)

حدیث (۳۰) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تمھیں ایسی چیز بتلادوں جس کے پڑھنے سے ہر مصیبت و تکلیف جو کسی انسان پر پڑ گئی ہو دور ہو جائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتلائیے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت ذوالنون (یونس علیہ السلام) کی دعا یعنی آیت کریمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

ارشاد (۳۱) حضرت یونس بن میسرہ بن حلبس فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام (جب مچھلی کے پیٹ میں) دریا کے تاریک قعر کے اندر تھے تو قارون (جس کی ناشکری کی وجہ سے حق تعالےٰ نے زمین میں دھنسا دیا تھا) آپ سے ملا اور کہا اے یونس اگر آپ توبہ کریں تو حق تعالیٰ کو اپنی توبہ کے پہلے قدم پر پائیں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ (کمبخت) جب تو یہ جانتا ہے اور اعتقاد رکھتا ہے تو تو نے خود توبہ کیوں نہ کرلی۔ اس نے کہا کہ میری توبہ میرے چچازاد بھائی کے سپرد کردی گئی وہ میری توبہ قبول نہیں کرتا۔

ارشاد (۳۲) حضرت سعید بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے نگل لیا تو وہ سمجھے کہ میری موت آگئی لیکن پھر پیروں کو حرکت دی تو معلوم ہوا کہ اعضا میں حیات باقی ہے یہ دیکھ کر فوراً اپنی عادت کے موافق نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور اپنی دعا میں یہ بھی عرض کیا کہ یا اللہ میں نے آپ کی عبادت کیلئے ایسی جگہ مسجد بنائی جہاں کسی نے نہیں بنائی تھی۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں آیۃ قرآن فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ (اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے) میں مُسَبِّحِیْنَ سے مُصَلِّیْنَ ہی مراد ہے جس سے اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے۔

ارشاد (۳۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور قعر دریا میں لے گئی تو آپ نے سمندر کی تہہ میں کنکریوں کو تسبیح پڑھتے ہوئے سنا۔ اسوقت آپ تین اندھیروں میں گھرے ہوئے تھے۔ ایک مچھلی کے پیٹ

کی اندھیری، دوسرے رات کی، تیسرے قعر دریا کی۔ اسوقت آپ نے یہ دعا کی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں بیشک میں خطاکار اور قصوروار ہوں) اسکی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو دریا کے کنارے پر ڈال دیا۔ مگر مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے یہ حال ہوگیا تھا جیسے کہ پرندہ کا بچہ جس کے تمام بال و پر نوچ لئے گئے ہوں

روایت (۳۴) حضرت یحییٰ بن سالم روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ملک الموت نے حق تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ وہ یعقوب علیہ السلام سے ملیں۔ اجازت مل گئی تو وہ ان کے پاس گئے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تمہیں پیدا کیا ہے یہ بتلاؤ کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) کی روح قبض کی ہے یا نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر کہا کہ میں آپ کو ایسے کلمات بتلاتا ہوں کہ ان کی برکت سے آپ جو کچھ حق تعالیٰ سے مانگیں گے آپ کو عطا ہوگا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ ضرور بتلائیے فرمایا یہ کلمات پڑھ کر دعا کیجئے:۔ یَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ لَا یَنْقَطِعُ اَبَدًا وَّلَا یُحْصِیْهِ غَیْرُهٗ (اے وہ پاک ذات جس کا احسان کسی وقت منقطع نہیں ہوتا۔ اور اسکے سوا کوئی اسکے احسانات کو شمار بھی نہیں کرسکتا)

راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے یہ کلمات پڑھ کر دعا کی تو صبح طلوع نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص لیکر بشیر (خوشخبری دینے والے) پہنچ گئے۔

یہ مانا قابل چشم کرم ہستی نہیں میری
تیرے در سے مگر اٹھی نہ اٹھے گی جبیں میری

نازہے کیا کیا میری قسمت کو جب سے ہوگیا
دل رضائے یار کا، سر آستانِ یار کا۔
(عارفیؒ)

انسانی فہم و فراست سے بالاتر ہوتا ہے۔ بہت دور نہ جائیے حال ہی میں روس جیسی عظیم ترتر
کی پراگندگی قابل غور ہے۔ چند سال تک یو، ایس، ایس، آر کا یہ انجام ہوگا کسی کے وہم و گمان
میں تھا؟ لیکن خدا سے بغاوت اور فرعونی نظام بہت عرصے تک قائم نہ رہ سکا اور بہت جلد دنیا کی
نگاہوں نے اسکا عبرت خیز تماشہ دیکھ لیا۔ قوموں کے زوال کا سبب اہل جہاں کی نگاہوں میں جو کچھ بھی ہو گر
قرآن کے نقطہ نظر سے انکی نافرمانی، سرکشی، کفر و شرک اور حد سے بڑھا ہوا ظلم و جور ہوتا ہے۔
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ فرماتے تو روئے زمین برباد
الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ اہل جہاں پر بہت مہربان ہے۔
یہ گردش دوراں اور تبدیلی عنانِ نظام عالم کی درستگی کے لئے بھی ہوتا ہے اور کبھی بدکرداروں کی سزا
کیلئے۔ اللہ کی زمین کے وارث اسکے نیک بندے ہوا کرتے ہیں لیکن جب اسکے ورثا تاج و تخت
کی سرمستیوں اور عشرت و تنعم کی خوش عیشیوں میں گم ہو جاتے ہیں تو اپنا ملک، اپنا وقار اور اپنی
عزت و آبرو بھی کھو بیٹھتے ہیں اور پھر اسی ظلم کی پاداش میں ظالم اور سخت حکمراں ان پر مقرر کر دیئے
جاتے ہیں یہ قانون الٰہی ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (اور اللہ کے قانون میں کوئی
تبدیلی ہرگز نہیں ملیگی)

آج امت مسلمہ کے درد کا درماں قرآن ہے اس میں ہمارے زوال اور پستی
کی بنیاد اور فتح و کامرانی کے اسباب بھی مل جائیں گے۔ ایک آپ بیتی ہے ایک جگ بیتی
دونوں کی صداقت روز روشن کی طرح عیاں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اپنا لائحہ عمل قرآن
و سنت کی روشنی میں مرتب نہیں کرتے اور ان وعیدوں سے ڈرتے نہیں جو گناہوں کے
مرتکب کے لئے ہیں ان بشارتوں پر یقین نہیں رکھتے جو ایمان و عمل پر سنائی گئی ہیں۔
آج اگر اللہ کی رضا مقصود ہو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، شوق شہادت موت کی تلخی کو شیریں
بنا دے تو نہ بزدل ہونے کی ضرورت ہے نہ غمگین۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ
الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور نہ ہمت ہارو نہ غمگین ہو تم ہی سربلند رہو گے بشرطیکہ
تم مومن رہو) یہ اللہ کا وعدہ ہے جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ امانت اختیار و عقل کا نام ہے تو جو لوگ تسہیل کے طالب ہیں وہ اس امانتِ اختیار کو برباد کرنا چاہتے ہیں کہ بس ہم کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کچھ نہ کرنا پڑے مفت سہولت سے کام ہوجایا کرے کوئی ایسا حال غالب ہوجائے کہ گناہ خودبخود چھوٹ جائیں ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے ایسا استغراق ہوجائے کہ نماز میں خود بخود دل لگنے لگے ہم کو احضارِ قلب کی ضرورت نہ ہو گویا یہ شخص صفت اختیار کو معطل کرنا چاہتا ہے اور جو شخص امانتِ الٰہیہ کو اور ایسی بڑی نعمت کو ضائع کرے جس میں انسان تمام مخلوق سے ممتاز ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا۔ بزرگوں نے تو اللہ تعالیٰ کے تجلّیات کی اس قدر عظمت کی ہے کہ ایک بزرگ نے کسی صوفی کے متعلق سُنا کہ وہ کھانا کھاتے ہوئے لذیذ شوربے میں پانی کا پیالہ بھر کر ڈالدیتا ہے تاکہ نفس کو لذت نہ آئے فرمایا طفلِ طریقت ہے یہ اس تجلّی الٰہی کو برباد کرتا ہے جو لذیذ طعام کے ساتھ متعلق ہے اور اس حکمت کو برباد کرتا ہے جو لذائذِ دنیا میں رکھی گئی ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ یہ نمونہ ہیں لذائذِ آخرت کا مگر اس تجلّی کا انکشاف اور اس حکمت کی معرفت محض نیت کرنے اور نَوَیْتُ اَنْ اٰکُلَ اللَّذِیْذَ لِیَکُوْنَ اُنْمُوْذَجًا لِلْاٰخِرَۃِ (میں نے نیت کی کہ لذیذ کھانا اس لئے کھاتا ہوں تاکہ آخرت کی نعمتوں کا نمونہ سامنے آجائے) کہنے سے حاصل نہیں ہوتی کہیں آپ آج ہی سے نفس پرستی اور لذات میں انہماک شروع کر دیں بلکہ اس کی معرفت بہت سی منزلیں طے کرنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ ؎

صوفی نہ شود صافی تا درنکشد جامے　　بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(صوفی صاف دل نہیں ہوسکتا جب تک کہ محبت و توحید کا جام نہ پی لے۔ خام آدمی کے پختہ کار ہونے کیلئے بہت سفر درکار ہے)

اسلئے بسیار سفر کی ضرورت ہے اور بسیار سفر کو تو آپ کیا سمجھیں گے۔ میں اس وقت دو سفر بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ سالک کا ایک سفر تو اِلَی الْاَحْوَالِ ہے کہ اس پر حالات طاری ہوتے ہیں۔ ایک دوسرا سفر من الاحوال ہے جس میں وہ سب احوال سلب ہوجاتے ہیں۔ پھر اسکے بعد دوسرے نوع کے احوال عطا ہوتے ہیں اسکی ایسی مثال

ہے جیسے باغ میں درختوں پر دو قسم کے پھول آتے ہیں ایک جھوٹا پھول ہوتا ہے وہ چند روز کے بعد جھڑ جاتا ہے اسوقت ناواقف روتا ہے کہ ہائے میرا باغ برباد ہوگیا مگر محقق خوش ہے کہ الحمد للہ سفر اول ختم ہوکر سفر ثانی شروع ہوا (اول عروج ہے دوسرا نزول ہے ۱۲ ظ) پھر سچا پھول[ع] آتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ اب اس پر پھل لگنے شروع ہوتے یا جیسے صبح دو ہوتی ہیں کاذب جس کا نور جلدی ہی زائل ہوجاتا ہے دوسری صادق جس کا نور بڑھتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اے شدہ تو صبح کاذب را رہین　　　صبح صادق را ز کاذب ہم ببین

(تم تو صبح کاذب کے دھوکے میں پڑے ہو۔ صبح کاذب سے نکل کر ذرا صبح صادق کو بھی دیکھو) مولانا نے سفر اول کو صبح کاذب سے تشبیہ دی اور سفر ثانی کو صبح صادق سے کہ جیسے اول صبح کاذب کی روشنی آتی ہے جو جلد ہی ختم ہوجاتی ہے پھر صبح صادق طلوع ہوتی ہے جسکی روشنی بڑھتی چلی جاتی ہے اسی طرح سالک پر دو حالتیں گذرتی ہیں ایک میں احوال ناقصہ عطا ہوتے ہیں اور دوسری منزل میں احوال ناقصہ سلب ہوکر احوال کاملہ عطا ہوتے ہیں اب یہ شخص پختہ ہوگیا اس کو حق ہے کہ لذائذ بھی کھائے اور عمدہ لباس بھی پہنے کیونکہ اب یہ ہر شئے میں تجلی حق کا مشاہدہ کرتا ہے اس کا حق ادا کرتا ہے صوفی خام کو حق نہیں ہے کہ مرغ مسلم کھایا کرے لیکن اگر بلا تکلف مل جائے تو انکار بھی نہ کرے کھالے بشرطیکہ حلال ہو اور حلال بھی خالص ہونا ضروری نہیں بلکہ نخالص بھی کافی ہے یعنی جو فتویٰ سے حلال ہو بس وہ حلال ہے زیادہ کاوش اور تقویٰ بھگارنے کی ضرورت نہیں جیسے ایک شخص کی ہمارے قصبہ کے افسر پولیس نے دعوت کی تھی آپ نے دعوت قبول کرکے عین وقت پر کھود کرید شروع کی کہ یہ دودھ کہاں سے آیا، گوشت کس طرح آیا، غلہ کیسے داموں سے آیا تنخواہ کے روپیہ سے یا رشوت سے۔ غرض بھرے مجمع میں داعی کو ذلیل کیا یہ تقویٰ کا ہیضہ ہے اگر کسی شخص پر اطمینان نہ ہو تو یا تو اسکی دعوت ہی منظور نہ کرے لطیف پیرایہ سے عذر کردے یہ نہ کہے کہ آپ کی آمدنی حرام ہے اس لئے دعوت قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اس عنوان سے اسکی دل شکنی ہوگی۔ باقی امر بالمعروف کے لئے اور بھی بہت دقت ہے اسی وقت امر بالمعروف

ع اور عجیب بات ہے کہ پہلا پھول زیادہ بھڑکدار ہوتا ہے دوسرا بھڑکدار نہیں ہوتا یہی کیفیت حالات تلوین اور

ضرور نہیں کیونکہ امر بالمعروف میں یہ بھی شرط ہے کہ ایسا وقت اور موقعہ تجویز کرنے جس میں مخاطب کے قبول کی امید ہو پس یا تو عذر کر دے یا یہ کر دے جیسا میں نے ایک تھانہ دار سے معاملہ کیا انھوں نے میری دعوت کی میں نے مجمع کے سامنے تو بلا شرط قبول کر لی پھر تنہائی میں لیجا کر ان سے کہدیا کہ ذرا کھانے میں اسکی رعایت رکھی جائے کہ سامان تنخواہ کی رقم سے کیا جائے وہ کہنے لگے صاحب بھلا یہ کب ہو سکتا ہے کہ آپ کو بھی ناپاک مال کھلاؤں ۔ اسطرح اپنا بھی بچاؤ ہو گیا اور داعی کی دل شکنی بھی نہ ہوئی ۔

غرض یہ کہ جو مال فتویٰ سے حلال ہو اس میں تامل نہ کرو ۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے ایک خلیفہ تھے جو حاضر خدمت رہتے تھے ۔ ایک بار مولانا کے یہاں کہیں سے کھانا آیا حضرت نے ان کے پاس بھیجدیا وہ کہنے لگے کہ آپ نے کچھ تفتیش بھی کر لیا ہے کہ حلال ہے یا حرام تو مولانا نے فرمایا ارے کھالے بڑا حلال کھانے والا آیا، زیادہ تحقیق کرے گا تو بھوکوں مر جائے گا ۔ مولانا کا مطلب بھی یہی تھا کہ جو مال فتویٰ سے حلال ہو وہی کافی ہے گو اہل ورع کے نزدیک حلال نہ ہو ۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اہل اللہ کو تو عطائے حق کی اتنی قدر ہے کہ ان بزرگ نے شوربہ میں پانی ملانے والے صوفی کو طفل طریقت فرمایا کہ تجلی الٰہی کو برباد کرتا ہے اور وہ تجلی مذکرہ ہے نعمائے آنحضرت کی اور اس کو فقہانے بھی سمجھا ہے میں ان کو بھی حکمائے امت سمجھتا ہوں جیسا کہ صوفیہ کو سمجھتا ہوں اور حیرت ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں بڑا جھگڑا ہے مگر یہ جھگڑا غیر محققین میں ہے محقق دونوں کا جامع ہوتا ہے تو ہدایہ میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ چار انگشت تک ریشم مردوں کو بھی جائز ہے وہاں ایک دلیل تو نقلی لکھی ہے اور ایک دلیل عقلی لکھی ہے لِتَكُونَ اُنْمُوذَجًا لِحَرِيْرِ الْجَنَّةِ یعنی تھوڑا سا ریشم مردوں کے لئے اس واسطے جائز کر دیا گیا تاکہ حریر جنت کا نمونہ سامنے ہو جائے ۔ پھر یہ حکمت دیگر لذائذ و نعم کو بھی عام ہے اسلئے اس کے ابطال کو محقق نے ناپسند کیا اور مبطل کو طفل طریقت کہا اسی طرح جو شخص سہولت کا طالب ہے وہ امانت الٰہیہ اختیار کو باطل کر رہا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس سے اہل اللہ نے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے ۔ چنانچہ ایک بار حضرت

غوث اعظمؒ وعظ فرما رہے تھے کہ درمیان میں دفعۃً ساکت ہوگئے اور کچھ دیر تک ساکت رہ کر پھر بیان شروع فرمایا اور کہا کہ اسوقت میرے سکوت کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک بزرگ ابھی شام سے بغداد ایک قدم میں بطور کرامت کے آئے تھے میں نے ان کو متنبہ کیا ہے کہ اس تصرف میں حکمت عطائے قدم کا ابطال ہے اللہ تعالیٰ نے قدم اسلئے دیئے ہیں تاکہ ان سے مشی کا کام لیا جائے جب بطور کرامت کے راستہ طے کیا جائے گا تو اسمیں یہ حکمت باطل ہوگی وہ بزرگ اس سے توبہ کرکے واپس ہوگئے (مطلب یہ ہے کہ از خود ایسا تصرف نہ کرنا چاہئے اور اگر بلا قصد کے کبھی حق تعالیٰ طویل راستہ کو قصیر کردیں تو وہ کرامت غیر اختیاریہ ہے جو نعمت ہے نیز طے طریق کی دعا کا بھی مضائقہ نہیں جیسا حدیث میں ہے اَللّٰهُمَّ اطْوِعَنَّا الْبُعْدَ (اے اللہ ہم سے دوری کو لپیٹ دیجئے یعنی درازی مسافت طے کردیجئے) صرف تصرف بالقصد کی ممانعت ہے ۱۲۔)

اسی طرح ایک بار ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں بے وقت بہت سے مہمان آگئے گھر والوں کو فکر ہوئی تو حضرت نے اپنا رومال گھر میں بھیج دیا کہ اسکو آٹے پر ڈھکدو اور پکانا شروع کرو انشاء اللہ برکت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایسی برکت ہوئی کہ سب مہمانوں نے فراغت سے کھانا کھالیا اور بہت بچ رہا۔ اسکی اطلاع حضرت حافظ محمد ضامن صاحب (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کو ہوئی تو آپ حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کرامت مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا تصرف عطا فرمایا بس آپ کا رومال سلامت رہے۔ پھر دنیا میں قحط تو کیوں آئے گا اور قحط میں جو حکمتیں ہیں وہ باقی کیوں کر رہیں گی۔ حضرت حاجی صاحب کو تنبہ ہوا اور فرمایا حافظ صاحب! میں اس سے توبہ کرتا ہوں انشاء اللہ پھر کبھی ایسا نہ ہوگا تو حضرت جب اہل اللہ نے حق تعالیٰ کی ذرا ذرا سی تجلیات کی اس قدر عظمت کی ہے اور انکی حکمتوں کے ابطال کو ممنوع قرار دیا ہے تو بتلایئے اتنی بڑی امانت کا ابطال جس پر تکلیف کا مدار ہے کیونکر ممنوع نہ ہوگا۔ اب میں ان لوگوں کو متنبہ کرتا ہوں جو طریق میں سہولت کے طالب ہیں کہ وہ اس بے ادبی سے توبہ کریں جس کا بے ادبی ہونا بھی شاید ان کو اب تک معلوم نہ ہوا ہوگا بلکہ

سے راستہ لپیٹ دیا جانا

وہ اب تک اس طلب سہولت کو دینداری سمجھتے ہوں گے مگر وہ کان کھول کر سن لیں
کہ اس طلب میں وہ امانت الٰہیہ کا ابطال کر رہے ہیں۔ پس سہل یہ ہے کہ وہ بجائے تسہیل
کے اسہال لے لیں جس سے ضعف ہو جائے گا تو پھر یہ معذور ہو جائیں گے۔ اسوقت
مولانا ان کے عذر کا فتویٰ دیدیں گے پھر وضو کی جگہ تیمم ہو جائے گا اور زیادہ ضعف ہوا
تو بجائے قیام کے قعود رہ جائے گا اور اس سے بھی زیادہ ضعف ہوا تو صوم و صلوٰۃ سب
ساقط ہو جائیں گے جو کامل سہولت ہے اور جب تک معذور نہیں ہوئے اسوقت تک اس
سہولت کی طلب کے کیا معنیٰ جو کہ معذورین کے لئے خاص ہے بلکہ غور کیا جائے تو وہاں بھی
ان کو سہولت مزعومہ نہیں ہے کیونکہ اس عذر کے سبب وہ سہل عمل بھی ان کو دشوار ہوگا
خلاصہ یہ ہے کہ تم تحصیلِ عمل کے مکلف ہو کہ اپنے اختیار کو صرف کر کے عمل کرو تم کو
طلب تسہیل کا کوئی حق نہیں ہاں صرف اتنا حق ہے کہ عمل تمہارے اختیار و قدرت سے خارج
نہ ہو سو اس کا شریعت میں پورا لحاظ ہے کہ امورِ غیر اختیاریہ کا تم کو مکلف نہیں کیا بلکہ
اختیارات کا مکلف بنایا ہے اب تم یہ چاہتے ہو کہ اختیارات میں ارادہ و اختیار و قدرت
کے استعمال کی بھی ضرورت نہ رہے اس کا تم کو کیا حق ہے بلکہ اسمیں سراسر ابطالِ امانت اختیار
ہے جس کا جرم ہونا اوپر واضح ہو گیا۔ پس تم کو تو طلب تسہیل کا کوئی حق نہیں ہاں اگر شریعت
کسی جگہ خود تسہیل کا لحاظ کرے تو یہ اسکی عنایت ہے مگر تم کو اسکے مطالبہ کا حق نہیں۔
اور نصوص میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے بعض مقامات پر تحصیل و تسہیل دونوں
کو جمع بھی کر دیا ہے مگر اس کا التزام نہیں کیا بعض جگہ محض تحصیل عمل کا امر ہے۔ تسہیل سے بحث
کی رعایت نہیں کی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شریعت میں کہیں تو صرف امر و نہی ہے کہ اس کام کو کرو
اور اسکو نہ کرو۔ یہ تو تحصیل کا عنوان ہے اور کہیں امر و نہی کے ساتھ سہولت عمل کا طریقہ
بھی بتلا دیا ہے جس میں تکلیف و عنایت دونوں کو جمع کر دیا ہے مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ شارع
کے ذمہ تسہیل بھی ہے سخت نادانی ہے شارع کو حق ہے کہ امور اختیاریہ کی تحصیل کا امر کرے اور
سہولتِ عمل کا طریق نہ بتلائے اور اگر چاہے تو بتلا بھی دے اس حقیقت کو ملحوظ رکھکر

اب سنیئے کہ اس مقام پر حق تعالٰے نے انفاق کا امر فرمایا ہے یہ تو تحصیل ہے مگر اس
تکلیف کے ساتھ عنایت کو بھی جمع کر دیا ہے۔ بعبارت دیگر یوں کہیے کہ طلب تحصیل کے
ساتھ تسہیل کی بھی رعایت کی ہے بیان اس کا یہ ہے کہ انفاق فعل اختیاری ہے اور
فعل اختیاری کے لئے عادۃً تصورِ غایت ضروری ہے جس کے بغیر صدور نہیں ہوسکتا
صدور فعل کے لئے تصور غایت کا شرطِ عادی ہونا تو ضروری ہے اور وہ بھی اکثری
اسمیں مجھ کو کلام ہے کہ تصور غایت عقلاً بھی لازم ہے یا نہیں۔ حکماء اس کو عقلاً لازم کہتے
ہیں اسی لئے تصور غایت کو علت شمار کیا ہے جس کو علت غائیہ سے موسوم کرتے ہیں مگر
لزوم عقلی میں کلام ہے۔ آپ مدرسہ میں جاکر طلباء سے پوچھیے کہ وہ کس لئے پڑھ رہے ہیں
تو سو میں سے ساٹھ بھی غایت نہ تبلا سکیں گے اور جو بتلائیں گے بھی انمیں بہت سے اپنی
گھڑینگے اور لیجئے کھانا تو سب کھاتے ہیں اور یہ فعل اختیاری ہے ذرا بتلا دو کہ کھانے کیونکر
کیا غایت ذہن میں ہوتی ہے اور کیا سوچ کر کھاتے ہو یقیناً بہت سے آدمی کچھ بھی نہیں
اور کوئی غایت ان کے ذہن میں نہیں ہوتی ہاں جو ان پڑھ ہیں ان کی تو البتہ اسمیں ایک
غایت ہوتی ہے وہ کیا ہے۔ یہی کہ کھائیں اور ہگیں اور وہ بھی لازم التصور نہیں بلکہ لازم الذات
آپ تعجب نہ کریں کہ یہ کیسی غایت ہے ایک بڑے فلسفی نے یعنی صاحب شمس بازغہ نے ہی
شمس بازغہ میں غایت کی یہ بھی ایک قسم لکھی ہے کالتَّغَوُّطِ لِلْاَکْلِ جیسے کھانے کے لئے
بندۂ خدا کو مثال بھی ایسی ہی ملی مگر اعتراض کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہر شخص کا اپنا اپنا مذاق ہے
ان فلسفیوں کی طبیعت ایسی ہی ہوگی جیسے ایک بادشاہ نے چار سمت کی چار عورتیں جمع کی تھیں
ایک دفعہ اس نے سب کی طبائع کا امتحان کرنا چاہا اور رات کے اخیر حصہ میں سب سے پوچھا
کہ اب کیا وقت ہے سب نے بالاتفاق کہا کہ صبح ہوگئی اس نے دلیل پوچھی تو ایک نے کہا
میری نتھ کا موتی ٹھنڈا ہوگیا ہے یہ بہت لطیف وجہ بیان کی کیونکہ صبح کی ہوا میں خنکی زیادہ
ہوتی ہے اس نے موتی کی ٹھنڈک سے اس پر استدلال کیا دوسری نے کہا کہ پان کا مزہ
منھ میں بدل گیا ہے۔ تیسری نے کہا کہ شمع کی روشنی دھیمی پڑگئی ہے یہ دلائل تو لطافت اور
پر مبنی تھے۔ چوتھی نے کہا کہ میرا گوہ آرہا ہے بادشاہ نے اس بیوی کو الگ کر دیا کیونکہ

ن کے جواب سے کثافتِ فہم مترشح تھی تو جیسے ان جوابات کی بنا اختلاف مذاق پر تھی یہ ہی شمس بازغہ کی مثال ان فلسفیوں کے مذاق کی خبر دے رہی ہے غرض مجھے افعال ختیاریہ میں تصور غایۃ کا لزوم عقلی مسلم نہیں ورنہ تخالف نہ ہوتا ہاں یہ ضرور ہے کہ بعادۃ اکثریہ بدون تصور غایۃ کے افعال اختیاریہ کا صدور دشوار ہے خصوصاً افعال شاقہ کا اور انفاق فعل شاق ہے تو اسکے قبل اسکی غایت کا تصور ضروری ہوگا سو یہاں دو غایتیں مذکور ہیں ان غایۃ تو یہ بیان فرمائی اِبْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ کہ "وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے ہیں حق تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے" اس غایت کا اثر تو تحصیل ہے کہ اسکے تصور کے بغیر اس فعل اختیاری کا صدور عادۃً دشوار تھا اسکے بعد ایک اور غایت بیان فرماتے ہیں وَتَثْبِيتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں من بمعنی لام ہے ای تثبیتا لانفسہم یعنی" دوسری غرض انفاق میں یہ ہوتی ہے کہ اپنے نفسوں میں کمال کے اندر پختگی پیدا کریں" اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض بخیلوں کو انفاق میں بہت دشواری ہوتی ہے جن کا مذاق یہ ہوتا ہے۔ ؎

گرجاں طلبی مضائقہ نیست　　ورزر طلبی سخن دریں است

(اگر جان طلب کرو تو اسمیں مضائقہ نہیں۔ اور اگر مال طلب کرو تو اس میں کلام ہے)

جیسا مولاناؒ نے ایک بدوی کا قصہ لکھا ہے، کہ سفر میں ایک کتا اس کا رفیق تھا وہ مرنے لگا تو بدوی اسکی مفارقت کے غم میں رونے لگا کسی مسافر نے پوچھا کہ تو کیوں روتا ہے کہا یہ کتا میرا رفیقِ سفر تھا اب یہ مر رہا ہے اس کے غم میں رو رہا ہوں۔ پوچھا اسکو تکلیف کیا ہے کہا بھوکا ہے فاقہ سے مر رہا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک طرف ایک پوٹلا بندھا ہوا رکھا ہے بدوی سے پوچھا کہ اس پوٹلہ میں کیا ہے؟ کہا سوکھی ہوئی روٹیاں ہیں کہا ظالم جب تجھے اپنے کتے سے اس قدر محبت ہے کہ اسکے غم میں رو رہا ہے تو اس میں سے ایک روٹی نکال کر کیوں نہیں کھلا دیتا تو وہ کہتا ہے ؎

گفت ناید بے درم در راہ ناں　　لیک ہست آب دو دیدہ رائگاں

(اس بدو نے کہا کہ راستہ میں روٹی تو بے دام کے حاصل نہیں ہوسکتی البتہ آنکھوں کا آنسو یہ مفت ہے اسمیں لگتا لگاتا کچھ نہیں)

کہ مجھے اتنی محبت نہیں جو اسے روٹیاں کھلا دوں روٹی کے تو دام لگتے ہیں اور آنسو مفت کے ہیں بس میں اتنی ہی محبت رکھتا ہوں کہ اس کو رو لوں۔ تو حق تعالیٰ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ میں ایسے بخیلوں کے لئے انفاق کی دشواری اور تنگی رفع کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ تم انفاق اسی نیت سے کرو کہ اس سے نفس میں قوت پیدا ہو گی اور انفاق سہل ہو جائے گا بار بار اسی نیت سے انفاق کرو تو یہ مادہ راسخ ہو جائے گا اس غایت کا اثر تسہیل ہے اور جو طریقہ سہولتِ انفاق کا یہاں بتلایا گیا ہے یہ تمام اعمال میں جاری ہے کہ تکرارِ عمل سے ہر عملِ صعب (دشوار) سہل ہو جاتا ہے گو فطری خلق کی برابر سہولت نہ ہو یعنی جیسے فطری سخی کو انفاق میں سہولت ہوتی ہے ویسی آسانی گو نہ ہو مگر تکرار سے بھی بہت کچھ سہولت ہو جاتی ہے خصوصاً جبکہ تکرار اسی غرض سے ہو تا کہ عمل سہل ہو جائے اور یہ غرض گو بالذات مقصود نہیں بلکہ غرض اول اصل ہے مگر چونکہ اس بخیل کو انفاق دشوار تھا اسلئے دوسری غرض کو تسہیل کے لئے بیان فرمادیا۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (متفق علیہ) "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو قدرت رکھے نکاح کی تو اسے چاہیے کہ نکاح کرلے کیونکہ وہ نگاہ کو پست رکھنے والا ہے اور شرمگاہ کو بچانے والا ہے (بدکاری سے) اور جسے اسکی طاقت نہ ہو اس پر لازم ہے کہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے قاطع شہوت ہے۔

ذرا صبر اے جنون بدگمانی
نگاہ لطف اگر پیہم نہیں ہے
یہاں ہر غم ہے تمہید مسرت
یہ دنیا محفل ماتم نہیں ہے

(عارفیؒ)

(۵۹۰) فرمایا کہ جس میں کبر نہیں ہوتا اس کے نزدیک مدح و ذم دونوں مساوی ہیں اس پر دونوں کا اثر نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ کی یہی حالت تھی کہ آپ پر مدح و ذم کا بالکل اثر نہ ہوتا تھا مولاناؒ کی اگر کوئی مدح کرتا آپ اپنے کام میں لگے رہتے اور جھک مار کر چلا جاتا ان کو تو اس سے بحث ہی نہ تھی۔ ان کی نظر حقیقت پر تھی۔

(۵۹۱) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ مابین الخطبتین جب امام جلسہ کرتا ہے تو دعا مانگنا درست ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ دل سے دعا بدون حرکتِ لسان ہو تو جائز ہے سکوت واجب اور دعا اس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔

(۵۹۲) ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کو دل قبول نہ کرے تو کیا کرے۔ فرمایا کہ فتوے پر عمل کرے دل کو دخل نہ دے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ اہل بدعت کی مسجد میں نہ جائے۔ لیکن اگر اتفاقاً پہنچ جائے تو پھر ان کے ساتھ ہی پڑھ لے کیونکہ جماعت کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔

(۵۹۳) ایک عورت نے ایک رشتہ دار کے واسطہ سے یہ شکایت کی کہ دل میں وساوس بہت آتے ہیں اس لئے کوئی وظیفہ بتلائیے۔ فرمایا کہ طبعی حالات نہیں بدلتے۔ جب تک فنائے نفس نہ ہو۔ کمال یہ ہے کہ سب چیز رہے اور پھر کام کرے۔ اسلئے طالب کو یہ دھوکہ نہ دینا چاہیئے کہ فلاں وظیفہ سے خیالات دور ہو جائیں گے مقتضیات طبعی کیسے دور ہو سکتے ہیں۔ اس کہنے سے کہ فلاں وظیفہ سے خیالات دور ہو جائیں گے۔ اگر دور نہ ہوئے تو وہ اللہ کا نام لینا چھوڑ دے گا کہ اس سے کچھ ہوتا تو ہے ہی نہیں۔ انکو چاہیئے کہ کلمہ پڑھیں۔ استغفار پڑھیں۔ جتنی تسبیح آسان ہو اس قدر پڑھیں پھر مجھکو اطلاع دیں۔

(۵۹۴) فرمایا کہ قطب الارشاد نائب رسول ہوتے ہیں لوگوں کے قلوب میں انوار و برکات ان کی وجہ سے آتے ہیں۔ برکات سے متمتع ہونے کی شرط انکے ساتھ اعتقاد ہے۔

(۵۹۵) ایک صاحب نے سوال کیا کہ مجذوب اور مجنون میں کیا فرق ہے فرمایا کہ مجذوب کی بات میں انجذاب[۱] الی اللہ ہوتا ہے اور مجنون کی بات میں نہیں۔

---
[۱] اللہ کی جانب دلی کشش

(۵۹۶) ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا لیلۃ القدر کے آثار محسوس ہوتے ہیں فرمایا کہ کبھی محسوس ہوتے ہیں۔ باقی ایک اثر ضروری یہ ہے کہ اس شب میں جی زیادہ لگتا ہے اور لیلۃ القدر میں پوری شب کی ہی فضیلت ہے۔ یہ نہیں کہ کسی خاص ساعت کی۔ اگر ایسا ہوتا تو ساعت کے عنوان سے خبر دی جاتی جیسے جمعہ میں ایک ساعت کی خبر دی گئی ہے۔ اور لیلۃ القدر کی جہاں بھی فضیلت بیان ہوئی ہے عنوان لیلۃ سے ہے۔ اور اس میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے۔ اور بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تمام سال میں دائر سائر ہے۔

(۵۹۷) ایک صاحب نے پوچھا کہ قرآن کس درجہ کے بھولنے پر وعید ہے فرمایا کہ جس درجہ کا یاد تھا جب اس درجہ میں یاد نہ رہے تو داخل وعید ہے[۱]۔

(۵۹۸) ایک صاحب نے پوچھا کہ ایک جلسہ میں کئی شخص قرآن شریف جہر سے پڑھ سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اکثر فقہاء کے کلام سے منع معلوم ہوتا ہے مگر میں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں ایسے بعض اقوال نقل کئے ہیں جن سے جواز معلوم ہوتا ہے اور اسی میں وسعت ہے۔

(۵۹۹) فرمایا کہ قابل اعتماد اس شخص کا قول وفعل ہے جو جامع ہو ظاہر و باطن کا جس کی یہ شان ہو ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق   ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہے (جو نہایت نازک ہے) اور ایک ہاتھ میں عشق کا سندان (نہائی) ہے (جو بہت مضبوط اور ٹھوس ہے) اب ان سے کھیلنا ہوسناکوں کے بس کا کام نہیں)

شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین صفات ہوں۔ محدّث ہو فقیہ ہو، صوفی ہو۔ تینوں کا جامع ہو۔ بتلایئے کتنے آدمی ایسے ہیں۔ یوں صلحاء سب ہیں۔ اپنے کو سب کو اچھا سمجھیے۔ ریل میں بیٹھنا آسان ہے۔ گارڈ ہونا۔ ڈرائیور ہونا مشکل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کام گارڈ نے عارضی طور سے کسی مسافر کے سپرد کر دیا ہو۔ لیکن لائن کلیر اسکو نہ ملے گا۔ اگرچہ وہ کہے گا کہ گارڈ نے میری سپرد فلاں کام کر دیا ہے۔

(۶۰۰) فرمایا کہ کلام اللہ میں ایک دفعہ بسم اللہ بالجہر پڑھنی چاہئے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک

---

[۱] حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ انذار العشائر من الصغائر والکبائر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر قرآن ... باختیار خود لاپرواہی سے بھلا دیں تو گناہ کبیرہ ہے۔ یوں کسی مرض یا ضعف وغیرہ سے ایسا ہو جائے وہ ...

بسم اللہ بھی مطلق قرآن کی ایک آیت ہے۔ میرا اور میرے استاد کا معمول ہے کہ اقرأ پر پڑھتے ہیں۔ وجہ یہ کہ سب سے پہلے یہ نازل ہوئی ہے اور دوسرے اس کا شروع مضمون بھی بسم اللہ پڑھنے کے مناسب ہے کیونکہ فرماتے ہیں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ جس میں بسم اللہ پڑھنے کا اشارہ نکلتا ہے اور بعض علماء نے رعایت خلافیات کے سبب کہا ہے کہ اول تراویح میں الحمد پر پہلے پڑھے۔ اور مناسب یہ ہے کہ مختلف طور سے پڑھ دیا کرے کبھی کسی سورت کے اول میں کبھی کسی کے قُلْ ھُوَ اللہ کی تعیین نہیں۔ اور مفلحون تک پڑھنے میں سب کا اتفاق ہے۔ رہا قُلْ ھُوَ اللہ کا تین مرتبہ پڑھنا تو یہ محض معمول ہے کسی دلیل سے ثابت نہیں۔

(۶۰۱) فرمایا کہ تہذیب اس کا نام ہے کہ بناوٹ نہ ہو۔ صاف بات ہو۔ چنانچہ گاؤں کے لوگ نہایت مخلص ہوتے ہیں۔ نانوتہ کے پاس آبہ ایک گاؤں ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ وہاں عرصہ تک قیام فرما رہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی بھی اس موضع میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ہمراہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس گاؤں سے لوگ آتے ہیں اور ان کو یہاں قیام کرنا ہوتا ہے تو صاف کہدیتے ہیں کہ ہم اتنے آدمی ہیں اور رات کو قیام کریں گے۔ میں اس بات کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ میں ان کی چیز واپس نہیں کرتا۔ ان میں کوئی بناوٹ نہیں ہوتی۔ پہلے آبہ کے لوگ جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ آبہ ہمارا ہی ہے اور پھر ہمارے مسلک کے خلاف جمعہ پڑھتے ہیں یہ خبر گاؤں میں پہونچی تو سب نے جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا۔

(۶۰۲) ایک مرید کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ مجھ کو بخار آیا جس میں لذت اور تکلیف ملی جلی تھی یعنی طبعی تکلیف تھی اور روحانی لذت۔ اس پر فرمایا کہ جب یہ حالات پیدا ہونے لگیں تو سمجھ لو کہ اب دروازہ میں داخل ہوئے۔ لوگ کشف و کرامت کو دیکھتے ہیں، مگر یہ مواقع ہیں امتحان کے کہ موقع پر کیا باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

(۶۰۳) فرمایا کہ اہل رسم کے نزدیک پیر وہ کامل ہے جو روٹی کھلائے۔ اور مرید وہ مقبول ہے جو خدمت کرے۔ ایک درویش یہاں آئے تھے مریدوں کو خوب روٹیاں کھلائیں حتیٰ کہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو یہ امید تھی کہ مریدوں سے

(بقیہ حاشیہ) نہیں، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نسیانِ قرآن جو گناہِ کبیرہ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا بھول جائے

وصول ہو جائے گا مگر وصول کچھ بھی نہ ہوا آپ فلاں ریاست کے پریسیڈنٹ کو سفارش لکھدیں کہ وہ اتنی رقم قرض دیدیں۔ میں نے لحاظ میں دبکر لکھ دیا لیکن اس خیال سے کہ ان پر بار نہ پڑے ایک خط ڈاک میں لکھ کر روانہ کر دیا کہ اس قسم کا خط اگر کوئی شخص لائے تو میری طرف سے اس کو مہتم بالشان نہ سمجھا جائے جو مناسب ہو عمل کیا جائے یا اسپر عمل نہ کرنا۔ انھوں نے جواب لکھا کہ اطمینان رکھیں کہ ان کے ساتھ عمل مناسب کیا جائے گا۔ اب اس صورت میں میری طرف سے ان پر کوئی بار نہ رہا، جو ان کو مناسب معلوم ہوا ہوگا وہ کیا ہوگا۔

(۶۰۴) ایک صاحب حضرت کا سقفی پنکھا کھینچ رہے تھے اتنے میں ایک اور شخص آکر اس غرض سے ان کے پاس آبیٹھے کہ ان سے پنکھا لیکر خود کھینچیں اسی چھین جھپٹ میں ان کا ہاتھ ان کی آنکھ میں لگ گیا اس پر فرمایا کہ لوگ خدمت کرنا چاہتے ہیں مگر سلیقہ نہیں۔ رواج ایسا بڑھ گیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ پنکھا وغیرہ خدمت سے مقبول ہو جائیں گے مگر یاد رکھیں کہ بے قاعدہ خدمت مقبول نہیں ہو سکتی۔ جیسے دوپہر کے وقت نماز کہ چونکہ بے قاعدہ ہے مقبول نہیں۔ خدمت سے پہلے اس کا قانون دریافت کریں: صرف یہ طریقہ نہیں کہ بس مجھ سے پوچھ لیا بلکہ یہاں رہیں اور سب باتوں کو نگاہ میں لیتے رہیں۔ پھر متبوع سے اجازت لینی چاہئے۔ صاحب جو شخص خدمت چاہتا ہو اسکی کیجئے میں تو نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک تو دونوں یکساں ہیں یعنی برسوں خدمت کرنے والا بھی اور نہ کرنے والا بھی۔ میں تو جس کو کام میں مشغول دیکھتا ہوں وہ میرے نزدیک مقبول ہے۔ واقعی مجھ کو تو اس میں راحت ہے اپنے کام میں لگو میں نے دو چار آدمیوں کو طریقۂ خدمت بتلا رکھا ہے اور ان سے دل بھی کھلا ہوا ہے میں ان سے خود بھی کہہ دیتا ہوں اور جب تک مزاج سے واقف نہ ہو اور دل کھلا ہوا نہ ہو خدمت سے کلفت ہوتی ہے۔ واقعی نادانی کی محبت بھی کچھ نہیں۔ نادانی کی محبت ماں کی سی محبت ہے کہ بچہ کو جاہل رکھتی ہے۔

(۶۰۵) فرمایا کہ ایک شخص ملے جو ایل۔ ایل۔ بی ہو گئے تھے مگر رہے بی (یہ لطیفہ

طور پر فرمایا) پوچھنے لگے کہ نماز پانچ ہی وقت کی کیوں فرض ہوئی میں نے کہا کہ آپ
اک سامنے ہی کیوں لگی۔ خدا کے دو کارخانے ہیں۔ ایک تکوینی دوسرا تشریعی تکوینی
ستیں تم بتلا دو اور تشریعی کی ہم بتلا دیں گے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اسرار الٰہی پر مطلع
نے کا یہ طریق نہیں کہ مولوی سے پوچھا کریں کہ یہ حکم اس طرح کیوں ہے۔ ان کے ذمہ صرف
کام کا بتلانا ہے۔ دلائل واسرار کا بیان کرنا نہیں۔ دوسرے بہت سی باتیں خود ان کو بھی
معلوم نہیں۔ اگر کوئی طریقہ اسرار پر مطلع ہونے کا ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ
احکام پر بلا چون وچرا عمل شروع کر دیں اس سے قرب باری تعالیٰ ہوگا اور نورانیت
ہوگی اور قرب ونور ہی سے انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر تم یہ چاہو کہ ہم بادشاہ
کے مخفی خزانوں پر مطلع ہوں تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ سے جا کر کہو کہ ہمیں اپنے
خزانوں کی چیزوں پر اطلاع دیدو۔ اگر ایسا کرو گے سزا پاؤ گے بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ
بادشاہ کی اطاعت شروع کردو اطاعت کرنے سے قرب میں ترقی ہوگی حتیٰ کہ اس کی بھی
نوبت آجائے گی کہ ایک روز بادشاہ خوش ہو کر خود ان پر مطلع کردے گا۔ خودی کو چھوڑ دو۔
فنا ہو جاؤ جس کو بھی اطلاع ہوئی ہے اسی صورت سے ہوئی ہے مگر اطاعت سے بھی اسرار پر
مطلع ہونا مقصود نہ ہونا چاہیئے ورنہ اسی روز نکال دیئے جاؤ گے بلکہ مقصود اطاعت سے صرف
قرب ورضا باری تعالیٰ ہو۔ کبھی راضی ہوں گے تو مطلع فرما دیں گے۔ مگر ان کے ذمہ نہیں ہے
کہ مطلع فرما ہی دیں۔

(۶۰۶) ایک صاحب نے سوال کیا کہ ایصال ثواب عبادت بدنی کا اچھا ہے یا عبادت
مالی کا۔ فرمایا کہ عبادت مالی کا ثواب پہنچنا اہل حق کے نزدیک متفق علیہ ہے اس لئے افضل
ہے دوسرے اس میں نفع متعدی بھی ہے۔ تیسرے عبادت مالی میں نفس پر گرانی زیادہ
ہوتی ہے اور عبادت بدنی کے ایصال ثواب میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

(۶۰۷) ایک صاحب نے سوال کیا کہ جو سائل تندرست جوان ہٹا کٹا ہو اس کو
بھیک دینا کیسا ہے؟ فرمایا یوں کہہ دو کہ آگے جاؤ یا خاموش رہو۔ خود چلا جائے گا پھر
فرمایا کہ اگر لوگ نہ دینے پر پورا عمل کریں تو ایسے لوگ مانگنا ہی چھوڑ دیں۔ بھیک مانگنے

والے جو قادر ہوں کسب پر فقہاء نے ان کو دینا حرام لکھا ہے۔ کیونکہ سوال کرنا ایسے شخص کو حرام ہے اور بھیک دینا یہ اعانت ہے معصیت پر اس لئے وہ بھی حرام ہے اور دلیل یہ ہے لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (گناہ اور ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) مولانا گنگوہیؒ نے اس مسئلہ کو بیان فرمایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ لوگ غل تو مچاویں گے مگر پہونچائے دیتا ہوں۔ چنانچہ بڑا غل مچا۔ بات یہ ہے کہ مانگنا رسم ہو گیا ہے اور رسم کے خلاف لوگ نہیں مانتے۔ اسی مانگنے پر ایک قصہ بیان کیا کہ جس زمانہ میں میں تفسیر لکھتا تھا تو اس کے لئے ایک علحدہ موقع تجویز کیا تھا۔ ایک شخص دروازہ پر آیا اور اس نے زور زور سے مانگنا شروع کیا گھر میں سے اسکو کچھ آٹا وغیرہ لا دیا۔ اس پر اس نے یہ کہا کہ ہم یہ لیں گے وہ لیں گے۔ اس کے غل مچانے سے مضامین کی آمد مختل ہو گئی۔ میں اس نیت سے نیچے اترا کہ اس کو سمجھا دوں گا۔ میں نے خیال کیا تھا کہ کوئی شکستہ حال ہوگا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شاہ صاحب ہیں بڑے تنومند لانبا کرتہ اور چوغہ پہنے ہوئے گیر دا رنگ عمامہ باندھے ہوئے وجیہ شخص تسبیح ہاتھ میں، کئی تسبیحیں گلے میں، عصا لئے ہوئے مقطع صورت۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ تو شیخ المشائخ ہیں۔ میں نے تہذیب سے کہا کہ شاہ صاحب کیا تکرار ہے جو توفیق تھی دیدیا لے لیا ہوتا۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو کپڑا لیں گے، پیسہ لیں گے۔ میں نے کہا کہ جو ملا ہے لے جاؤ تو کہتے ہیں ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است　　شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ہر جنگل اور جھاڑی کو خالی نہ سمجھو ممکن ہے کوئی چیتا اس میں سویا ہوا ہو)

میں نے کہا کہ آپ کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے کہ ہر بیشہ گماں مبر الخ اس پر بک بک شروع کی۔ میں نے کہا فضول مت بکو زیادہ بک بک کرو تو گردن پکڑ کر نکلوا دوں گا، بس چپکے چلے گئے۔

(۶۰۸) ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی مرشد کو برا بھلا کہے تو اس وقت کیا کرنا چاہیئے فرمایا کہ اسکو روک دے کہ میرے سامنے ایسا تذکرہ مت کرو مجھ کو صدمہ ہوتا ہے۔ پھر اسکی ہمت انشاء اللہ نہ ہوگی۔ اور اگر صبر نہ ہو سکے اور پوری قدرت ہو اور

کسی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت بحفظ حدشرعی جوتہ سے ٹھیک کردے۔ اگر قدرت نہ ہو اور وہ روکنے سے نہ رُکے تو وہاں سے چلا جائے۔ اور اس آیت سے ثابت ہے ارشاد ہے وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَءُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ الخ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس کتاب میں یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ احد احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزار اور کفر جب ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جبتک وہ کوئی اور بات شروع نہ کردیں کہ اس حالت میں تم بھی انھیں جیسے ہوجاؤگے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار سب کو دوزخ میں جمع کردیں گے) اور اس آیت کا حکم عدم قدرت کے زمانہ میں تھا، پھر زمانہ قدرت میں دوسرا قانون ہوگیا یعنی ضرب یضرب مگر اس وقت کے حالات کے مناسب یہی ہے کہ اس کو یہ اطلاع کرکے چلا جائے کہ میں اس وجہ سے تمہارے پاس نہیں بیٹھتا کہ تم میرے پیر کو بُرا کہتے ہو۔ لڑے بھڑے نہیں۔ اس برتاؤ سے پیر کی بھی قدر ہوگی کہ پیر کی کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔ بس وہاں ہی چلو جہاں انھوں نے تعلیم پائی ہے کہ کیسا صبر وتحمل ان میں آگیا ہے۔ اس کو کرکے دیکھئے کہ کیا اثر ہوتا ہے۔

(۶۰۹) فرمایا کہ لفظ دیور کا جو ہمارے یہاں مستعمل ہے بہت بُرا ہے وَرْ ہندی میں شوہر کو کہتے ہیں اور دِےْ کے معنی ثانی کے ہیں۔ بس دیور کے معنی شوہر ثانی کے ہوئے بعض جہلار کے یہاں دیور کو بجائے شوہر کے سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے یہ لفظ قابل تبدیل ہے اسی طرح مجھے سالہ کا لفظ بھی بُرا معلوم ہوتا ہے۔ پورب میں نسبتی بھائی کہتے ہیں یہ اچھا لفظ ہے۔ جوائیں بھی مکروہ لفظ ہے خویش اچھا ہے۔ داماد بھی ثقیل ہے۔ بعض الفاظ کہ لغوی معنے ان کے بہت اچھے ہیں اور ہمارے یہاں ان کا استعمال بھی قبیح نہیں لیکن بعض جگہ محاورہ میں وہ بُرے سمجھے جاتے ہیں جیسے مخدومہ کا لفظ کہ اس میں کوئی برائی نہیں لیکن پورب میں اس کو نہایت بُرا سمجھتے ہیں یعنی بمعنیٰ مفعولہ بعض لفظ غیر محل میں بولے جانے سے بہت بُرا ہوجاتا ہے جیسے ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہوگیا تھا۔ کسی نے کہا کہ خدا اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ایک صاحب سُن رہے تھے انھوں نے دل میں کہا کہ مرنے کے موقعہ پر یہ

لفظ کہا کرتے ہیں۔ اتفاق سے ایک شخص کے باپ کا انتقال ہوگیا اور وہ تعزیت کے لئے آئے تو کہتے ہیں کہ خدا نعم البدل عطا فرمائے اُس نے بڑا بُرا مانا کہ میری ماں کو خصم کراتا ہے۔

(۶۱۰) فرمایا کہ اکثر لوگوں کے عقاید بدعات میں خراب ہوگئے ہیں۔ یہاں تک اُن کے عقیدہ میں یہ جما ہوا ہے کہ بزرگ لوگ اللہ میاں کے کام میں سہارا لگاتے ہیں۔ ایک تعزیہ میں اولاد کے بارے میں عرضی لٹکی ہوئی تھی کہ اے امام حسین مجھ کو لڑکا دے دیجئے اور اس کے ساتھ ایک پتلا بھی بنا کر اس میں رکھا تھا گویا نمونہ بتلا تھا کہ لڑکا ایسا ہو یہ تو ایک جاہل عورت کا فعل تھا۔ مگر تعجب ہے کہ ایک مقام پر ایک تحصیلدار صاحب نے عرضی لٹکائی تھی کہ اے امام حسین لڑکا دیجئے۔ ایک ظریف اس کے نیچے لکھ آئے ؎

زمین شورہ سنبل برنیارد ۔ درو تخم عمل ضائع مگرداں

(شوریلی زمین گل وسنبل نہیں اُگایا کرتی تم اس میں اپنے محنت وعمل کا بیج ضائع کرو مت)

یعنی تمہاری یہ بی بی بانجھ ہے اس سے ہرگز اولاد نہ ہوگی جب تک دوسرا نکاح نہ کروگے۔ اور نیچے لکھ دیا راقم امام حسین۔

(۲) ایک جگہ دو طالب علموں میں بحث ہو رہی تھی۔ ایک تو یہ کہتے تھے کہ لوگ بڑے پیر کی نیاز دلاتے ہیں یہ اختلاف محض لفظوں میں ہے باقی نیت ان کی اس میں یہ ہوتی ہے کہ نیاز تو اللہ کی ہے اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچ جائے۔ دوسرے کہتے تھے کہ نہیں عقیدہ میں بھی بزرگوں کے نام کی نیاز ہوتی ہے۔ یہی قصہ ہو رہا تھا۔ اتفاق سے ایک بڑھیا آگئی اور کہا کہ بڑے پیر کی نیاز دے دو۔ جو شخص کہہ رہے تھے کہ عقیدہ میں بھی بزرگوں کی نیاز دی جاتی ہے۔ انھوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ نیاز تو دو اللہ کی اور ثواب پہنچاؤں بڑے پیر صاحب کو۔ تو وہ بڑھیا کہتی ہے نہیں۔ اللہ میاں کی نیاز تو میں الگ دلواؤں گی یہ تو بڑے پیر کی نیاز ہے۔ جب انھوں نے اپنے مقابل سے کہا کہ دیکھئے آپ کی بڑھیا کس تصریح سے آپ کی تاویل کا بطلان کر رہی ہے جس میں خلاف کی گنجائش ہی نہیں۔

(جاری)

مکتوب نمبر ۴۶۵

حال :- بسلسلۂ قیام الہ آباد حضور کی تنبیہ پر جوں جوں غور کرتا ہوں عیوب آشکارا ہوتے جاتے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ جب نفس ان باتوں کا عادی ہوچکا ہے تو انکی اصلاح کس طرح کی جائے۔ تحقیق :- عادت کو بدلا جائے اگرچہ کچھ تکلیف ہو۔ حال :- بس ایک صورت سمجھ میں آئی وہ یہ کہ جب حضور والا ہی توجہ اور دعا فرمائیں گے۔ تحقیق :- خالی دعا سے اصلاح نہ ہوگی۔

حال :- تب ہی ان عیوب سے چھٹکارا حاصل ہوسکتا ہے۔ تحقیق :- جب طلب ہوگی تب اصلاح ہوسکے گی۔ حال :- اس وقت چند باتیں سمجھ میں آئی ہیں جن کو اظہار کر کے دعا کا متمنی ہوں آئندہ جو کچھ سمجھ میں آئے گا تحریر کرتا رہونگا اول یہ کہ رسومات بدعیہ سے خود تو بچنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن نفرت نہیں کرتا۔ تحقیق :- یہ کیوں۔ حال :- اس کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر کے لوگ کبھی کبھی ایسی باتیں کر گذرتے ہیں اور میں منع نہیں کر پاتا۔ تحقیق :- جب نفرت نہیں تو منع کیوں کروگے۔

حال :- دوسرے یہ کہ رہن سہن یا بازار ہاٹ کی آمد و رفت میں بھی بد احتیاطی ہوجاتی ہے اور نظر نامحرموں پر پڑتی رہتی ہے۔ تحقیق :- یہ تو لازمی ہے ایسے وقت نظر کو روکنا بڑی بات ہے شاید ابھی آپ اسکے لئے تیار نہیں۔

حال :- تیسرے یہ کہ ظاہری پوشش اور معاملات جیسا کہ ہونا چاہئے نہیں ہوپاتے ہیں
تحقیق :- ہونہیں پاتے یا ہونہیں سکتے۔ حال :- مندرجہ بالا باتیں ایسی ہیں کہ ان پر کچھ سماج تحقیق :- یہ سماج کیا بلا ہے میں ان لغات سے واقف نہیں۔
حال :- کا اثر اور کچھ ماحول کا اثر ہونے کی وجہ سے نفس عادی ہوچکا ہے۔
تحقیق :- عادت کے خلاف کرنا طریق ہے۔
حال :- اس لئے توجہ خاص اور دعا کا متمنی ہوں۔
تحقیق :- اسی پر اکتفا نہ کیجئے کچھ آگے قدم بڑھایئے۔

مکتوب نمبر ۷۶۶

حال :۔ حضور عالی کی خدمت سے رخصت ہوکر اور سکون کی دولت اور خدا تعالےٰ کی یاد کا سرمایہ اور دعا ہائے مقبولہ کی بیش بہا پونجی ساتھ لیکر بخیریت لکھنؤ پہونچا اور سب کو حضرت کی دعا کی بدولت اچھی طرح پایا۔

تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ ذکر قلبی کے ساتھ ساتھ قلب میں چہار طرف طمانیت اور سکون چھایا ہوا پایا۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ یہ طمانیت اور سکون انمول چیز ہے جو محض حضور کی دعا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔

حال :۔ لکھنؤ میں خانگی اور خارجی خلش وخار کا اثر ڈھائی دن تک تو بالکل ہی طمانیت اور سکون پر اثر انداز نہ ہوسکا۔ تحقیق :۔ الحمدللہ

حال :۔ تیسرے دن ۔ ۔ ۔ ۔ کی روانگی کا دن تھا اثر بیرونی اثرات کا ہونے لگا بالخصوص مالک مکان کی نازیبا حرکات سے تکلیف پہونچی مگر حضور والا کے تصور سے وہ تکلیف دور ہوتی گئی اور مالک مکان بھی اخلاق ظاہری سے پیش آئے۔

تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ یہ محض حضور کی دعا و توجہ کی برکت تھی۔ خدا کرے وہ اپنی بات پر قائم رہیں۔ تحقیق :۔ آمین۔

حال :۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آکر خانگی امور سے سکون ہوا اور یہ عریضہ لکھنے کا موقعہ ملا حضور والا دعا فرمائیں۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

حال :۔ کہ اللہ تعالےٰ مجھے سکون وطمانیت دائمی و روز افزوں عطا فرمائیں

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور قلب میں اپنی نسبت راسخہ عنایت کریں

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور ذکر قلبی کو روز بروز قوی تر فرمائیں۔

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور حیوٰۃ طیبہ ونفس مطمئنہ عنایت کریں۔

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور شبانہ روز کے اوقات کو اپنی یاد کے لئے وقف کردیں کہ ایک منٹ کو ذہول نہ ہو۔ تحقیق :۔ آمین

حال :۔ حضرت والا کی بدولت مجھے بہت کچھ ملا۔ رذائل میں کمی ہوئی۔ اللہ کی یاد

میں حقیقی ترقی ہوئی۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ۔

حال:۔ اب استدعا ہے کہ قلب کو فکر وغم ماسوا سے یکسر نجات دلادیں اور اللہ کی یاد اسمیں پیوست کردیں یہ کام حضور ہی انجام کو پہونچا سکتے ہیں۔ یہ حقیر تو بہت ضعیف وناتواں ہے غم ماسوا سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے میں بڑا ہی قاصر و کمزور پاتا ہے حضور کی مدد کا محتاج ہے۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۷

حال:۔ حضرت والا کے فیوض و برکات کو یہ بدکردار اپنے میں برابر پاتا ہے۔ آج رات کو احقر نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حضرت والا اور چند حضرات حضرت والا کے ہمراہ اڑلیہ آئے ہوئے ہیں جن میں سے ۔ ۔ ۔ بھائی کو پہچان لیا اور دوسروں کو پہچان نہ سکا۔ حضرت والا کی مجلس ہورہی ہے دوران مجلس حضرت والا احقر کو زیادہ توجہ سے دیکھ رہے ہیں جس سے احقر زار قطار رو رہا ہے جب مجلس ختم ہوجاتی ہے تو حضرت والا احقر کو پاس بلواتے ہیں اور احقر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ یہ ہمارے عزیز ہیں اور احقر سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ کون سی کتاب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ نہ جانے کون سی کتاب تھی احقر حضرت والا کو بڑھادیتا ہے تو حضرت والا ۔ ۔ ۔ بھائی سے کہتے ہیں کہ وہ کتابیں لاؤ تو ۔ ۔ ۔ بھائی ایک بڑا کتابوں کا گٹھر لاتے ہیں اور حضرت والا اس کتاب کے پورے گٹھر کو اٹھاکر احقر کو دیتے ہیں اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جاؤ ان کتابوں کا مطالعہ کرنا اللہ تعالےٰ تمہیں علوم باطنی عطا فرمائیں۔

پھر احقر کے سینہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دوبارہ ۔ ۔ ۔ ۔ بھائی سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں انشاءاللہ اللہ تعالےٰ ان کو علوم باطنی عطا فرمائے گا۔ اس بات کو سنکر احقر بیقراری سے رونا شروع کردیتا ہے تو حضرت والا پھر کہتے ہیں کہ جاؤ پریشانی کی کیا بات ہے اللہ تعالےٰ تمھیں علوم باطنی عطا فرمائیں گے اور صوفیاء میں

تمہارا نام ہوگا انشاء اللہ۔

مرشدی! اسی اثناء میں آنکھ جو کھل جاتی ہے تو اپنے کو روتا ہوا پاتا ہوں۔ اور دیکھتا ہوں کہ صبح کی نماز کی جماعت کھڑی ہوئی ہے۔ احقر نماز سے فارغ ہو کر پہلے خواب کو نقل کر کے حضرت والا کے پاس خط لکھا اسکے پہلے ایک خط حضرت والا کی خدمت بابرکت میں لکھ چکا ہوں۔ جواب نہیں آیا ہے انشاء اللہ آجائیگا مرشدی! اسکی تعبیر جاننے کو احقر کی دلی خواہش ہے۔

تحقیق:۔ تعبیر تو ظاہر ہے آپ کو فائدہ ہو رہا ہے اور ہوگا منتظر رہیے۔

حال:۔ مرشدی! بعد نماز مغرب اور عشاء ایک ہزار بار اللہ کا ذکر کر لیتا ہوں، در اِلاَّ اللہ کا ورد بلا تعداد کر لیتا ہوں۔ مرشدی! دوران ذکر میں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا میرا جسم نہیں ہے صرف زبان ہے کہ جس سے آواز نکلتی ہے اور دوران ذکر اللہ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں اللہ سے باتیں کر رہا ہوں اور اللہ جی سامنے کھڑے ہوئے مجھے دیکھتے ہیں۔ پھر بھی بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام جسم زبان سب اللہ کے ہیں میں کہتا ہوں۔ مرشدنا! ذکر اللہ کے بعد قلب کو سکینت حاصل ہوتی ہے اور اتنی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ گویا میں نے جتنی دعائیں کی ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کو قبول کر لیا ہے۔ مرشدنا! دیگر اوقات میں کسی کام میں طبیعت نہیں لگتی اور جی چاہتا ہے کہ ہمیشہ اللہ کا ہی ذکر کرتا رہو اور ایسا ہی اکثر ہو جاتا ہے کہ دفتر میں بھی کام کے وقت بیساختہ زبان سے یہ اشعار نکل جاتے ہیں ؎ **تحقیق**:۔ الحمد للہ

اے میرے مولیٰ میری نظر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو

سب تو ہوں باہر دل کے اندر تو ہی تو ہو تو ہی تو

قلب تپاں میں دیدۂ تر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو

اے میرے مولیٰ بحر و بر میں تو ہی تو ہو تو ہی تو

کچھ نہ سوجھائی دے مجھے ہرگز لاکھ ہوں منظر پیش نگاہ

اِلاَّ اللہ اِلاَّ اللہ اِلاَّ اللہ اِلاَّ اللہ

ل :- مرشدی ! اکثر لوگوں کے میل جول سے بھی جی گھبراتا ہے۔ **تحقیق** :- الحمدللہ
ال :- جی چاہتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر اکیلا بیٹھا رہوں اور ذکر مولیٰ کا کرتا رہوں
مرشدنا ! قرآن پاک کی تلاوت سے حضور نے کچھ ایسی مناسبت کرا دی ہے کہ
اب تو جی چاہتا ہے کہ ہر وقت قرآن کی تلاوت کرتا رہوں۔ **تحقیق** :- خوب۔
ل :- مرشدنا ! جو بھی وقت مل جاتا ہے قرآن پاک کی تلاوت کر لیتا ہوں رات
کو سوتے وقت اکثر جی چاہتا ہے کہ چلو سو جائیں جہاں یہ خیال پیدا ہوا ساتھ ہی ساتھ
یہ بھی دل میں خوف آجاتا ہے کہ اگر رات ہی میں مرگیا تو کل کہاں سے تلاوت
کرے گا۔ مرشدی ! سونے کے پہلے تلاوت کے بغیر نیند نہیں آتی جب تلاوت قرآن پاک
کر لیتا ہوں تو قلب کو سکینت حاصل ہو جاتی ہے۔ **تحقیق** :- الحمدللہ۔
ال :- مرشدنا ! یہ جو کچھ بھی ہوتے ہیں سب حضور ہی کی توجہ کی برکت ہے :-
تحقیق :- الحمدللہ۔ **حال** :- مرشدنا حضرت والا کا چہرہ مبارک ہمیشہ آنکھوں
کے سامنے پھرتا ہے۔ **تحقیق** :- الحمدللہ۔
حال :- مرشدنا ! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ تلاوت قرآن پاک سے اور بھی زیادہ
قلبی لگاؤ پیدا کر دیں۔ **تحقیق** :- آمین
حال :- حضرت والا دعا فرمائیں کہ میرے دل میں نور پیدا ہو جائے۔ **تحقیق** :- آمین

مکتوب نمبر ۷۶۸

حال :- بندۂ حقیر اپنی کیا حالت لکھے گناہوں کے انبار کے انبار لگے ہوئے ہیں جب
ذرا معاصی پر نظر ہوئی پھوٹ پھوٹ کے روتا ہوں کہ اے اللہ اس عاصی کے
افعال پر نظر مت فرما بلکہ اپنی رحمت وعفو پر نظر فرما کر اس حقیر کو اپنے ان نیک
بندوں میں داخل فرما جن پر تیرا انعام واکرام ہوا۔ حضرت سے یہ التجا ہے کہ احقر
کے لئے دعا فرمائیں۔ **تحقیق** :- دعا کرتا ہوں۔
حال :- کہ اللہ جل جلالہ اپنا فضل فرما کر احقر کو اعمال صالحہ کی توفیق ومداومت بخشے
اور حسن خاتمہ سے نوازے۔ **تحقیق** :- آمین۔

اور ترقی علم نصیب فرمائے۔ **تحقیق**:۔ آمین

حال:۔ اور ساتھ ساتھ ضرور بالضرور کوئی نصیحت تحریر فرمائیں جس سے دنیا و آخرت بہتر ہو اور قرب الی اللہ نصیب ہو۔ **تحقیق**:۔ بری صحبت سے کنارہ کشی ضروری ہے۔ **حال**:۔ پشت پر ایک خواب تحریر کر رہا ہوں اسکی تعبیر سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں:۔

احقر نے چند روز پیشتر ایک خواب دیکھا کہ کعبہ شریف کے قریب مسجد حرام میں کھڑا ہوا ہوں، کعبہ شریف کا غلاف اُترا ہوا ہے اور کعبہ شریف کے چاروں طرف متصل کعبہ شریف پڑا ہوا ہے اور اس کا اَستر یعنی نیچے کا سفید حصہ نظر آرہا ہے اور طبیعت یہ چاہتی ہے اور بہت ہی شوق بڑھا ہوا ہے کہ اسکو سینہ سے لگالوں اور آنکھوں سے ملوں اور اُسے چوم لوں۔ اتنے میں آنکھ کھل جاتی ہے اور بیدار ہو جاتا ہوں۔ **تحقیق**:۔ بہت عمدہ خواب ہے محبت ملے گی۔

مکتوب نمبر ۷۶۹

حال:۔ میں اپنے معمولات کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور اللہ کی رضا مقدم کرکے اپنے معاملات کو بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ **تحقیق**:۔ الحمد

حال:۔ اپنے نفس سے روزانہ جد وجہد کرتا ہوں کہ دنیا میں وہ انہماک نہیں چاہئے جس سے اللہ سے غفلت ہو جائے لیکن اکثر نفس ہی کا غلبہ پاتا ہوں اکثر گندے وساوس سے بہت پریشان رہتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت کا مضمون وساوس کے علاج کے عنوان پر جو کہ نظام پرچہ ماہ نومبر ۶۲ء میں شائع ہوا اس کے پڑھنے سے علاج مل گیا اور اب حضرت والا کے دعا کا صدقہ ان اصولوں پر عمل کرنے سے جو اس مضمون میں بتائے گئے ہیں سکون ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ

حال:۔ اس مضمون کے پڑھنے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم ضعیف الایمان مسلمانو ایمان معمولی معمولی لغزشوں میں غبار آلودہ جاتا ہے اس لئے دن میں

لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ زبان سے پڑھ کر ایمان کی تجدید کر لینا بہت ضروری ہے۔
تحقیق :۔ بیشک۔ حال :۔ چنانچہ جب مجھ کو وساوس گھیرنے لگتے ہیں فوراً زبان سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیتا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ
حال :۔ تو وساوس ختم ہو کر قلب میں سکون و راحت محسوس ہوتی ہے۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔

مکتوب نمبر ۷۷۰

حال :۔ اِدھر عرصہ سے نفس کی طرف سے کچھ غفلت اور سستی میں تھا اس مرتبہ الہ آباد کے سفر میں نفس کی نگرانی کی اہمیت پیش نظر ہو گئی ہے اور یک بیک چونک سا گیا ہوں۔ اللہ تعالےٰ غفلت سے بچائیں۔ تحقیق :۔ آمین۔
حال :۔ زیادہ تر زبان کی آفات کا شکار ہوں جی چاہتا ہے کہ بالکل نہ بولوں بسا اوقات مایوسی تک نوبت آجاتی ہے پھر اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید قائم ہو جاتی ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ اپنی کم فہمی کا شکوہ خود ہی کرتا ہوں لیکن یہ شکوہ جب حضرت والا کی خدمت میں پہونچتا ہوں وہیں زیادہ احساس ہوتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ یہاں آکر ساری دنیا یک لخت دوسرے راستہ پر نظر آتی ہے پھر اپنے کو غنیمت سمجھنے لگتا ہوں۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ تاحیات اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ تحقیق :۔ آمین۔
حال :۔ حضرت والا کی خدمت میں جلد ہی حاضری کی توفیق میسر ہو۔
تحقیق :۔ آمین۔

مکتوب نمبر ۷۷۱

حال :۔ الحمدللہ حضرت والا کی شفقت و غایت محبت جیسی اس عاصی پر ہے اسکا ادنیٰ حق بھی یہ کمترادا نہیں کر پاتا۔ مزید اس شفقت و محبت اور اپنی غفلت کے باعث بے ادبی کر بیٹھتا ہے جس کا بعد کو احساس کر کے نقصان پیدا ہوتا ہے

جو سراسر خسران اور گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ حضرت والا نے الطاف کریمانہ سے،
فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بھی ہماری بے ادبی کو معاف فرمائے۔ تحقیق :۔ آمین
حال :۔ اور آداب شیخ کی پوری فہم اور توفیق عطا کردے۔ تحقیق :۔ آمین
حال :۔ ہم اپنی اس کوتاہی اور غفلت پر بہت نادم اور شرمندہ ہیں۔ اللہ
سے رو کر معافی مانگ رہا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے گا۔
تحقیق :۔ انشاء اللہ۔ حال :۔ اور اتباعِ شیخ کی توفیق بھی عطا کردے
حضور والا کے حکموں پر آج ہم صدق و اخلاص سے عمل کرنے لگ جائیں
انشاء اللہ تعالیٰ فلاحِ دارین نصیب ہو جائے۔ تحقیق :۔ بیشک۔
حال :۔ اپنی کم بختی ہے اور جہالت و کم فہمی ہے جس کا حضور والا کو علم ہے۔ کاش
آج علم ہوتا تو یہ پچھتانا نہ ہوتا نہ ایسی چوک ہوا کرتی۔ حضور والا تو ہم کو انسان
بنانا چاہتے ہیں اور ہم ناقدری اور ناشکری کر کے مورد عذاب کے ہو جاتے ہیں
وائے ناکامی اس کا جتنا بھی رنج و غم کروں کم ہے۔ حضور والا دلی دعاؤں کا
ہوں۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں
حال :۔ اپنی کل کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہوں۔ تحقیق :۔ معاف ہے۔
حال :۔ اور غفلت کے دور ہونے کی علم اور عمل کی فہم پیدا ہونے کی دعا چاہتا ہوں
تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ الحمدللہ حضور والا کی صحبت بابرکت
کے باعث نفع کثیر ہوا۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ تلاوت اور ذکر
میں، نماز میں حلاوت نصیب ہو رہی ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ حال :۔ اور دعا
میں اضطراری بھی ہو جاتی ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ یہ اللہ
خاص فضل و کرم و احسان اس عاصی پر ہے۔ حضور والا سے خاتمہ بالخیر کی، صحت دعا
کی اور گھر کے سب لوگوں کو دین پر عمل کرنے کی، اور جو کچھ بھی توفیق من اللہ عطا ہوئی۔
اس پر استقامت و مداومت کی، کاروبار میں خیر و برکات کی دعا چاہتا ہوں۔ تحقیق
دعا کرتا ہوں۔

...وی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

...اصلاحی ماہانہ رسالہ

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۴۴ بخشی بازار

الہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامت حضرت

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۸ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ مطابق اگست ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ (۶) سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ (۶۰) ششماہی پینتیس روپیہ (۳۵)

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ (۱۰۰)۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵- بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ ۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

جن احباب نے سال رواں کا زر تعاون ابتک نہیں ارسال فرمایا وہ براہ کرم اولین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیں بصورت دیگر ہم انکے نام اجراء رسالہ سے معذور ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقیقتِ عبودیت اور صفتِ عبودیت

شیخ ابوسعید فرمودہ کہ سمعت الشیخ ابا الفضل محمد بن الحسن شیخ وقتہ الماضی لا یذکر والمستقبل لا ینتظر وما فی الوقت یعتبر وھذا صفۃ العبودیۃ ثم قال حقیقۃ العبودیۃ شان الافتقار الی اللہ تعالیٰ وھذا من اصل العبودیۃ وحسن القدوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الذی لیس فی النفس نصیب ولا راحۃ۔

(حضرت شیخ ابوسعیدؒ نے فرمایا کہ میں نے شیخ ابوالفضل محمد ابن حسن سے جو کہ اپنے وقت کے شیخ تھے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ گذرے ہوئے کو یاد نہ کرنا چاہیئے اور آئندہ کا انتظار نہ کرنا چاہیئے بس موجودہ حال کا اعتبار کرنا چاہیئے (اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے) اور یہی عبودیت کی شان ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ عبودیت کی حقیقت دو چیزیں ہیں ایک تو افتقار الی اللہ تعالیٰ ہے اور یہی اصل بندگی اور اس کا اہم جزء ہے۔ اور دوسری چیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا نہایت حسن و خوبی کے ساتھ (یعنی اس سے مقصود امتثال اور فرمانبرداری ہو) نفس کا حظ اور اسکی راحت مطلوب نہ ہو)

توضیح اسکی یہ ہے کہ پہلے یہ سمجھئے کہ ہر شئے کی ایک صفت ہوتی ہے اور اسکی ایک حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے۔ صفت ایک خارجی چیز ہوتی ہے اور وہ چیز اسی صفت سے پہچانی جاتی ہے۔ صفت ذات سے منفک ہوتی ہے اور حقیقت عین شئے ہوتی ہے جو کبھی منفک نہیں ہوسکتی۔ اسلئے کہ ذاتیات کا ذات سے (جدا) انفکاک محال ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سنئے! کہ عبودیت کی صفت یہ ہے کہ بندہ ماضی و مستقبل سے قطع نظر کر کے ما فی الوقت کا وظیفہ خواہ وہ جوارح سے متعلق ہو یا قلب سے ادا کرتا رہے یعنی عبادات معاشرت، معاملات، اخلاق غرضیکہ جملہ طاعات میں سے جس کا وقت آئے اسکو فوراً ادا کرلے۔ اگر کبھی کہیں لغزش ہوجائے فوراً توبہ کرلے۔ اسی کو کہا گیا ہے ؎

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق　　نیست فردا گفتنش شرطِ طریق

(صوفی ابن الوقت" یعنی جس طاعت کا وقت آجائے اسکو فوراً ادا کرنیوالا" ہوتا ہے اے دوست! کل کہنا اور کل پر ٹالنا اسکے نزدیک اصول طریق کے خلاف ہے)

اور حقیقت عبودیت کی یہ ہے کہ بندہ ہمہ وقت ہر شئے میں اللہ کا محتاج ہے کھانے میں، پینے میں، چلنے میں، پھرنے میں، صحت میں، مرض میں، یسر میں، عسر میں غرضیکہ ہر ہر قدم پر اسکو افتقار ہے اسی افتقار کا ہمہ وقت استحضار بھی حقیقت عبودیت ہے۔ افتقار و احتیاج تو سبھی لوگوں کو ہوتی ہے مگر غافلین و منکرین کو اس کا استحضار و اعتراف نہیں ہوتا اسلئے وہ حقیقت عبودیت سے محروم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہمہ وقت ہر چیز میں اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھتے ہیں اسلئے انکو حقیقت عبودیت حاصل ہے اس حقیقت عبودیت کا دوسرا جز حُسْنُ الْقُدْوَۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جز و اول یعنی افتقار الی اللہ کا آیت سے ماخوذ ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ہ یعنی "اے لوگو! تم خدا کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے"۔ اور دوسرا جزاس آیت سے ماخوذ ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ الآیۃ (تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسولؐ کی ذات اقدس میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے) صاحب کشاف نے اس آیت کی دو تفسیر فرمائی ہے۔ ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی میں اسوۂ حسنہ ہے یعنی آپ کی ذات بابرکات ہر اعتبار سے متوسّی اور مقتدا بہ ہے۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ آپ میں ایک ایسی خصلت ہے جس کا اقتدار اور اتباع کرنا چاہیئے اور وہ مواسات بنفسہ ہے۔ اور دوسرے مفسرین نے بھی یہ دونوں تفسیریں نقل فرمائی ہیں مگر تفسیر ثانی میں آپکی اس خصلت اور صفت کی تعیین نہیں فرمائی۔ علامہ زمخشریؒ نے اس کو متعین فرمادیا کہ وہ مواسات بنفسہ ہے۔ اور مراد اس سے جانی ہمدردی کرنا ہے یعنی آپؐ خود بنفس نفیس جہاد فرماتے تھے پھر کسی کی کیا مجال اور ہمت جو اسمیں آپ کا اقتدار نہ کرے۔ چنانچہ حضرات صحابہ بھی اپنے جان پر کھیل گئے اور مالی قربانیوں کیساتھ ساتھ جانی قربانیاں بھی جیسی کچھ پیش فرمائیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور اس صفت میں تمام صحابہ سے بڑھے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خود ارشاد فرمایا کہ مَا اَحَدٌ عِنْدِیْ اَعْظَمَ یَدًا مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ آسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ یعنی "ابوبکر سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے۔ اسلئے کہ انھوں نے اپنی جان و مال دونوں سے میری ہمدردی کی"۔ سبحان اللہ! اس سے کسقدر فضیلت حضرت صدیق کی مفہوم ہوئی ـــ تو جب حضورؐ اقدس کی ذات شریف ہی قدوہ ہے پس ہر امر میں امت آپکے اقتدار کی محتاج ہوگی۔ لہٰذا حقیقت عبودیت کا حصول اسوقت تک محال ہے جبتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار نہ کی جائے گی ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔۔۔ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اے سعدی یہ مت سمجھو کہ رضاء خداوندی کے راستہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر گامزن ہو سکتے ہو جس نے بھی پیغمبر علیہ السلام کے خلاف راستہ اختیار کیا کبھی منـــزل مقصود کو نہ پہونچے گا)

اسلئے صفت افتقار میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار ضروری ولازم ہوگی۔ حضورؐ کو اعلیٰ درجہ کا افتقار الی اللہ اور احتیاج باللہ حاصل تھی جیساکہ آپ کی دعاؤں سے ظاہر وباہر ہے دوسروں کو یہ صفت حضورؐ ہی کے واسطے سے حاصل ہوگی ـــــ حضرت شیخ ابوسعید رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ حقیقۃ العبودیۃ شان الافتقار الی اللہ تعالیٰ وحسن القدوۃ برسول اللہؐ۔ اسی مضمون کو حضرت خواجہ محمد معصوم خلف الرشید حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں کہ :-

مقصود از سیر وسلوک شیخی ومریدگرفتن نیست مقصود ازاں اداء وظائف بندگی است بے منازعت نفس ونیز مقصود نیستی وگمنامی است وزوال رعونت وانانیت امارہ کہ معرفت بآں مربوط است ہرکہ باین کس رجوع میکند اورا از حق باز داشتہ بخود مشغول میسازد وہرکہ رجوع نمی آرد اورا بحق میدارد ممنون اوباید شد

یارب ہمہ خلق را بمن بدخوکن ؞ وزجملہ جہانیاں مرا یکسوکن ـ روئے دل من صرف کنی از ہرجہتے ؞ درعشق خودم یک جہت ویک روکن ـ (فرماتے ہیں سیر وسلوک سے مقصود پیری مریدی کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود وظائف بندگی کو نفس کی منازعت کے بغیر ادا کرنا ہے۔ نیز اس سے مقصود نیستی وگمنامی ہے اور نفس امارہ کی انانیت اور رعونت کا زوال ہے اسلئے کہ معرفت اسی سے وابستہ ہے (یعنی بغیر انانیت ورعونت کے ختم ہوئے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی) جو شخص ایسے آدمی کیطرف رجوع کرتا ہے تو گویا اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر کر اپنی [redacted] اور جو شخص اسکی طرف رجوع نہیں کرتا تو اس کو حق تعالیٰ سے متعلق رکھتا ہے لہٰذا اسکو ممنون ہونا چاہیئے۔ خداوندا تمام مخلوق کو مجھ سے بدخو کردے۔ اور تمام جہاں والوں سے مجھکو یکسو فرمادے میرے دل کے رُخ کو ہرطرف سے پھیر کر اپنے عشق میں یک جہت اور یک سو کردے۔ (مکتوبات معصومیہ ۷۵)

اس کا حاصل بھی یہی ہوا کہ نفس کی منازعت کے بغیر وظائف عبودیت کا ادا ہونا اور نیستی وگمنامی کا حاصل ہوجانا اور رعونت وانانیت کا زائل ہوجانا اور نفس کی امارگی کا ختم ہوجانا یعنی مطمئنہ ہوجانا یہی عبودیت کی حقیقت اور افتقار الی اللہ ہے اور یہی حسن القدوۃ برسول اللہ ہے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ ترین صفات یہی ہیں اور اسلئے بھی آپ کی ذات بابرکات قدوہ اور اسوہ ہے۔ بس گویا یہ کلام ایک طرح سے حقیقت عبودیت کی شرح اور افتقار الی اللہ وحسن القدوۃ برسول اللہ کی تفصیل ہے یا یہ کہیے کہ دونوں کلام ایک دوسرے کی شرح ہیں۔ وَكَلَامُ الْمَشَائِخِ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا۔ (مشائخ کا کلام انکے بعض کلام کی تفسیر ہوتا ہے ۔)

---

[1] عبودیت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ میں افتقار الی اللہ کی شان پیدا ہوجائے اور حسن وخوبی کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کامل نصیب ہوجائے۔

حالاتِ حاضرہ اور ہمارے فرائض

حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ایک بہت بڑے عالم کا خط مجلس میں سنایا۔ اس خط میں ان عالم صاحب نے حضرت مولانا کے متعلق بہت سے تحسینی کلمات تحریر فرمائے تھے پھر اثنائے مجلس میں اہلِ مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ میں اپنی تعریف کے لئے نہیں سنا رہا ہوں بلکہ ایک خاص مقصد کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب زمانہ اس کا نہیں ہے کہ ہم آپ لوگوں سے تعریف کے متوقع رہیں اور اسی کو کام کا طریقہ سمجھیں۔

احساسِ ابتلاء ظاہر ہے کہ قوم من حیثُ الاسلام یا من حیثَ القوم مردہ ہوچکی ہے۔ فرادیٰ فرادیٰ لوگ موجود ہیں گو اقل قلیل ہیں ان میں حیات ہے اور اسکی وجہ سے احساس بھی ہے اہلِ احساس بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ قوم مردہ ہوچکی ہے اب اسکو زندہ کرنا آسان نہیں ہے یہ دور مسلمانوں کے لئے سخت ابتلاء و امتحان کا ہے ہر قسم کا ابتلاء ہے۔ سب سے بڑا ابتلاء ایمان کا ہے ہر مبتلا کو احساسِ ابتلا ضروری ہے ورنہ وہ اسکو موت کے گھاٹ اتار دیگا احساسِ ابتلا کا تو ہوجاتا ہے مگر یہ کہ احساس صحیح ہو یا نہیں تو احساس صحیح صرف بعض ہی کو ہوتا ہے ویسے مطلق احساس تو سب ہی کو کچھ نہ کچھ ہوجاتا ہے۔ بس جن کو احساس صحیح ہوچکا ہے ان پر لازم ہے کہ وہ دوسروں میں بھی اسکو پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اہلِ احساس کا یہ فرض ہے جو ان پر متوجہ ہے۔

دوسرے یہ کہ احساس کے بعد کیا کرنا ہے اس مردگی کو کس طرح دور کرنا ہے کیا کام کرنا ہے کہ سب میں حیات و روح پیدا ہوجائے اور سب زندہ ہوکر کام پر لگ جائیں۔ احساس کے بعد عمل کا درجہ ہے۔ میں اس سلسلہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سمجھئے اور اگر میرے کہنے سے نہیں سمجھئے گا تو ضرورت خود سمجھا دیگی اور اگر پہلے ہی سمجھ لیں اور سمجھ کر مریں تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے

اب سنئے! دو کام کرنے ہیں:۔

پہلا فریضہ تعلق مع اللہ اور اتباعِ سنت ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح رابطہ پیدا کرنا ہے۔ پہلے میں بیان کرچکا ہوں کہ سب سے بڑا ابتلاء ایمان کا ہے اور

کا تعلق اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ پس جس درجہ کا تعلق اللہ
الیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا اسی درجہ کا ایمان سمجھا جائے گا۔ اور جب صحیح
یان و تعلق ہوگا تو جس پر ایمان ہے اسی کی طرف سے آپ کی نصرت ہوگی۔ ہمیشہ مسلمان
ند تعالیٰ کی نصرت سے کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَاغَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَاالَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ
ن بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ "اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو
م سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اسکے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا
ساتھ دے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیئے۔" ہر دور میں مسلمانوں
نے یہی کیا ہے کہ ایسے وقت میں اپنے ایمان کو مضبوط کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کیطرف متوجہ
ہوئے ہیں۔

دوسرا فریضہ اتحاد و اتفاق | دوسری چیز یہ ہے کہ بندگان خدا کے ساتھ اپنا تعلق درست کریں۔
اگر آج اس پر عمل ہو جائے تو پھر ہم بہت قوی اور مضبوط ہو جائیں مگر اس میں اتنا ضعف
ہے جس کی انتہا نہیں۔ اسی نے ہم کو نہایت ضعیف و ناتواں کر دیا ہے۔ آپس کے جنگ و جدل
نے ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا الآیۃ "اور باہم نزاع
اور جھگڑا نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے۔"

ہمارا تعلق و رشتہ دو قسم کا ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اسمیں ہم کو اتنا مضبوط
ہونا چاہیئے کہ بڑی سے بڑی قوت بھی ذرا حرکت نہ دے سکے۔ اور دوسرا تعلق بندگان خدا
کے ساتھ ہے اس کو بھی شدید اور قوی ہونا چاہیئے۔ اور آج کل جو باہمی رشتہ و رابطہ میں
ضعف ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل ایمان میں ضعف ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اہل ایمان
سے تعلق میں بھی کمزوری ہے اہل ایمان سے رابطہ بواسطہ ایمان ہی کے ہوتا ہے جتنا
ایمان قوی ہوتا ہے اتنا ہی ایمان والوں سے رابطہ قوی، مضبوط اور پائیدار ہوتا ہے
اور اسی ایمان میں ضعف کا نام نفاق ہے۔ اسی کو (صاحب مکتوب) حضرت مولانا مدظلہٗ
تحریر فرمارہے ہیں کہ یہ دور نفاق کا اور سلب کمال کا ہے۔

حُسنِ اخلاق اور اُسکا ثمرہ غیروں سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ کہنا آپ لوگوں سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے اور اسی سے لوگوں کو کامیابی

حضور نے ارشاد فرمایا ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ. یعنی "میری بعثت کی غرض یہ ہے کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ یعنی "آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے"

پس اگر کسی سے مجادلہ بھی کرنے کی ضرورت ہو تو احسن طریقہ سے کرنا چاہئے۔ یہ نص قرآنی ہے اسکو کوئی منسوخ کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے اِدْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ یعنی آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہوتا ہے۔"

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو بیان فرمایا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور ان اعمال کے کرنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہوتا ہے۔ اب اس چیز کو بیان فرما رہے ہیں جس سے مخلوق کے باہمی تعلقات استوار ہوں وہ یہ کہ آپ نیک برتاؤ سے بدی ٹال دیا کیجئے پھر یکایک آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائیگا جیسا کہ دلی دوست ہوتا ہے۔ یہ کم سے کم درجہ ہے کہ مشابہ دوست کے ہو جاتا ہے۔ ورنہ تو بسا اوقات عداوت مبدّل بصداقت ہو جاتی ہے اور دشمن مخلص دوست بن جاتا ہے۔

برائی کے دفع کرنیکا طریقہ سنئے! حسنہ (نیکی) اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اچھی ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی۔ سیئہ (برائی) اپنی ذات کے اعتبار سے بھی بُری ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی۔ حسنہ کے آثار اور ہیں اور سیئہ کے اور حسنہ کے ثمرات و آثار اچھے ظاہر ہوتے ہیں اور سیئہ کے بُرے اور اب یہ حال ہے کہ سیئہ کرنے ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور اس کے آثارِ بد کو دیکھ کر خوش ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مذاق ہی فاسد ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سیئہ کو احسن سے دفع کرنے کو فرمایا ہے اسلئے کہ ایک تو دفع کی صورت یہ ہے کہ کسی نے برائی کیا تو خاموش رہے اور کچھ اس کا جواب نہ دے تو یہ حَسَن ہے اور دوسری صورت اس سے اعلیٰ درجہ کی یہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی احسان کا معاملہ کر دیا یہ حسن ہے سہ

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردی اَحْسِنْ اِلیٰ مَنْ اَسَا

یعنی" برائی کا برائی سے بدلہ دینا تو آسان ہے مگر جوانمردی تو یہ ہے کہ جو شخص تمھارے برائی کرے اسکے ساتھ احسان کا معاملہ کرو" حسنات میں بھی تفاوت ہوتا ہے بعض بعض سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ اسی طرح سیئات میں بھی تفاوت ہوتا ہے تو تم سیئہ کو احسن الحسنات سے دفع کرو۔

اخلاقِ محمدی کی اثر انگیزی | یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم ہے اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے اور صحابہ نے اسکو سیکھا ہے اور اس پر عمل کرکے دنیا کو دکھادیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحبؒ ناظم دار العلوم دیوبند اپنی مشہور کتاب" اشاعت اسلام" میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

" الغرض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کے سچے اور مجسّم نمونہ بنکر اشاعت اسلام کیلئے اٹھے صحابہ کے حالات و معاملات اسلام کے پاکیزہ عقائد کیلئے بمنزلہ دلیل کے تھے۔ اسلامی عقائد و احکام سننے کے بعد جب صحابہ کو دیکھا جاتا تھا تو دعوئ حقانیتِ اسلام دلائل قویہ ظاہرہ سے ثابت و مستحکم ہوتا جاتا تھا اور ہر شخص اسکو حق سمجھنے پر مجبور ہوتا تھا۔ قرنِ صحابہ میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور سریع اشاعت کا راز یہی ہے۔ اگرچہ صحابہ کی معرکہ آرائیوں اور شجاعت و تدبیر حرب کے افسانے بھی ایسے ہیں کہ دنیا کی کوئی تاریخ اسکی نظیر یا اس کے مشابہ حالات کو پیش نہیں کرسکی۔ مگر ہم اس موقع پر ان حالات کو درج نہ کرینگے اور نہ فتوحات کے وسیع میدانوں کی سیر کرادیں گے بلکہ یہ دکھاوینگے کہ قومیں کی قومیں اسلام کے دائرہ میں کیوں داخل ہوئیں ان کے ذاسطے وہ کون سے اسباب تھے جن کی

وجہ سے برضا و رغبت اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے" (اشاعت اسلام)
غرض اخلاق کی مار ایسی زبردست مار ہے کہ بغیر اپنا اثر کئے رہتی نہیں۔ جتنے لوگ ام
ہیں وہ اسی اخلاق ہی کے ذریعہ ہوئے ہیں۔ اور اب بھی اگر ہوسکتے ہیں تو اخلاق ہی سے۔ اغیار
تو اغیار اپنی اولاد، اپنے مریدین وشاگرد بھی جب آپ میں اخلاق محمدیؐ دیکھیں گے جبھی
معتقد ہوں گے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ جب پاس والے ذرا بھی اخلاق نبویؐ کے خلاف دیکھیں گے
تو فوراً بد اعتقاد ہو جائیں گے اس لئے اپنے پاس والوں سے تو اور ڈرنا چاہئے۔ اسی لئے یہ ضرو
ہے کہ مشائخ کو اپنے لوگوں کے سامنے احسن حال میں نکلنا چاہئے تاکہ مریدین کا اعتقاد درست
رہے اور ان سے فیض حاصل کریں

کمالِ جامعیت | بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ تعلق دو قسم کا ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ سے۔ دوسرے
مخلوق سے۔ ان دونوں تعلقات کو جمع کرنا نہایت مشکل امر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا
کرنے میں بھی بہت سے موانع ہیں اور ان میں سے ایک بڑا مانع اپنا نفس ہے اسکو مغلوب
و مقہور کرنا ہوگا۔ اور مخلوق سے تعلق پیدا کرنا یہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ محض اللہ
تعالیٰ سے نسبت اور تعلق پیدا کر لینا تو لوگوں نے آسان سمجھا ہے اور کر بھی لیا ہے اس طرح
کہ مخلوق سے علیحدگی اختیار کر لی اور جنگل وبیابان میں چلے گئے مگر مخلوق میں رہ کر خدا سے
بھی صحیح تعلق اور مخلوق سے بھی صحیح تعلق ہو اس میں کامیاب کم لوگ ہوئے ہیں اس لئے کہ
بہت مشکل مرحلہ ہے کہ دونوں نسبتیں کامل طور پر جمع ہوں اس لئے کہ جب نسبت مع اللہ کا
ہو جاتی ہے تو اس کے لئے مخلوق سے توحش لازم ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے انس ہو جاتا ہے
تو مخلوق سے وحشت و بے تعلقی عموماً ہو ہی جاتی ہے اور بسا اوقات یہ وحشت یہاں تک بڑھ
جاتی ہے کہ آدمی ویرانہ اختیار کر لیتا ہے اور اس شعر کا مصداق ہو جاتا ہے ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل … اب کہاں لیجا کے بیٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

یہ بھی ولایت کا ایک درجہ ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر مقام یہ ہے کہ باطن تو بالکل ایسا ہی ہو
مگر ظاہر میں مخلوق سے تعلقات درست رہیں۔ اور ان کے حقوق ادا ہوتے رہیں۔ نبی کریم صلی
علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اور صحابہؓ نے ایسا ہی کیا۔ پوری نسبت اور وابستگی اللہ تعالیٰ کیا تھ تھی

مخلوق کے ساتھ ایسا معاملہ و برتاؤ فرماتے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے اس درجہ نسبت حاصل ہے۔ ایک تابعی ایک ہزار درہم کا لباس پہنتے تھے مگر باطنی حال یہ تھا کہ تلاوت قرآن اس طرح کرتے تھے کہ ایک ہی آیت کی قراءت میں ساری رات گزار دیتے تھے اتنا روتے تھے اور ایسا لطف آتا تھا کہ اسی ایک آیت کی تکرار میں صبح ہوجاتی تھی۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کی طرف تو کچھ توجہ و فکر ہے بھی، اور اس کے بارے میں جو کچھ بتلایا جاتا ہے اس پر راضی بھی ہوجاتے ہیں مگر جب یہ کہا جاتا ہے کہ بندگان خدا سے تعلقات درست کرو تو اس امر میں ہم کامیاب نہیں ہوتے۔ اسی لئے کہ اسکو دین ہی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اخلاق دین کا اہم جزو ہے۔ بغیر اسکے دین کامل نہیں ہوسکتا اور بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو اختیار کئے کامیابی نہیں ہوسکتی۔

کلید کامیابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ بنائیے پھر دیکھئے کام بنتا ہے یا نہیں۔ بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری آواز خدا تک نہیں پہونچے گی۔ ہم کو چاہئے کہ جو ادعیہ ماثورہ ہیں ان کو اپنا وِرد بنائیں۔ اس لئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ہر موقع پر دعا کی ہے تو ہم کو کیا ہوگیا ہے کہ اسکو اختیار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انبیاء کی بہت سی دعائیں نقل فرمائی ہیں۔ کیا یونہی نقل فرمائی ہیں؟ اس کا کوئی فائدہ نہیں؟ سنئے اسلئے نقل فرمائی ہیں کہ ہم لوگ اسکو اختیار کریں اور عمل میں لائیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا مثال کے طور پر سنئے! اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ اور ان کے اصحاب کی یہ دعا نقل فرمائی ہے:۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ إِلَيْكَ أَنَبْنَا وَ إِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف کر دیجئے بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں) یہ دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے اسوقت کی تھی جب کہ اپنی قوم سے مفارقت اور مقاطعت کر لی تھی تو اللہ جل شانہ کی طرف دلی اور انھیں سے گریہ وزاری ... دعا کی۔ ●

(رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ) یعنی "ہم نے تمام امور میں آپ ہی پر توکل کیا اور جملہ امور کو آپ ہی کے سپرد کردیا اور آپ ہی کی طرف آخر میں واپس ہو کر جانا ہے۔ (رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پر کفار کو مسلط نہ فرمادیجئے جس کی وجہ سے وہ ہم کو قید کریں اور عذاب دینے لگیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پروردگار! ان کے ہاتھوں ہم کو عذاب نہ دیجئے یا اپنی جانب سے کوئی عذاب ہم پر نازل نہ فرمادیجئے جس کی وجہ سے کفار اپنے متعلق یہ گمان کریں کہ ہم ہی لوگ حق پر ہیں اور یہ لوگ (یعنی مومنین) باطل پر ہیں جسکی وجہ سے وہ فتنہ میں پڑجائیں (اور ایمان نہ لاویں) اور یہ بھی وارد ہے کہ ان کے رزق میں وسعت نہ کیجئے جس کی بنا پر اپنے کو اہل حق اور مقبول سمجھیں۔ (وَاغْفِرْ لَنَا) یعنی ہم سے جو کوتاہی و قصور ہوا ہے اسکو معاف فرمادیں۔

کفار کے تسلط کا ایک سبب | اس موقع پر دعائے مغفرت کی وجہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مسلمانوں پر کبھی ان کے معاصی کی وجہ سے کفار کا تسلط ہوجاتا ہے۔ قاضی صاحبؒ نے یہ بہت ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے جو قابل توجہ ہے۔

(رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ) یعنی آپ ایسے زبردست غالب ہیں کہ جو آپ کی پناہ میں آجائے اور جو آپ پر توکل کرے تو کوئی اس کے شر پہونچانے پر قادر ہو ہی نہیں سکتا۔

روح المعانی میں ہے کہ آپ ایسے غالب ہیں کہ جو آپ کی پناہ میں آجائے وہ ذلیل نہیں ہوسکتا اور نہ اسکی رجاء خائب و خاسر ہوسکتی ہے۔ (اَلْحَكِيْمُ) یعنی آپ اپنے اقوال وافعال اور شریعت اور تقدیر میں حکمت والے ہیں۔

یہ دعا کیسی زبردست ہے اور مفسرین نے کیسی اسکی تفسیر کی ہے۔ میں نے اتنا اسلئے بیان کردیا ہے تاکہ جب ہم یہ دعا کریں تو کم از کم اتنا تو ذہن میں رہے کہ کس بات کی دعا کر رہے ہیں ورنہ تو زندگی بھر طوطے کی طرح زبان سے ان الفاظ کو کہتے رہیں گے مگر یہ نہ سمجھیں گے کہ اسکا مطلب کیا ہے۔

دعائے ابراہیمی کے نقل کرنیکا مقصد | سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی اس دعا کو نقل فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (بیشک ان لوگوں میں (یعنی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین میں) تمہارے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے عمدہ نمونہ ہے جو اللہ (کے سامنے جانے) کا اور قیامت کے دن (کے آنے) کا اعتقاد رکھتا ہو) (یعنی یہ اعتقاد مقتضی ہے اس بارے میں اتباع ابراہیمی کو) (اور جو شخص روگردانی کرے گا سو اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز اور سزاوار حمد ہے)

اسکے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥ (اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے) تفسیر کبیر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو کفار سے عداوت کا امر فرمایا تو وہ اپنے آباء اور ابناء (اولاد) اور تمام اقارب سے عداوت میں شدید ہو گئے اور ان سے بالکلیہ مقاطعہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کے تشدد[1] فی الدین کو اور اپنے آباء و اولاد و اقرباء سے عداوت و مقاطعہ میں پختگی کو دیکھ لیا تو ان کے تطییب قلوب کیلئے یہ وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدۂ کریم کو پورا بھی فرمادیا اس طور پر کہ ان کو فتح سے مشرف فرمادیا تو ان کی قوم نے اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے آپس میں انتہائی محبت اور مؤدت قائم ہو گئی۔

اسلام محبت و مؤدت، امن و امان کا داعی ہے | بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کب گوارا ہو سکتا ہے کہ بندوں کے باہمی تعلقات ناخوشگوار رہیں۔ پہلے مقاطعہ اور عداوت کو اسلئے فرمایا تھا

---

[1] دین میں مضبوطی

کہ مومنین اپنے دین میں پختہ ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق و رابطہ قوی ہوجائے جب صحابہ نے اس کو بدرجۂ اتم کرکے دکھلادیا اور اس مقصد میں کامیاب ثابت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مقاطعہ اور عداوت میں اعتدال کی ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ تم لوگوں میں مؤدت پیدا فرمادیں پھر تم لوگوں کو تشدد اور عداوت سے رنج ہو اسلئے عداوت میں اعتدال پر رہو۔ اسلام عداوت کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوا ہے نہ کہ بڑھانے کے لئے ۔ امن چین پیدا کرنے کے لئے اسلام آیا ہے نہ کہ بدامنی اور بے اطمینانی پیدا کرنے کیلئے عالم میں امن چین نہیں تھا اسلام نے آکر امن چین پیدا کیا ۔غنا و ثروت کے لئے لازم ہے کہ ماتحت پر ظلم و ستم کرے اور ان کو نظر حقارت سے دیکھے مگر صحابہ کی عجب شان تھی کہ فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی مگر ذرا تغیر واقع نہ ہوتا تھا ۔ بات یہ تھی کہ ایمان قلب میں پیوست ہوگیا تھا اللہ تعالیٰ کا تعلق سب تعلقات پر غالب تھا اس لئے باوجود دنیوی جاہ و ثروت کے حاصل ہونے کے تواضع، انکسار و اخلاق نبوی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے یہ ان حضرات کا کمال تھا اسی کا نتیجہ کہ بلا جبر و اکراہ کے بطوع و رغبت لوگ اسلام قبول کرتے گئے۔

کرنے کے کام | اسلئے ہم لوگوں کو چاہیئے کہ اسلامی اخلاق اختیار کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو پہچانیں ان کی قدرت کا استحضار کریں ۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ہماری نصرت فرمائیگا اور ان کی جناب میں گریہ وزاری کریں ۔ اللہ تعالیٰ سنے گا اور قبول فرمائے گا جس طرح عبادات قبول ہوتی ہیں اسی طرح ہماری دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں جس درجہ رجاء میں قوت ہوتی ہے اسی اعتبار سے دعا مقبول ہوتی ہے اگرچہ اسباب مساعد نہ ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اسباب کے محتاج نہیں ان کے نزدیک اسباب و عدم اسباب، قوت و ضعف کوئی چیز نہیں ۔ جو ذات عدم سے وجود میں لانے پر قادر ہے کیا وہ ضعیف کو قوت نہیں دے سکتی ۔ مگر ہم سمجھیں بھی تو۔

اجابت دعا کے واقعات سنئے:۔

ایک بادشاہ بیمار تھا علاج کارگر نہیں ہورہا تھا ۔ ایک دن ایک بزرگ گزرے ۔ بادشاہ نے آدمی بھیجا کہ ان کو بلا کر لاؤ ۔ تو وہ بزرگ آئے ۔ بادشاہ نے کہا کہ میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس مرض سے شفا عطا فرمائیں ۔ بزرگ نے فرمایا کہ تمھاری وجہ سے ناحق معلوم

نہیں کتنے آدمی قید میں پڑے ہیں۔ میں کیسے تمہارے لئے دعا کروں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سب قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ تو بزرگ نے جناب باری میں یہ دعا کی کہ یا اللہ اس بادشاہ کو آپ نے معصیت کی شامت تو دکھلا دی اب اسکو طاعت کا مزا چکھا دیجئے۔ چنانچہ فوراً وہ بادشاہ اچھا ہوگیا۔

ایک آدمی کے عزیز بیمار تھے انھوں نے دعا کیا کہ یا اللہ اسکو اچھا کر دیجئے اسکے بدلے میں مجھے مبتلا کر دیجئے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عزیز اچھا ہوگیا اور وہ صاحب بیمار پڑے اور مر گئے۔

اس قسم کی دعا کی قبولیت حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہے دن و رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے تو آخر ادعیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں اقتدا نہیں کی جاتی۔ قرآن وحدیث میں جو دعائیں ہیں کیا یونہی ہیں؟ اس کا کوئی فائدہ نہیں؟ اعتقاد سے دعا کیجئے، جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ کی نصرت ہوگی۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اسکے رسول کی اور مسلمانوں کی)

ایک دعا قرآن میں یہ بھی مذکور ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور آخرت میں بھی بہتری دیدیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے) اس دعا کی آپ کے نزدیک قدر نہ ہوگی۔ آپ اسکو پڑھتے بھی ہوں گے مگر اسکی اہمیت نہ ہوگی۔ حالانکہ یہ بہت ہی زبردست دعا ہے۔ اس میں ساری حاجات دینی و دنیوی آگئی ہیں۔ اس دعا کو ضرور معمول بنالینا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسکی فضیلت بیان فرمائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ یہ دعا فرماتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سنیئے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَّاَوْسَطَهٗ فَلَاحًا وَّاٰخِرَهٗ نَجَاحًا

(یا اللہ کر دے اس دن کے اوّل حصّہ کو بہتری اور اس کے اوسط حصّہ کو فلاح اور اسکے آخر حصّہ کو کامیابی)

آپ اس دعا کو معمول بنالیں صبح ہی نہیں بلکہ دوپہر اور شام کو بھی پڑھ لیا کریں۔ سارے دن و رات میں امن سے رہیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دعا سنیئے : ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِى الْقَضَاءِ وَ نُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَمُرَافَقَةَ الْاَنْبِيَاءِ وَ النَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ (یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے کامیابی قسمت میں اور مہمانی شہداء کی سی اور عیش نیک بختوں کا اور ساتھ انبیاء علیہم السلام کا اور فتح دشمنوں پر کیونکہ تو سننے والا ہے دعا کا)

ماشاء اللہ کیا خوب دعا ہے۔ اور آخر میں اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ (یقیناً آپ دعا کے خوب سننے والے ہیں) فرمایا۔ یہ کلمہ اجابت دعا کے سلسلہ کی تحریک ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی اپنی دعا کے آخر میں یہ کلمہ فرمایا ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ (اے میرے رب عنایت کیجئے مجھکو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بیشک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی ہزارہا ہزار دعائیں فرمائی ہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دعا وسوال مطلوب ہے تو آپ نے سوالات کا ایک وسیع باب مفتوح فرمادیا اور سوال ہی کے لفظ سے نہایت خشوع (عاجزی) و نہایت ابتہال (گڑگڑانا) سے بجناب واہب العطیات درخواستیں پیش کرنی شروع کر دیں اور ہزاروں ہزار پیش کر دیں اور ساری عمر پیش کرتے رہے اور سب قبول ہوئیں۔ پس آپ کی امت کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اس امر میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا نہ کرے اور اس شرف سے محروم رہے۔ پس ہم سب لوگوں کو دعا کرنی چاہئے اور انھیں الفاظ میں کرنا چاہئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اسلئے کہ وہ سب الفاظ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور مقبول ہیں۔ اسی طرح جو دعائیں اور انبیاء و صلحاء کی قرآن میں مذکور ہیں ان سب کو معمول بنانا چاہئے۔ جیسے پہلے لوگوں کی دعائیں قبول ہوئیں آپ کی ادعیہ بھی قبول ہونگی خوب سمجھ لیجئے

روایت (۳۵) اہل کوفہ میں سے ایک شخص نے روایت کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اے حکیم آپ یہاں کیسے تشریف لائے فرمایا کہ آپ ہی میرے آنیکا سبب ہیں۔ آپ یہ کلمات پڑھ کر دعا کریں حق تعالےٰ آپ کو تکلیف سے رہائی عطا فرمائینگے وہ کلمات یہ ہیں :۔ اَللّٰهُمَّ یَا شَاهِدًا غَیْرَ غَائِبٍ وَیَا قَرِیْبًا غَیْرَ بَعِیْدٍ وَیَا غَالِبًا غَیْرَ مَغْلُوْبٍ اِجْعَلْ لِیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَمَخْرَجًا وَارْزُقْنِیْ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ (اے اللہ اے ہمیشہ ہر جگہ حاضر رہنے والے کہیں غائب نہ ہونے والے اور اے ہر جگہ قریب رہنے والے کہیں دور نہ ہونے والے۔ اور اے ہمیشہ غالب رہنے والے کبھی مغلوب نہ ہونے والے۔ مجھے میرے معاملہ سے رہائی اور فراخی عطا فرما۔ اور مجھے ایسی جگہ سے رزق دے جہاں گمان نہ ہو) ۱۲ منہ۔

روایت (۳۶) ابراہیم بن خلاد ازدی فرماتے ہیں کہ ایک روز جبرئیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس تشریف لائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے رنج و مصیبت کی ان سے شکایت کی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ کو ایسی دعا بتلاتا ہوں جس کے پڑھنے سے حق تعالیٰ آپ کی مصیبت کو دور فرمادے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھا کیجئے :۔ یَا مَنْ لَا یَعْلَمُ کَیْفَ هُوَ اِلَّا هُوَ وَیَا مَنْ لَا یَبْلُغُ قُدْرَتَهٗ غَیْرُهٗ فَرِّجْ عَنِّیْ (اے وہ ذات جس کی حقیقت کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اے وہ ذات کہ اسکی قدرت کو بجز اس کے کوئی نہیں پہونچ سکتا، میری مصیبت کو دور فرما) یہ دعا کرنا تھا کہ قید سے رہائی کی خوشخبری لیکر قاصد پہونچ گیا۔

روایت (۳۷) معتمر بن سلیمان فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک شخص ملا اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو آپ کی قدیم عادت کے موافق (خوش و خرم) نہیں پاتا۔ فرمایا (اس کا سبب) طول عمر اور کثرت احزان ہے۔ پھر اس ملنے والے نے آپ کو یہ کلمات بتلائے (جن کی برکت سے تمام مصائب اور غم دور ہو جاتے ہیں) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ مِنْ کُلِّ مَا اَهَمَّنِیْ وَکَرَبَنِیْ مِنْ اَمْرِ دُنْیَایَ وَاٰخِرَتِیْ

فَرَجًا وَمَخْرَجًا وَ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَثَبِّتْ رَجَاءَكَ فِیْ قَلْبِیْ وَ اقْطَعْهُ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ لِیْ رَجَاءٌ اِلَّا اِیَّاكَ (یا اللہ میرے لئے ہر فکر و مصیبت سے خواہ وہ دنیا کے متعلق ہو یا آخرت کے خلاصی وکشادگی عطا فرما۔ اور میرے گناہ بخش دے اور اپنی رجار (امید) کو میرے دل میں ثابت اور راسخ فرما دے اور اپنے غیر سے میری توقع و امید قطع فرما دے یہاں تک کہ میری تمنا آپ کے سوا کوئی نہ رہے)

روایت (۳۸) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اگر بلا و مصیبت سے دنیا میں کوئی محفوظ رہتا تو یعقوب علیہ السلام کا خاندان اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ مگر ان پر اسّی برس تک مصائب و آفات کا سلسلہ لگا رہا۔

روایت (۳۹) حضرت غالبؒ ابن قطان فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسفؑ کو قید خانہ میں مدت طویل ہوگئی اور آپ کی تکلیف بڑھنے لگی۔ کپڑے میلے ہوگئے۔ اور بال غبار آلود ہوگئے۔ اور جیل خانہ والوں نے آپ کے ساتھ معاملہ خراب کیا تو حق تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی :- اَللّٰهُمَّ اَشْكُوْ اِلَیْكَ مَا لَقِیْتُ مِنْ وُدِّیْ وَعَدُوِّیْ اَمَّا وُدِّیْ فَبَاعُوْنِیْ وَاَخَذُوْا ثَمَنِیْ وَاَمَّا عَدُوِّیْ فَسَجَنَنِیْ۔ اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْ لِیْ فَرَجًا وَمَخْرَجًا (بارالہا! میں نے جو کچھ اپنے دوست و دشمن سے جھیلا ہے اسکی شکایت آپ سے کرتا ہوں۔ میرے محبین نے تو مجھے بیچ دیا اور میری قیمت وصول کرلی۔ اور میرے دشمن نے مجھے قید میں ڈال دیا۔ اے اللہ آپ میرے لئے کشائش اور رہائی کی صورت پیدا کر دیجئے) حق تعالیٰ نے آپ کو فوراً رہائی عطا فرمائی۔

روایت (۴۰) حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے یعقوبؑ حق تعالیٰ کی جناب میں تضرع وزاری کیجئے فرمایا کس طرح جبرئیل علیہ السلام نے یہ کلمات تلقین فرمائے :- یَا کَثِیْرَ الْخَیْرِ وَیَا دَائِمَ الْمَعْرُوْفِ (اے بہت بھلائی کرنے والے اور ہمیشہ احسان فرمانے والے)

وحی ہوئی کہ اے یعقوب آپ نے مجھے ایسے کلمات کے ساتھ پکارا ہے کہ اگر آپ

دونوں بیٹے انتقال بھی کر گئے ہوتے تو میں انھیں دوبارہ زندہ کر دیتا۔

حدیث (۴۱) (بسند صحیح) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مصائب سے نجات دلانے والے کلمات یہ ہیں:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو بُردبار اور کریم ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے جو عالیشان اور عظمتوں والا ہے۔ اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے جو آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا مالک ہے)

حدیث (۴۲) قاسمؒ بن عبدالرحمان حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی رنج وغم یا فکر وتکلیف پیش آتی تھی تو آپ یہ کلمات پڑھا کرتے تھے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ (اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اے تھامنے والے (ہر چیز کے) میں آپ کی رحمت کے سہارے آپ سے فریاد کرتا ہوں)

حدیث (۴۳) عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مصیبت زدہ کی دعا یہ ہونی چاہیئے:۔

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ شَانَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فِیْ عَفْوٍ مِّنْكَ وَعَافِیَةٍ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ (یا اللہ میں آپ کی رحمت کی توقع رکھتا ہوں سو آپ مجھے ایک لحظہ کیلئے میرے نفس کے سپرد نہ فرمایئے اور میرے سب کام درست فرما دیجئے دنیا و آخرت کے لیے عفو وعافیت کے ساتھ، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں)

حدیث (۴۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تعلیم فرمایا ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے تو یہ دعا پڑھوں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَتَبَارَكَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ[1] (نہیں کوئی معبود سوا خدائے حلیم اور کریم کے پاک ہے اللہ کی ذات اور عالیشان ہے اللہ جو رب ہے عرش عظیم کا اور ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے عالم کا پروردگار ہے)

---

[1] کتاب الاذکار للنوویؒ میں یہ دعا ان الفاظ میں منقول ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْکَرِیْمُ الْعَظِیْمُ سُبْحَانَہٗ تَبَارَكَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حدیث (۴۵) حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کو کوئی رنج وغم یا مصیبت تنگی پیش آئے اور وہ یہ کلمات[1] پڑھے تو حق تعالیٰ ضرور اسکی تکلیف رفع فرما دیتے ہیں اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا شَرِیْكَ لَہٗ (اللہ اللہ میرا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں)

حدیث (۴۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو کوئی فکر وغم پیش آئے اور وہ یہ کلمات پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے فکر وغم کو دور فرما دیتے ہیں۔ کلمات یہ ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِیَتِیْ فِیْ یَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُكَ اَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَجَلَاءَ حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ (بار الٰہا! میں آپ کا غلام ہوں اور آپ کے غلام کا بیٹا ہوں۔ اور بیٹا ہوں آپ کی لونڈی کا۔ اور ہمہ تن آپ کے قبضہ میں ہوں، نافذ ہے میرے بارے میں حکم آپ کا، عین عدل ہے میرے بارے میں فیصلہ آپ کا، مانگتا ہوں میں آپ سے بحق ہر نام کے جو آپ کا ہے جس کے ساتھ آپنے اپنی ذات کو موسوم کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں اتارا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اپنے علم غیب ہی میں اسکو رہنے دیا ہے۔ یہ کہ بنا دیجئے قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور کشائش میرے غم کی، اور دفعیہ میرے فکر کا)

حدیث (۴۷) ایک شخص کو حجاج ابن یوسف نے گرفتار کرکے قید کر دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ کل ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں غم و رنج میں اوندھے منہ پڑا ہوا تھا کہ یکایک مکان کے ایک گوشہ سے کسی کہنے والے نے میرا نام لیکر کہا۔ اے فلاں! میں نے کہا تم کون ہو، کیا کہتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو یَا مَنْ لَا یَعْلَمُ كَیْفَ هُوَ اِلَّا هُوَ یَا مَنْ لَا یَعْرِفُ قُدْرَتَہٗ اِلَّا هُوَ فَرِّجْ عَنِّیْ مَا اَنَا فِیْہِ (اے وہ ذات جس کی حقیقت کو اسکے سوا کوئی نہیں جانتا، اے وہ ذات جسکی قدرت کو بجز اسکے کوئی نہیں پہچانتا، جس مصیبت میں مبتلا ہوں اسے دور فرما) میں نے یہ کلمات

[1] کتاب الاذکار کے الفاظ یوں ہیں اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِہٖ شَیْئًا اور حضرت ثوبانؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ھُوَ اللّٰہُ، اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا شَرِیْكَ لَہٗ۔

کے توختم کرنے نہ پایا تھا کہ دفعتہً تمام ہتکڑیاں اور بیڑیاں میرے ہاتھوں پیروں سے کھل کر گرگئیں اور دیکھا کہ سب دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ میں گھر کے صحن میں آیا تو دیکھا کہ بڑا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے اور سب سپاہی اور نگہبان سوئے ہوئے ہیں، میں وہاں سے نکلا تو اپنے آپ کو شہر واسط کی مسجد میں جس جگہ میں پہلے تھا، وہیں پایا۔

روایت (۴۸) حضرت ابراہیم تیمیؒ جب حجاج ابن یوسف کے جیل خانہ میں داخل ہوئے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ سب کے سب ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اٹھتے ہیں تو ساتھ اٹھتے ہیں اور بیٹھتے ہیں تو ساتھ بیٹھتے ہیں۔ ابراہیم تیمیؒ نے فرمایا۔ اے وہ قوم جو نعمت کے وقت بھی حق تعالیٰ کی طرف سے امتحان میں تھی اور بلا ومصیبت کے وقت بھی امتحان میں ہے۔ حق تعالیٰ نے تم لوگوں کو امتحان کے قابل سمجھا اس لئے تمہارا امتحان لیا۔ تم بھی اسکو اپنا مالک سمجھو اور صبر کرو۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت ابراہیم تیمی نے فرمایا کہ میں وہ شخص ہوں کہ مجھے بھی اسی عذاب میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہے جس میں تم مبتلا ہو۔ قیدیوں نے حضرت ابراہیمؒ کی یہ نصیحت سنکر کہا کہ اب ہم صبر ہی کرینگے اب ہمیں قید سے رہائی پسند نہیں۔

روایت (۴۹) ابوسعیدؒ بقال کہتے ہیں کہ میں حجاج ابن یوسف کے جیل خانہ میں (جو ایک نہایت تنگ وتاریک تہہ خانہ میں تھا اسی لئے اسکو دیماس[۱] کہا جاتا تھا) مقید تھا، اور ہمارے ساتھ ابراہیم تیمیؒ بھی تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کس جرم میں گرفتار ہوئے۔ فرمایا کہ کچھ نہیں بجز اس کے کہ میں نماز روزہ زیادہ کرتا ہوں۔ مجھ پر یہ تہمت رکھدی گئی کہ یہ خوارج کے مذہب پر ہے۔ پھر ہم شام تک آپسیں باتیں کرتے رہے۔ شام کے وقت ایک اور شخص اس قیدخانہ میں داخل ہوئے۔ ہم نے ان سے گرفتاری کا سبب اور ان کا قصہ دریافت کیا تو کہا واللہ! مجھے کچھ خبر نہیں کہ کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہوں شاید مجھ پر یہ تہمت رکھی گئی ہو کہ مذہب خوارج پر ہوں۔ حالانکہ نہ میں مذہب خوارج کو جانتا ہوں نہ پسند کرتا ہوں اور نہ اس مذہب والوں کو پسند کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ اللہ کے بندے! میرے لئے کہیں سے وضو کے لئے پانی منگادو، پانی لایا گیا تو وضو

---

[۱] قبر۔ حمام۔ آتشدان۔ بھٹ۔ حمام۔ تہہ خانہ۔

کرکے اس نے چار رکعت نماز پڑھی پھر یہ دعا کی :۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اَنِّیْ عَلٰی اِسَاءَتِیْ
وَظُلْمِیْ وَاِسْرَافِیْ لَمْ اَجْعَلْ لَّکَ وَلَدًا وَّلَا نِدًّا وَّلَا صَاحِبَۃً وَّلَا کُفُوًا فَاِنْ تُعَذِّبْ
نَعَبْدُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ یَامَنْ لَایُغَلِّطُ
الْمَسَائِلُ وَیَامَنْ لَایُشْغِلُہٗ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ وَیَامَنْ لَایُبْرِمُہٗ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّیْنَ اَنْ
تَجْعَلَ لِیْ فِیْ سَاعَتِیْ ھٰذِہٖ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ
وَمِنْ حَیْثُ اَعْلَمُ وَمِنْ حَیْثُ لَا اَعْلَمُ وَمِنْ حَیْثُ اَرْجُوْ وَمِنْ حَیْثُ لَا اَرْجُوْ وَخُذْ لِیْ بِقَلْبِ عَبْدِکَ
الْحَجَّاجِ وَسَمْعِہٖ وَبَصَرِہٖ وَلِسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَرِجْلِہٖ حَتّٰی تُخْرِجَنِیْ فِیْ سَاعَتِیْ ھٰذِہٖ فَاِنَّ قَلْبَہٗ وَنَاصِیَتَہٗ
فِیْ یَدِکَ اَیْ رَبِّ اَیْ رَبِّ اَیْ رَبِّ (میرے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ باوجود اپنے گناہ ظلم وزیادتی
کے میں نے نہ تو آپ کے لئے کوئی بیٹا اور شریک قرار دیا نہ بیوی نہ کوئی مماثل اور ہمسر اگر
آپ عذاب دیں تو میں آپ کا بندہ ہوں اور اگر مغفرت فرمادیں تو آپ زبردست او
حکمت والے ہیں، اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں اے وہ ذات کہ سوالات کی
کثرت اسکو غلطی میں نہیں ڈالتی۔ اور اے وہ ذات کہ ایک بات کا سننا اسے دوسری بات
کے سننے سے غافل نہیں کرتا، اے وہ ذات کہ لگ لپٹ کر اور اصرار سے مانگنے والوں
کی وجہ سے وہ اُکتاتا نہیں۔ یہ کہ اسی وقت میرے لئے کشائش اور نجات کی شکل
پیدا فرمادیجئے جہاں سے مجھے گمان ہے، اور جہاں سے مجھے گمان نہیں اور جہاں سے جانتا ہوں اور جہاں سے نہیں جانتا
اور جہاں سے امید رکھتا ہوں اور جہاں سے امید نہیں رکھتا۔ میرے لئے اپنے بندے حجاج کے زبان
و دل، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب کو اپنی گرفت میں لے لیجئے اور اسی وقت مجھے
(یہاں سے) نکال دیجئے کیونکہ اس کا قلب اور اسکی پیشانی آپ کے قبضۂ قدرت
میں ہے اے میرے رب! اے میرے رب! اے میرے رب!)

راوی کہتا ہے کہ وہ یہی دعا بار بار کرتا رہا یہانتک کہ دفعتہً ایک شخص نے جیل خانہ
کے دروازہ پر دستک دی اور اس شخص کا نام لے کر پکارا کہ فلاں شخص کہاں ہے وہ
شخص فوراً کھڑا ہوگیا۔ اور قید خانہ سے جاتے وقت ہم سے کہا کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھے
عافیت فرمائی تو میں یہی دعا تمہارے لئے بھی کرتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی دوسری صورت

ہوئی (یعنی میں قتل کر دیا گیا) تو حق تعالیٰ مجھے اور تم سب کو اپنی رحمت میں جمع فرمانے والے ہیں۔ اگلے روز ہمیں خبر ملی کہ وہ صاحب اسی وقت رہا کر دیئے گئے تھے۔

روایت (۵۰) ابراہیم تیمیؒ جب حجاج کی قید میں تھے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیوں نہیں کرتے کہ آپ کو اس قید سے رہائی ہو جائے۔ فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ ایسی چیز کے زوال کی دعا کروں جس میں مجھے اجر عظیم مل رہا ہے۔

ف:۔ یہ ایک خاص حال تھا جس میں مصیبت کے اجر عظیم کے استحضار نے مصیبت کو لذیذ بنا دیا تھا ؎

رنج راحت شد چو مطلب شد بزرگ گرد گلہ توتیائے چشم گرگ

(جب مقصد عظیم اور بزرگ ہوتا ہے (تو اسکے حصول کی راہ میں) رنج و مشقت بھی راحت بن جاتی ہے (جیسے) بکریوں کے ریوڑ کا گرد و غبار بھیڑیئے کی آنکھ کیلئے سرمہ بن جایا کرتا ہے)

اور اسی حالت میں کسی نے کہا ہے ؎

غم چہ استادۂ تو بر در ما اندر آ یار ما برادر ما

(اے غم تو ہمارے دروازہ پر کیوں کھڑا ہے، اے میرے دوست اے میرے برادر گھر کے اندر آجا)

ورنہ اصل یہ ہے کہ مصیبت سے عافیت کی دعا کرنا مسنون ہے۔

روایت (۵۱) ایک شخص کو کسی ظالم نے ایک گڑھے میں قید کر کے اوپر سے پتھر رکھ دیا تھا۔ اسی حال میں اسکو منجانب اللہ یہ دعا تلقین کی گئی۔ اس نے پڑھی تو خود بخود گڑھے سے باہر نکل آیا۔ دعا یہ ہے:۔ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (پاکی بیان کرتا ہوں اس بادشاہ کی جو (ہر قسم کے نقص و عیب سے) پاک ہے، اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اسکی حمد و ثنا کرتا ہوں)

روایت (۵۲) خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبد الملک کے پاس روم کے ایک نصرانی عالم کو لایا گیا سلیمان نے اسکے قید کر دینے کا حکم کیا، جیل خانہ کا داروغہ ایک روز حسب معمول رات کو اندر سے قفل لگا کر باہر آگیا۔ صبح کو پہنچا تو دیکھا کہ یہ نصرانی عالم غائب ہے۔ پھر

کئی ماہ کے بعد سرحد کے عامل نے خلیفہ کو خط لکھا کہ فلاں نصرانی عالم جو آپ کی قید تھا یہاں ہمارے مکان کے قریب پڑا ہوا پایا گیا ہے۔ سلیمان بن عبد الملک نے داروغہ جیل کو بلاکر واقعہ دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا کہ امیر المومنین میری جان بخشی ہو تو میں صحیح صحیح واقعہ عرض کردوں۔ امیر المومنین نے اقرار کیا تو اس نے واقعہ عرض کردیا امیر المومنین نے دریافت کیا کہ وہ کیا عمل کرتا تھا اور کیا پڑھتا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ دعا پڑھا کرتا تھا يَا مَنْ يَكْتَفِيْ مِنْ خَلْقِهٖ جَمِيْعًا وَلَا يَكْتَفِيْ مِنْهُ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِهٖ يَا أَحَدَ مَنْ لَا أَحَدَ لَهٗ اِنْقَطَعَ الرَّجَاءُ اِلَّا مِنْكَ أَغِثْنِيْ أَغِثْنِيْ (اے وہ ذات جو تمام مخلوق کے بدلہ میں کافی ہے اور اسکے عوض میں کوئی مخلوق کافی نہیں، اے بے کسوں کے مددگار تیرے سوا سب امیدیں منقطع ہوگئیں تو ہی مجھے پناہ دے تو ہی مجھے پناہ دے)

سلیمان بن عبد الملک نے کہا کہ انھیں کلمات کی وجہ سے اسکو نجات ملی ہے۔

روایت (۵۳) حجاج بن یوسف نے ایک شخص کے گرفتار کرنے کے لئے سپاہی بھیجے اور یہ قسم کھائی کہ اگر وہ ہاتھ آگیا تو اسے قتل کردوں گا۔ وہ گرفتار ہوکر آیا، سامنے لایا گیا تو اسنے کچھ کلمات پڑھے دفعتاً حجاج نے اسے آزاد کردیا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا پڑھا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ دعا پڑھی تھی :۔

يَا عَزِيْزُ يَا حَمِيْدُ يَا ذَا الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ اِصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (اے عزت والے اور غلبہ والے اے ستودہ صفات، اے صاحب عرش عظیم، ہر سرکش، ظالم وجابر کے شر کو مجھ سے دور کردے)

حدیث (۵۴) حضرت اسمٰعیل بن ابی فدیک رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے کوئی تکلیف آتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دعا پڑھیے: تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا (میں نے اس ذات پر بھروسہ کرلیا جسکو موت نہیں اور حمد ہے اللہ کی جس نے کسی کو اولاد نہیں بنایا، اور نہ کوئی اسکے ملک کا شریک ہے اور نہ بوجہ عجز کے اسکو کسی مددگار کی ضرورت ہے اور اسکی بہت بڑائی بیان کرو)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (متفق علیہ) "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو قدرت رکھے نکاح کی تو اسے چاہئے کہ نکاح کرلے کیونکہ وہ نگاہ کو پست رکھنے والا ہے اور شرمگاہ کو بچانیوالا ہے (بدکاری سے) اور جسے اس کی طاقت نہ ہو اس پر لازم ہے کہ روزے رکھے کیونکہ وہ اسکے لئے قاطع شہوت ہے"

یہاں حضورؐ نے نکاح کی ایک غرض بیان فرمادی کہ اس سے عفتِ فرج وحفاظتِ نگاہ سہل ہوجاتی ہے۔ اصل مطلوب تو تحصین فرج وغضِ بصر ہے جو کہ بدون نکاح بھی قدرت واختیار میں ہے مگر حضورؐ نے نکاح کا بھی امر فرمادیا کیونکہ وہ اس مطلوب کی تسہیل کا وسیلہ ہے اسی لئے اَغَض واَحصَن صیغۂ تفضیل سے فرمایا یعنی یہ غض وتحصین میں زیادہ معین ہے اور اسی لئے نکاح کو غض بصر وتحصین فرج کی غایۂ تسہیل کہا ہے کیونکہ نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت بدون نکاح کے بھی ممکن ہے کیونکہ نگاہ کا اٹھانا امر اختیاری ہے کوئی دوسرا تو نہیں اٹھا دیتا اور یہ امر مشاہد ہے لیکن اس شخص کو اسمیں دھوکہ ہوجاتا ہے کہ یہ یوں سمجھتا ہے کہ میں نظر میں مضطر ہوں اور دھوکہ اضطرار کا اسلئے ہوتا ہے کہ آجکل لوگ عموماً نگاہ نیچی رکھنے کے عادی نہیں اونٹ کی طرح سر اٹھا کر ہی چلنے کے عادی ہیں اس لئے نگاہ میں اپنے کو مضطر سمجھتے ہیں پھر نگاہ ڈال کر ہٹانے میں سکو نفس کے ساتھ کشاکشی سخت ہوتی ہے جس کی مقاومت دشوار ہوتی ہے اس دشواری کو وہ اضطرار سمجھنے لگتا ہے حالانکہ وہ اضطرار نہیں ہے کیونکہ وہ اس حالت میں بھی غض بصر پر قادر رہتا ہے پس وہ مختار ہے۔ اگر اس پر کسی کو شبہ ہو کہ جس اضطرار میں میتہ حلال ہوجاتا ہے اضطرار تو وہ بھی نہیں کیونکہ عدم تناول پھر بھی اختیار میں رہتا ہے پھر سخت تکلیف کو شریعت نے اضطرار قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (پھر جو شخص شدت کی بھوک میں مضطر اور بیتاب ہوجائے) تو معلوم ہوا کہ سخت تکلیف بھی اضطرار میں داخل ہے تو غض بصر میں بھی جب سخت بےچینی ہونے لگے وہ اضطرار کیوں نہیں اور اگر اضطرار ہے تو وہ شخص معذور ہے۔ تو میں کہوں گا کہ آیت میں اضطرار اصطلاحی کا ذکر نہیں بلکہ اضطرار

سے مجبور و بے بس ہوجانا۔

لغوی کا ذکر ہے اور یہ اضطرار لغوی اکل میتہ میں عذر ہے اور نظر بالشہوۃ میں عذر نہیں اگر کوئی کہے کہ اس فرق کا کیا سبب ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی قسمت خدا کی یہی مرضی. یہ جواب تو ضابطہ کا تھا۔ اب میں تبرعاً دونوں میں فرق بھی بتلاتا ہوں کہ اضطرار مخمصہ میں موت کا اندیشہ ہے اور حیات کا بقار مطلوب ہے کیونکہ وہ معراج ترقی ہے حیاتِ ناسوتیہ ہی سے روح کو ترقی ہوتی ہے کیونکہ مدار ترقی اعمال ہیں اور روح مجرد سے صدور بعض اعمال کا نہیں ہوسکتا تھا اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو پھر جنت سے دنیا میں ہمارے بھیجے جانے کی کیا ضرورت تھی اور نظر الی الاجنبیہ سے بچنے میں موت کا خوف نہیں بلکہ غض بصر میں زیادہ حیات ہے. حدیث میں وعدہ ہے کہ جو شخص تقاضائے نظر کے وقت نگاہ نیچی کرلے اسکو حلاوت ایمان نصیب ہوتی ہے۔ اور اسکے ساتھ ایک طبعی حلاوت بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ غض بصر کے بعد اس کا دل یہ کہتا ہے کہ شاباش آج شیطان کو خوب زیر کیا اور یہ فخر اہل اللہ نے بھی کیا ہے مگر اَشَر[1] وبطر کے ساتھ نہیں بلکہ تحدث بالنعمۃ کے طور پر اور اس قسم کا فرح محمود ہے چنانچہ نص ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (آپ کہہ دیجئے کہ پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے)

غرض غض بصر میں باطنی حیات بھی ہے اور حیاتِ ظاہرہ کا ابقار بھی ہے کیونکہ بعض دفعہ یہ نگاہِ بد جان و ایمان تک لے لیتی ہے۔

ابن قیمؒ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی امرد پر عاشق تھا اور وہ اس سے نفور[2]۔ یہاں تک کہ یہ عشق میں گھل کر مرنے کے قریب ہوگیا اور آثار نزع شروع ہوگئے اس امرد کو اطلاع ہوئی تو اسکے دل میں رحم آیا کہ لاؤ ایک دفعہ اس سے مل لوں اتو مر ہی رہا ہے وہ اس ارادہ سے گھر سے چلا اور اسکی اطلاع کسی نے عاشق کو دی تو فوراً جسم میں قوت آگئی اور اٹھ بیٹھا پھر امرد کو اپنی بدنامی کا خیال ہوا اور راستہ ہی سے لوٹ گیا اور مومن کے قول پر عمل پیرا ہوا ؎

کہا اس بت سے مرتا ہے وہ مومن   کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

---

[1] تکبر کرنا اور اترانا۔ [2] بہت نفرت کرنیوالا۔

اس امرد نے اسوقت اسی شعر پر عمل کیا اسکی اطلاع بھی عاشق کو ہوئی تو پھر گر پڑا اور نزع شروع ہوگیا۔ لوگوں نے اسکو کلمہ کی تلقین شروع کی تو بجائے کلمہ کے اس نے امرد کو خطاب کرکے اشعار پڑھنا شروع کئے جن میں ایک شعر یہ تھا ؎

رِضَاكَ اَشْهٰى اِلٰى فُؤَادِىْ مِنْ رَحْمَةِ الْخَالِقِ الْجَلِيْلِ

(تیری خوشنودی میرے دل کو زیادہ پسند ہے خالق جلیل کی رحمت سے ؟ ؟ ؟ (نعوذ باللہ نعوذ باللہ) اور اسی کلمۂ کفر پر جان دیدی۔ اور یہ خطرہ نظر عمد میں ہے اور وہی حرام بھی ہے۔ باقی نظر فجارۃ میں یہ اثر نہیں ہوتا کیونکہ فوراً غض بصر کرنے سے وہ اثر قوی نہیں ہونے پاتا۔ اگر اس پر کسی کو شبہ ہو کہ ممکن ہے اس میں بھی ہلاکت ہوجائے تو میں کہوں گا کہ یہ امکان ایسا ہے جیسا امام ابو یوسفؒ کے شاگرد نے مجلس امالی میں سوال کیا تھا کہ آپ نے ابھی جو یہ فرمایا ہے کہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی روزہ افطار کرلینا چاہیئے تو بھلا اگر کسی دن آفتاب ہی غروب نہ ہو تو کیا کرے اوروجہ فرق کی یہی ہے کہ نظر فجارۃ میں بوجہ عدم التفات کے دقائق حسن کا ادراک نہیں ہوتا یونہی سرسری طور پر صورت سامنے ہوجاتی ہے اب اسکو حکم ہے صرف نظر کا اگر فوراً نگاہ کو ہٹالے تو کچھ خطرہ نہیں اور اگر اسکے بعد عمداً دیکھنے لگا تو اب اس کو اسکے ساتھ تعلق ہوجانے کا احتمال ہے اور تعلق کے بعد اگر وصال نہ ہوا تو موت کا خطرہ ہے اور ایک دوبار وصال ہوگیا تو اس سے پیاس بجھے گی نہیں بلکہ اور زیادہ بھڑکے گی ؎

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور اگر کسی کو ہمیشہ وصال میسر ہوسکتا ہے تو اس کمبخت کو نکاح سے کون چیز مانع ہے ایسی حالت میں شریعت کا حکم یہ ہے لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ یعنی "جن میں باہم محبت ہوجائے ان کو نکاح کرلینا چاہیئے" اور اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر اس کا علاج نظر و وصال سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اسکی طرف سے خیال کو ہٹاؤ جسکا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی بدصورت بدشکل کا مراقبہ کرو چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ دیکھو میں اس کا مراقبہ بھی بتلاتا ہوں مراقبۂ موت وردیت تو سب بتلاتے ہیں۔ میں بدشکل کا فرکا

مراقبہ بھی بتلاتا ہوں کیونکہ طب میں کبھی طبیات سے علاج ہوتا ہے کبھی خبیثات سے (اور اگر کوئی شکل قابل نفرت مراقبہ کے لئے نہ ملے تو پھر اس محبوب ہی کو بدشکل تصور کرو یعنی یوں خیال کرو کہ یہ ایک دن مریگا اور اسکا چہرہ خاک میں مل جائیگا اس میں سے خون پیپ ناک اور آنکھ کے راستہ سے بہے گا اسکے بدن میں کیڑے پڑجائیں گے تھوڑی دیر اسکی اس حالت کا مراقبہ کرو اس سے بھی نفع ہوگا) اور خیال ہٹانے کی یہ صورت نافع نہیں کہ تم براہ راست اسکے حُسن کے تصور دفع کرنے کا قصد کرو کیونکہ اس میں پھر استحضار ہوگا حسن کا سلب بھی جلب ہوجائیگا۔ میں نے مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ سے ایک حکایت اسی قبیل کی سُنی ہے کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے کی شادی میں دولہا کے لئے کسی کا دوشالہ مانگ کر مجلس نکاح میں اوڑھادیا وہ اچھا آدمی تھا اس نے دوشالہ تو دیدیا مگر اب جو شخص مجلس میں آکر پوچھتا کہ دولہا کہاں ہے وہ کہتا ہے کہ دولہا تو وہ ہے مگر دوشالہ میرا ہے لڑکے کے باپ نے کہا تو بڑا اوچھا آدمی ہے بھلا اس کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ دوشالہ میرا ہے اس نے کہا کہ بہت اچھا اب نہ کہوں گا۔ اسکے بعد کسی نے پوچھا کہ دولہا کون سا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ دولہا وہ ہے اور دوشالہ میرا نہیں ہے بارات والوں نے پھر ملامت کی کہ کمبخت تجھے دوشالہ کے ذکر ہی کی کیا ضرورت ہے اس نے کہا بہت اچھا اب سے ذکر نہ کروں گا اسکے بعد کسی نے پوچھا تو کہا کہ دولہا تو وہ ہے اور دوشالہ کا ذکر ہی نہیں کہ کس کا ہے اس پر دولہا نے دوشالہ اُتار کر پھینک دیا۔

تو دیکھئے اس نے دوشالہ کی نفی کی تھی مگر وہ بھی اثبات تھا۔ اسی طرح محبوب کے تصور کو بلا واسطہ دفع کرنا یہ بھی جلب تصور ہے بلکہ اس کا صحیح قاعدہ وہ ہے جس کو فلاسفہ اور صوفیہ نے بیان کیا ہے اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَّاحِدٍ کہ "ایک آن میں دو چیزوں کی طرف نفس متوجہ نہیں ہوسکتا" اور گو اس کو قاعدۂ عقلیہ کہا جاتا ہے مگر میرے نزدیک یہ بھی قاعدہ عقلیہ نہیں۔ بلکہ قاعدہ عادیہ ہے مگر عادۃً اس میں لزوم ایسا ہے جس سے لزوم عقلی کا شبہ ہوجاتا ہے اور اس قاعدہ کے استع

طریقہ وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ کسی دوسری شئے کی طرف توجہ کو منعطف کرو کیونکہ عشق بطالت سے ہوتا ہے۔ اطبار نے اسکی تصریح کی ہے اسی لئے طلبہ کو عشق زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بہت بے فکر ہیں (پہلے زمانہ کے طلبہ ایسے بے فکر نہ تھے اس لئے انہیں مرض نہ تھا اور آجکل بے فکری زیادہ ہے) کیونکہ جو کام ان کے ذمہ ہے مطالعہ و تکرار وغیرہ اختیاری ہے کہ جب چاہیں الگ کر دیں اور بے فکر ہو جائیں۔ باقی جو شخص کسی فکر میں لگا ہوا ہو اسکو عشق نہیں ہوتا۔ چنانچہ گھس کھدے مزدور کو تصور حسیناں کی کہاں مہلت ہے۔ پس تم بطالت و بے فکری کو دور کرو اور کوئی شغل اپنے ذمہ لگاؤ اور کسی شئے کی طرف اپنی توجہ کو منعطف کرو۔

حدیث میں اسی علاج کی تعلیم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اجنبیہ پر نظر پڑ جائے تو اسی وقت اپنی بیوی سے جاکر مشغول ہو جاؤ اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَإِنَّ الَّذِي مَعَهَا مِثْلُ الَّذِي مَعَهَا (کہ جو چیز اسکے پاس ہے ویسی ہی اسکے پاس ہے)

ظاہر میں یہ جملہ معمولی بات ہے مگر حقیقت میں ۔ ایک قاعدہ عظیمہ پر تنبیہ ہے جسکی تقریر حضرت استاذ علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے جو کسی کے کلام میں میری نظر سے نہیں گذری اسکو بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو ہمارے اکابر کے کمال علوم کا اندازہ ہوگا مولانا نے فرمایا کہ مُتَنَاوَلات میں چار قسم کی چیزیں ہیں بعض میں محض لذت مقصود ہے جیسے فواکہ بعض میں دفع حاجت مقصود ہے بعض میں دونوں مقصود ہیں مگر غالب حاجت ہے جیسے اغذیۂ یومیہ بعض میں دونوں مقصود ہیں مگر غالب لذت ہے، اور عادۃً قریب قریب ایسی ہی چیز ہے

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ میں ہم کو اس امر کی تعلیم فرمائی ہے کہ تم اس میں بھی حاجت ہی کو غالب رکھو اور دفع حاجت میں اجنبیہ اور منکوحہ دونوں مساوی ہیں یہ مطلب ہے إِنَّ الَّذِي مَعَهَا مِثْلُ الَّذِي مَعَهَا (أَيْ إِنَّهُمَا مُسَاوِيَتَانِ فِي قَضَاءِ الْحَاجَةِ) (یہ دونوں شہوت پوری کرنے میں برابر ہیں)

سبحان اللہ بے نظیر علم ہے۔ بہرحال شارح نے اس حدیث یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ تَزَوَّجُوا الخ

میں نکاح کی ترغیب اسلئے دی ہے تاکہ غضِ بصر سہل ہو جائے اور یہ شارع کے ذمہ نہ تھا بلکہ محض عنایت تسہیل کی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ جس کو غضِ بصر دشوار ہو وہ نکاح کرے گو شارع کو یہ بھی حق تھا کہ بدون اسکے بھی غضِ بصر کا امر فرمادیں کیونکہ نظر اختیاری ہے جیسا کہ اوپر مفصل مذکور ہوا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ کبھی شارع بھی تسہیل کا لحاظ فرماتے ہیں پس صوفیہ اہل بدعت نہیں جو اعمال شرعیہ میں سہولت کا طریق بتلاتے ہیں اور اسی میں مشائخ علماء ظاہر سے ممتاز ہیں کیونکہ علماء اس کو نہیں جانتے پس صوفیہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے یہ بدعت کہاں سے نکالی کہ اعمالِ شرعیہ کی تسہیل کے طرق بتلاتے ہیں۔ میں نے بتلا دیا کہ شارع نے بھی کبھی اس کا لحاظ فرمایا ہے چنانچہ اول تو شارع نے تسہیل غضِ بصر کے لئے نکاح کو تجویز کیا اور جو نکاح پر قادر نہ ہو اسکے لئے اسی تسہیل کے لئے ارشاد ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ "کہ" جو نکاح نہ کرسکے وہ روزے رکھا کرے کیونکہ روزہ بمنزلہ اختصار کے ہے" بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ اختصار کے بعد بھی بعض دفعہ شہوت کم نہیں ہوتی۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ ایسے لوگ باندیاں خریدتے ہیں اور ان سے مجامعت کرتے ہیں۔ ہاں ان کو انزال نہیں ہوتا اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع عضو کے بعد بھی شہوت باقی رہتی ہے ایسا مرد مساحقہ کا طالب ہوتا ہے۔

ایک بزرگ سے میں نے ایک حکایت سُنی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو شہوت باقی رہتی ہے وہ حکایت یہ ہے ایک شخص کو خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تمنا بیحد تھی چنانچہ ایک بار ملاقات ہوئی اور حضرت خضرؑ نے دریافت فرمایا کہ بتلاؤ مجھ سے کیا کام ہے۔ کہا میرے لئے دعا کر دیجئے کہ بے فکری کی زندگی نصیب ہو فرمایا دنیا میں بیفکری دشوار ہے کیونکہ یہ دارالابتلاء ہے یہاں چین نہیں ہو سکتا ہاں یہ ممکن ہے کہ تم دنیا میں مختلف لوگوں کی حالت دیکھ کر کسی ایک کو تجویز کر لو میں دعا کر دوں گا کہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ اس نے کہا بہت اچھا یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں کوئی تو بے فکر ملے گا۔ چنانچہ اُس نے سیاحت شروع کی اور امراء و سلاطین کا امتحان شروع

کیا معلوم ہوا کہ ہر شخص کوئی نہ کوئی فکر ضرور رکھتا ہے۔ بے فکر کوئی نہیں۔ پھر ایک جوہری کو دیکھا کہ وہ بڑا بے فکر ہے صبح کو دکان کھولتا ہے دس بارہ لڑکے جوان اسکے پاس دکان میں رہتے ہیں جو اس کے بیٹے معلوم ہوتے تھے اور نوکر چاکر ان کے علاوہ تھے وہ صبح سے شام تک دکان پر بیٹھتا اور خوب خیرات کرتا اور تجارت بھی کرتا ظاہر میں اسکو کوئی فکر معلوم نہ ہوتا تھا۔ یہ اسکے پاس تین دن ٹھہرا اور اسکو دیکھکر بڑا خوش ہوا کہ بس میں بھی اسی کے مثل ہونے کی دعا کراؤں گا پھر خیال ہوا کہ اس سے بھی دریافت تو کرنا چاہیئے مبادا اس کو کوئی ایسا فکر ہو جس کی مجھے اطلاع نہ ہو۔ چنانچہ اس سے دریافت کیا اور وجہ بھی بتلادی کہ میں نے حضرت خضر سے یہ درخواست کی تھی انھوں نے یہ جواب دیا اور اب تجھ کو دیکھکر مجھے خیال ہوتا ہے کہ تیرے جیسی زندگی کی دعا کراؤں یہ سُنکر وہ جوہری سانس بھر کر آبدیدہ ہوا اور کہا خدا میرے جیسی مصیبت تو کسی دشمن کو بھی نہ دے پھر قصہ بیان کیا کہ میری بیوی بہت حسین ہے ایک دفعہ وہ بیمار ہوئی اور مرنے کے قریب ہوگئی۔ میں رونے لگا تو اسنے کہا کیوں روتے ہو تم تو چار دن کے بعد دوسرا نکاح کر لوگے پھر مجھے بھول بھال جاؤگے میں نے کہا یہ ہرگز مجھ سے نہ ہوگا کہا سب یونہی کہا کرتے ہیں تو میں نے استرہ نکال اپنا عضو کاٹ ڈالا کہ اب تو اطمینان ہوگیا۔ اس نے کہا ہاں واقعی اطمینان ہوگیا اسکے بعد وہ کمبخت اچھی ہوگئی اور میں بیکار ہوچکا تھا تو اس نے نوکروں سے تعلق پیدا کرلیا اور یہ جتنے لڑکے آپ کے سامنے ہیں سب انہی نوکروں کی عنایت ہیں مگر میں خاموش ہوں کیا کہوں کیونکہ یہ بلا میں نے اپنے ہاتھوں خریدی ہے اب یہ شخص اپنے گھر واپس آیا اور حضرت خضر سے ملاقات ہوئی پوچھا کہو تم نے کسی کو تجویز کیا کہا واقعی دنیا میں کوئی بھی فکر سے خالی نہیں حضرت خضر نے فرمایا بس تم یہ خیال چھوڑ دو اور اس کی درخواست کرو کہ حق تعالیٰ تم کو اپنی محبت عطا فرمائیں اور آخرت کی بیفکری نصیب ہو کہا ہاں بس اسی کی دعا کر دیجئے واقعی یہی بات ہے پھر اگر کچھ بیفکری ہے تو تعلق مع اللہ ہی میں ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست | جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

ر دنیا کا کوئی گوشہ بے تردد نہیں۔ سوائے خدا کی خلوت گاہ کے کہیں آرام نہیں ہے

خلوت گاہِ حق سے مراد تعلق مع اللہ ہی ہے تو اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو اپنی حالت پر حسرت تھی اس حسرت میں خواہش کو بھی دخل تھا کہ تمتع کی خواہش موجود مگر فقدانِ اسباب و آلات سے معذور۔ اسلئے غمزدہ تھا اور روزہ ان سب سے بڑھ کر کہ شہوت بھی کم ہوجاتی ہے اور انسان بھی بیکار نہیں ہوتا۔ مگر ایک بات سمجھ لینا چاہئے کہ بعض دفعہ روزہ سے ابتدائِ صوم میں شہوت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی۔ اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے کہ شریعت نے کیا علاج تجویز کیا بات یہ ہے کہ بعض دفعہ قلتِ شہوت کا منشا کثافتِ اخلاط ہوتا ہے ایسی حالت میں چونکہ روزے سے اخلاط میں لطافت پیدا ہوگی تو اول اول شہوت بڑھے گی مگر یہ برابر روزہ رکھتا رہے تو کثرتِ صوم کا انجام ضعفِ شہوت ہی ہوگا اور یہ جو میں نے کہا۔ ہے کہ قلتِ شہوت کا منشا کبھی کثافت اخلاط ہوتا ہے اسکو میں بہت دعوے کے ساتھ کہتا ہوں اور ببانگِ دہل کہتا ہوں کہ جس پر شہوت کا زیادہ غلبہ ہو وہ اس وقت خوب پیٹ تن کر کھانا کھالے تو شہوت افسردہ ہوجائے مگر شارع نے یہ علاج اسلئے تجویز نہیں کیا کہ اس سے لحوقِ امراض کا اندیشہ ہے بہر حال کثرتِ صوم کا انجام ضعفِ شہوت ہی ہے گو ابتدار میں ضعف کا احساس نہ ہو چنانچہ خیر ختم رمضان میں ہر شخص کو ضعف معلوم ہوتا ہے گو افطار و سحر میں اس نے کتنا ہی پیٹ بھر کر کھایا کیونکہ میرے نزدیک سببِ ضعف تبدیل وقت ہے تقلیل غذا سے ضعف نہیں ہوتا۔ بس جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ روح صوم تقلیل غذا ہے جب افطار و سحر میں خوب پیٹ کھالیا تو اس روزہ سے فائدہ ہی کیا ہوا ان کا قول میرے نزدیک صحیح نہیں بلکہ صرف تبدیلِ وقت ہی ضعفِ بہیمیت کے لئے کافی ہے۔

(جاری)

(۳) ایک طالب علم دوسرے طالب علم سے نقل کرتے تھے کہ ایک عورت ن کو فاتحہ کے لئے بلا کرنے گئی، کھانا تو تھا ہی اس کے ساتھ افیون۔ چانڈو۔ حقہ وغیرہ بھی تھا جب فاتحہ پڑھنی شروع کی تو اس عورت نے کہا میاں نیچے کو مت دیکھنا مگر طالب علم تھا شوخ، نیچے جو دیکھا تو وہ عورت ننگی وہ خفا ہوئی کہ ہم نے تو منع کر دیا تھا آخر وجہ پوچھی تو کہا کہ جیسے مردہ کو اور چیزوں سے رغبت تھی اس سے بھی رغبت تھی۔ کیا حد ہے اس زیادتی کی۔

(۴) ایک سب انسپکٹر بیان کرتے تھے کہ میرے یہاں تھانہ میں رپٹ ہوئی کہ میری فاتحہ کوئی شخص چرا لے گیا چنانچہ میں تحقیقات کو گیا معلوم ہوا کہ ایک نلکی میں پیر جی نے فاتحہ بند کر کے دیدی تھی اور روئی کی ڈاٹ لگادی تھی کہ جب فاتحہ دینا ہو تو اس نلکی کو کھول کر کھانے پر جھاڑ دیا کرو۔ سال کے بعد وہ بدل جاتی تھی ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص فاتحہ وغیرہ احتیاط سے کرے۔ جواب میں فرمایا بدون قیود کے کریں اور ایک بات اور قابل غور ہے کہ کھانا سامنے لاکر جو فاتحہ دیتے ہیں یہ عقل کے خلاف ہے کیونکہ کسی چیز کے ثواب ملنے کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے عمل کریں کہ اس کا ثواب اپنے کو ملے اسکے بعد دعا کریں کہ یا اللہ جو ثواب مجھ کو ملا ہے وہ فلاں کو پہنچ جائے اس بنا پر صورت یہ ہونی چاہئے کہ پہلے کھانا مستحقین کو دیدیں کہ ثواب اس کا اپنے کو ہوجائے۔ پھر دعا کریں کہ اے اللہ دوسرے کیطرف اسکو منتقل فرمادیں۔

اس سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ کھانے پر فاتحہ دینے کے کچھ معنی نہیں۔ بالکل لغو حرکت ہے۔ دوسرے یہ کہ فاتحہ میں کل کھانا سامنے نہیں رکھتے تھوڑا سا رکھتے ہیں اور اس پر فاتحہ دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنے ہی کھانے کا ثواب پہونچانا مقصود ہے یا کل کا۔ صرف اسی مقدار کا مقصود ہونا تو ان کے نزدیک بھی نہیں اور جب سارے کا ثواب پہنچانا مقصود ہے تو سوال یہ ہیکہ جب وہ سامنے نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ سامنے رکھنا شرط نہیں پھر یہ تھوڑا کیوں سامنے رکھا گیا کیا اللہ میاں کو نمونہ دکھاتے ہیں یہ تو اور لغو حرکت ہے۔

(۶۱۱) فرمایا کہ چاندی خریدنے میں مشتری اگر بائع کو نوٹ دے تو جائز نہیں اس لئے کہ ثمن اور مبیع کا دست بدست ہونا شرط ہے اور نوٹ روپیہ نہیں ہے بلکہ یوں کرنا چاہئے کہ پہلے کہیں سے یا خود بائع سے نوٹ کا روپیہ لے لے اور وہ روپیہ قیمت میں دیدے۔

(۶۱۲) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خراب دوانی وغیرہ آگئی ان کا چلا دینا جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ جو خرابی سکہ ہی کی ہو وہ سرکاری کارخانوں میں دیدیجئے اور اگر کسی کو دیجئے تو ظاہر کر دیجئے کہ ایسی ہے۔ خواہ وہ کم میں لے یا برابر جائز ہے۔ جب آپ نے اسکو دیدی اب وہ چاہے کسی دوسرے کو دھوکہ سے دے یا ظاہر کرکے۔ آپ کے ذمہ کچھ نہیں اور جو خرابی بعد کی ہو وہ کسی کو بلا اطلاع دینا درست نہیں نہ سرکار کو نہ دوسرے کو۔

(۶۱۳) ایک صاحب نے پوچھا بنک میں روپیہ جمع کرنا کیسا۔ فرمایا یہ قرض ہے اور بنک اس کو حرام کاموں میں لگائے گا۔ اس نے اعانت کی ہے اور اعانت علی الحرام حرام ہے۔ مگر اسمیں بعض اقوال پر گنجائش ہے کیونکہ ہمارا قصد اعانت کا نہیں۔ اگر یہ شبہ ہو کہ بنک میں جمع کرنے سے نیت امانت کی ہے پھر قرض کہاں ہوا تو جواب یہ ہے کہ عقود میں نیت معتبر نہیں حقیقت معتبر ہے۔ اور یہاں حقیقت قرض کی پائی جاتی ہے کیونکہ امانت کا ضمان نہیں ہوتا اور یہاں ضمان ہے اس لئے قرض ہی ہوگا۔

(۶۱۴) کسی نے دریافت کیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ عموماً دارالحرب کے معنی غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جہاں حرب واجب ہو۔ سو اس معنی کر تو ہندوستان دارالحرب نہیں کیونکہ یہاں بوجہ معاہدہ کے حرب درست نہیں۔ مگر شرعی اصطلاح میں دارالحرب کی تعریف یہ ہے کہ "جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو" تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ امارات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا پورا تسلط ہونا ظاہر ہے۔ مگر چونکہ دارالحرب کے نام (علامات) سے پہلے غلط معنی کا

ہوتا ہے اس لئے غیر دارالاسلام کہنا اچھا ہے۔ پھر اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک دارالامن دوسرے دارالخوف۔ دارالخوف وہ ہے جہاں مسلمان خوفناک ہوں۔ اور دارالامن وہ جہاں مسلمان خوفناک نہ ہوں۔ سو ہندوستان دارالامن ہے[1] کیونکہ باوجود غیر مسلم کے پورے تسلط کے مسلمان خوفناک نہیں۔ اور حرب بھی درست نہیں کیونکہ باہم معاہدہ ہے

(۶۱۵) کسی نے کہا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ غیر دارالاسلام میں عقد ربٰو کو جائز لکھتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ لَا رِبٰو بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَ الْحَرْبِیِّ (مسلمان اور حربی کافر کے درمیان ربا اور سود (حرام) نہیں ہے) فرمایا کہ میری تحقیق یہ ہے کہ عقد جائز نہیں۔ ہمارے بعض اکابر جائز فرماتے تھے اس پر مجھ پر اعتراض ہوا تھا کہ آپ نے اپنے بڑوں کی مخالفت کی۔ میں نے جواب دیا کہ یہ مخالفت نہیں خلاف تو جب ہوتا کہ وہ ناجائز کہتے اور میں جائز کہتا میں نے تو احتیاط کو لیا۔ اگر کوئی احتیاط اختیار کرے تو ان کا کیا حرج۔ احتیاط تو اچھی ہے۔ وہ بھی یہی فرماتے کہ احتیاط پر عمل کرنے میں کیا حرج ہے اور وہ حضرات واجب تو نہیں کہتے کہ لینا ربٰو کا ضروری ہے۔ جائز کہتے ہیں۔ میں نے جو رسالہ لکھا ہے وہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دکھایا تھا اسکی تعریف کی مگر خلاف مشہور ہونے کے سبب دستخط نہیں فرمائے اسی کا نام تحذیر الاخوان فی تحقیق الربٰو فی الہندوستان ہے۔

(۶۱۶) ایک شخص نے دریافت کیا کہ وقار و تکبر میں کیا فرق ہے۔ فرمایا کہ کہاں تکبر، کہاں وقار۔ تکبر کہتے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو کمتر۔ وقار کے معنی ہیں کہ ایسی حرکتیں نہ کرنا جو واقع میں خفیف ہوں اور وقار میں یہ نہیں کہ اوروں کو کمتر سمجھے بلکہ وقار تو تواضع کا شعبہ ہے۔ جس قدر انکسار بڑھتا جائے گا سکون و سکوت کی شان بڑھتی جائیگی۔ تواضع کے لئے وقار لازم ہے اور تواضع تکبر کی ضد ہے۔

(۶۱۷) فرمایا کہ رجاء وہ معتبر ہے جس میں اسباب بھی جمع ہوں اور جس میں اسباب جمع نہ ہوں وہ غرور (دھوکہ) ہے۔ مثلاً جو شخص کھیتی کرتا ہے اور اسکے تمام اسباب کو جمع کرکے پھر امیدوار ہو کہ حق تعالیٰ مجھ کو دینگے تو یہ رجاء معتبر ہے۔ اور ایک شخص وہ ہے جس نے اسباب جمع نہیں کئے اور امیدوار ہے کہ اللہ میاں مجھ کو غلہ دیں گے تو یہ غرور ہے۔ بعض اہل لطف

[1] لیکن اب صورت حال بالکل مختلف ہو چکی ہے اسلئے اب دارالامن نہیں بلکہ دارالخوف ہے (م-ا)

نے بیان کیا ہے کہ رجار مستلزم ہے عمل کو۔ اگر عمل نہ ہو تو رجار کا تحقق ہی نہ ہوگا۔

(۶۱۸) فرمایا کہ جو شخص حق پر ہو تو اس میں بھی لوگوں کی دو حالتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر کرے یہ تو مطلوب ہے۔ اور ایک یہ کہ اس پر ناز ہو یہ جہل ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے۔ مثلاً ایک شئے ہے کہ دو شخص اس پر قابض ہیں مگر ایک تو مالک ہے اور دوسرا محض تحویلدار۔ سو مالک تو ناز کرسکتا ہے مگر تحویل دار نہیں کرسکتا بلکہ اس کو یہی اندیشہ لگا رہے گا کہ کہیں مجھ سے چھین نہ لے۔ اسی طرح اگر کسی نعمت پر بندہ میں کوئی خوف کی کیفیت ہے کہ کہیں مالک حقیقی اس نعمت کو سلب نہ کرے تو یہ شکر ہے کہ یوں سمجھ رہا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا عطیہ ہے ورنہ کبر ہے پس اہل حق کو چاہیئے کہ ترساں ولرزاں رہیں اہل باطل کو حقیر اور اپنے کو بڑا نہ سمجھیں

(۶۱۹) فرمایا کہ انبیار علیہم السلام کے علوم میں سے ایک علم امثلہ بھی ہے جو عارفین کو بھی مرحمت ہوتا ہے اس لئے احادیث میں امثلہ بہت ہیں۔ حضرت علیؓ کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ ایک ملحد نے آپ سے سوال کیا کہ انسان میں اختیار وجبر کیسے جمع ہوسکتے ہیں آپ نے ڈیڑھ بات میں اس کو سمجھا دیا۔ وہ کھڑا تھا اس سے کہا کہ اپنا ایک پاؤں اٹھاؤ اس نے اٹھالیا آپ نے فرمایا کہ دوسرا بھی اٹھاؤ وہ نہیں اٹھاسکا۔ آپ نے فرمایا کہ بس اتنا مجبور ہے اور اتنا مختار۔ اختیار بھی ہے اور جبر بھی ہے۔ آپ نے کیسا مثال سے سہل کر دیا۔ ایک اور ملحد نے آپ سے سوال کیا تھا معاد کے بارے میں جس کا وہ منکر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کم ازکم حشر اجساد محتمل تو ہے تو احوط یہی ہے کہ اسکے وقوع کا اعتقاد رکھیں کیونکہ اگر حشر نہ ہوا اور ہم اس کے قائل رہے تب تو کوئی پوچھنے والا نہیں کہ اسکے کیوں قائل ہوئے تھے اور اگر حشر ہوا اور تم منکر ہوئے تو پھر باز پرس ہوگی اسی کو کسی نے نظم کیا ہے ؎

قَالَ الْمُنَجِّمُ وَالطَّبِيبُ كِلَاهُمَا　　لَا يُحْشَرُ الْاَجْسَادُ قُلْتُ اِلَيْكُمَا

اِنْ صَحَّ قَوْلُكُمَا فَلَسْتُ بِخَاسِرٍ　　وَاِنْ صَحَّ قَوْلِيْ فَالْخَسَارُ عَلَيْكُمَا

(نجومی اور طبیب دونوں نے کہا کہ اجساد واجسام کا حشر نہ ہوگا۔ میں نے کہا ذرا ٹھہرو

اگر تم دونوں کی بات صحیح ہے تو میرا کوئی خسارہ نہیں۔ اور اگر میری بات صحیح ہے تو تم دونوں کا خسارہ ہی خسارہ ہے) بزرگوں کی نظر حقائق پر تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ مخاطب کو کسی طرح نفع ہو اپنے کو بڑھانا منظور نہ تھا جیسے آج کل بلا پھیلی ہوئی ہے۔

(۶۲۰) فرمایا کہ آدمی کو چاہیئے کہ اپنی حقیقت میں غور کیا کرے اور سمجھا کرے کہ جو برائیاں لوگ کرتے ہیں میں تو اس سے بھی زیادہ بُرا ہوں۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے اصل عیوب کو چھپا لیا میرے عیوب تو اس سے بھی زیادہ تھے پھر بُرا کیوں مانے۔ جیسے اندھے کو کوئی کانا کہدے تو اس کو شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اگر خوش بھی نہ ہو تو اس اہتمام میں تو نہ پڑے کہ مجھے کیوں بُرا کہا۔ اور کون کون اس میں شامل تھا اور کیا معنی ہوا بُرا کہنے کا اور اس کا ذفعیہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۶۲۱) ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث میں ہے لَاعَدْوٰی یعنی "مرض کا تعدیہ نہیں ہوتا" اس کے کیا معنیٰ ہیں کیا تعدیہ بالکل منفی ہے۔ فرمایا کہ دو حدیثیں ہیں ایک تو لَاعَدْوٰی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدیہ امراض کا نہیں ہوتا۔ اور دوسری حدیث ہے:
فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ کَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ کہ "جذامی سے ایسا بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو"
یہ ابن ماجہ کی روایت ہے اس سے ظاہراً بعض امراض کا تعدیہ معلوم ہوتا ہے یہاں دو وجہ تطبیق کی ہیں بعض تو عدوٰی کے قائل ہوئے ہیں کہ امراض میں تعدیہ ہوتا ہے اور لَاعَدْوٰی میں تاویل کی ہے وہ یہ کہ امراض کی ذات میں تعدیہ نہیں جیسے کہ اہل سائنس بالذات تعدیہ کے قائل ہیں کہ امراض کی ذات میں تعدیہ ہے۔ لَاعَدْوٰی میں اسکی نفی ہے۔ باقی جہاں خدا تعالےٰ کا حکم تعدیہ کا ہوتا ہے وہاں تعدیہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے لَاعَدْوٰی کو مطلق کہا ہے کہ تعدیہ بالکل ہوتا ہی نہیں۔ باقی مجذوم والی حدیث میں جو بچنے کو فرمایا۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکے پاس جانے والے کو اگر اتفاق سے یہ مرض ہو گیا تو وہ یہی سمجھے گا کہ مجھ کو اس سے بیماری لگ گئی۔ اس اعتقاد سے بچنے کے لئے آپ نے اختلاط سے منع فرمایا خلاصہ یہ کہ بعض نے لَاعَدْوٰی میں تاویل کی ہے۔ اور بعض نے مجذوم والی حدیث میں مگر اقرب یہ ہے کہ تعدیہ ہوتا ہے مگر باذنِ الٰہی ہوتا ہے بلا اذن نہیں۔ چنانچہ بریلی میں

ایک بنگالی ہندو کا قصہ ہوا کہ اس کا لڑکا مبتلائے طاعون ہوا۔ وہ ہندو اس کے پاس برابر لیٹتا تھا۔ اس کا سانس اسکے اوپر آتا تھا وہ لڑکا مر گیا۔ اس کو اسقدر صدمہ ہوا کہ اس کو اپنی زندگی بار معلوم ہونے لگی اس لئے قصداً اس کی استعمالی چیزیں خوب استعمال کرتا تھا کہ میں بھی مرجاؤں مگر نہیں مرا۔ بتلائیے کہ اگر تعدیہ بالذات ہوتا تو وہ کیوں بچتا اسی طرح اگر تعدیہ بالذات مانا جائے تو اگر کسی جگہ بیماری ہو تو قصبہ میں سے ایک بھی نہ بچے۔ ایک شفیق طبیب تھے جنھوں نے طاعونیوں کا علاج اس طرح کیا کہ دوا اپنے ہاتھ سے بناتے اور پلاتے ان کو گود میں لے لے کر بیٹھے کہتے تھے کہ ان کے ۹۲ مریضوں میں سے ۹۰ صحت یاب ہوئے ان میں بعض مریض اس قدر تیز مادہ کے تھے کہ انھوں نے ایک مریض کی نبض پر ہاتھ رکھا تو انگلی میں آبلہ پڑ گیا۔ مگر ان کا کان بھی گرم نہ ہوا۔ غرض بالذات صفت تو تعدیہ کی اس میں نہیں۔ البتہ اسباب ظنیہ کے درجہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متاثر ہونے یا نہ ہونے کا مدار قوت وضعف قلب پر ہے۔ ضعیف القلب پر اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں یہ مرض ہو اس کو چھوڑ کر چلا جانا جائز نہیں ہاں اس بستی میں ایک مکان میں سے دوسرے میں چلا جائے۔ ایک دقیق فرع اسکی یہ بھی ہے کہ اگر ساری بستی والے کہیں چلے جائیں کہ ایک بھی وہاں نہ رہے تو جائز ہے باقی یہ جائز نہیں کہ بعضے چلے جائیں اور بعضے وہیں رہیں۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ بعض کے چلے جانے سے باقی ماندوں کی دل شکنی و اضاعتِ حق ہوتا ہے کہ مریضوں کی تیمار داری کون کریگا حقیقی ہمدردی یہ ہے کہ جو اس مسئلہ سے ظاہر ہے۔ باقی لیڈر و یڈر لوگوں کی ہمدردی صرف باتیں ہی باتیں ہیں وہ تو بے دردی ہے ان کی تہذیب تہذیب نہیں تعذیب ہے۔ اطبا اور ڈاکٹروں کا یہ حال ہے کہ وہ کسی کو دیکھنے جاتے ہیں تو دور کھڑے رہتے ہیں۔ اس صورت میں مریض کی کیسی دل شکنی ہوتی ہوگی۔ وہ سمجھے گا کہ اس مرض کی وجہ سے پرہیز کر رہے ہیں اس کا دل کیسا ٹوٹے گا کہ جب مرض ایسا سخت ہے تو میں بھلا کیا بچوں گا۔ مئو میں ایک جماعت نے اپنے ذمہ طاعون والوں کی خدمت اور ان کا کفن دفن کرنا لیا تھا۔ چنانچہ ان کا کان بھی گرم نہ ہوا یہ بھی عدم تعدیہ کی دلیل ہے۔ سچی بات یہ ہے ؂

نبارد ہوا تا نہ گوئی ببار   زمین نا ورد تا نگوئی بیار
خاک و باد و آب و آتش بندہ اند   بامن و تو مردہ با حق زندہ اند

(ہوا نہیں برساتی ہے جبتک کہ آپ نہ کہیں کہ برس۔ اور زمین پیداوار نہیں لاتی ہے جبتک آپ حکم نہ دیں کہ لا)

(مٹی، ہوا، پانی، آگ سب خدا کے بندے اور محکوم ہیں۔ ہمارے تمہارے ساتھ تو مردہ ہیں لیکن خدا کے ساتھ زندہ (اور ہوشیار) ہیں)

(۴۲۲) ایک صاحب نے عرض کیا کہ بعض علماء منی آرڈر کو ناجائز کہتے ہیں۔ فرمایا عدم جواز کی جو بنا ہے اس میں کلام ہے۔ وہ بنا تو یہ ہے کہ ڈاک میں جو دیا جاتا ہے وہ قرض ہے اور قرض میں مثل لینا چاہیئے اور مثل نہیں لیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ دو آنہ تو داخل کیا جاتا ہے اور دس روپیہ صرف وصول کیا جاتا ہے اور یہ ربٰو ہے۔ اور امانت یوں نہیں کہہ سکتے کہ امانت میں چیز بعینہ پہونچنی چاہیئے اور بعینہ پہونچتی نہیں۔ اور وہ کلام یہ ہے کہ قرض تو مسلّم مگر وہ دو آنہ قرض نہیں بلکہ منی آرڈر کی فیس ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص قرض دے کر دوسری جگہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس میں کچھ لکھت پڑھت ہوتی ہے جس کے لئے عملہ کی ضرورت ہے۔ پس جو دو آنہ سرکار میں دیئے جاتے ہیں وہ قرض نہیں بلکہ عملہ کا خرچ ہے۔ سرکار اپنے عمل کی اجرت لیتی ہے دو آنہ اسکی اجرت ہے وہ جزو قرض نہیں۔ وہ تاویل جواز کی یہ ہے۔ باقی محض اس میں عموم بلوی کی تاویل نہیں ہوسکتی ورنہ غیبت میں بہت عموم بلوی ہے۔ بلکہ عموم بلوی وہاں چل سکتا ہے جہاں مسئلہ مختلف فیہ ہو وہاں اپنا مسلک بوجہ عموم بلوی ترک کرسکتے ہیں۔

(۴۲۳) ایک صاحب نے عرض کیا کہ ترکی ٹوپی پہننا کیسا ہے۔ فرمایا کہ مقتدا کو تو مناسب نہیں مگر چونکہ اس میں ایک گونہ عموم ہوگیا ہے اور پہلے کا سا خصوص نہیں رہا اس لئے عوام کو اجازت ہوگی۔

(۴۲۴) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا شامی میں لکھا ہے کہ اجتہاد بعد چوتھی صدی کے بند ہوگیا۔ فرمایا کہ ہاں۔ شامی میں نقل کیا ہے۔ پھر اگر کہیں منقول بھی نہ ہو تب بھی یہ

تو ایک واقعہ ہے جب ایسا شخص بعد چوتھی صدی کے پیدا نہیں ہوا تو لامحالہ یہی کہا جائیگا کہ باب اجتہاد بند ہو گیا۔ اور اس کا امتحان کہ اب ایسا شخص نہیں ہے بہت آسان ہے وہ یہ کہ جس شخص کو اجتہاد کا دعویٰ ہو وہ فقہاء کے فتاویٰ سے قطع نظر کر کے کلام اللہ و حدیث سے چند مسائل کو مستنبط کرے پھر ان ہی مسائل میں فقہاء کے کلام کو دیکھے گا تو خود ہی کہدے گا کہ واقعی کلام اللہ و حدیث کو فقہاء ہی نے سمجھا ہے۔

چنانچہ میں نے ریل میں ایک مدعی اجتہاد سے کہا تھا کہ دو شخص ہیں ایک کو حاجت وضو کی ہے دوسرے کو غسل کی۔ اور پانی ہے نہیں۔ دونوں نے تیمم کیا اور دونوں سب باتوں میں برابر ہیں صرف فرق اس قدر ہے کہ ایک نے تیمم وضو کا کیا ہے اور دوسرے نے غسل کا۔ بتلاؤ کون شخص ان دونوں میں سے مستحق امامت کا زیادہ ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ وضو کے تیمم پر زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس کی طہارت قوی ہے بوجہ اس کے کہ نجاست میں دونوں کے تفاوت تھا اور طہارت دونوں کو یکساں حاصل ہوئی پس جسکی نجاست اخف تھی اس کی طہارت قوی ہوئی۔ میں نے کہا اب فقہاء کا جواب سنو وہ یہ کہ متیمم عن الغسل کی امامت افضل ہے۔ کیونکہ تیمم نائب ہے اصل کا۔ اور غسل قوی ہے تطہیر میں بہ نسبت وضو کے۔ اور افضل کا نائب افضل ہوتا ہے۔ اس لئے غسل کا تیمم افضل ہوا اور یہ مسلم ہے کہ غسل والا افضل ہے امامت میں وضو والے سے۔ لہٰذا متیمم عن الغسل کی امامت افضل ہوئی۔ انصاف سے وہ کہنے لگے واقعی ہمارا فہم کچھ بھی نہیں۔

(۴۲۵) ایک شخص یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ (اے شیخ عبد القادر اللہ واسطے کچھ عطا فرمایئے) پڑھتے تھے۔ فرمایا کہ میں نے ان سے کہا کہ جب شیخ نہ تھے تو لوگ کیا پڑھتے ہوں گے اور خود حضرت شیخ کیا پڑھتے تھے۔ وہ چیز تو یقیناً بڑھ کر ہوگی اس سے جس کی بدولت حضرت غوث اعظم اس مرتبہ کو پہنچے تو وہی کیوں نہ پڑھو۔ درۃ المعارف میں لکھا ہے کہ میں ایکبار پڑھ رہا تھا "یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ" آواز آئی کہ کہہ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ شَیْئًا لِلّٰہِ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ کسی نے غلبۂ حال میں کہا ہوگا۔ اصل تو اسکی یہ ہے۔ اور اب وہ رائج ہو گیا۔

اپنے گھروں کو بچائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و ستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام اسکے آخری پیغمبر پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

زمانہ اس تیزی سے بدل رہا ہے کہ جس انقلاب کو پہلے ایک مدت درکار ہوتی تھی اب وہ دیکھتے ہی دیکھتے رونما ہو جاتا ہے۔ آج کا ماحول پندرہ بیس سال پہلے کے وقت سے موازنہ کرکے دیکھئے زندگی کے ہر شعبہ میں کایا ہی پلٹی نظر آئیگی۔ لوگوں کے افکار و خیالات سوچنے سمجھنے کے انداز، معمولات زندگی، معاشرت، رہن سہن کے طریقے، باہمی تعلقات غرض زندگی کے ہر گوشہ میں ایسا انقلاب برپا ہوگیا ہے کہ بعض اوقات سوچنے سے حیرت ہوتی ہے

کاش یہ برق رفتاری کسی صحیح سمت میں ہوتی تو آج یقیناً ہماری قوم کے دن پھر چکے ہوتے لیکن حسرت اور شدت حسرت، افسوس اور ناقابل بیان افسوس اس بات کا ہے کہ یہ ساری برق رفتاری الٹی سمت میں ہو رہی ہے کسی شاعر حکیم نے یہ مصرعہ مغرب کیلئے کہا تھا۔ مگر آج یہ ہمارا حال بن چکا ہے۔ ع

تیز رفتاری ہے مگر جانب منزل نہیں

اس بات کو کب اور کس کس عنوان سے کہا جائے کہ پاکستان اسلام کے لئے بنا تھا۔ اسلئے بنا تھا کہ یہاں کے باشندے احکام الٰہی کا عملی پیکر بن کر دنیا بھر کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم کریں لیکن ہماری ساری تیز رفتاری اسکی بالکل مختلف سمت میں صرف ہوتی رہی اور آجتک ہو رہی ہے۔ جن گھروں میں کبھی کبھی تلاوت قرآن کی آواز ابھرا کرتی تھی۔ اب وہاں صرف فلمی نغمے گونجتے ہیں جہاں کبھی اللہ و رسولؐ اور اسلاف امت کی باتیں ہوجایا کرتی تھیں اب وہاں باپ بیٹوں کے درمیان بھی ٹی وی فلموں پر تبصرے زیر بحث رہتے ہیں جن گھرانوں میں کبھی کسی اجنبی عورت کی تصویر کا داخلہ محال تھا۔ اب وہاں باپ بیٹیاں اور بہن بھائی ایک ساتھ بیٹھ کر نیم برہنہ رقص دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ جن خاندانوں میں کبھی حرام آمدنی سے آگ کے انگاروں کی طرح پرہیز کیا جاتا تھا۔ اب وہاں نسلیں کی نسلیں سود، رشوت اور قمار سے پروان چڑھ رہی ہیں۔ جو خواتین پہلے برقعہ کے ساتھ باہر نکلتی ہوئی ہچکچاتی تھیں اب وہ دوپٹے کی قید سے آزاد ہو رہی ہیں۔ غرض اسلامی احکام سے عملی اعراض اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مستقبل کا تصور کرکے بعض اوقات روح کانپ اٹھتی ہے۔

اس تشویشناک صورتِ حال کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں لیکن اس وقت اسکے صرف ایک سبب کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، خدا کرے کہ اسے اسی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سُن اور سمجھ لیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔

وہ سبب یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو لوگ دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اپنے گھر والوں کی دینی اصلاح و تربیت سے بالکل بے فکر ہو کر بیٹھ گئے ہیں، اگر آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو ایسی بیسیوں مثالیں آپ کو نظر آجائیں گی کہ ایک سربراہِ خاندان اپنی ذات سے بڑا نیک اور دیندار انسان ہے صلوٰۃ و صوم کا پابند ہے۔ سود، رشوت، قمار اور دوسرے گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اچھی خاصی دینی معلومات رکھتا ہے اور مزید معلومات حاصل کرنے کا شوقین ہے۔ لیکن اس کے گھر کے دوسرے افراد پر نگاہ ڈالئے تو اُن میں ان اوصاف کی کوئی جھلک خوردبین لگا کر بھی نظر نہیں آتی۔ دین، مذہب، خدا، رسول قیامت، آخرت جیسی چیزیں سوچ بچار کے موضوعات سے یک لخت خارج ہو چکی ہیں۔ ان کی بڑی سے بڑی خدمت اگر کچھ ہے تو یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مذہبی طرزِ عمل کو گوارا کر لیتے ہیں۔ اس سے نفرت نہیں کرتے لیکن اس سے آگے نہ وہ کچھ سوچتے ہیں نہ سوچنا چاہتے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اولاد کی مکمل ہدایت ماں باپ کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں بھی کنعان پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ فریضہ تو ہر مسلمان کے ذمہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔ اگر کوشش کے باوجود وہ راہِ راست پر نہیں آتے تو بلاشبہ وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کی طرف کوئی دلی توجہ نہیں کرتا اور اُس نے اپنے تئیں دین پر عمل کر کے اپنے گھر والوں کو حالات کے دھارے میں بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا ہے تو وہ ہرگز اللہ کے نزدیک بری نہیں ہے۔ اسکی مثال بالکل اُس احمق کی سی ہے جو اپنے بیٹے کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھے اور یہ کہہ کر الگ ہو جائے کہ جوان بیٹا اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے

کنعان بلاشبہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہی بیٹا تھا اور آخر دم تک اسکی اصلاح نہ ہو سکی۔ لیکن آپ بھی تو دیکھئے کہ اس جلیل القدر باپ نے اسے راہِ راست پر لانے کیلئے کیا کیا جتن کئے؟ کیسے کیسے پاپڑ بیلے؟ کس کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اسے تبلیغ کی؟ اس کے بعد بھی اُس نے اپنے لئے سفینۂ ہدایت کے بجائے کفر و ضلالت کی موجیں ہی منتخب کیں تو بیشک حضرت نوح علیہ السلام اسکی ذمہ داری سے بری ہو گئے۔ لیکن کیا آج

کوئی ہے جو اپنی اولاد کی اصلاح کیلئے فکر وعمل کی اتنی توانائیاں صرف کر رہا ہو؟

قرآن کریم نے ایک مسلمان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی بلکہ اپنے گھر والوں اپنی اولاد، اپنے عزیز و اقارب اور اپنے اہل خاندان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش بھی اس پر ڈالی ہے۔ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ احکام الٰہی پر کاربند کون ہوگا؟ لیکن آپؐ پر بھی نبوت کے بعد جو سب سے پہلا تبلیغی حکم نازل ہوا وہ یہ تھا کہ: ۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اور آپ اپنے قریبی اہل خاندان کو (عذاب الٰہی سے) ڈرائیے) چنانچہ اسی حکم کی تعمیل فرماتے ہوئے آپ نے اپنے اہل خاندان کو کھانے پر جمع فرمایا اور کھانے کے بعد ایک مؤثر خطبہ دیا جس کے مندرجہ ذیل جملے روایات میں محفوظ رہ سکے ہیں:۔

يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ يَا صَفِيَّةُ ابْنَةَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، سَلُوْنِيْ مَا شِئْتُمْ۔ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا اَعْلَمُ شَابًّا مِنَ الْعَرَبِ جَاءَ قَوْمَهُ بِاَفْضَلَ مِمَّا جِئْتُكُمْ بِهِ اِنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَقَدْ اَمَرَنِيَ اللّٰهُ اَنْ اَدْعُوَكُمْ اِلَيْهِ فَاَيُّكُمْ يُوَازِرُنِيْ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ عَلٰى اَنْ يَّكُوْنَ اَخِيْ[۱]

(اے فاطمہ بنت محمدؐ! اے صفیہ بنت عبد المطلب! اے بنی عبد المطلب! مجھے اللہ کی طرف سے تمہارے حق میں کوئی اختیار نہیں۔ تم (میرے مال میں سے) جتنا چاہو مجھ سے مانگ لو۔ اے بنی عبد المطلب! خدا کی قسم جو چیز میں تمہارے پاس لیکر آیا ہوں مجھے عرب میں کوئی جوان ایسا معلوم نہیں جو اپنی قوم کے پاس اس چیز سے بہتر کوئی شئے لایا ہو۔ میں تمہارے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرے ہاتھ مضبوط کرے اور اسکے نتیجے میں میرا بھائی بن جائے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی رہی ہے کہ انھوں نے اپنی تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے کیا اور خود احکام الٰہی پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اہل خانہ کی دینی تربیت پر اپنی پوری توجہ صرف فرمائی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے پہلے اپنی اولاد کو جمع کر کے جو وصیت فرمائی اس کا تذکرہ قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے:۔

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرَاهِيْمَ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۰ و ۳۵۱۔ ج ۳۔ المکتبۃ التجاریہ مصر ۱۳۵۶ھ

وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ (البقرہ ۱۳۳)

(جب یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس ذات پاک کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے آباء واجداد ابراہیمؑ، اسمٰعیل، اور اسحاق پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور ہم اسی کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں کہ:۔

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلۡ دُعَآءِ (ابراہیم: ۴۰) "اے میرے پروردگار مجھے بھی نماز کا پابند بنایئے اور میری اولاد کو بھی۔ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول کیجئے"

انبیاء علیہم السلام کی ایسی ایک دو نہیں دسیوں دعائیں منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اولاد اور اہل خاندان کی دینی اصلاح کی فکر ان حضرات کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام مسلمانوں کو خود عذاب الٰہی سے بچنے کی تاکید فرمائی وہاں گھر والوں کو بھی اس سے بچانے کی ذمہ داری ان پر عائد کی ہے، ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا (تحریم: ۶) "اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ" نیز ارشاد فرمایا:۔

وَ اۡمُرۡ اَهۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَ اصۡطَبِرۡ عَلَیۡهَا (طٰہٰ: ۱۳۲) "اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو"

قرآن وحدیث کے یہ واضح احکام اور انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت جاریہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایک مسلمان کے ذمہ صرف اپنی ذات کی دینی اصلاح ہی نہیں ہے بلکہ اپنی اولاد اور اپنے گھر والوں کی دینی تربیت بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اور درحقیقت اس کے بغیر انسان کو خود دین پر ٹھیک ٹھیک کاربند رہنا ممکن بھی نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کا سارا گھریلو ماحول دین بیزار اور خدا ناآشنا ہو، تو خواہ وہ اپنی ذات میں کتنا ہی دیندار کیوں نہ ہو ایک نہ ایک دن اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوگا، اس لئے خود اپنے آپ کو استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر رکھنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنے گردوپیش کو فکر وعمل کے اعتبار سے اپنا ہم مشرب بنایا جائے۔

آج ہمارے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے اس فریضے سے یکسر غافل ہو چکے ہیں بڑے

بڑے دیندار گھرانوں میں نئی نسل کی دینی تربیت بالکل خارج از بحث ہوگئی ہے اور اگلے وقتوں کے رنگ حالات کے آگے سپر ڈال کر اپنی اولاد کو زمانہ کے بہاؤ پر چھوڑ چکے ہیں۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ ہم نے تو اپنے اہل خانہ کو دینی رنگ میں رنگنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن زمانہ کی ہوا ہی ایسی ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا مگر بعض اوقات یہ خیال شیطان کے دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کتنی لگن، کتنے اضطراب اور کتنی دلسوزی کے ساتھ یہ کوششیں کی ہیں۔ اگر آپ کی اولاد جسمانی طور پر بیمار ہو جائے یا اس کا کوئی عضو خدانہ کرے آگ میں جلنے لگے تو آپ اپنے دل میں کتنی تڑپ محسوس کرتے ہیں اور یہ تڑپ آپ سے کیسے کیسے مشکل کام کرا لیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اپنی اولاد کو گناہوں میں مبتلا دیکھکر کبھی آپ نے اتنی تڑپ محسوس کی ہے؟ اگر واقعۃً اولاد کی دینی اور اخلاقی تباہی کو دیکھکر آپ میں اتنی ہی تڑپ پیدا ہوئی ہے جتنی اسے بیمار دیکھکر ہوتی ہے اور آپ نے اسے دینی تباہی سے بچانے کی ایسی ہی کوشش کی ہے جتنی جسمانی ہلاکت سے بچانے کے لئے کرتے ہیں تو بلاشبہ آپ نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

لیکن اگر آپ نے اپنے گھر والوں کی دینی تربیت میں اتنی لگن، ایسے جذبے اور اتنی کاوش کا مظاہرہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ایک معمولی سی آگ اپنے بچے کے قریب دیکھکر آپ کے سینے پر سانپ لوٹ جاتے ہیں اور جہنم کی ابدی آگ جس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، اُسے آپ اپنی اولاد کے سامنے منہ کھولے دیکھتے ہیں، مگر آپ کی محبت و شفقت کوئی جوش نہیں مارتی؟ اگر آپ اپنے ننھے سے بچے کے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول دیکھ لیتے ہیں تو اُس کے رونے دھونے کی پروا کئے بغیر جب تک اس کے ہاتھ سے وہ پستول چھین نہ لیں چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ جب دینی اولاد آپ کو دینی تباہی کے آخری سرے پر نظر آتی ہے تو آپ صرف ایک دو مرتبہ زبانی وعظ و نصیحت کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ آپنے اپنا فرض ادا کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے کبھی سنجیدگی اور اہتمام کے ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی مؤثر تدبیریں سوچی ہیں؟ جس لگن اور دلچسپی کے ساتھ آپ اپنی اولاد کے لیے روزگار تلاش کرتے ہیں کیا اتنی لگن کے ساتھ اسکی تربیت کے راستے تلاش نہ کئے ہیں؟ جس خضوع و خشوع اور سوز قلب کے ساتھ آپ ان کی صحت کیلئے دعائیں کرتے ہیں کیا اسی طرح آپ نے اُن کے لئے اللہ سے صراطِ مستقیم طلب کی ہے اگر (باقی)

دو بڑے عمل فرمایا کہ جو شخص دو چیزوں کا اہتمام کرے وہ بہت بڑا شخص ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی کی غی نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اپنی نگاہ کو نامحرم پر پڑنے سے محفوظ رکھے۔ یہ دونوں چیزیں ویسے تو معمولی م ہوتی ہیں مگر ان کا پورا پابند وہی شخص ہوگا جو ایک جانب تو اکرام مسلم کا کامل لحاظ رکھتا ہو کیونکہ ج دوسرے مسلمانوں کا احترام قلب میں ہوتا ہے تب ہی آدمی غیبت سے بچ سکتا ہے۔ یہ گویا دلیل ہوتی ہ کہ اس کے قلب میں مومن کا احترام اور اسکی عظمت موجود ہے۔ پس اس کا اہتمام رکھنا گویا حقوق العباد کرنا ہوا جو دین میں اہم رکھتا ہے۔

اسی طرح سے آنکھ کے مرض سے بھی وہی شخص بچ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت ہو کی کہ کی محبت باعث ہوتی ہے کہ آدمی غیر محبوب سے آنکھ بند کرے۔ اس طور پر یہ گویا دلیل اس امر کی ہے کہ ا قلب میں کامل تقویٰ اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا پورا پورا داعیہ موجود ہے۔

غرض ان دو عملوں کا جو شخص پابند ہے وہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ادائیگی کا جامع ظاہر ہے کہ اب ایسے شخص کے کمال میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بعض عمل د میں تو چھوٹا اور حقیر معلوم ہوتا ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم اور مقبول ہوتا ہے

بدرگاہ رسالتؐ پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ بات صبا کہیو ان سے وہ جن کی کملیا کالی ہے　　اب انکے غلاموں کے گھر کی دیوار الٹنے وا
کہیو کہ انھوں نے اپنی نظر کیوں ہم سے الگ فرمالی ہے　　ہم نے تو انھیں کے زلفوں کی زنجیر گلے میں ڈا
کہیو کہ دلوں پر چھائی ہوئی ہر سمت شکستہ حالی ہے　　دن بھی ہے بڑا سونا سونا اور رات بھی کالی کا
کہیو کہ یہ صورت حال ہے اب ہم منہ کو چھپائے پھرتے ہیں　　گردن پہ تو چہرے ہیں لیکن چہروں پہ کہاں لالی

کہیو کہ وہی تو ساقی ہیں کہیو کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں
رندوں کو لگی ہے پیاس بہت اور سب کا پیالہ خالی ہے

(کلیم عاجز)

شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۹ ستمبر ۱۹۹۳ء جلد ۱۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲، بخشی بازار الٰہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۹ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۳ء جلد ۱۲

قیمت فی پرچہ چھ ۶ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ ۶۰ روپیہ ششماہی پینتیس ۳۵ روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو ۱۰۰ روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۲- بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳
فون ۶۰۲۷۹۸

پرنٹر- پبلشر- صغیر حسن۔ - اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیبِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ :

کراہتی ہوئی دنیا زخموں سے چور عالم انسانیت کو امت کے اول وآخر رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی شفقت ومحبت سے زندگی گذارنے کا درس دیا اور سبق سکھایا اور صرف سکھایا ہی نہیں بلکہ عمل کرکے برت کرکے بھی یہ دکھلا دیا کہ اس نظام ونظریہ کے تحت مختصر سی مگر کانٹوں بھری زندگی بھی گلزار جنت بن سکتی ہے اور صرف دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت بھی اپنی نوع بہ نوع نعمتوں اور وسعتوں کے ساتھ اسکا استقبال کر سکتی ہے۔ ایک شفیق باپ اگر اپنے بچوں کے سامنے زندگی کے نشیب وفراز، خیر وشر، نفع وضرر کو اجاگر کرکے ایک جامع لائحہ عمل پیش کر دے کہ دیکھو اس میں خیر ہے اور اسمیں شر، یہ کرو اور وہ نہ کرو مگر اپنی بدقسمتی یا سرکشی سے اولاد ہی اس دستور کو پامال کرکے دردکی ذلت اٹھائے اور رسوائی کا طوق لئے پھرے اور شکوہ غریب باپ کا کرے تو بیچارے باپ کا کیا قصور ؟

اس دنیا کی ساری شفقت ومحبت اس محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں پر قربان! جسنے امت کی ہر موقع، ہر قدم، ہر موڑ پر راہنمائی کی اور اسوۂ عملی پیش کیا حکومت وعدالت، میدان جنگ کارزار حیات سے لیکر زندگی میں پیش آنیوالی تمام چھوٹی بڑی حاجتوں وضرورتوں کے لئے ایک لائحہ عمل متعین کر دیا لیکن بایں ہمہ اگر ہم ہوا وہوس میں جکڑ کر عمل نہ کریں اور غیر تو غیر کچھ اپنے ہی، روشن خیالی کے زعم باطل اور خدا فراموش انسانوں کی تقلید میں اسلام واسلامی نظام کو فرسودہ نظامِ حیات بنیاد پرستی وقدامت پسندی کا لقب دیکر اسے ٹھکرائیں اور قدم قدم پر الجھنوں کا شکار رہوں، ہر سانس زحمت بن جائے تو قصور کس کا ہے ؟ اس سراپا رحمت شریعت کا یا اپنی بدعقلی اور بدعملی کا ؟ آفتاب کی روشنی میں کسی کو سیاہی نظر آئے تو خلل اسکے دماغ یا ضعف بصر کا ہے۔ گلاب کے معطر پھولوں میں عطر بیزی کے بجائے کسی کو بدبو محسوس ہو تو قصور اسکی قوت شامہ کے فساد کا ہے۔ اللہ رب العزت ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت، اسوۂ حسنہ، نظام اور نظریۂ حیات کا مطالعہ کریں اور زندگی کے ہر شعبے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو رچانے بسانے کی کوشش کریں کہ شرور وفتن کے اس پرآشوب دور میں صرف اور صرف یہی اسوۂ حسنہ ہر درد انسانیت کا مداوا، زخموں کا مرہم اور جراحتوں کیلئے شفائے کامل ہے۔

ترقی یافتہ قوموں کے خودساختہ نظریات اور انکے نتائج بد کا دنیا اب مشاہدہ کر رہی ہے

ادہر سائنسی تجربات ومشاہدات سے اسلام کی حقانیت آفتاب کی طرح نکھر چکی ہے اور ابھی حال میں دنیا بھر کے ایک مشہور نظام حیات کا جو بدترین حشر ہوا اسکے عوامل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کیطرف دعوت دے رہے ہیں کاش کہ اگر اس موقعہ پر ہم اپنوں اور غیروں کے سامنے اسوۂ حسنہ کی ایک نقش تصویر پیش کر سکتے تو کیا عجب کہ ظلمت کے تہ بہ تہ پردوں سے افق در افق اسلام کی کرنیں مستقبل قریب میں پھوٹ نکلتیں۔

آج جب شر و فتن کا سیلاب ہر چہار سو سے اٹھتا چلا آرہا ہے، گھر گھر فتنہ، در در شر و فساد کا زور و شور اختلاف و باہمی نزاع نے عافیت تنگ کر رکھی ہے، پھر بظاہر مطمئن مگر کر دیئے تو دل لئے داستانوں سے بھرے ہوئے سینہ ہر قسم کی جراحتوں سے چاک چاک، اسکا صرف ایک ہی آخری اور موثر علاج ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ اور حیات طیبہ کا مطالعہ اور اسپر عمل ہے۔

آئندہ صفحات میں آپ مفتئ اعظم مولانا محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ کے ایک بلند پایہ مقالہ بعنوان "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر امن وسلامت کی حیثیت سے" مطالعہ کریں گے مقالہ میں اسلامی نظریہ اور نظام حیات کی بالادستی اچھوتے انداز میں پیش کی گئی ہے۔ مضمون کی اہمیت اور افادیت کے ساتھ ساتھ حضرت قدس سرہٗ کا درد و سوز میں ڈوبا ہوا انداز بیان عجب نہیں کہ فکر و خیال میں انقلاب برپا کر کے حیات مبارکہ اسوۂ حسنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنتوں کی اتباع کا داعیہ پیدا کر دے کہ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اس نازک و پرخطر دور میں جب ظالموں نے اسلام و شریعت اسلامی کو مجرم کے کٹہرے میں لاکھڑا کیا ہے ہمیں چاہیئے کہ شریعت وسنت کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور نہایت دلسوزی سے اپنے آل، اولاد، اعزہ و اقربا کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی ترغیب دلائیں اور اسلامی نظریات کے محاسن شرعی قوانین کی عظمت دل و دماغ میں اس طرح بٹھائیں کہ مغرب کے نظریات فاسدہ اور افکار باطلہ بجز ظلمات کے سوا کچھ بھی معلوم نہ ہوں، آخر کب تک بیمار یورپ کی فکری غلامی اختیار کیجائیگی اور کیا تھکے ہارے ہوئے انسانوں کے لئے اب بھی وقت نہیں آیا کہ بسیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے وابستہ ہو جائیں ؎

(بقیہ ص ۴۸ پر)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

پیغمبر امن وسلامت کی حیثیت سے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی خصوصاً
علی سیدنا محمد ن المصطفی ومن بہداہ اقتدی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ جس کے سننے سنانے کے لئے یہ مجلس منعقد کی گئی ہے درحقیقت شریعت اسلام اور قرآن کریم کی عملی تصویر کا دوسرا نام ہے جو اپنے دامن میں انسانی زندگی کے ہر دور اور گوشے کے لئے ایسی اہم ہدایات رکھتی ہے کہ ان کے بغیر کسی نظریہ اور نظام میں انسان کی فلاح وبہبود ناممکن اور انکو مکمل طور پر اختیار کرنے میں دین و دنیا کی مکمل فلاح وکامیابی یقینی ہے ہر شعبۂ زندگی اور اسکی متعلقہ ہدایات کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف صفات و حیثیات ہیں اور ہر صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو اپنی تحریر وتقریر کا موضوع بنایا جائے ؎

زفرق تابقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

(معشوق کو) سر سے پاؤں تک جس جگہ سے بھی غور سے دیکھتا ہوں اس کی محبوبانہ ادائیں دل کا دامن کھینچتی ہیں کہ بس یہی جگہ دیکھنے کی ہے)

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کسی ایک مجلس یا مقالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک صفت یا ایک حیثیت کا بھی پورا بیان کر دینا کسی کے بس میں نہیں اتنا ہی کیا جا سکتا ہے کہ اسکا کوئی اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے۔ احقر نے اپنے مقالے کا عنوان "امن عالم کی حیثیت" کو قرار دیا ہے اسی کے متعلق اپنی قدرت و بصیرت کی حد تک کچھ عرض کر رہا ہوں جس کو اقبال مرحوم نے اپنے ایک شعر میں بڑی بلاغت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ؎

مژدگی کہ فرنگی ہوسِ خام میں ہے امنِ عالم تو فقط دامنِ اسلام میں ہے

اس دنیا میں انسانوں کے مختلف طبقات میں چھوٹے سے لیکر بڑے تک بچے سے لیکر بوڑھے تک ان پڑھ جاہل سے لیکر ایک ماہر عالم اور بڑے سے بڑے فلاسفر تک ہر شخص کی جدوجہد اور محنت و کوشش میں اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو ثابت ہو گا کہ اگرچہ محنت اور کوشش کی راہیں مختلف ہیں مگر آخری مقصد سب کا ایک ہی قدر مشترک ہے اور وہ ہے "امن و سکون کی زندگی" اور کسی نظریہ کی صحت یا غلطی اور نظام کی خوبی یا خرابی کو جانچنے کا سیدھا سادھا راستہ بھی یہی ہے کہ اصل مقصد کو سامنے رکھکر دیکھا جائے کہ یہ نظریہ اور نظام ہمیں اس مقصد تک پہونچاتا ہے یا نہیں اور پہونچاتا ہے تو مکمل یا ادھورا اور جو نظریہ یا نظام مکمل طور پر اس مقصد تک پہونچانے میں کامیاب ہے وہ صحیح اور صراط مستقیم ہے اور جو مقصد تک پہونچانے میں ناکامیاب یا مقصد سے دور کرنے والا ہے وہ باطل اور گمراہی ہے اور جو کسی درجہ میں مقصد سے قریب کرتا ہے وہ ناقص اور ادھورا ہے۔

اس اصول کو تسلیم کر لینے کے بعد آئیے دنیا کے قدیم و جدید نظریات اور نظاموں پر نظر ڈالئے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی اور آپکی تعلیمات کا مطالعہ کیجیے اور سب کو اس نظر سے دیکھئے کہ ان میں سے کونسا نظریہ اور نظام ایسا ہے جو پوری دنیا اور تمام اولاد آدم کو مکمل امن و سلامتی سکون و اطمینان بخشنے میں کامیاب ہے۔

اس نظریاتی مقابلے میں اگر آپ نے اپنے ذہن کو گردوپیش کے تأثرات اور گروہی عصبیتوں سے آزاد رکھکر غور کیا تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ آپکو اسکا ایک ہی جواب ملے گا کہ امن عالم کا ضامن نظریہ اور نظام صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپکی تعلیمات میں منحصر ہے۔

اس معاملہ کی تفصیل اور تجزیہ میں جانے سے پہلے اس بات کو پیش نظر رکھئے کہ کسی قاتل ناحق کو قصاصاً قتل کرنا یا کسی چور کو سزا دینا، یا کسی بدمعاش کو مار پیٹ لرنا، ڈاکوؤں کے منظم گروہ سے جنگ کرکے انکو جرم سے روکنا یا ختم کرنا اگرچہ بظاہر کچھ انسانوں کو تکلیف میں ڈالنا یا ضائع کردینا ہے مگر یہ کسی سمجھدار انسان کے نزدیک عام دنیا کے امن وسلامتی کے منافی نہیں بلکہ عام انسانوں کے امن وسلامتی اور سلامت واطمینان کا واحد ذریعہ ہے اگرچند جرائم پیشہ لوگوں کو سزا دیکر تکلیف میں نہ ڈالا جائے تو پوری انسانیت کا امن وسکون برباد ہوجاتا ہے اور پوری دنیا بدامنی اور بے چینی میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد وغزوات اور آپ کے قائم کردہ حدود وتعزیرات سب اسی حقیقت پر مبنی ہیں جو اصلاح حال کی ساری تدبیروں سے مایوس ہوجانے کے بعد آخری علاج کے طور پر عمل میں لائی گئی ہیں۔ اب اس مسئلہ کی تنقیح کے لئے آگے بڑھئے۔

نظریہ اور نظام

میں نے اس جگہ دو لفظ استعمال کئے ہیں ایک نظریہ اور دوسرا نظام نظریہ سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کو انسان صحیح اور حق سمجھتا اور مقصود زندگی کو اسکے تابع چلاتا ہے اور نظام سے مراد وہ طریقۂ کار ہے جس کے ذریعہ کسی مقصد کو حاصل کیا جاسکے۔

انہیں دونوں چیزوں کے بگاڑ اور سنوار پر دنیا کی پوری قوموں کا بگاڑ اور سنوار موقوف ہے۔ جس کا نظریہ اور عقیدہ ہی غلط ہوگیا اور جس نے اپنا مقصد

زندگی ہی کسی غلط چیز کو بنالیا اسکا نظام کارکتنا ہی مستحکم اور معقول ہو وہ کبھی صحیح نتیجہ پر پہونچ نہیں سکتا اور جس کا نظریہ اور مقصد تو صحیح مگر نظام کار غلط یا ناموزوں ہے وہ بھی اپنی اس بے عملی سے اس نتیجہ کو حاصل نہیں کر سکتا جو صحیح عقیدے اور نظریے پر مرتب ہونا چاہیئے۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا کے امن وسلامتی کی ضمانت لیکر تشریف لائے ہیں آپ نے اس دنیا کو نظریہ بھی وہ دیا جو عقل وفطرت کی رو سے بالکل حق وصحیح ہے اور نظام بھی وہ عطا فرمایا جو ہر شعبۂ زندگی میں نہایت معتدل آسان اور فطری اور سو فیصد کامیاب ہے

اسلامی نظریے کے تین بنیادی اصول

اسلامی نظریہ جس کو لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے وہ تین اصول پر مبنی ہے توحید۔ رسالت، آخرت۔ توحید کا حاصل یہ ہے کہ ساری کائنات کا خالق ومالک اور حاجت روا صرف اللہ تعالےٰ کو مانا جائے۔ اسکی مخصوص صفات کمال علم، قدرت، خلق، تقدیر وغیرہ میں اسکے سوا کسی مخلوق کو شریک یا برابر نہ ٹھہرائیں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ اس جہان میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے اذن ومشیت سے ہوتا ہے اور اسکے اذن کے بغیر کوئی ذرہ نہیں ہل سکتا۔ سارا جہان اسکی ملک ومملکت ہے اس میں صرف اسی کا حکم اور قانون چلنا چاہیئے اسکے مخالف کوئی حکم اور قانون قابل عمل نہیں بلکہ قابل رد ہے۔ ہاں اس نے اپنے کرم سے مباحات کا ایک بہت بڑا وسیع دائرہ رکھا ہے جس میں انسانوں کو اپنے اپنے زمانے اور اپنے مقام کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کا حق دیا ہے۔

اور جب عقیدۂ توحید نے انسان کو بتلایا کہ سارے جہان کا مالک وپروردگار ایک ہے اسی کا حکم ماننا ہے اسکی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنا انسانیت کے خلاف ہے تو یہیں سے عقیدۂ رسالت خودبخود پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ

جل شانہ کی بلکہ دنیا میں کسی انسان کی کلی پسند و ناپسند کو کوئی انسان محض عقل سے معلوم نہیں کرسکتا جب تک اسی کی طرف سے اسکا علم نہ ہو لہٰذا احکام الٰہیہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں اور انسان اسکا اہل نہیں ہوسکتا کہ براہ راست اللہ تعالیٰ اس کو خطاب فرماویں اس لئے رسول کا واسطہ ضروری ہوا جو اللہ تعالیٰ کے احکام بتلائے اور پھر عمل کے ایسے طریقے بتلائے جو اللہ تعالیٰ کی پسند کے موافق ہوں اس کا قول و فعل احکام الٰہیہ کا ترجمان ہو

اور جب پہلے دو عقیدوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرنا فرض ہے اسکی خلاف ورزی جرم ہے تو یہیں سے تیسرا عقیدہ آخرت کا پیدا ہوا جس میں انسان کے بھلے برے اعمال کا حساب اور انکی جزاء و سزا کا ہونا لازماً ضروری ہوگیا ورنہ احکام اور رسول کا بھیجنا بیکار ٹھہرتا۔

غرض یہ تین اصولی عقیدے ایک دوسرے پر مرتب ہیں ان سب کی کلی اصل بنیاد توحید ہے اور وہی درحقیقت انسان کی ہر صلاح و فلاح اور امن و سلامتی، سکون و اطمینان کا سرچشمہ ہے جسکی تشریح عنقریب آئیگی۔ اسلامی عقائد کی تفصیل و تشریح کا یہ مقام نہیں اجمالاً اتنا ہی کافی ہے۔

نظام زندگی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو عطا فرمایا ظاہر ہے کہ اسکا رشتہ اسی نظریۂ توحید و خدا پرستی کے ساتھ وابستہ ہونا چاہیئے اور اس کے ساتھ اسکی وسعت میں وہ تمام اسباب معاش کلی ہونے چاہئیں جو ایک انسان کو دنیا میں عافیت و اطمینان کے ساتھ باعزت زندہ رہنے کے لئے ضروری ہیں گویا اسلامی نظام ایک سلسلہ ہے جس کا ایک سرا خالق کائنات سے ملتا ہے اور دوسرا مخلوق سے وابستہ ہے اسی رشتہ یا سلسلے قانون کو دین یا مذہب کہا جاتا ہے۔

دین فطرت اور صحیح مذہب وہی ہو سکتا ہے جو خالق و مخلوق

فطری مذہب وہی ہو سکتا ہے جو دین و دنیا اور معاش و معاد دونوں کی کامیابی کا ضامن ہو

دونوں کے حقوق کو اپنی اپنی حد میں پورا کرے اور جس کے ذریعے ایک انسان بیک وقت اللہ تعالیٰ سے بھی پورا تعلق قائم رکھے اور تمام مخلوقات سے بھی، اپنے نفس اور اہل وعیال اور سب متعلقین کی ضرورتیں بھی پوری کرے اور اپنے مالک خالق کو بھی ہر قدم پر راضی رکھے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء ورسل کے آنے کا مقصد وحید خالق ومخلوق میں اسی رابطہ کو مستحکم ومضبوط بنانا اور خلق خدا کو اسی نظام کا پابند بنانا رہا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اسی نظام کی تشریح وتکمیل کے لئے نازل ہوئیں اور اسکی عملی جامہ پہنانے کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے۔ کوئی آسمانی شریعت اور مذہب ایسا نہیں جس میں خدا وخلق دونوں کے حقوق کی ادائیگی اور تعلق مع اللہ اور تعلق مع الخلق کی ہمواری کا اہتمام نہ کیا گیا ہو جس کو دوسرے لفظوں میں معاش (یعنی دنیوی زندگی) اور معاد (یعنی اخروی زندگی) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اپنے اپنے زمانے میں ہر نبی ورسول معاش ومعاد دونوں کی صلاح وفلاح کا ضامن ہی ہو کر آتا رہا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ معاد یعنی اخروی زندگی سے قطع نظر کر لی جائے تو معاش یعنی دنیوی زندگی بھی پرلطف نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح معاش سے قطع نظر کر کے معاد کی فکر بھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ نصاریٰ کے دین میں جو رہبانیت (یعنی ترک دنیا) کی تعلیم بتلائی جاتی ہے وہ بھی عیسائیوں کی اپنی اختراع ہے نہ خدا تعالیٰ نے اسکا حکم دیا نہ انکے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ اسی لئے قرآن کریم نے واضح کر دیا وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (یعنی انھوں نے رہبانیت کی بدعت خود نکالی ہم نے انکو اس کا حکم نہیں دیا) غرض نہ معاد کے بغیر معاش

ت ہوسکتا ہے نہ عادۃً معاش کے بغیر عام لوگوں کے لئے معاد کی فکر کامیاب
ہے اور مر آنے والا رسول چونکہ خدا اور خلق کے درمیان ایک واسطہ کی
ن رکھتا ہے اسلئے اسکا اصل فریضہ یہی ہوتا ہے کہ وہ انسان کے معاد
ساتھ معاش کو بھی درست کرے اور معاد کی اہمیت و اولیت کو انکے
ں سے غائب نہ ہونے دے وہ جس قدر اس فریضہ کی ادائیگی میں کامیاب
ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہوتا ہے ۔ ارشاد ربانی
الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یعنی ہم نے ان رسولوں میں بعض کو بعض
ت دی ہے) انھیں درجات کامیابی کا نتیجہ ہے ۔

ہمارے آقا سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الرسل
ض رسالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
میابی تمام انبیاء علیہم السلام پر فائق ہے
مام الانبیاء قرار دینے کی بڑی وجہ بھی اصلاح خلق کے بارے میں آپکی
رت انگیز کامیابی ہے جو تمام انبیاء سابقین کے مقابلے میں خاص امتیاز
ہے

میدان حشر میں حسب تصریحات حدیث نبوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ت تمام انبیاء سابقین کی امتوں سے زیادہ بھی ہوگی اور فائق بھی

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کا زمانہ وہ انتہائی
زمانے، جس ملک اور جس قوم میں آنحضرت
ث ہوئے وہ اصلاح سے انتہائی دور تھی
ت و گمراہی کا زمانہ تھا جس میں پورا عالم انسانیت مشرق سے لیکر مغرب تک
سے اپنا رشتہ یکسر توڑ چکا تھا انسان خدا اور آخرت کو بھلا کر دنیا کے عام جانوروں
طرح صرف پیٹ بھرنے اور چند روزہ لذت حاصل کر لینے ہی کو اپنی معراج
سمجھ بیٹھا تھا قرآن کریم نے ان کے اسی حال کو بیان فرمایا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ

الدُّنْیَا وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا (یعنی یہ لوگ صرف دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے) اور حقیقت شناس اہل بصیرت کے نزدیک انکی مثال اسوقت اس بچے کی سی کھلی جو ایک کروڑ روپے کے چیک کو پھینک کر ایک جھنجھنے پر راضی ہو جائے۔ حقیقت شناس لوگوں کی نظر میں صرف دنیا پر مٹنے والے لوگ سب کے سب نا بالغ بچے ہیں جو حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ دانائے رومؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

خلق اطفال اند جز مرد خدا　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(سوائے اللہ والوں کے ساری مخلوق بچوں جیسی ہے بالغ تو وہی ہے جو خواہشات نفسانی سے چھٹکارا پا چکا ہو)

دنیا کی رنگینیوں میں مست ہو کر خدا اور آخرت کو بھلا دینے والا درحقیقت رنگین پردوں کو اپنا محبوب سمجھ بیٹھتا ہے یہاں ضرورت ہوتی ہے کسی حقیقت شناس صاحب بصیرت کی جو اسکی نگاہ کو ان پردوں سے آگے بڑھا کر مقصود اصلی تک پہونچا ئے۔ مولانا جامیؒ نے فرمایا ؎

ہمہ اندر زمن تُرا ازین ست　　کہ تو طفلی و خانہ رنگین ست

(تمھارے لئے میری یہ تمام پند و نصیحت اسوجہ سے ہے کہ تم بچے ہوا ور پورا گھر رنگین ہے (اسلئے اسکے اندر کی کوئی چیز اپنی اصل حقیقت کے ساتھ نظر نہیں آتی کہیں ایسا نہو کہ تم دھوکہ کھا جاؤ)

اور جب کوئی ان رنگین پردوں کا فریب خوردہ حقیقت سے روشناس ہو جاتا ہے تو بیساختہ کہہ اٹھتا ہے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

خدا تمھیں جزائے خیر دے کیونکہ تم نے میری آنکھیں کھولدیں اور مجھکو معشوق حقیقی کے ساتھ ہمراز اور آشنا بنا دیا)

اس وقت اسکو محسوس ہو جاتا ہے کہ میں نے جس چیز کو اپنا محبوب بنایا ہوا تھا وہ

محض ایک فریب تھا محبوب اس سے وراء الورا تھا سہ

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

غرض خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ بعثت وہ زمانہ ہے جب تقریباً ساری دنیا خدا، آخرت اور معاد کا سبق قطعاً بھلا کر صرف معاش کے پیچھے پڑی ہوئی تھی انسان اپنی اصلی حیثیت کو بھلا کر زیادہ سے زیادہ ایک ہوشیار جانور بنکر رہ گیا تھا جو اپنی ہوشیاری سے دوسرے جانوروں پر حکومت کرتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئینۂ حقیقت نما دکھلا کر انکو انکی اصلی صورت و شکل اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کیا جس کا حاصل خدا شناسی اور خدا پرستی ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تصورِ معاد کے بغیر معاش بھی کبھی ہموار نہیں ہو سکتا اس لئے ان کے معاش میں بھی طرح طرح کی ناہمواریاں، ظلم و جور، چوری، ڈاکہ، بدمعاشی عیاشی، بیحیائی بری طرح چھا گئی تھیں۔

یہ وہ سنگلاخ زمین اور ظلم و ظلمت سے لبریز فضا تھی جو سید الرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح کے لئے عطا ہوئی پھر اسوقت کی دنیا اگرچہ خدا اور آخرت کو ساری ہی بھلا چکی تھی مگر انسانی معاشرت تہذیب اور تعلیم کے اعتبار سے اس کے خطوں میں خاصا تفاوت تھا۔ مصر و شام و ہند، چین معاشی علوم و فنون میں اور اس کے ساتھ انبیاء سابقین کی لائی ہوئی تہذیب کے مٹے ہوئے آثار میں دوسرے ملکوں اور خطوں سے ممتاز تھے۔ خصوصاً ملک شام میں انبیاء بنی اسرائیل اس کثرت سے مبعوث ہوئے تھے کہ مٹتے مٹتے بھی انکی تعلیم کے بعض آثار وہاں قائم تھے۔

مگر رب العزت نے اپنے آخری رسول کی پیدائش اور بعثت کیلئے ان سب مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک سے ہٹ کر اس خطہ کا انتخاب فرمایا جو نہ زراعتی ملک ہے نہ تجارتی نہ صنعتی اور تعلیمی بلکہ اس ملک کے باشندوں کا امتیاز ہی یہ تھا کہ

اُمیّین (یعنی اَن پڑھ) کہلاتے تھے ۔ انھیں میں آپ پیدا ہوئے انھیں میں جوان ہوئے ، انھیں میں مبعوث ہوئے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا) میں حق تعالےٰ نے آپ کے اسی کمال کو واضح فرمایا ہے کیونکہ کسی ماہر بڑے ڈاکٹر کا کمال اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب اسکو کسی سسکتے ہوئے قریب المرگ مریض کا علاج کرنا پڑے اور وہ اس میں کامیاب ہو ۔ اہل عرب عمومًا جاہل تھے بجز ان چند افراد کے جو ملک شام وغیرہ میں جاکر کچھ تعلیم حاصل کر آئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا کبھی کہیں موقع نہیں ملا کہ کسی تعلیمی جگہ میں چند روز قیام کرکے وہیں سے کچھ سیکھ لیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا آپکی شان رسالت کے لئے طغرائے امتیاز تھا

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کبھی اعلیٰ وصف امی ہونا تھا ۔

یہ یاد رہے کہ اُمی کے معنی اَن پڑھ کے ہیں یعنی جس نے کسی انسان سے پڑھا نہو ۔ اسکے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ بے علم ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے والی صورت اِقراء میں یہ بتلا دیا ہے کہ علم حاصل ہونے کی جیسے ایک صورت معروف ومشہور یہ ہے کہ استاد اور قلم کے ذریعہ سے حاصل کیا جائے اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بدون ان واسطوں کے براہ راست علم عطا فرمادے اسی لئے سورۂ مذکورہ میں عَلَّمَ بِالْقَلَمِ[1] کے بعد عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ[2] فرماکر اس دوسری قسم کی طرف اشارہ فرمادیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ امی تھے آپ نے کسی معلم یا استاد سے کچھ نہیں سیکھا مگر حق تعالےٰ نے آپکی تعلیم کا خود تکفل فرمایا اور آپ کو تمام علوم اولین وآخرین کے خزانے عطا فرمادیئے

اُمّیٔ لوح خوانِ ما اَوحیٰ　　نقد یثرب سُلالۂ بطحا

---

[1] قلم کے ذریعہ تعلیم دی [2] انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دیدی جنکو وہ نہیں جانتا تھا ۔

(آپ ایسے امی ہیں جو وحی کے صحفِ مبارک کو پڑھ لیتے ہیں اور مدینہ کا سرمایہ اور مکہ کا خلاصہ ہیں)

آپ کی زبان مبارک پر علم و حکمت کے وہ راز کھلے جس کو سنکر دنیا کے عقلا و فلاسفر حیران رہ گئے۔ آپکی ہدایات و تعلیمات خود ہی معجزہ اور بہت بڑا معجزہ بن کر لوگوں کے سامنے آئیں کہ ان کو سننے والا یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ علیم و خبیر کی دی ہوئی ہدایات ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کی حیرت انگیز خصوصیات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف علم کے خزانے عطا فرمائے گئے بلکہ تعلیم و تربیت کے وہ انداز بھی آپکو سکھلا دیئے گئے جن سے کام لیکر آپ نے ان جاہل، ناسمجھ، خود را سے مغلوب الغضب، جنگجو لوگوں کو انسان کامل کا پیکر بنادیا اور یہ قریب الموت بیمار نہ صرف شفایاب ہوئے بلکہ دنیا کیلئے مسیحا ثابت ہوئے۔ دنیا کے انصاف پسند غیر مسلم بھی آج تک ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیاست اور عدل و انصاف کا لوہا ماننے پر مجبور ہیں۔ مسٹر گاندھی کا وہ ہدایت نامہ ابھی تک بہت لوگوں کو یاد ہوگا جو انھوں نے اپنے کانگریسی وزرا کو لکھا تھا جس میں یہ ہدایت درج تھی کہ ابوبکرؓ و عمرؓ جیسی حکومت کرو۔ اور جب اس پر ان کے ہم مذہب بعض ہندوؤں نے غیرت عصبیت کی بنا پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے ہندو مصلحین میں سے کسی کا نام کیوں نہ لیا؟ تو مسٹر گاندھی نے اسکا جواب بھی اپنی انصاف پسندی سے یہ دیا کہ ہندو مصلحین کی حکایات زمانۂ قبل از تاریخ کی کہانیاں ہوکر رہ گئی ہیں زمانۂ تاریخ میں مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ سے بہتر حکومت کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

یہ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی اسی قوم امیین کے افراد تھے۔ یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ان کے یہ علمی، عملی اور اخلاقی کمالات کہاں سے آئے؟ یہ نہ کسی تعلیم گاہ کے فاضل تھے نہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے سند یافتہ انھوں نے صرف نبی الانبیا حکیم الحکما کی

چند روزہ صحبت پائی تھی جو کچھ سیکھا وہیں سے سیکھا ؎

دل میں سما گئیں ہیں قیامت کی شوخیاں دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم تو خلافت راشدہ کے اعضا ہیں اسکی وجہ سے تمام دنیا کی نظریں ان پر پڑتی ہیں لیکن جن لوگوں نے عرب کے حالات قبل از اسلام اور بعد از اسلام کا کبھی موازنہ کیا ہو وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک صحابی آپ کا مستقل معجزہ ہے انکی علمی وعملی، اخلاقی کایا پلٹ بلاشبہ معجزہ ہی ہوسکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیس سال تو ایسی خموشی اور یکسوئی میں گذرے کہ مکے کے باشندے آپکی ثقاہت وامانت اور شرافت نفس کے تو ایسے قائل تھے کہ پورے مکہ میں آپ کا لقب امین مشہور تھا مگر کسی بازار کسی جلسے کسی ہنگامے میں کبھی شرکت نہ فرمائی۔

شعر و شاعری عرب کی فطری چیز تھی ہر مرد وعورت شعر کہتا اور اسکو اپنے قومی جلسوں میں سناتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان امتیاز کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپکو اس ظاہری وجہ شہرت سے بھی الگ رکھا اور قرآن میں فرمادیا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ ہم نے ان کو شعر نہیں سکھلایا اور شعر گوئی آپکے کسیطرح شایان شان بھی نہ تھی۔ غرض چالیس سال تو بالکل خموشی اور یکسوئی میں گزرے اسکے بعد جب آپکو عہدۂ نبوت و رسالت عطا ہوا، وحی الہٰی کا فیضان ہوا تو تاریخ شاہد ہے زمانۂ نزول وحی کے ابتدائی تیرہ سال جو مکہ میں گذرے ہیں وہ آپکے رفقا رمسلمانوں کے لئے انتہائی سخت اور صبر آزما تھے۔

پوری قوم کی مخالفت اور شدید مشکلات اور حیرت انگیز کامیابی

جہاں بلند آواز سے اذان دینے پر قدرت نہ تھی، جہاں دوستی کے جواب میں دشمنی، خیرخواہی کے جواب میں

پھراؤ، کلمہ حق کے جواب میں گالیوں کے سوا کچھ نہ تھا ان حالات میں کوئی اصلاحی اسکیم کے قدم چل سکتی اور کٹنے سے بڑا مصلحِ اعظم کیا کر سکتا تھا مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد صلاحیت اور حکمت و دانشمندی اور خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ انتھک کوشش اور مایوس کن حالات سے مایوس نہ ہونا ایسے اوصاف تھے جو بالآخر میدان جیت کر رہے۔

مکی دور زندگی تو انھیں حالات میں گذرا مدینہ طیبہ کی زندگی کے بعد کا دس سالہ دور ایسا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے سکون واطمینان کا اور تعمیری پروگراموں کو بروئے کار لانے کا زمانہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہی دس سالہ دور ہے جس میں بدر واحد، خندق وخیبر، فتح مکہ وحنین کے عظیم الشان معرکے اور اسی طرح کے ستائیس غزوات ہوئے جن میں خود سرور کائنات بنفس نفیس شریک ہوئے اور سینتالیس وہ معرکے ہیں جن میں خود تشریف نہیں لے گئے صحابہ کرام کو بھیجا گیا جن کو سرایا کہا جاتا ہے۔ ستائیس غزوات اور سینتالیس سرایا کل چوہتر معرکے ہیں جو ان دس سال میں سر کرنے پڑے اسی میں دوسری قوموں سے معاہدات اور ان کی طرف سے عہد شکنی کے واقعات بھی سامنے آئے۔ اگر دنیا اور اقوام دنیا کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو کیا کسی کو کوئی تصور ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے نرغوں میں گھری ہوئی کوئی حکومت اپنے اس دس سالہ دور میں بھی کوئی تعمیری کام بروئے کار لا سکتی ہے لیکن دنیا کی نگاہوں نے دیکھا کہ اسی دس سالہ عہد نبوی میں پورا جزیرۃ العرب اسلام کے زیر نگیں آگیا تھا اور اسکی ہر بستی اذان وتلاوت قرآن کی آوازوں سے گونج رہی تھی اور اسکے ہر صوبے ہر خطے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال بڑے آب وتاب سے اسلامی قانون جاری کر رہے تھے

پورے قلمرو اسلامی میں عدل وانصاف مفت، فوری اور جبری تھا امن وامان کا یہ عالم تھا کہ جس خطہ میں صدیوں سے کسی کو آزادانہ سفر ممکن نہ تھا ایک کمزور بڑھیا اس میں بڑی آزادی کے ساتھ سفر کرتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی آپ ہی کے عہد میں پوری ہوگئی تھی کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ ایک آدمی صنعا یمن سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔ جس ملک میں کسی کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہ تھی وہاں غیر محرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ تھا وہ لوگ جن کا پیشہ رہزنی تھا وہ عام لوگوں کے اموال کے نگراں اور محافظ بن گئے۔ تھے خلیج فارس سے لیکر حدود شام تک تو یہ امن وسلامتی سکون و اطمینان خود عہد نبوی میں پہونچ چکا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر پچیس سال گذرنے نہ پائے تھے کہ یہ اسلامی نظریہ اور نظام آپ کے صحابۂ کرام کے ہاتھوں اپنی برقی رفتار سے بڑھکر پورے عالم میں پھیل چکا تھا۔

اسلام اور تلوار کا افسانہ

اسلام کی اس حیرت انگیز ترقی سے تو موافق و مخالف ساری دنیا ہی حیرت زدہ ہے یوروپین مورخین کی کتابیں اس پر اظہار حیرت سے پُر ہیں۔ کچھ متعصب لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب انکو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یہی کہنے لگے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے اور یہ ایسا جھوٹ ہے کہ شاید اس آسمان کے سائے میں ایسا بڑا جھوٹ کوئی نہ بولا گیا ہوگا' ساری باتوں سے قطع نظر کرکے کوئی پوچھے کہ جن لوگوں کو تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی بوچھار کے سائے میں اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا گیا ہو کیا انکی شان یہی ہوتی ہے جو قرونِ اول کے عام مسلمانوں میں مشاہدہ کیجاتی تھی کہ اللہ اور اسکے رسول اور اسلام کے ایسے فدائی ہیں کہ اسکے مقابلہ میں نہ مال و دولت کی پرواہ ہے، نہ بیوی بچوں کی، نہ اپنے تن من کی۔ اور کوئی پوچھے کہ تلوار کا کام تو اسلام کے بالکل آخری دس سال میں ہوا ہے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جو اسلام کی اشاعت اور اس میں داخل ہونے والوں کی کثرت نے قریش مکہ کو خوف زدہ کیا ہوا تھا اس وقت کونسی تلوار چل رہی تھی یہاں اسلام سے روکنے کے لئے ہر تلوار اور ہر طاغوتی قوت پوری سرگرمی سے میدان میں آئی ہوئی تھی

بلال حبشیؓ کے سینہ پر پتھر رکھکر ان کو احد کہنے سے روکا جاتا تھا، سلمان فارسیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی بات پوچھنے پر طمانچے لگائے جاتے تھے، صہیبؓ رومی پر تیروں کی بوچھار ہوتی تھی، ہر مسلمان ہونے والے پر کوئی ستم نہ تھا جو نہ توڑا جاتا ہو مگر اللہ کے بندے تھے جو ان طاغوتی قوتوں کے زیر سایہ موت سے کھلاڑیاں کرتے ہوئے مسلمان ہو رہے تھے ہاں یہ بھی تو سوچئے کہ تلوار تو جب ہی چلی ہوگی جب تلوار چلانے والوں کا کوئی جتھہ کوئی قوت پیدا ہوگئی ہوگی ؛ تو کوئی پوچھے ان تلوار چلانے والوں کو کس تلوار نے اسلام کا ایسا فدائی بنا دیا تھا کہ سر سے کفن باندھکر ہر میدان میں سر بکف کھڑے نظر آتے تھے حقیقت یہ ہے کہ اس سفید جھوٹ کی تردید کرنا بھی سچ کی توہین ہے ۔

اسلام کی حیرت انگیز کامیابی اسکے اصول و نظریات کا لازمی نتیجہ ہے کوئی معجزہ نہیں جو اب نہ ہو سکے

ہاں اسلام کی حیرت انگیز ترقی کو ممکن ہے کچھ نادان لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ سراسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اسباب و تدبیر کو اس میں کچھ دخل نہیں لیکن غور کیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار اور اپنی جگہ یقینی ہیں اور ان فتوحات میں بھی ان کا ظہور رکھلا ہوا ہے لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ایک معجزہ اور خرق عادت تھا جو ہو چکا اب نہیں ہو سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظریہ اور نظام درجۂ اسباب میں بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جب ان کو پورا پورا عمل میں لایا جائے تو اسکے یہی برکات و آثار ہر زمانے ہر ملک میں رونما ہو سکتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اسلامی نظریہ اور اسلامی نظام ہی دنیا میں امن و سلامت کے ضامن ہیں

مجھے اپنے اس مقالہ میں درحقیقت یہی دکھلانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ جس نے عام دنیا کو ایک صحیح نظریہ اور مستحکم عادلانہ نظام دیا ہے وہ بجائے خود دنیا کی امن و سلامتی کا

ضامن ہے اسکی مزید توضیح کے لئے آیئے ذرا اس نظام کا تجزیہ کرکے دیکھیں کہ اس میں وہ کون سی روح ہے جس کے جلو میں دنیا کی امن وسلامتی گردش کرنا چاہتی ہے ۔ سنیئے! کسی عالمگیر تحریک اصلاح کے لئے یہ ظاہر ہے کہ کسی کی انفرادی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اجتماعی نظام کی ضرورت ہوتی ہے یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ اس میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں اسی لئے ہر قوم و ملت میں جب کوئی اصلاحی تحریک اٹھائی جاتی ہے تو اسکے پیچھے قوم کی اجتماعی قوت ہی کام کرتی ہے ۔

لیکن یہاں ایک دھوکہ بڑے بڑوں کو لگ جاتا ہے اور عام دنیا اسی دھوکہ کا شکار ہے جس کی وجہ سے انکی اجتماعی کوششیں عالمگیر اصلاح کے معاملہ میں ناکام ہوجاتی ہیں وہ یہ کہ اجتماع اور اجتماعی قوت کا کوئی الگ وجود نہیں ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہو یا زمین سے اگتا ہو بلکہ افراد کے مجموعہ کا نام اجتماع اور انکی مجموعی طاقت اجتماعی طاقت ہوتی ہے اگر کسی قوم کے افراد صحیح نہیں تو انکا اجتماع بھی صحیح نہیں ہوسکتا بوگس وناکارہ افراد کی بھیڑ کوئی اصلاحی کام نہیں کرسکتی بلکہ اسکو باقی بھی نہیں رکھ سکتی افراد کا درجہ اجتماع میں ایسا ہے جیسے مشین میں اس کے پرزوں کا جب پرزے ہی درست نہوں تو مشین کی فٹنگ کیسے درست ہوسکتی ہے اور کسی طرح فٹ بھی کردیا تو وہ دیر تک چل نہیں سکتی ۔

اجتماعی کام سے پہلے افراد سازی

حکیم الحلماء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گر کو سمجھا اور اختیار فرمایا ہے کہ کوئی اجتماعی کام کرنے سے پہلے افراد سازی کا کام سب سے اہم ہے اور درحقیقت یہی کام سب سے زیادہ مشکل بھی ہے ایک فرد کے ذہن کو صحیح نظریہ پر ہموار کرنا پھر اسکے اعمال و اخلاق کو اس نظریہ کے مطابق ڈھالنا بڑا وقت اور بڑی محنت چاہتا ہے عطاءِ نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کل تیئیس سال باقی ہے جس میں سے مکی دور کے تیرہ سال پورے صرف اسی افراد سازی کے کام میں صرف ہوئے ہیں ۔

نبوت کا مکی دور صرف افراد سازی میں صرف ہوا

مکی اور مدنی دور کا تجزیہ کریں تو

بعض حضرات اسکو صرف ضعف وقوت کی دو حالتوں میں تقسیم کر کے مکی دور کو ضعف کا اور مدنی دور کو قوت کا دور قرار دیتے ہیں اور احکام و واقعات کو اس کے تابع کرتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو صرف ضعف و قوت ہی تفاوت احکام کا سبب نہیں بلکہ دوسری حکمتیں بھی اس میں مستور ہیں ورنہ مشرکین مکہ کی زیادتیوں کا کچھ نہ کچھ مقابلہ ضعف کے باوجود مکہ میں بھی کیا جا سکتا تھا۔

بظاہر حکمت یہ تھی کہ مکی دور میں افراد سازی ہی کا کام پیش نظر تھا کوئی اجتماعی کام خواہ دفاع کا ہو یا اقدام کا اسکی تکمیل سے پہلے صحیح نہ تھا۔ جب تک کسی مشین کے پرزے درست نہوں تو ان سے کوئی مشین اور فیکٹری کیسے تیار کی جا سکتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا کارنامہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن و اطمینان اور سکون کے علمبردار ہو کر تشریف لائے تو آپکی نظر حقیقت شناس اس پر پڑی کہ یہ کام تنہا نہ کسی سلطنت و حکومت سے ہو سکتا ہے نہ صرف قانون اور قانونی مشینری سے جب تک انسان کو صحیح معنوں میں انسان نہ بنایا جائے اور اسکو صحیح انسانیت سے روشناس نہ کیا جائے اسوقت تک یہ دنیا ظلم و جور، قتل و غارتگری، بے حیائی اور بدمعاشی کا جہنم ہی بنی رہے گی کیونکہ حکومت کوئی کام اپنے اعوان و انصار ہی کے ذریعہ عمل میں لا سکتی ہے اور قانون کوئی خودکار مشین نہیں ہوتا کہ خود بخود چلے بلکہ اس کو نافذ کرنے والے انسان ہی ہوتے ہیں جب انسان صحیح معنی میں انسان نہوں تو کوئی قانون اور کوئی دستور اور کوئی حکومت مفاسد کی اصلاح، جرائم کا سد باب اور دنیا میں امن وامان پیدا نہیں کر سکتی اس لئے مکی دور کے تیرہ سال پورے اس افراد سازی کے کام پر صرف کئے گئے جس میں پیغمبرانہ حکمت کے ساتھ کچھ انسانوں کو انسان کامل بنایا گیا

یہ افراد سازی کا کام مکہ مکرمہ کے ایک گمنام گوشہ میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر ہوتا تھا جو دار ارقم کے نام سے موسوم صفا و مروہ کے درمیان واقع تھا اور حالیہ توسیع حرم سے پہلے تک موجود و محفوظ تھا۔

عمر بن الخطابؓ اسی مکان پر ننگی تلوار لئے ہوئے پیغمبر امن و سلامت کا قصہ ختم کرنے کے قصد سے آئے اور پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہوکر آپکی غلامی کی سعادت لیکر لوٹے تھے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح کسی خاص قوم یا خاص خطہ، ملک یا خاص زمانے کے رسول بنکر نہیں آئے تھے بلکہ آپکی بعثت اور دعوت پوری دنیا کے جن وانس کے لئے اور تا قیامت پیدا ہونے والی نسلوں کے لئے عام تھی اور فرض منصبی آپ کو یہ سپرد تھا کہ پورے عالم کی اصلاح کرکے سب انسانوں کو دنیا میں امن وسکون اور عزت وعافیت کی زندگی عطا کریں اور انکو اس قابل بنائیں کہ آخرت میں اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوکر وہاں کی دائمی راحت کے وارث بنیں اس مقصد کے لئے سب سے پہلا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ انسانوں کا ایک مثالی معاشرہ پیدا کرنا تھا جو اس عظیم مقصد میں آپ کے دست وبازو بنیں اور آئندہ اس بارگراں کو خود سنبھالنے کے قابل ہوں ۔ یہ افراد سازی کا عظیم الشان کام جو دار ارقم کے گمنام گوشہ میں شروع ہوا تھا اسکا مختصر عنوان تو انسان کو انسانِ کامل بنانا ہے اور اس کی تفصیل وتشریح وہ پورا قرآن ہے جو مکی دور نبوت میں نازل ہوا جس کی ہدایات کا تجزیہ کرنے سے چند چیزیں نمایاں ہوکر سامنے آجاتی ہیں جن کو انسان کامل بنانے میں خاص دخل ہے

(۱) اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت (۲) فکر آخرت (۳) دنیا کی چند روزہ زندگی اور اسکی راحت وکلفت کی حقیقت کا انکشاف (۴) مخلوقات کیساتھ معاملے میں انکے حقوق کی پوری ادائیگی اور اپنے حقوق سے چشم پوشی، انکی ایذاؤں پر عفو ودرگذر اور اپنی طرف سے ہر حال میں انکی خیر خواہی اور ہمدردی۔

مکی دور نبوت کی تمام سورتوں اور آیتوں کو بغور مطالعہ کیجئے تو ان میں انھیں اصولوں کی تعلیم وتلقین اور معجزانہ انداز سے انسان کے ذہن کو ان کے لئے تیار کرنے کا انتظام پایا جائے گا۔

ابتداء وحی کے وقت کی ابتدائی سورتوں کو پڑھئے تو ان میں سب سے زیادہ

زور ذکر اللہ کی کثرت اور حسن عبادت پر دیا گیا ہے اور اس پر کہ تمام پیش آنیوالے واقعات و حالات سب اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے تابع ہیں اسکے بغیر کسی دوست دشمن کی مجال نہیں کہ کسی کو کوئی نفع یا نقصان پہونچا سکے اور یہ کہ اپنے تمام کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کیا جائے۔ قیامت کے حساب کتاب اور جزا و سزا جنت و دوزخ کی فکر سے کسی وقت غافل نہوں اور یہ کہ دنیا کی زندگی اور اسکی ہر راحت و تکلیف فانی ہے اس پر زیادہ دھیان نہ دیا جائے بلکہ بقدر ضرورت و حاجت روائی اسکو رکھا جائے۔ زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر و عبادت اور اسکو راضی کرنا ہو اور اس راستہ میں جتنی مشکلات پیش آئیں مردانہ وار انکو عبور کیا جائے اور جو مصائب سامنے آئیں ان پر صبر و ثبات سے کام لیا جائے۔ لوگ اگر تمھارے حقوق ادا نہ کریں یا تم پر ظلم کریں تو تم چشم پوشی اور عفو و درگذر سے کام لو اور انکی خیرخواہی کو کسی حال میں نہ چھوڑو، انکے جو حقوق تمھارے ذمہ ہیں انکو پورا پورا ادا کرو۔ سورۂ اقراء۔ فاتحہ۔ مزمل۔ مدثر جو بالکل ابتدائی سورتیں ہیں انکا ترجمہ ہی پڑھ لیجئے تو اسکی پوری تصدیق ہوجائے گی۔ اور خلاصہ ان تمام تعلیمات کا یہ ہے کہ انسان کے رخ کو ایک خدا کی طرف پھیر کر اسکے تمام ارادوں اور خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا جائے جس طرح اسکی عبادت صرف اللہ کے لئے ہے اسی طرح اس کے تمام دنیاوی کاروبار کھانا پینا، سوتا جاگنا، چلنا پھرنا اور جینا مرنا، دوستی دشمنی، حب و بغض بھی مرضئ مولا کے تابع ہوجائے اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (یقیناً میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار، اللہ کے لئے ہیں) کا یہی مطلب ہے۔ حدیث صحیح میں اسی کو کمال ایمان کی علامت بتلایا گیا ہے مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ اِیْمَانَہٗ (بخاری و مسلم) (یعنی جس شخص نے اپنی محبت بھی اللہ کیلئے وقف کردی اور بغض و دشمنی بھی اسی کے لئے تو اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا) اسی صفت کے حامل ہونے سے انسان انسان کامل اور پورے عالم کے لئے وجہ سکون اور

اطمینان بنتا ہے یہی وہ انسان ہوتا ہے جس سے نہ کسی چوری اور بدمعاشی کا اندیشہ، نہ دھوکا فریب اور ایذا رسانی کا خطرہ، نہ گروہی عصبیت اسکے پاس آتی ہے۔ نہ دولت دنیا کی ہوسِ خام اسکے دامنِ دل کو داغدار کرتی ہے اسکو دھن ہی ایسی لگی ہے کہ لوگوں سے اپنے حقوق وصول کرنے کبھی اسے فرصت نہیں دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا احتمال کہاں سے

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک و بد　　　کیں دلم از صلحہا ہم می رمد

(اچھے برے کی جنگ وجدال کی مجھے فرصت ہی کہاں، اب تو میرے دل کی یہ حالت ہے کہ صلح کی باتوں سے بھی بھاگتا ہے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا سے مختلف ایک نظریہ لیکر تشریف لائے اور پورے عالم میں اس نظریہ کو عام کرنے اور سب کو اسکے زیر اثر چلانے کی مہم ساتھ لائے آپنے اس عظیم مقصد کے لئے نہ ٹینک اور ہوائی جہاز بنائے نہ قلعہ شکن توپیں اور ایٹم بم اور نہ عالمگیر انداز میں کسی اجتماع اور جماعت سازی کی فکر فرمائی بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جس قدر انسان آپ کے ساتھ لگ سکے انکو مذکورہ بنیادوں پر فرشتہ خصلت بلکہ فرشتوں سے بالا تر ایک مخلوق بنا دیا جو نتیجہ تھا قرآن کریم کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا۔

قرآن ورسول کی تعلیم وتربیت سے پیدا ہونیوالا مقدس گروہ حزب اللہ اور اسکی مخصوص صفات ایک نظر میں

قرآن ورسول کی تعلیم وتربیت سے جو مقدس گروہ پیدا ہوا حق تعالیٰ نے اسکا نام حزب اللہ رکھکر انکو فلاح دنیا وآخرت کی ضمانت دے دی أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (یہ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے)

اس حزب اللہ کی صفات اور خصوصیات قرآن کریم نے مختلف سورتوں میں مختلف عنوانات سے بیان فرمائی ہیں۔ بات اگرچہ طویل ہوئی جاتی ہے مگر مقصد کا

کا تعلق اس سے ہے اسلئے قرآن ہی کے الفاظ میں اسکے چند نمونے دیکھئے :-

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا : (آیت ۱۷۷)

(۱) وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور (اللہ) کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں پر۔ اور گردنوں کے آزاد کرانے میں، اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وعدہ کر چکے ہوں، اور تنگی میں اور بیماری میں، اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں)

سورۂ مومنون پارہ ۱۸ میں ارشاد فرمایا :-

(۲) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(یقیناً وہ مومنین فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں اور جو لغویات سے برکنار رہنے والے ہیں اور جو (اپنا) تزکیہ کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں ہاں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں (کہ اس صورت میں) ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو کوئی اسکے علاوہ کا طلبگار ہوگا سو ایسے ہی لوگ تو حد سے نکل جانے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی رکھنے والے ہیں (بس) یہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے)۔

سورہ نور میں انکی یہ صفت بیان فرمائی :-

(۳) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَآءِ الزَّكٰوةِ
يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ (آیت ۳۷)

(ایسے لوگ جنھیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید) و فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

اور سورۂ فرقان میں اس گروہ کی خصوصیات یہ بیان فرمائیں:۔

(۴) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُونَ قَالُوا
سَلٰمًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا
عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ
إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ
إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۝ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ (ثم قال) وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا
وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ
أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝

(اور (خدائے) رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہدیتے ہیں "خیر" اور جو راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں اور وہ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھ کہ بیشک اسکا عذاب پوری تباہی ہے اور بیشک وہ (جہنم) برا ٹھکانا ہے اور برا مقام ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور اسکے درمیان انکا خرچ اعتدال پر رہتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس (انسان کی) جان کو اللہ نے محفوظ قرار دیدیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ہاں حق پر اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اسکو سزا سے سابقہ پڑے گا۔ قیامت کے دن اسکا عذاب بڑھتا جائے گا اور وہ اس میں (ہمیشہ) ذلیل ہوکر پڑا رہے گا مگر ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے سو ایسے لوگوں کو اللہ انکی بدیوں کی جگہ نیکیاں عنایت کرے گا اور اللہ تو ہے ہی بڑا مغفرت والا اور رحمت والا۔ اور جو کوئی توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا

وہ کبھی اللہ تعالےٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور جب وہ لغو مشغلوں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب انکیں نصیحت کیجاتی ہے انکے پروردگار کی آیات کے ذریعہ تو وہ ان پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمکو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمکو پرہیزگاروں کا سردار بنا۔

(۵) اور سورۂ فتح پارہ ۲۶ کے آخر میں ارشاد فرمایا:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ تیز ہیں کافروں کے مقابلہ میں (اور) مہربان ہیں آپس میں۔ تو انکیں دیکھے گا (اے مخاطب) کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدے کر رہے ہیں، اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں انکے آثار سجدہ کی تاثیر سے انکے چہروں پر نمایاں ہیں

اس گروہ حزب اللہ کی خصوصیات اور صفات پر مشتمل قرآن کریم کی آیات بے شمار ہیں ان سب کا احاطہ کرنا اس جگہ مقصود نہیں مذکور الصدر آیات سے بھی اس گروہ کی خصوصیات کا ایک خاکہ سامنے آجاتا ہے جس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گروہ کی تعلیم و تربیت کس نصاب اور کن خطوط پر سرانجام دی تھی اور آج کوئی شخص یا جماعت اگر اس اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو اور صحیح انسان اور اچھے افراد پیدا کرنا چاہے تو انکو یہ کام کس طرح اور کن اصول پر انجام دینا چاہئے

مذکور الصدر آیات سے حزب اللہ کی خصوصیات کا جو خاکہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے

آیات سورۂ بقرہ سے: (۱) اللہ تعالےٰ، روز آخرت۔ ملائکہ۔ قرآن اور تمام انبیاء پر کامل ایمان (۲) اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں۔ مسافروں۔ سائلوں کی امداد اور غلاموں کی رہائی پر اپنا محبوب مال خرچ کرنا (۳) نماز قائم کرنا (یعنی اس کے

آداب و شرائط کے موافق ادا کرنا (۴) مال کی زکوٰۃ واجبہ ادا کرنا۔ (۵) کسی سے جو معاہدہ ہو جائے اس کو پورا کرنا (۶) مصیبت اور فقر و فاقہ اور دشمن دین سے جنگ کے وقت ثابت قدم رہنا۔ یہ چھ خصوصی اوصاف ہیں جنکے حاملین کو قرآن کی زبان میں صادقین اور متقین کا خطاب دیا گیا ہے۔

سورہ مومنون کی آیات سے: (۷) نماز میں خشوع یعنی غیر ضروری حرکات سے سکون خواہ حرکت جسمانی ہو یا ذہنی اور فکری (۸) لغو سے اعراض و پرہیز، لغو سے مراد ہر وہ کام، کلام یا مجلس ہے جس میں دین یا دنیا کا کوئی فائدہ نہو (۹) باطنی پاکی کا اہتمام یعنی عقائد فاسدہ اور اخلاق مذمومہ سے اپنے قلب کو پاک رکھنا (۱۰) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت بجز ان صورتوں کے جنکی بذریعہ نکاح وغیرہ اللہ نے اجازت دی ہے (۱۱) اپنے ہر عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رہنا (۱۲) سب نمازوں کی پابندی اور اہتمام۔

سورہ فرقان کی آیات سے: (۱۳) اللہ کی یاد، نماز اور روزے زکوٰۃ کا ایسا اہتمام جو دنیا کی ساری فکروں پر غالب ہو اور دنیا کے ہر کاروبار کے ساتھ قائم رہے (۱۴) روز قیامت اور اسکے حساب کا خوف۔ (۱۵) اپنی چال ڈھال میں تواضع اور عجز بندگی کو سامنے رکھنا، تفاخر اور تکبر سے پرہیز کرنا (۱۶) لڑنے جھگڑنے والوں کے ساتھ سلامت روی کا معاملہ کرنا (۱۷) رات کے اکثر حصوں کو رکوع سجدے اور عبادت میں گذارنا (۱۸) عذاب جہنم سے پناہ مانگنا (۱۹) خرچ کرنے میں اعتدال سے کام لینا کہ نہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ کنجوسی سے کام لیں (۲۰) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک یا برابر نہ ٹھہرانا (۲۱) ناحق کسی کو قتل نہ کرنا (۲۲) زنا و بدکاری سے مکمل پرہیز (۲۳) جھوٹ کے قریب نہ جانا اور گناہ کی مجالس میں شریک نہونا (۲۴) اگر کسی بیہودہ کام یا مجلس سے سابقہ پڑ جائے تو شریفانہ انداز سے گذر جانا (۲۵) اللہ تعالیٰ کے احکام و آیات کو صحیح سمجھنے کی فکر کرنا ان پر اندھا دھند عمل کرنے سے بچنا (۲۶) اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کے لئے کوشش اور دعا کرنا۔

سورہ فتح کی آیات سے: (۲۷) کفر و کافر کے مقابلے پر سخت اور دلیر ہونا اسلام

اور مسلمانوں کے معاملہ میں رحیم و کریم ہونا۔ (۲۸) عام اوقات کا جو ضرورت سے فارغ ہوں، مشغلہ ہی نماز اور رکوع، سجدہ ہونا۔ (۲۹) ان کے چہروں میں نماز کے آثار و علامات موجود ہونا (۳۰) تمام معاملات میں صرف اللہ کی رضا جوئی کا اہتمام کرنا۔

یہ ہیں وہ اوصاف و خصوصیات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن ان پڑھ لوگوں میں پیدا کیے جن کی اعتقادی، عملی، علمی، اخلاقی یا تمدنی کوئی کل [illegible] سیدھی نہ تھی جس کو دیکھکر اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر صحابی آپ کا زندہ اور چلتا پھرتا معجزہ ہے تو کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اور غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہ تمام اوصاف کمال اور اخلاق حسنہ اسی توحید و رسالت اور خوف آخرت کے پھل پھول ہیں جو اسلام کے بنیادی نظریہ کی حیثیت سے ان حضرات کے قلوب میں سمو دیا گیا تھا

دار ارقم کو سب سے پہلا مدرسہ کہو یا سب سے پہلی خانقاہ اسی میں اس قدسی گروہ کی ابتدا ہوئی اور اسی میں ان پر یہ صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) چڑھا اور یہی وہ رنگ ہے جو کسی رنگ سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کارنامہ اور اسلام کا پہلا سرمایہ اور اصلی طاقت ہے جس نے برق رفتار دنیا کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا کارنامہ
ماحول یا سوسائٹی کی اصلاح

یہاں تک خموشی کے ساتھ کچھ افراد بنائے گئے جو نظریۂ اسلام کے رنگ میں پختہ ہو کر نظام اسلام کے عمود بنے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو مہم تھی وہ صرف مکہ یا حجاز والوں ہی کی اصلاح کی نہ تھی بلکہ پوری دنیا کے مشرق و مغرب اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے آپکی دعوت عام تھی اور یہ ظاہر ہے کہ جتنے افراد دشمنوں کے نرغہ اور ہر طرح کے مصائب و تکالیف کو برداشت کر کے اس وقت تیار ہوئے تھے وہ پورے عالم کی ہمہ گیر اصلاح کا کام پورا نہیں کر سکتے تھے۔

اس لئے اب دوسرا قدم اس صبغۃ اللہ کو عام کرنے اور حزب اللہ کے افراد بڑھانے اور پھیلانے کی طرف اٹھایا گیا وہ بھی عام دنیا کے مروجہ طریقوں سے مختلف ایک انوکھے انداز سے خالص فطری اصول پر اس طرح اٹھایا گیا کہ اس مکتب فکر کے ہر تربیت یافتہ شخص پر یہ فرض کر دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے ماحول کو اپنے رنگ کے مطابق بنانے میں اپنی پوری کوشش اور پوری توانائی کو خرچ کرے اور اس راہ میں جان و تن کی بازی لگا دے اور جو ہر کوشش اور تدبیر کے بعد بھی ہمرنگ نہ ہو اس سے اپنی برارت اور قطع تعلق کا اعلان کر کے اس کو اپنے ماحول سے علیحدہ کر دے۔ تجربہ شاہد ہے کہ کسی فرد یا قوم کے بننے یا بگڑنے کا اصل مدار اس کے ماحول اور سوسائٹی پر ہی ہوتا ہے انسان فطرتاً اس سے متاثر ہو کر غیر شعوری طور پر بھی اس کا رنگ اختیار کر لیتا ہے جب تک انسان کا ماحول درست نہ ہو تو کوئی تعلیم و تربیت کام نہیں دیتی اور اپنے ماحول اور گرد و پیش میں ایک بھی غیر جنس کا آدمی ہو تو وہ بھی ماحول کو درست کرنے میں سنگ گراں بن جاتا ہے۔ بڑا ہی حکیمانہ مقولہ ہے کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید (ناجنسوں کی صحبت سے پرہیز کرتے رہو)

اسی لئے قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص پر یہ ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ وہ جس طرح اپنے عمل کی اصلاح کی فکر کرے اسی طرح اپنے اہل و عیال اور خاص احباب کی اصلاح کیلئے بھی ایسی ہی کوشش کرے قرآن کریم نے فرمایا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (یعنی بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے کنبہ پر نگراں اور ذمہ دار ہے اور قیامت کے روز اس سے اسکے اعمال کی پرسش کے علاوہ اپنے اہل و عیال کے اعمال کا بھی سوال ہوگا)۔

نئی نسل کی تربیت

اہل و عیال کی اصلاح کی ایک قسط یہ بھی تھی کہ نئے پیدا ہونے والے بچوں کو شروع ہی سے ایسی تربیت دی جائے کہ

انکے قلب و دماغ اللہ اور اسکے رسولؐ کی عظمت و محبت سے رنگے ہوئے ہوں بچوں کی تعلیم و تربیت کے بھی حکیم الحکما رسید الانبیا رصلی اللہ علیہ وسلم نے جو اصول وضع فرمائے وہ بھی ایسے فطری موثر ہیں کہ بغیر کسی مشقت کے بچے کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ اسکا ذہنی اور اخلاقی ارتقا خود بخود ہوتا چلا جائے۔

سب سے پہلا کام جو بچے کی پیدائش کے متصل ماں باپ پر لازم کیا وہ یہ ہے کہ اسکے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے۔ نرے فلسفۂ طبعی کے پرستار تو کہیں گے کہ فضول حرکت ہے جو بچہ ابھی اپنی ماں کی زبان بھی نہیں سمجھتا اس کے کان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے عربی جملے ڈالنے سے کیا فائدہ مگر حقیقت شناس سمجھتے ہیں کہ یہ الفاظ درحقیقت ایمان کا بیج ہیں جو کان کے راستہ سے بچے کے دل میں ڈالا گیا ہے اور یہی بیج پرورش پا کر کسی وقت تناور درخت بنے گا۔

دوسرا کام یہ کہ پھر جب بچہ زبان کھولنے لگے تو اس کو سب سے پہلے اللہ کا نام سکھاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کی زبان کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی سے کھلواؤ اور یہی کلمہ موت کے وقت انکو یاد دلاؤ (رواہ الحاکم عن ابن عباس از تحفۃ الودود لابن القیم) گویا دنیا میں دخول و خروج اسی کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ ہونا چاہئے۔

پھر جب کچھ سمجھنے بوجھنے کے قابل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت اس کے دلنشین کرے اور سنت کے مطابق ادب و تہذیب سکھائے بچے کے سامنے جھوٹ بولنے غیبت کرنے سے خود بھی پرہیز کرے کہ بچہ ان بری خصلتوں کا عادی نہ بن جائے۔ بچہ کے ہاتھ سے اچھے کاموں میں خرچ کرائے کہ بخل اسکی طبیعت میں جگہ نہ پائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی اور فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بچے کو ادب و تہذیب سکھائے یہ اس سے بہتر ہے کہ ہر روز بقدر ایک نصف صاع مساکین پر صدقہ کیا کرے۔ (تحفہ بحوالہ معجم طبرانی)

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی یہ دعاء مذکور ہے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (یعنی اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی

ٹھنڈک عطا فرما) حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ انکو اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا دیکھے۔ اس طرح ہر شخص پر اس کے متعلقین کی اصلاح کی ذمہ داری ڈال کر اور اسکو اصلاح و تربیت کے سہل اصول سکھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گھر کو ایک تعلیم گاہ بنا دیا جس میں غیر شعوری طور پر چھوٹا بڑا صحیح انسانیت کے آداب نہ صرف جانتا ہے بلکہ عملاً اسکا خوگر بنتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح خلق کا یہ دوسرا پروگرام بھی کسی جلسے، کانفرس یا اجتماعی ہنگامے سے نہیں بلکہ فطری اصول کے مطابق دو بنیادوں پر قائم فرمایا اول یہ کہ ہر شخص اپنے ماحول اور سوسائٹی میں اسلامی نظریہ کو حکمت کے ساتھ پیش کرے وہ نعمت ایمانؑ عمل صالح جو اسکو ملی ہے جس نے اسکو صحیح معنی میں انسان بنایا ہے اپنے اہل و عیال اور دوست احباب کو بھی اس سے محروم نہ رہنے دے کیونکہ انکی اس سے بڑھکر کوئی بھلائی اور خیر خواہی نہیں ہوسکتی ان کے ذہن کو اسکے لئے ہموار کرنے میں قرآنی تعلیم کے مطابق ہر حکمت و تدبیر اور نصیحت و ہمدردی استعمال کرے اور وہ مقابلے پر آجاویں تو مجادلہ حسنہ یعنی انکو حجت و دلیل سے مغلوب کرنے سے بھی گریز نہ کرے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے بلائیے اور ان کے ساتھ پسندیدہ طریقے سے بحث کیجئے) کا مطلب یہی ہے۔

اس اصلاحی عمل کی دوسری قسط یہ ہے کہ اگر وہ کسی طرح اصلاح قبول نہ کرے اور اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی ہی پر لگا رہے تو اس سے تعلق قطع کرکے اپنے ماحول کو اسکے اثرات سے پاک کردے اور اس معاملہ میں اسکی بھی پرواہ نہ کرے کہ یہ مخالفت کرنے والا اپنا باپ ہو یا بیٹا یا خاندان کا کوئی اور فرد۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ (یعنی آپ کسی مومن قوم کو ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ کے اور رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھیں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے اور افراد ہوں) اسی قربانی کے نتیجہ میں قرآن کریم نے ان لوگوں کو حزب اللہ

کا خطاب اور کامیابی کی خوشخبری دی اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں خوب سن لو اللہ ہی کے گروہ والے فلاح پانے والے ہیں)

دعوت اسلام کی اشاعت عام اس حکمت عملی اور فطری طور پر تدریجی ترقی کا یہ اثر تھوڑے ہی عرصہ میں آنکھوں نے دیکھ لیا کہ یہ حزب اللہ اب نہ صرف مکہ مکرمہ کے گھر گھر میں داخل ہوگیا بلکہ مکہ سے باہر بھی اس کے افراد پہونچنے لگے اس مقدس گروہ کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تھی اسکے سوا نہ کوئی طمع انکے قدم میں لغزش کا سبب بنتی تھی اور نہ کسی کا خوف ان کے عزم میں ادنیٰ سستی پیدا کرتا تھا ؎

گو مخالف ہوں زمین وآسماں کچھ غم نہیں   سب گوارا ہے مزاج یار گر برہم نہیں

یہ حزب اللہ جب اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور خلق اللہ کی خیرخواہی میں سرشار ہوکر اپنی حاصل کی ہوئی دولت انسانیت کو دنیا میں عام کرنے کی دعوت حق لیکر نکلا تو کوئی کوہ و دریا انکی راہ میں حائل نہ رہا۔ مکہ مکرمہ میں دشمنوں کی قوت وکثرت کے باعث اس دعوت کا مقابلہ شدید تھا اللہ تعالیٰ نے اسکا یہ سامان کردیا کہ مدینہ طیبہ کے کچھ خوش نصیب بزرگ مشرف بہ اسلام ہوکر اسکے لئے تیار ہوگئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں لے جائیں وہ جانتے تھے کہ انکا یہ قدم پورے قریش مکہ بلکہ پورے عرب کی مخالفت اپنے سر لے لینے کے مرادف ہے مگر انھوں نے خوب سوچ سمجھ کر اس پہاڑ کو اپنے سر پر اٹھا لیا۔

ہجرت مدینہ یہاں ہجرت کے حالات وواقعات لکھنے کی گنجائش نہیں اور میرا مقصد بھی ان سے متعلق نہیں مجھے صرف یہ دکھلانا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو پورے عالم کی ہدایت واصلاح اور پوری دنیا میں قیام امن وامان کا مقصد عظیم لیکر تشریف لائے تھے آپ نے کن اصول اور کن طریقوں سے اس مہم کو سر کیا جس کے نتیجہ نے ساری دنیا کو حیرت میں ڈالدیا۔

مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد دعوت حق کے راستے سے ایک بہت بڑا سنگ گراں تو ہٹ گیا کہ وہاں رہتے ہوئے مسلمان ہونا اور رہنا اپنی ہلاکت کو دعوت دینا تھا یہاں مسلمانوں کو اس سے کسی قدر امن ملا اور مسلمانوں کی تعداد روزانہ بڑی زیادتی کے ساتھ بڑھنے لگی۔ یہی وہ مدنی دورِ نبوت ہے جس میں اسلام کے تمام تعمیری کاموں کا آغاز ہوا اور اسلام کی سب سے پہلی چھوٹی سی حکومت مدینہ طیبہ میں قائم ہوگئی لیکن جس طرح مصلح اعظم کے اصلاح خلق کے لئے ابتدائی کارنامے عام دنیا کے طور و طریق سے بہت مختلف، سادگی اور سہولت پر مبنی تھے اسی طرح اس انوکھی حکومتِ اسلام کے دستور، قانون اور تنفیذی مشینری بھی ساری دنیا سے مختلف تھی جس میں انصاف نہایت سہل اور فوری اور مفت بلکہ جبری تھا۔ تنفیذ قانون کے لئے بہت پولیس اور چوکی پہرے کی ضرورت نہ تھی جو قانون قرآن میں نازل ہوا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن لیا بس اسکا سن لینا تنفیذ کیلئے کافی تھا کیونکہ تیرہ سالہ دورِ مکی مقدس اسلامی معاشرہ تیار کیا گیا تھا ان سب کا حال یہ تھا کہ گویا ہر مرد و عورت احکام شرعیہ کے لئے گوش برآواز رہتے تھے حکم سن لینے کے بعد اسکی خلاف ورزی کا وہاں کوئی تصور ہی نہ تھا۔ شراب زمانۂ جاہلیت سے عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی تقریبًا تمام عرب اسکا عادی تھا اور ابتدائے اسلام میں اسکا پینا حرام بھی نہیں کیا گیا تھا اسلئے مسلمانوں کو بھی اس سے کوئی وجہ اجتناب نہ تھی بجز رسول کریم صلی علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ اور چند مخصوص حضرات کے جنکی طبائع کو اللہ تعالیٰ نے فطرۃً ایسا بنایا تھا کہ جو چیز آئندہ چل کر قابل نفرت اور حرام ہونے والی تھی انکی طبائع قدسیہ پہلے ہی سے ان چیزوں سے نفرت کرتی تھیں اور اسی لئے شراب کے حلال ہونے کے زمانے میں بھی انھوں نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا مگر ان کے علاوہ عام صحابہ کرام اور سب مسلمان اس وقت تک شراب کے عادی تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اشّ اُمّ الخبائث کا جو عادی ہو جائے اسکو اسکا چھوڑنا اپنی جان دینے کے برابر گراں ہوتا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کی بنیاد ہی ایسی رکھی تھی کہ اسکی ہر تعمیر نہایت آسان اور پختہ و استوار ہوتی تھی

جس وقت شراب کی حرمت قطعی طور پر قرآن میں نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی غالباً حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ مدینہ کی گلیوں میں جاکر منادی کر دیں کہ اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ (یعنی خبردار رہو کہ شراب حرام کردی گئی ہے) ابوہریرہؓ کی ایک آواز نے پورے مدینہ میں جو عجیب وغریب انقلاب پیدا کیا وہ تاریخ عالم میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس منادی کے وقت بہت سے گھروں میں شراب کا دور چل رہا تھا حالت یہ ہوئی کہ جس کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا اور ہونٹھوں کو لگا ہوا تھا اس نے وہیں سے اسکو پھینک دیا جس کے پاس صراحی یا خُم یا شراب کا مشکیزہ تھا اس نے فوراً اسے توڑ ڈالا تھوڑی دیر میں مدینے کی تمام گلیوں میں شراب اس طرح بہ رہی تھی جیسے بارش کی رَو کا پانی، مہینوں تک ان گلیوں سے شراب کی بدبو نہیں گئی۔

بعض صحابہ تجارت کے لئے ملک شام سے کثیر تعداد میں شراب لینے کیلئے گئے ہوئے اتفاق سے جس وقت وہ شراب کے سیکڑوں مشکیزے اونٹوں پر لادے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے تو وہیں کسی نے انکو شراب کی حرمت کی خبر سنادی یہ صحابی اگرچہ حرمت کے نازل ہونے سے پہلے اپنا بہت بڑا سرمایہ لگاکر اسکو خرید چکے تھے اور اس وقت اس کے حرام ہونے کا نتیجہ ان کے لئے بالکل دیوالیہ ہوجانے کا تھا مگر ع از محبت تلخہا شیریں شود (محبت کی وجہ سے کڑوی چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں) اطاعت رسول کے آگے سارے سارے منصوبے اور ارادے فوراً ختم کرکے شراب کے مشکیزے ایک پہاڑی پر اتار کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ ذکر کرکے حکم رسالت دریافت کیا کہ کیا اب اسکو فروخت کیا جاسکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح خمر کا پینا حرام ہے اسی طرح فروخت کرنا بھی حرام ہے اور اسکے معاوضہ میں جو مال حاصل کیا جائے وہ بھی حرام ہے۔ فدا کار صحابی یہ حکم سنتے ہی اپنے شراب کے لائے ہوئے ذخیرہ پر پہونچے اور ایک ایک کرکے سب مشکیزوں کو پھاڑ ڈالا اور شراب اسی پہاڑی پر بہادی۔

آج کی دنیا میں کہیں اسکا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ کسی حکومت کا کوئی قانون اس طرح جاری ہو سکے؟ ابھی دور کی بات نہیں کہ امریکہ میں انسداد شراب کی تحریک چلی اور بالآخر انسداد کا قانون بھی بن گیا اور

شراب کی ہلاکت خیزی اور بدتر مفاسد کی تعلیم و تبلیغ کے لئے سیکڑوں رسالے، اخبار، پمفلٹ اس ملک میں حکومت کے زیر اثر شائع کئے گئے تاکہ لوگوں کے ذہن اس قانون کے لئے ہموار کئے جائیں لیکن اس قانون کا جو حشر امریکہ میں ہوا وہ ابھی تک لوگوں کے حافظہ سے گیا نہیں کہ اعداد و شمار بتلانے والوں نے بتلایا کہ اس سال شراب کا خرچ امریکہ میں پچھلے سال سے زیادہ پایا گیا۔ اسلام میں حرمت شراب اور امریکہ میں انسداد شراب کا موازنہ اور مقابلہ تو سب نے دیکھا مگر اسکی حقیقت پر غور کرنے والے کہاں کہ اسلام میں یہ قانون کس طرح کامیاب ہوا اور امریکہ میں کیوں فیل ہوا حقیقت وہی ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دنیا کا کوئی قانون آٹومیٹک (خودکار) مشین نہیں ہوتی بلکہ اسکو آدمی چلایا کرتے ہیں جب آدمی آدمی نہ رہے تو قانون کا حشر معلوم۔

آج کی دنیا قانون سازی اور تنفیذ قانون کی نئی سے نئی مشینری بنانے میں تو بہت ہوشیار ہے قانون اور قانونی مشینریوں کے جال سے پوری مخلوق خدا کو جکڑ کے رکھ دیا ہے لیکن اس طرف دھیان نہیں دیتی کہ ہماری یہ ساری کوششیں فیل کیوں ہو رہی ہیں جتنی زیادہ حفاظتی پولیس اور اس پر اسپیشل پولیس وغیرہ بڑھتی جاتی ہے اسی رفتار سے جرائم بڑھتے جاتے ہیں مگر اسکی اصل حقیقت کو یورپ کے مادہ پرست ذہن و فکر کہاں اور کس طرح جانیں کیونکہ انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا پہلا اور آخری قدم ہی یہ ہے کہ اس مادہ اور مادیات کے پیدا کرنے والے خدا کو پہچانیں اس سے اپنا رابطہ درست کریں اس کے بغیر کوئی انسان صحیح معنی میں انسان نہیں ہو سکتا اور جب تک انسان انسان نہ بنے سارے قانون اور سارے نظام بیکار رہیں ان سے کسی طرح دنیا میں امن قائم نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ لے لیجئے سود اور جوئے کا کاروبار اسلام سے پہلے عرب میں بھی کچھ ایسا ہی عام تھا جیسے آجکل اسکو تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے مگر جب قرآن میں اسکی حرمت نازل ہوئی اور ساتھ ہی یہ حکم بھی آیا کہ ممانعت سے پہلے جو سود کے معاملات ہو چکے ہیں ان میں صرف راس المال لیا اور دیا جائیگا سود کی

پچھلی رقم کا لینا اور دینا کبھی جائز نہیں، یہ احکام فتح مکہ کے بعد آخری عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے جبکہ اسلام تقریباً پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا احکام کے نازل ہوتے ہی ان تمام معاملات سے عرب ایسا پاک ہوگیا کہ گویا کبھی یہاں یہ معاملات تھے ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی رقم سود کی دوسروں کے ذمہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں سب سے پہلے اس رقم کے چھوڑ دینے کا اعلان فرمایا جس کو حضرت عباس رضؓ نے بڑی خوشی سے قبول کیا۔ جوئے اور قمار میں اب سے پہلے جو شخص شرکت نہ کرتا اسکو بہت ہی حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا مگر احکام حرمت نازل ہوتے ہی معاملہ برعکس ہوگیا۔

کہیں ایک واقعہ کبھی ایسا نہیں پیش آیا کہ اس قانون کے جاری کرنے اور اسکی نگرانی کرنے کے لئے کوئی محکمہ پولیس یا خفیہ پولیس کا محکمہ قائم کیا گیا ہو یا نزول حرمت کے بعد کوئی ایک واقعہ بھی خلاف ورزی کا دربار نبوت میں پیش ہوا ہو۔

دنیا کے عقلاء و حکماء اس پر غور کریں کہ آخر اسلامی قانون میں ایسا کیا جادو تھا کہ عمر بھر کی عادات کو ایک منٹ میں ختم کردے، لوگ مال و دولت کے بڑے بڑے سرمایوں سے یک سخت دست بردار ہوجائیں، غور کریں گے تو وجہ وہی ملے گی جس کو پہلے تفصیل سے عرض کیا جاچکا ہے کہ اسلام نے صرف قانون جاری نہیں کیا بلکہ قانون جاری کرنے سے پہلے انسانوں کو ایسا انسان بنادیا کہ وہ خود ہر برائی سے نفرت کرنے لگے اور اور ہر بھلائی کے لئے تیار رہنے لگے خواہ اس میں انکے نفسانی اور ذاتی مفاد کتنے ہی مجروح ہوں۔

خلاصہ یہ کہ حکیم الحکماء نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ اور نظام کو دنیا میں پھیلانے کے لئے دو بنیادیں تھیں اول اخلاقی اور ذہنی تربیت دوسرے قرآن کا قانون عدل و انصاف جس میں صرف حاکمانہ نہیں بلکہ حکیمانہ اور مشفقانہ انداز سے امت کو قانون پر عمل کی دعوت دی گئی اور بصورت خلاف ورزی احکام سزا سنائے گئے۔

آج کی دنیا قانون سازی اور قانون کی تنفیذ کی مشینری پر تو حکومت کی ساری قوت خرچ کرتی ہے لیکن اخلاقی و ذہنی تربیت کی طرف اول تو توجہ اور دھیان نہیں

اور جو ہے وہ ایسا ناکارہ ہے کہ اس سے اخلاق کی اصلاح کے بجائے اخلاقی گراوٹ اور فساد ہی فساد نتیجہ میں آتا ہے کیونکہ انکی اصلاح و تربیت کی آخری کڑی بھی صرف مادہ اور مادیات ہی تک پہونچتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان کا انتہائی مقصد مادی فوائد ہی ٹھہرے تو کوئی شخص کسی قانون کی وجہ سے اپنے مادی فوائد کو کیوں چھوڑے اور جان و مال کی قربانی کس کیلئے کرے یہ کام تو جبھی ہو سکتا ہے جب مادیات سے بالاتر کسی ہستی کو تمام کائنات کا خالق و مالک اور ہر چیز پر قادر تسلیم کر کے اسکی رضاجوئی کی فکر اور اسکی ناراضی سے بچنا آخری مقصد
یہاں اس موضوع پر زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں بتلانا صرف یہ تھا کہ ہجرت مدینہ کے بعد جب اسلام کی اجتماعیت اور مدنیت کا دور شروع ہوتا ہے اور اسکے لئے ایک نظام حکومت قائم ہوتا ہے تو وہ بھی دنیا کی عام حکومتوں کے خلاف بالکل فطری اور سہل و آسان بنیادوں پر اٹھایا جاتا ہے جس کے لئے آجکل کے دفتری نظاموں کی بھول بھلیاں کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے کہ اسلامی نظام کو چلانے کیلئے دو بنیادی اصول ہیں ایک قانون دوسرے اخلاقی اور ذہنی تربیت گویا اس گاڑی کے یہ دو پہیے ہیں جس پر اس کے چلنے کا مدار ہے نفاذ قانون کا سیدھا اور سہل طریق کار آپ نے کسی درجے میں دیکھ لیا اب تعلیم و تربیت کے نظام کو دیکھئے۔

نظام تعلیم و تربیت

اسلام کے نظام تعلیم و تربیت پر نظر ڈالنے سے پہلے ایک سرسری نظر اس پر ڈالئے جو آج کی دنیا میں محکمہ تعلیم اور اسکے دفاتر ان میں کام کرنے والوں کی تعداد اور پرائمری اسکول سے لیکر یونیورسٹی تک جو انتظامی جال پھیلا ہوا ہے اسکی وسعت اور اسپر کروڑوں روپیہ کا خرچ اور اس خرچ کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے والوں کے تعلیمی مصارف کے بارگراں اور بھار ان سب کے باوجود اسکے نتائج و ثمرات کہ جو بھی علم و فن انکو پڑھایا جاتا ہے اسکی استعداد فیصدی کتنے آدمیوں میں پیدا ہوتی ہے اور یہ تعلیم ان کے اخلاق و کردار کو کیسا بناتی ہے۔ اسکے بعد حکیم الحکماء سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نظام تعلیم

دیکھئے وہ کس طرح فطری اور سہل اور سادہ اصول پر مبنی ہے جس میں حکومت کا بھی کوئی بہت بڑا خرچ نہیں اور طالب علم پر تو ایک پیسہ کا بار نہیں جیسا کہ اسی مقالے میں چند ورق پہلے آپ نئی نسل اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک اجمالی خاکہ دیکھ چکے ہیں اس سے ہر دیکھنے والا اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ ہر مسلمان کا گھر بچوں کیلئے پرائمری اسکول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کے ہر گھر کو ایک پرائمری اسکول بنا دیا ہے جس میں غیر شعوری پر بچے ہوش سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ضروری تعلیم حاصل کرتے جاتے ہیں۔

جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو قطری طور پر اسکو پاکی ناپاکی کی تمیز ہونے لگتی ہے اس وقت ماں باپ کے لئے حکم ہے کہ اسکو نماز پڑھنا سکھائیں مسجد میں ساتھ لیجائیں عام مساجد ثانوی مدارس کا کام انجام دیتی ہیں غور کیا جائے تو ہماری مساجد ثانوی مدارس کی قائم مقام ہیں جہاں ہر طرح کے اہل علم وفضل جمع ہوتے ہیں انکے وعظ و پند بھی ہوتے ہیں انکی صحبت سے غیر شعوری طور پر وہ علم وحکمت کے دروازے کھلتے ہیں جو بہت سی کتابیں پڑھنے سے بھی میسر نہیں آتے۔

یہ تعلیم تو اہل علم وفضل کی صحبت وتلقین سے حاصل ہوگی اس کے علاوہ عام مسلمانوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ اگر اپنے کسی بھائی مسلمان کو کسی غلطی میں مبتلا دیکھو تو اس کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرو ہو سکے تو ہاتھ یعنی قوت کے ذریعہ روک دو یہ نہ ہو سکے تو زبانی فہمائش کر دو اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تم اس کے فعل کو اپنے دل سے برا سمجھو۔ ہاتھ سے روکنے کی صورتیں دو ہیں ایک تو حکام کے لئے جو بزور قانون برائی سے روک سکتے ہیں دوسرے اپنے خاص عزیز دوست یا اولاد کو جن پر انسان کا قابو ہے اور زبانی فہمائش ہمدردی سے ہر ایک کے لئے ہو سکتی ہے۔

غور کیجئے کہ جب ہر مسلمان کو اسکی ہدایت ہے کہ اسکو جو مسئلہ دین کا معلوم ہوا ور اسکی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی کو دیکھے تو اسکا فرض ہے کہ اسکو اس سے باز رکھنے کی مقدور بھر کوشش کرے تو اس اصول سے دینی تعلیم کی اشاعت کسقدر آسان طریقے پر بالکل مفت بلکہ جبری ہو جاتی ہے۔ نماز گھر میں ادا کیجا سکتی تھی مگر اس کے لئے مساجد کے اجتماع میں

ایک عظیم فائدہ یہ تعلیم و تلقین کا بھی مضمر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ بنکر اسکے غلط اقدامات پر اسکو متنبہ کرسے تو پوری قوم کی تعلیم اور ساتھ ہی عملی تربیت کس قدر آسان طریقہ پر ہو جاتی ہے جو کسی اسکول میں ممکن ہے نہ کسی مدرسہ میں، ہاں اس حکم کے ساتھ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ دوسرے کو غلطی پر مطلع کرنے کے لئے ہمدری و خیر خواہی کا جذبہ غالب ہو نرمی کے ساتھ تنہائی میں سمجھایا جائے جس سے اسکو ٹھیس نہ لگے ضد پر نہ آجائے قرآن کریم نے جہاں حق کی دعوت کا مسلمانوں کو حکم دیا وہیں اسکے لئے یہ شرائط بھی لگا دیں اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ یعنی اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ دانشمندی اور اچھی خیرخواہی کے ساتھ، دانشمندی کا مقصد یہ ہے کہ کہنے سے پہلے اس پر غور کرے کہ مخاطب کو یہ بات کس وقت کس حال میں، کس عنوان سے پہونچاؤں جو اسکے دل میں اتر سکے پھر بات بھی اسکی خیرخواہی کے پیش نظر ہو اپنی بڑائی جتلانا یا دوسرے کو رسوا کرنا مقصود نہو اسی لئے موعظت کے ساتھ حسنہ کی قید لگا کر اس پر تنبیہ کر دی گئی مسلمانوں کی عام جہالت و غفلت نے جہاں سارے اسلامی اصول و فروع کو مختل کر دیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اول تو کوئی کسی کو برائی پر ٹوکتا ہی نہیں اور جو کسی کو ٹوکنے کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے تو انہیں مذکورہ آداب و شرائط نہیں ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ زریں اصول تعلیم و اصلاح مساجد و محافل میں لڑائی جھگڑے اور اختلافات و افتراق کا موجب ہو جاتا ہے اور یہ کوئی دینی امور کے ساتھ مخصوص نہیں تمام دنیوی کاروبار میں ہر وقت کا مشاہدہ ہے کہ بہتر سے بہتر مقوی غذا یا دوا کو اگر غلط طریقہ سے استعمال کیا جائے تو وہ بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوتی ہے

خلاصۃ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر صحیح عمل کیا جائے تو بچے کیلئے آغوش مادر اور اسکا گھر ایک ابتدائی مدرسہ بن جاتا ہے اور ہر مسجد ایک ثانوی تعلیم کا بہترین مدرسہ ہو جاتی ہے جس میں علم کے ساتھ عمل اور تعلیم کے ساتھ ذہنی و اخلاقی تربیت ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے اور تعلیم کا اصل مقصد جو انسان کو انسان کامل بنانا ہے اسکے درجات تدریجاً طے ہونے شروع ہو جاتے ہیں ۔

اعلیٰ تعلیم اب صرف اعلیٰ تعلیم رہ جاتی ہے جس کے لئے قرون اولیٰ میں علماء کی مجلسیں

اور درس وتدریس کے حلقے ہر شہر و قصبے میں جاری تھے یہ تعلیم بھی بالکل مفت تھی بعد میں مستقل مدارس اور تعلیم گاہوں کے قیام کی صورت عمل میں آئی

دنیوی علوم وفنون اور غیر ملکی زبانوں کی تعلیم

اصول تعلیم تو کتاب وسنت میں موجود ہیں دنیوی اور اور اقتصادی یا ہنگامی ضرورتوں کے لئے جو کام سیکھنا ضروری ہیں انکا انتظام بھی اس سادہ نظام کے ساتھ جاری رہا۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں میں جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے ذمہ یہ خدمت لگائی گئی کہ وہ صحابۂ کرام کو لکھنا سکھائیں۔ دوسری زبانیں جاننے اور سیکھنے کا بھی بقدر ضرورت انتظام تھا رومی، فارسی اور حبشی زبان جاننے والے صحابۂ کرامؓ میں موجود تھے۔

صنعت وحرفت کا انتظام

ضرورت کے مطابق صنعت وحرفت کا سیکھنا سکھانا بھی جاری تھا اور اسکے لئے بعض اوقات اسکی بھی نوبت آئی کہ کہیں باہر جاکر سیکھا جائے۔

آلات حرب کی صنعت سیکھنے کے لئے اہتمام صحابہؓ

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہما غزوہ حنین میں اس لئے شریک نہیں ہوسکے کہ وہ بعض جنگی سامانوں کی صنعت سیکھنے کے لئے جرش میں مقیم تھے وہاں رہ کر دبابات، ضبور، منجنیق کی صنعت سیکھی (البدایہ والنہایہ بیان غزوہ حنین ص۳۴۵ ج۴)۔ دبابہ اور ضبور قلعہ کے محاصرہ کے وقت تیروں تلواروں کی بوچھار سے بچ کر قلعہ تک پہونچانے والی ایک قسم کی گاڑی ہے جس میں بیٹھکر اسکو چلایا جاتا ہے اسی کی ترقی یافتہ شکل آجکل کے ٹینک ہیں بعض اہل علم سے سنا ہے کہ انگریزوں نے قلعۂ میسور کی فتح کے وقت بھی اسے استعمال کیا تھا منجنیق وہ آلہ ہے جس سے بھاری پتھر اٹھا کر پھینکے جاتے ہیں قلعہ شکن توپوں کی ایجاد سے پہلے ان سے کام لیا جاتا تھا محمد بن قاسم نے سندھ فتح کرنے کے وقت

سب سے پہلے مقام دیبل کے قلعہ پر اسکو استعمال کیا تھا

غور کیجئے کس قدر سہل سادہ بلا خرچ تعلیم کا نظام ہے جس کے ذریعہ علمی استعداد کی تکمیل، اخلاقی اور ذہنی ارتقاء عمل وکردار کا استحکام ساتھ ساتھ ہو رہا ہے اور تعلیم کا اصل مقصد انسان کو صحیح انسان بنانا کس آسانی کے ساتھ پورا ہو رہا ہے۔

یہاں ممکن ہے کہ کسی کو خیال ہو کہ اس وقت سادہ زندگی اور سادہ معاشرت پوری دنیا میں عام تھی اس کے لئے زیادہ تعلیم کی ضرورت نہ تھی مذکورۃ الصدر نظام تعلیم اس وقت تعلیم کے لئے کافی تھا آج کی دنیا کہیں سے کہیں پہونچ گئی علم وتعلیم کے اتنے بے شمار شعبے ہوگئے کہ ان کے حاصل کرنے کے لئے یہ پچھلا نظام کسی طرح کافی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کوئی شخص اسی سادہ مختصر نظام تعلیم کے تعلیم یافتہ حضرات کے کارناموں پر ایک طائرانہ نظر بھی ڈال کر دیکھ لے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اسی سادہ نظام تعلیم کے تعلیم یافتہ حضرات نے حکومت سیاست وحکمت میں وہ مقام حاصل کیا تھا کہ ساری دنیا کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں۔ صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ کسی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نہیں تھے عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ نے کہیں باہر سے علوم حاصل نہیں کئے تھے خالد بن ولید، ابوعبیدہ بن جراح، عمرو بن عاص، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس سادہ نظام تعلیم کے علاوہ کہیں سے جاکر کچھ نہیں سیکھا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کو اگر صحیح طور پر حاصل کر لیا جائے تو انسان کی انفرادی واجتماعی کوئی ضرورت ایسی نہیں جس کے لئے اس میں بہترین اور واضح ہدایات نہوں شخصی اور خانگی زندگی کے تمام شعبوں سے لیکر قبائلی اور ملکی اور بین الاقوامی معاملات کے متعلق ایسا بہترین دستور العمل موجود ہے کہ اس پر عمل کیا جائے تو پوری دنیا امن وچین اور اطمینان وسکون کا گہوارہ بن جائے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کو صرف ہم مسلمان ہی نہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں سے برسرپیکار رہے ہیں انکو بھی اسکے اعتراف سے چارہ نہیں ہے۔

ایک فرانسیسی مسیحی مدبر کی شہادت اسکی بے شمار شہادتوں میں سے اسوقت

نیز ایک شہادت ایسے مسیحی شخص کی پیش کیجاتی ہے جو فرانس کا ایک مشہور سیاسی مدبر ہے اس نے مسلمانوں کے حالات و عزائم کا پورا پتہ چلانے کیلئے تیس سال اسلامی ممالک میں اپنے آپکو مسلمان ظاہر کرکے گذارے اور الجزائر تونس، استنبول، مصر و حجاز میں رہ کر عربی زبان اور تمام علوم اسلامیہ حاصل کئے اور واپس جا کر ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ثلاثون عاماً فی الاسلام یعنی اسلام میں تیس سال۔ اس سیاسی مدبر کا نام ہے "سولیون روشں" انکی اپنی تحریر کے چند جملے عربی سے اردو میں ترجمہ کرکے پیش جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں :۔

"میں نے ایک زمانہ طویل تک اسلام کو گلے لگائے رکھا جس کا مقصد تھا کہ میں کسطرح امیر عبدالقادر کے خواص میں داخل ہو کر انکے راز معلوم کردوں میں اس میں کامیاب ہوگیا امیر موصوف نے مجھ پر پورا اعتماد کرلیا اور مجھے اپنا سکریٹری مقرر کرلیا۔

" میں نے اس دین اسلام کو جسکی اکثر لوگ برائی کرتے ہیں اپنی معلومات کے مطابق تمام ادیان و مذاہب سے بہتر پایا حقیقت یہ ہے کہ وہی ایک دین ہے جو انسانی فطری طبیعی، اقتصادی اور اخلاقی کہلانے کا مستحق ہے میں نے آپ کے تمام قوانین حکومت میں کوئی ایسا قانون نہیں پایا جو اسلام میں پہلے سے موجود نہو بلکہ میں نے اس قانون کا مطالعہ کیا جسکو "جول سیمون" قانون فطری کہتا تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ پورے کا پورا اسلام سے لیا گیا ہے۔

پھر میں نے اسکی تحقیق کی مسلمانوں کے نفوس میں اس دین نے کیا آثار پیدا کئے تو میں نے دیکھا کہ اس دین نے انکو قلوب کو شجاعت، سخاوت، شرافت اور بزرگی سے بھر دیا ہے بلکہ میں نے محسوس کیا کہ انکے نفوس ان تمام مضامین عالیہ کے ماہر ہیں جو فلاسفہ اپنی حکمت و دانش سے حاصل کرتے ہیں وہ ایک ایسی دنیا میں رہتے ہیں جہاں شر و فساد لغو اور جھوٹ کو کوئی نہیں جانتا، مسلمان سادہ دل ہیں جو کسی پر بدگمانی نہیں کرتے اور وہ اپنے طلب معاش میں کسی ناجائز اور حرام کو استعمال نہیں کرتے اسی وجہ سے وہ مال دولت میں اسرائیلیوں اور بعض مسیحیوں سے اکثر کم رہتے ہیں اور میں نے اسلام میں ایسے دو مسئلوں کا بہترین کا حل پایا جس میں تمام دنیا بری طرح مبتلا ہے ایک قرآن کا یہ قول إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ یعنی سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جو مساوات کا ایک بہترین اصول ہے دوسرے ہر مال والے پر زکوٰۃ کا فرض عائد کرنا اور فقراء کا حق ان کے مال میں قرار دینا جن کو اگر مالدار نہ دیں تو جبراً بھی وصول کر سکتے ہیں۔

(الاسلام روح المدنیۃ مصنفہ مصطفیٰ غلامینی قاضی بیروت ص ۲۹، ۴۰)

(غالباً اسکی مراد زکوٰۃ کے جبراً وصول کرنے سے یہ ہے کہ اسلامی حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرکے فقراء کا حق انکو دلوانے کی ذمہ دار ہے)

آج کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسلمان اپنے گھر کے جواہرات کو چھوڑکر دوسروں سے سنگ ریزوں کی بھیک مانگنے پر تیار ہوگئے کتاب وسنت کی تعلیمات سے یکسر بے خبر ہوکر اپنے ہر کام میں غیروں کی طرف دیکھنے اور انکی نقالی کرنے ہی میں فخر محسوس کرنے لگے اس نے ان کے ہر کام، ہر شعبہ زندگی کو ایک لاینحل معمہ بنا دیا۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا نظام فطری اصول پر سادہ وسہل اور ہر شعبۂ زندگی پر حاوی اور سوفیصدی کامیاب رہا ہے جسکی بنیاد کتاب وسنت کی تعلیم ہے وقتی اور دنیوی ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت صنعت وحرفت زراعت وتجارت سیکھی سکھائی اور سکھایا جاتا تھا۔

بات دور چلی گئی یہاں نظام حکومت یا نظام تعلیم پر کوئی تفصیلی بحث مقصود نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ حکیم الحکماء صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام وہر چیز کا جو نظام خلق خدا کو عطا فرمایا وہ نہایت مکمل ومفید و کامیاب ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ، سہل اور کم خرچ بالانشیں تھا جب سے دنیا نے اسکو چھوڑا قانونی مشینری اور طویل طویل دفتری نظاموں کی بھول بھلیاں تو ضرور وجود میں آئی جو ایک ظاہر بین شخص کے لئے ممکن ہے کہ نظر فریب ہو مگر نتائج اور عواقب کے اعتبار سے دنیا نے مشاہدہ کرلیا کہ وہ بالکل ناکام ثابت ہوئی۔

آج کی دنیا میں انصاف قائم کرنے اور جرائم کو روکنے اور ملک میں علم وتعلیم کو اور اسکے ذریعہ اخلاق حسنہ کو عام کرنے کے نام پر ہزاروں مستقل ادارے قائم ہیں لاکھوں تعلیم یافتہ ماہران میں کام کرتے ہیں، اربوں روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے مگر نتائج پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ روز بروز انصاف رخصت ہوتا جاتا ہے جرائم بڑھتے جاتے ہیں علم وتعلیم کا معیار پست ہوتا جاتا ہے اخلاق کی گراوٹ انتہا کو پہونچتی جاتی ہے اور ملک وملت کے بہی خواہ جب اس افراتفری کو دیکھتے ہیں تو ایک پولیس پر دوسری اسپیشل پولیس کا ادارہ، ایک خفیہ پر دوسرا خفیہ، ایک ادارہ کی اصلاح کے لئے

رایک ادارہ قائم کرتے جاتے ہیں اور پھر ہر زمانے میں یہی نتیجہ رہتا ہے کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

وہی ہے جو بارہا اوپر ذکر کیجا چکی ہے کہ قانون اور قانونی مشینری کوئی خود کار مشین ب اسکو چلانے کے لئے انسان درکار ہے اور اسی کا قحط ہے بقول سلطان عالمگیر ، دنیا میں دو چیز جو سب جگہ ہونے کے باوجود نہیں ہے وہ انسان ہے اور صحیح انسان نے کا راستہ بجز اسلامی نظریۂ توحید اور آخرت کے کوئی نہیں۔

سلامی نظریہ اور نظام کے ثمرات
ن وامان، عدل وانصاف سلامت وسکون

اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ سید الانبیاء سرور کائنات لی اللہ علیہ وسلم نے جو نظریہ اور نظام خلق خدا کو عطا فرمایا اس کے دو بنیادی اصول تھے ل انسان کو خوف خدا و آخرت کے ذریعہ اخلاقی و ذہنی اعتبار سے مکمل انسان بنانا ال و دولت جاہ وحشم اور خواہشات نفسانی کے تحصیل میں ایسا مست نہو کہ ہر جائز جائز طریق سے حاصل کرنے کی فکر کرے دوسروں کے حقوق چھینے اور تکلیف پہونچائے ۔ دوسروں کے حقوق پورا کرنے کا قوی جذبہ اور اپنے حقوق سے چشم پوشی اور عفو و درگذر کا شیوہ ہو ظاہر ہے کہ جس دنیا میں ایسے انسان آباد ہوں وہاں ظلم وجور ل وغارت فسق وفجور کا وجود کیسے متصور ہو سکتا ہے۔

دوسرا بنیادی اصول یہ رہا کہ ہر کام میں اچھے برے اور صحیح وغلط، نیہ ومضر کا معیار انسان کے اپنے دماغ کی پیداوار سے نہیں بلکہ خالق کائنات ررسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اصول سے طے کیا جائے اس کے قانون کی بنیاد حکم خدا و رسول ہو اور ہر کام کا مقصد انکی رضا ہو۔

ان دونوں اصولوں کا لازمی نتیجہ وہ تھا جو دنیا نے آنکھوں سے دیکھا راس وقت تک دیکھتی رہی جب تک ان اصولوں پر عمل ہوتا رہا اور آج بھی جس ملک میں ان پر پورا عمل ہو جائے وہ یقیناً راحت وسکون کی جنت بن سکتا ہے

خلاصہ یہ ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی پورے عالم کیلئے پیغمبر امن و امان اور سلامت و راحت بنکر تشریف لائے تھے جس وقت تک دنیا نے آپ کے پروگرام پر عمل کیا امن وچین کا دور دورہ رہا جب چھوڑا تو فتنہ و فساد ظلم و جور اور طرح طرح کے جرائم پھوٹ پڑے دنیا نے امن و امان اور عدل وانصاف قائم کرنے اور انسداد جرائم کے لئے سیکڑوں مختلف قسم کے نظام چلا کر دیکھ لیے اور نتیجہ سب کے سامنے یہ آیا کہ جوں جوں یہ نظام بڑھے جرائم کا طوفان بڑھا۔ انصاف رخصت ہوا، امن واطمینان کا کہیں نام نہ رہا۔

اب ذرا اس میدان میں آگے بڑھنے کے بجائے کچھ پیچھے لوٹ کر دیکھیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے نظام کو زیادہ نہیں تو کچھ عرصہ ہی کیلئے امتحان ہی کے طور پر سہی آزما کر دیکھیں اور پھر اسکا مشاہدہ کریں کہ دنیا کا امن و امان راحت وسلامتی صرف پیغمبر امن وسلامت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے قدموں سے وابستہ ہے۔

اس کے تاریخی شواہد عہد رسالت پھر خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین کے دور حکومت میں مسلسل اور بعد کے زمانوں میں جب کبھی اس نظام کو پورا جاری کیا گیا اس جگہ ایسے مشاہد ہیں کہ مخالف معاند کو بھی انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

خیال تھا کہ اس جگہ اس کے چند نمونے تاریخ اسلام سے پیش کئے جاتے مگر اس وقت اس مقالہ کو مزید طول دینا وقت کی گنجائش اور اپنے مشاغل کے اعتبار سے آسان بھی نہیں اور تاریخ اسلام میں انکے نمایاں اور واضح ہونے کے پیش نظر ضرورت بھی نہیں اس لئے بالفعل اسی مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

فَتَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ

فریادِ اُمّت بحضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم

اے شفیع المذنبیں اے باعث کون مکاں
اے سراج بزم وحدت اے پناہِ بیکساں

اے مبشر اے مزمل، صادق الوعد امیں
سیّدِ اولادِ آدم، رحمتہ اللعالمین

اے امام الانبیا، خیر البشر، فخرِ انام
آفتابِ علم وحکمت، دین کے ماہ تمام

بیکس و بےبس کے وارث، نامرادوں کی مراد
دوست، دشمن کو ترے وعدہ پہ یکساں اعتماد

ایکہ تیری ذات سے قائم نظام زندگی
بادشاہی میں فقیری اور شانِ بندگی

پادشاہا! یک نظر بر مسلم ھند ی فگن
کز زمیں تا آسماں بینی نفیر مرد و زن

ںگ ہوتی جارہی ہے اب مسلماں پر زمیں
ظلم کے پنجوں میں ہیں یہ امن عالم کے امیں

ی امت اور ایسی خستہ حال وخستہ تن
جنکی لاشیں ڈھونڈھتی پھرتی ہوں دوگز کا کفن

ری امت اور ہولیں بیکس ومجبور وزار
دلو استبداد کے پنجہ میں ہو اور ذوالفقار

ںکے قدموں کیلئے تھے قیصر وکسریٰ کے تاج
ٹھوکریں کھاتے ہوئے فاقہ زدہ پھرتے ہیں آج

زجہاں میں عام کرنے آئے تھے لطف وکرم
وائے حیرت وہ بنیں یوں تختہ، مشقِ ستم

ں نے بخشے عورتوں کو عصمت وعفت کے ہار
سامنے ان کے ہو ماں بہنوں کی عصمت تار تار

ز مساواتِ بنی آدم کا لائے تھے پیام
ولائے نکبت بن رہے ہیں وہ غلاموں کے غلام

یر دستوں کو دلانے آئے تھے جو تخت وتاج
ہوں وہی مجبور وبیکس اور پا بہ خراج

غریبوں کے سہارے بیکسوں کے دادرس
ڈھونڈھتے ہیں پر نہیں پاتے کوئی فریاد رس

سراپا جرم وعصیاں بدعمل بدکار ہیں
نام لیوا آپ کے ہیں گرچہ بدکردار ہیں

یک نظر اے رحمتِ عالم بحالِ زارِ ما
تا برآید باز از لطفِ عمیمت کارِ ما

اے شاہ کونین! مسلمانانِ ہند پر ایک نگاہ ڈالئے آپ دیکھیں گے کہ پوری فضا زمین سے آسمان تک مرد وں عورتوں
کی فغاں - گریہ وزاری سے بھر چکی ہے۔
اے رحمت عالم ہمارے حالِ زار پر ذرا نظر کرم فرمائیے تاکہ آپ کے لطفِ عام کے طفیل ہماری بگڑی بنجائے

آئی گنبد سے ندا اب ختم کر فریاد کو — جنت ارضی بنانے دے ذرا شداد کو
پنجۂ ظلم و ستم کو تیز تر ہونے تو دے — طفلک معصوم کو ماں باپ پر رونے تو دے
اور بڑھنے دے جہاں میں کفر کی تاریکیاں — اور ہونے دے نمایاں ظلم کی باریکیاں
فاش ہونے دے سیہ بختوں کی تیرہ بختیاں — عام ہونے دے مسلمانوں پہ پیہم سختیاں
چرخ تکنے دے مسلمانوں کو فرط یاس سے — عرش کو ہلنے دے کچھ دم شدت احساس سے
شان تہاری خدا کی جوش میں آنے کو ہے — زلزلہ اس محفل حق پوش میں آنے کو ہے
نخوت و ناز و تکبر کے علم گر جائیں گے — پھر وہی دیرینہ اسلامی علم لہرائیں گے
سنگ رہ آخر کو اک دن ہو رہے گا سنگ میل — یعنی پھر فرعونیت ہو کر رہیگی غرق نیل
ٹوٹ جائیں گے جہان کفر کے جام و سبو — ایک دن سر پر چڑھے گا بیگناہوں کا لہو
خون انسانی سے کشت ظلم پھل سکتی نہیں — کاغذی کشتی ہے یہ ڈوبے گی چل سکتی نہیں
ختم ہو جائیگا کیفی یہ بلی وقت ناسعید — رات کی ظلمت سے پیدا ہوگی آخر صبح عید

باش اے گردوں کہ پھر اک انقلاب آنے کو ہے
دیکھ پھر مسلم کا دور کامیاب آنے کو ہے

(بقیہ پیش لفظ)

کشیدی بادہ ہا در صحبت بیگانہ پے در پے — بنور دیگراں افروختی پیمانہ پے در پے
ز دست ساقی خاور دو جام ارغواں درکش — کہ از خاک تو خیزد نالۂ مستانہ پے در پے

(تم نے بیگانوں کی صحبت میں کتنے ہی جام پے درپے پیئے، دوسروں کی روشنی سے پیمانے برابر تم نے چمکائے، ساقی خاور (ساقی کوثرؐ) کے دست مبارک سے جام ارغوانی کے دو کش تو لگا کر دیکھو کہ تمھاری خاک سے مسلسل مستانہ نالے اٹھتے رہیں گے)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامت حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۳ء جلد ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۲/۲۵ - بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر صاف۔ درج کریں!

انتباہ

جن احباب نے سال رواں کا زر تعاون ابتک نہیں ارسال فرمایا وہ براہ کرم اولین فرصت میں ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرمائیں اور اپنے اخلاقی اور دینی فریضے سے سبکدوش ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ (ادارہ)

باسمہٖ سبحانہٗ

"پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے"

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ج قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ط (پ اعراف) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریائے نیل سے پار اتار دیا پھر وہ ایسے لوگوں پر گزرے جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے تھے (بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک دیوتا ایسا ہی بنا دیجئے جیسے ان کے دیوتا ہیں" محض اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل وکرم سے جو قوم فرعون کے ظلم و استبداد کے شکنجے سے نکل تھی اور جس نے غلامی کی ذلت و نکبت سے نجات پائی تھی دریا پار کرتے ہی ابھی اسکے پیروں کی نمی بھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ بت پرستی دیکھ کر دین حق کے داعی اور اپنے نجات دہندہ رسول سے مطالبہ کر بیٹھے "اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دو جیسا ان کا معبود ہے۔" دین کے احکامات اور محسن کے احسانات فراموش کرکے غیروں کی نقل اور ان کے طریقہ کو اختیار کرنیکی مشرکانہ خواہش نورِ الٰہی کے موجود ہونے کے باوجود پیدا ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کی اس احسان ناشناسی اور جاہلانہ مطالبے اور خواہش پر رنجیدہ و کبیدہ.... ہوئے اور ان مشرکانہ افعال کی شناعت اور بے ثباتی کو قوم سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ○ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ کہا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ ہوکر رہیگا اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں محض بے بنیاد ہے۔

نبیؑ کی موجودگی خاموشی کا باعث تو بنی۔ لیکن مشرکوں کے رسوم اور طریقۂ عبادت کی پسندیدگی دل سے مٹ نہ سکی اور یہ دبی ہوئی خواہش حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر موجودگی کے موقع پر سامری کی ترغیب سے گوسالہ پرستی کی شکل میں ابھر کر سامنے آگئی

مذہب کے معاملات میں نہ عقل و منطق کا دخل ہے اور نہ ہی نقل و تقابل کا تصور ہے بلکہ مذہب اپنے متعینہ خطوط اور اصولوں پر چلنے کا مطالبہ کرتا ہے، اوامر و نواہی میں رسول کی کامل اتباع چاہتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:-

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر) رسولؐ تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔

اہل ایمان کا ہر عمل اس واضح حکم خداوندی کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ ہمارے پاس قرآن وحدیث کی شکل میں ایک روشن دستور حیات موجود ہے ہم کو اپنے کسی عمل کیلئے گرد وپیش دیکھنے کی ضرورت نہیں اسلام کے اصول، ضابطے اور قوانین وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دیئے ہیں، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو شرعی وضاحت سے خالی ہو مہد سے لیکر لحد تک کا ایک مرتب لائحۂ عمل موجود ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کے بھی مراحل سے آگاہ فرمادیا ہے۔ خوشی اور غم کے مواقع پر کیا کرنا ہے وہ بتادیا طاعت وعبادت کے طریقے سکھائے، وہ اعمال جو باعث اجر وثواب ہیں وہ افعال جو باعث زجر وعذاب ہیں سب سے مطلع فرمادیا۔ اب اسکے بعد دین کے وہی طور وطریقے محبوب وپسندیدہ ہیں جو اللہ رب العزت نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مقرر فرمائے۔ اب شریعت اسلامیہ میں نہ کسی نئے رسم ورواج کی گنجائش ہے اور نہ کوئی خلاف شریعت عمل قابل قبول ہے۔ اسی بنا پر دین میں نئی باتوں کا پیدا کرنیوالا سخت وعید کا مستحق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ) "جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے" وَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ (مسلم) "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہیں ہے وہ رد اور باطل ہے" مَنْ صَنَعَ اَمْرًا عَلٰی غَیْرِ اَمْرِنَا فَھُوَ رَدٌّ (ابوداؤد) "جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی کام کیا وہ مردود ہے"

افسوس صد افسوس! ایسی روشن تعلیمات اور واضح احکامات کے بعد اپنے ہمسایوں کے رسم ورواج اور ان کے میلے ٹھیلوں سے متأثر ہوکر بنی اسرائیل کی طرح ہم میں بھی یہ تمنا پیدا ہوئی کہ "ہمارے لئے بھی ان کے معبودوں کی طرح ایک معبود ہو" انھوں نے اس خواہش کی تکمیل گوسالہ کی پرستش سے کی، ہم نے اپنے غیر مشرک پڑوسیوں کے رسم ورواج اور ان کے میلے اور تہواروں کے شور وغل سے متأثر ہوکر اس عمل کے ارتکاب کی خواہش پر قابو نہ پاکر غیر اسلامی رسوم کو مذہبی رنگ دیدیا۔ چنانچہ شادی بیاہ اور مرنے جینے کی تمامتر رسومات پر اہل وطن کی رسومات کی پوری چھاپ ہے ؎

ہائے وہ فکر وتصور کی غلامی اختر جس غلامی کے لئے طوق ہی درکار نہو

رفتہ رفتہ مذہبی معاملات بھی متأثر ہونے لگے یہاں تک کہ اس کے اثرات مخصوص عبادتوں تک پہونچ گئے۔ پھر ہماری پیشانیاں بھی ایک خدا کے سامنے سجدے کیلئے مخصوص نہ رہ گئیں ؎

"تسکینِ جبیں ہو نہ سکی ایک خدا سے بے تابیٔ طاعت نے تراشوائے صنم اور"

نقالی کے شوق میں ہم لغویات اور منکرات کے مرتکب ہوگئے اور اپنا مذہبی تشخص اور تفرد فراموش کر بیٹھے۔ ایام عیدین کے سکون و سنجیدگی کو پُرشور رکارڈنگ اور میلوں ٹھیلوں کے ہنگاموں سے پائمال کیا۔ شبِ برأت کے تقدس کو پٹاخوں، لہو ولعب اور آوارہ گردی سے پارہ پارہ کر دیا، رمضان المبارک کی مقدس راتوں کو طاعت و عبادت میں مشغول ہونے کی جگہ کھانے پینے اور قوالیاں سننے سنانے میں برباد کیا، شب کا آخری حصہ دعا و مناجات میں صرف کرنے کے بجائے پرزور رکارڈنگ اور سحر کے لئے اٹھانے کے نام پر ہنگامہ کی نذر کر دیا۔ محرم کی حرمت کو تعزیہ داری، علم برداری جیسے شرکیہ افعال سے داغ دار کیا، ربیع الاول کا احترام نت نئی بدعات اور جلسہ و جلوس کی خرافات و ہنگاموں سے شکستہ ہوا۔

غرضیکہ ان تمام ایام میں اُن غیر شرعی امور کو فروغ دیا جن کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ صحابہؓ سے ہے نہ ہی تابعینؒ، نہ ائمۂ اربعہ سے ہے نہ بزرگانِ دین سے ؎

"ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے"

جس امت کو یہ تعلیم دی گئی ہو۔ "وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا" یعنی بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہو تو شریفانہ طور سے گذر جاؤ"۔ یعنی خود کو اس بے ہودگی میں ملوث نہ کرو نیز اسی امت کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ:- "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا" یعنی جب جاہل مخاطب ہوں تو ان سے آویزش نہ کرو بلکہ جاہل اور جہالت دونوں کو سلام کہتے ہوئے ہٹ جاؤ۔ لیکن ہمارے حال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہر لغویات میں اپنے دامن کو ضرور آلودہ کریں گے۔ تمام بے ہودگیوں میں ملوث ہوں گے۔ درگذر کرنا یا دامن بچانا کجا۔ خود ہی ڈھونڈ ڈھونڈ کر فتن کے مواقع تلاش کرینگے بدتمیزی و بے ہودگی کا وہ حشر برپا کریں گے کہ ہم دوسروں سے تو کیا! لوگ خود ہم سے دامن بچاتے پھریں گے، شور و ہنگامہ اور طوفان بدتمیزی میں جب دوسروں پر غالب آجا ئینگے تو

فخر کریں گے اور جشن فتح منائیں گے۔

ذرا غور کیجئے! کیا اسلام کو سربلندی اور عظمت اس راستہ سے حاصل ہو جائے گی غیروں کا دل اس کی جانب مائل ہوگا؟ حق و باطل میں امتیاز رہ جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر غیروں کی نقل کیا معنیٰ؟ دوسروں کے رسم و رواج اور تماشے، تہوار دیکھ کر از خود رفتگی پھر اپنے یہاں بھی محبت اور عقیدت کے نام پر مشرکانہ افعال کی گنجائش پیدا کر لینا کھلی ہوئی گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یہ دین کا حصہ نہیں ہے بلکہ ضلالت اور دین سے انحراف ہے۔

خواہشاتِ نفس کی تکمیل صرف اس دلیل سے کہ جذبات و محبت کے آگے دلائل بے اثر ہوا کرتے ہیں۔ یہ غیر منطقی نظریہ ہے اور بے عقلی کا نتیجہ، جذبات و خواہشات کی بے لگامی صراطِ مستقیم سے دور کر دیتی ہے اور ظلم و زیادتی پر ابھارتی ہے۔ جذبات کو اگر اغیار ڈھال بنائیں تو مضحکہ خیز ہے اور ہم اسکے ہاتھوں مجبور ہوں تو محبت کا تقاضہ ہے فَیَا لَلْعَجَبْ۔ ؎

"نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے"

طرفہ یہ ہے کہ ان بدعات و قبائح کا ارتکاب ان مشائخ حقانی اور علماء ربانی کی محبت کے دعوے کیساتھ کیا جاتا ہے جو ان خلاف سنت امور سے حد درجہ محتاط تھے اور دین و شریعت کو اسی شکل میں دیکھنا پسند فرماتے تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے جلیل القدر صحابہ و تابعین سے ثابت ہے ـــ کاش! انھیں احساس ہوتا کہ ان امور شنیعہ اور لہو و لعب کی بدولت دین اسلام کی سچی تصویر ایسی مسخ ہو کر رہ گئی ہے کہ غیروں کیلئے اسمیں کوئی کشش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ان بدعات سے نجات عطا فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
کہ گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(مدیر)

اتباعِ رسول و علماءِ ربانیین

فرمایا کہ ـــــ اتباع بہت ضروری شئے ہے اس کے بارے میں نص وارد ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ (یعنی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو) اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا وجوب نکلا اور دوسری آیت سے حضور اقدس ؐ کی اتباع کے ساتھ ساتھ مؤمنین منیبین کی اتباع کا امر صراحتہً معلوم ہوتا ہے۔ وہ آیت یہ ہے وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ (یعنی اس شخص کی راہ چلو جو میری طرف رجوع ہو) مگر وہ منیبینؔ جن کی اتباع کا امر ہے وہی ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور سرِ مو تجاوز نہ کریں ان حضرات کی اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع ہے۔

بغیر اتباع کے کوئی کام نہیں ہو سکتا نہ دین کا نہ دنیا کا۔ آپ لوگ اس وقت نہیں دیکھتے ہیں کہ ایک شور مچا ہوا ہے اور بڑبونگ ہو گیا ہے کوئی کسی کی بات سننے کو تیار نہیں ہے نہ کوئی چھوٹا ہے اور نہ کوئی بڑا۔ عاقل اور غیر عاقل سب برابر ہو گئے ہیں سب خود سر ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اشاعت اسلام میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَنْ يَّزَالَ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا تَبَايَنُوْا فَاِذَا تَسَاوَوْا هَلَكُوْا۔ (آدمی ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک ان میں فرقِ مراتب قائم رہے گا اور جو سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے)

اسی طرح ایک شاعر کا شعر نقل فرمایا ہے ؎

لَا يَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضٰى لَاسُرَاةَ لَهُمْ وَلَاسُرَاةَ اِذَا جُهَّالُهُمْ سَادُوْا

"لوگ جبکہ مساوی درجہ خود سر ہوں کوئی انکا فرد سردار نہ ہو کبھی ان کی حالت درست نہیں ہو سکتی اور اگر کسی جاہل کو سردار بنا دیں تو وہ حقیقتہً نہ ہونے کے حکم میں ہے۔"

اتباع ہی سے آدمی مرتبہ پاتا ہے اور یہ اتباع کی ضرورت اور فضیلت کی دلیلِ عقلی ہے ؎

ہر آں کس کہ گردن بفرماں نہد بسے بر نیاید کہ فرماں دہد

"ہر وہ شخص (جو اپنے سے بڑے کے) فرمان پر گردن جھکا دیتا ہے زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ وہ خود فرمان دینے کے قابل ہو جاتا ہے"

ؔ اللہ کی طرف رجوع ہونیوالے۔

اتباع کی برکات | حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو خلافت ملی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ملی۔ انھوں نے جان و مال کسی چیز کی پروا نہ کی۔ کفار حضرت صدیقؓ کی ڈاڑھی تک نوچ لیتے تھے لیکن انھوں نے یہ سب برداشت کیا۔ جاہلیت ہی کے دور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے اسی اتباع کا نتیجہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں امامت کا امر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ میں اختلاف ہوا کہ خلیفہ کون ہو۔ پہلے انصار کی خواہش تھی کہ ہم میں کا کوئی شخص امیر ہو پھر انھوں نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے رہے اور ایک امیر تم میں سے یعنی مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث پڑھی اَلۡاَئِمَّةُ مِنۡ قُرَيۡشٍ (مسلمانوں کے امام اور خلیفہ قریش میں سے ہوں گے) انصار خاموش ہو رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُس جماعت کا امیر اور امام کون بن سکتا ہے جس میں ابوبکرؓ ہوں اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ لائیے ہاتھ بڑھائیے انھوں نے ہاتھ بڑھادیا اور وہ بیعت ہوگئے پھر سب حاضرین نے بیعت کی۔

دیکھا آپ نے اتباع سے یہ ملتا ہے۔ اتباع و اطاعت پر شیخ سعدیؒ علیہ الرحمۃ بوستاں میں یہ قصہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا دیکھا کہ ایک بزرگ شیر پر سوار ہو کر آ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں متحیر ہوگیا تو فرمایا حیرت کیوں کرتے ہیں[۹]

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔۔۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

"تم بھی خدا کے حکم سے گردن نہ موڑو تو پھر کوئی بھی تمھاری اطاعت سے روگردانی نہیں کریگا"

سنو! ان کتابوں میں سب باتیں لکھی ہوئی ہیں مگر ان کو کون دیکھتا ہے۔ احکام سب مرتب ہیں کہ مسلمانوں کے لئے کیا احکام ہیں۔ ذمیوںؓ کے کیا حقوق ہیں۔ علماء سب باتیں مفصل لکھ گئے ہیں مگر تم لوگ جادۂ شریعت سے ہٹ چکے ہو نہ نقل کو مانتے ہو نہ عقل کو۔ تمھارے پاس قرآن و حدیث موجود ہے مگر کچھ نہیں سمجھتے ہو۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اپنی اسی کتاب اشاعتِ اسلام ہی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح غیر مسلموں کا حال بھی ہے جو مسلمانوں کے ملک میں ان کی ذمہ داری

---

[۹] دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ۔

اور عہد و پیمان کے ساتھ رہتے ہیں ان کا قتل بھی گناہ کبیرہ ہے قتل تو قتل انکی غیبت بھی حرام ہے اور کسی قسم کا ظلم کرنا جائز نہیں بلکہ کتب فقہ میں ذمی پر ظلم کرنا اشد ہے۔ اسلام و کفر کے فرق سے معصیت میں شدت وضعف ہو تو ہو مگر کبیرہ ہونے میں تردد نہیں ہے۔"

(اشاعت اسلام ص۴۵)

مومن کی ایذا رسانی سُنا آپ نے یہ جو سُنا رہا ہوں تو کسی وجہ سے سُنا رہا ہوں یونہی نہیں سُناتا ہوں سمجھ کر سُناتا ہوں کہ دیکھئے اسلام میں ذمّی تک کی غیبت حرام ہے مگر آجکل ہمارے بھائی غیبت شکایت ہی میں رہتے ہیں خاص کر کوئی عالم وصالح ہو تو اسکی غیبت تو ضروری ہی سمجھتے ہیں اپنی مجالس کو اسی سے رونق دیتے ہیں جہاں گیا یکساں ہی حالات دیکھے۔ ہر شخص ہمارے مقابلہ میں محقق ہوگیا ہے۔ یہ لوگ علماء کی غیبت کرکے خدا تک پہونچنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام کا بڑا درد ہے۔ خود نماز نہیں پڑھتے مگر نماز پڑھنے والوں کی اصلاح کے ہر وقت درپے رہتے ہیں کہ ہم لوگ کچھ نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں، مگر یہ لوگ کامل کیوں نہیں ہو جاتے۔

سنو! درد وَرد خاک نہیں ہے راستہ سے ہٹ چکے ہو تمہارے نزدیک قلب مومن کی ایذا اور آزار کی کوئی وقعت نہیں رہ گئی ہے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں سنو ان کی بات تو سنو گے۔

حضرت قدس سرہٗ مومن کی اذیت کی مذمت کو بیان کرنے کے بعد خواہ قول سے ہو یا فعل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل فرماتے ہیں :۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَذِيَّةُ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ نَقْضِ الْكَعْبَةِ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً۔" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مومن کی اذیت کعبہ شریف اور بیت المعمور کے پندرہ مرتبہ ڈھانے سے زیادہ عظیم شئے ہے۔

اِسْمَعْ وَيْلَكَ يَامَنْ لَمْ يَزَلْ يُؤْذِيْ فُقَرَاءَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

الصَّالِحُوْنَ لَهٗ الْعَارِفُوْنَ بِهٖ الْمُتَوَكِّلُوْنَ عَلَيْهِ" سنو! ہلاکت ہو تم کو اے وہ شخص جو کہ اللہ تعالیٰ کے فقراء کو ہمیشہ ایذا پہونچاتا رہتا ہے۔ حالانکہ وہ لوگ مومن ہیں صالح ہیں اور عارف باللہ اور اللہ پر متوکل ہیں"

سُنا آپ نے اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ تھے اور یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے کبھی فلاح نہیں پائی۔ آج تک غیبت شکایت سے کوئی خدا تک نہیں پہونچا ہے۔ ایسی باتیں سنانے والے نہیں آئے اس لئے تم لوگ جری و بیباک ہوگئے ہو۔ آتے ہو تو میں سُناؤں گا کروگے کیا؟ تمھارا ڈر دل سے نکال دیا ہے اللہ پر پورا بھروسہ کر لیا ہے۔ تم لوگ قوت استعمال کروگے تو میں بھی دوسری قوت استعمال کروں گا۔

ذلّت و نکبت کے اسباب | تم نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کو چھوڑ دیا ہے اس لئے تم لاکھ کوشش کر رہے ہو کامیابی نہیں ہو رہی ہے زمین تنگ ہوگئی ہے تمھارے آپس کے اختلاف نے مار کر ناس کر کے رکھ دیا۔ کسی کام کا تم کو نہیں چھوڑا۔ تم لوگ دوسروں پر روتے ہو اور میں تمھارے احوال کو دیکھ کر روتا ہوں کہ آخر تم کو ہو کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الآیہ)

" اللہ و رسول کی اطاعت کیا کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤگے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی "

مگر یہ لوگ کچھ نہیں سنتے۔ ایک مولوی صاحب ووٹ میں ہار گئے تو فریق مخالف مسلمانوں نے یہ نعرہ لگایا کہ ڈاڑھی والا ہار گیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ جائز ہے؟ ڈاڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس میں ڈاڑھی کی توہین ہوئی یا نہیں؟ مولوی کی اہانت ہوئی یا نہیں اس طرح کیا مسلمانوں کی عزت و آبرو محفوظ رہی۔ میں آپ لوگوں سے فتویٰ پوچھتا ہوں کہ از روئے شرع بتلا دیں کہ اس کا کیا حکم ہے۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ سنو! یہ خودکشی کے مرادف ہے، بلکہ قوم کشی ہے۔ اس طرح تم کبھی بھی فلاح نہیں

پاسکتے۔ یہ لوگ اخبار سے سیاست اور دین سیکھنا چاہتے ہیں۔ اخبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھتے ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

(اے شخص تو کب تک یونانیوں کی حکمت پڑھتا رہے گا۔ ایمانیوں کی حکمت کو بھی تو ذرا پڑھ کر دیکھ)

اب ہر شخص کہتا ہے کہ ہمارا نظریہ یہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ نظریہ تو نظر و فکر سے ہے تمہاری نظر و فکر تو رخصت ہوگئی تو نظریہ کہاں رہا اگر کوئی نظریہ ہوتا تو کیا یہ بدحالی ہوتی؟ ـــ سنو! اگر صحیح نظریہ کے تحت کوئی کام کیا جائے تو وہ صلاح ہے ورنہ فساد ہے ان سب کا انسداد اللہ تعالیٰ نے اس قول سے فرما دیا ہے:۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آپ فرمادیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو) جب صحیح اتباع کروگے تو فلاح پاؤ گے

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

قبولیتِ دُعا کا طریقہ

فرمایا کہ ـــ احکام الاحکام میں باب الاستسقار کے حاشیہ پر یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ مبارک میں جب قحط پڑتا (اور بارش کی کمی ہوتی) تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے توسل سے دعا فرماتے (یعنی یوں دعار کرتے کہ) اے اللہ! ہم اب سے پہلے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے آپ سے دعار مانگا کرتے تھے اور آپ بارش عطا فرما دیتے تھے۔ اب ہم آج آپ کی طرف آپ کے نبیؐ کے عم محترم کو بطور وسیلہ کے پیش کرتے ہیں (یعنی ان کے توسط اور وسیلہ سے تجھ سے دعار کرتے ہیں تو ہم کو بارش عطا فرما۔ چنانچہ بارش ہو جاتی تھی۔ یہ روایت

حدیث کی صحیح ترین کتاب بخاری شریف میں ہے

حافظ ابن حجرؒ اپنی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ زبیر بن بکار نے انساب میں اس وقت (یعنی زمانہ) کا بھی تذکرہ کیا ہے جب کہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس موقع پر خود حضرت عباسؓ نے جو دعا رفرمائی تھی اس کو بھی بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا رمانگی تو خود حضرت عباسؓ نے بھی اسکے بعد یوں دعا رکی کہ اے اللہ (ہم یہ جانتے ہیں کہ) ہم پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ پاداش عمل ہو کر ہماری معصیت اور سوء اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔ اور کوئی بلا ہم سے ٹلتی نہیں بغیر توبہ کے تو اے پروردگار یہ جماعت مسلمین کی آپ کی جانب اسوقت مجھ کو وسیلہ بنا کر متوجہ ہوئی ہے یہ جانتے ہوئے کہ آپ کے نبیؐ سے میرا کچھ تعلق اور رشتہ ہے اور اے مالک یہ ہمارے گناہوں سے بھرے ہوئے ہاتھ آپ کی جانب اٹھے ہوئے ہیں اور ندامت سے پُر یہ ہماری پیشانیاں آپ کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔ لہٰذا (محض اپنے فضل و کرم سے) ہم کو بارش عنایت فرمار (راوی حدیث کہتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا تھا کہ) پہاڑ کی مانند ابر کے ٹکڑے آسمان پر اٹھے اور خوب زوروں کی بارش ہوئی ایسی کہ زمین لہلہا اٹھی اور لوگ خوش عیشی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

آگے صاحب فتح الباریؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے چند امور مستنبط ہوئے:۔

(۱) اہل خیر و صلاح (یعنی صالحین اور بزرگان دین) کو اپنی دعار میں اللہ تعالیٰ سے وسیلہ بنانا جائز ہے بالخصوص اہلبیت نبوت کو (یعنی جن حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق حاصل ہے مثلاً حضرات سادات کرام کو) ایسے موقعوں پر وسیلہ بنانا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ (۲) اس روایت سے حضرت عباسؓ کا فضل اور انکی بزرگی بھی ثابت ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے انھیں کو توسل کے لئے منتخب فرمایا۔

(۳) نیز اس حدیث سے خود حضرت عمرؓ کی بھی فضیلت نکلی کہ (گو فی الواقع وہ خود ہی حضرت عباسؓ سے افضل تھے کیونکہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے افضل

حضرت صدیق اکبرؓ ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ لیکن (آ
پ نے حضرت عباسؓ کے ساتھ معاملہ ایسا فرمایا جس سے ان کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے
یہ حضرت عمرؓ کی غایت درجہ کی تواضع تھی۔ چنانچہ اس وصف میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یوں نفس تواضع تو حضرت عباسؓ نے بھی فرمائی کہ اس وقت کی دعا میں محض اپنے وسیلہ بنائے جانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود آگے بڑھے اور دربار خداوندی میں اپنے رشتۂ نبویؐ کے ساتھ ساتھ امت کے گناہ اور توبہ وندامت کا بھی ذکر کر کے دعا فرمائی تاکہ مخلوق پر یہ ظاہر فرما دیں کہ یہ جو کچھ کرم ہوا ہے یہ محض میری ہی برکت سے نہیں ہوا ہے بلکہ تمہاری ندامتِ قلبی کو بھی اس میں دخل ہے۔

سبحان اللہ! کیسے مخلص تھے ہمارے اسلاف اور کیسے خوشنما تھے ان کے افعال۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے اسلاف کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیں۔

سزا کی معصیت سے مناسبت اور حکمت

فرمایا کہ تفسیر روح البیان میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ناپ تول میں کمی کی جانے لگے گی تو بارش بند ہو جائے گی۔ جب (مخلوق میں) زنا کی کثرت ہو جائے گی تو لوگ ہلاک ہونے لگیں گے۔ اور کذب اور جھوٹ کثرت سے پھیل جائے گا تو لوگوں میں لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد کی زیادتی ہو جائے گی۔

آگے صاحب روح البیان اسکی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حکمت یہ ہے کہ زنا میں بھی نفس کی ہلاکت ہوتی ہے۔ کیونکہ ولد الزنا کو ہلاک شدہ ہی سمجھو (اس لئے کہ جس کی دنیا میں نہ کچھ قدر و منزلت ہو نہ کوئی اس کا پرسان حال ہو نہ اسکی تعلیم و تربیت ہو اسکی زندگی بھی کوئی زندگی ہے) پس وہ حکماً ہالک ہی ہے اسی لئے اسکی سزا بھی موت سے دی گئی۔ دیکھتے نہیں ہو کہ جب تول میں کمی کی تو اس کا بدلہ بارش کی کمی سے دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی رزق کی کمی کا ذریعہ ہے جیسا کہ اس نے غلہ وغیرہ لوگوں کو کم دیا تو خدا نے بھی اپنے کوٹے میں کمی فرما دی۔ اسی طرح کذب چونکہ سبب ہے لوگوں

میں باہم تفرقہ وعداوت کا اسی لئے اسکی سزا فتنہ وفساد سے دی جاتی ہے۔ باقی مصیبت جب واقع ہوتی ہے تو عام ہو جاتی ہے تو اس کا یہ عموم اخوان الشیاطین کے حق میں عقوبت اور عذاب بن کر واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالٰے کے صالحین بندوں کے حق میں رحمت اور شہادت بن کر وجود میں آتا ہے اس لئے کہ موت مومنین کے لئے تو تحفہ ہے اور فاسق کیلئے حسرت ہوتی ہے

مصائب دنیا رحمت ہیں یا عذاب ؟

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصائب و آفات حق تعالیٰ کی رحمت اور بڑی فضیلت کی چیز ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں اسکے بعد درجہ بدرجہ مقبولین اور اولیاء پر۔

لیکن اسکے بالمقابل بہت سی آیات قرآنیہ اور روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمارے گناہوں کے نتائج وثمرات ہیں اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالٰے کے قہر کی علامت ہیں اسلئے حیرانی ہوتی ہے کہ حقیقت کیا ہے اور انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اسکو قہر الٰہی سمجھے یا رحمت ؟

قطب عالم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے اس مسئلہ کا بہترین حل فرمایا ہے جو علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب "صفوۃ الصفوہ" میں تحریر فرمایا ہے وھوھٰذا :-

حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ امراض و مصائب کی تین حالتیں ہیں۔ بعض حالات میں وہ عذاب اور قہر خداوندی ہوتے ہیں اور بعض میں گناہوں کا کفارہ۔ اور بعض میں سبب رفع درجات۔ اور پہچان ہر ایک کی یہ ہے کہ :-

اگر امراض و مصائب کے ساتھ مصیبت زدہ کو تقدیر الٰہی پر غصہ اور اس سے شکایت پیدا ہو تو علامت قہر خداوندی اور عذاب کی ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے تو یہ علامت کفارۂ ذنوب ہونے کی ہے اور اگر صبر کے بعد رضا اور قلب میں انشراح محسوس کرے تو وہ علامت رفع درجات کی ہے۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی مصائب تیسری قسم میں داخل

ہیں اور عام مومنین کے مصائب قسم دوم میں۔ اور اول قسم اکثر کفار کا حال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی دو نصیحتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد۔ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آجکل جتنی لڑائیاں یں سب اقتدار اور مناصب کے تحصیل کی ہیں اور اسکے لئے اہل نا اہل کی بھی تمیز باقی نہیں رہ گئی۔ یہ اہر ہے کہ کسقدر بُرا ہے ویسے ہی اقتدار اور مناصب کی تحصیل قابل مذمت امر ہے خاص کر اُس وقت ، اس میں اہلیت اور نا اہلیت کا سوال بھی باقی نہ رہ جائے۔

اس لئے میں اپنے تمام متعلقین سے نصیحت کے طور پر کہتا ہوں کہ اس میں کبھی نہ پڑیں اس کو دین ور دنیا کے لئے سخت مضر سمجھیں اور اس باب میں کسی سے نزاع نہ کریں دینی جگہوں میں اس قسم کے تذکرے ھی نہ ہونا چاہیئے کہ یہی سدِ باب فتنہ ہے۔ اگر عام مسلمان بھی میرے اس مشورہ کو پسند کریں تو وہ بھی س پر عمل کریں۔ ؎

سائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است   با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

دونوں جہاں کی راحت و آسائش بس ان دو باتوں میں منحصر ہے۔ دوستوں کے ساتھ محبت و مہربانی کا برتاؤ کرنا اور دشمنوں کیساتھ نرمی در واداری برتنا)

ایک اور بات نصیحۃً عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ امام عبدالرحمٰن ابن علی جوزیؒ اپنی کتاب کتاب الاذکیاء میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں انسان کو بخشی ہیں ان میں سب سے بڑی چیز عقل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی تحصیل کا یہی ذریعہ ہے اسی سے دین و دنیا کے مصالح کا انضباط ہوتا ہے اور اسی سے آدمی انجام کار پر نظر رکھتا ہے، غامض (باریک) چیزوں کا ادراک اسی سے کیا جاتا ہے اور باریکیوں کو اسی سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی سے فضائل حاصل کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ اہل اللہ صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے بڑے بھائی اپنے رسالہ چہار باب میں فرماتے ہیں:-

نصیحت:۔ عقل وکیاست وفہم وفراست ہرچند امر جبلی ست اما بکثرت تجربہ وصحبت عقلاً وکسب علوم عقلیہ واستماع قصص ونصائح می افزاید پس باید کہ چناں کوشند ہر روز قوی عقلیہ خود را قوی باید کرد وخود را بتکلف وفکر از عقلا باید گردانید ودر زمرۂ سفہا ر نگذارند (چہار باب)

"عقل اور ہوشمندی، سمجھ اور دوراندیشی اگرچہ فطری اور پیدائشی چیزیں ہیں تاہم زیادتی تجربہ اور عقلمندوں کے ساتھ رہنے اور علوم عقلیہ کے حاصل کرنے اور قصوں اور نصیحتوں کے سننے سے ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا ایسی کوشش کرنی چاہیئے کہ روز بروز اپنی قوتِ عقلیہ قوی ہوتی رہے بلکہ اپنے آپ کو کوشش اور فکر کرکے عقلمندوں میں داخل کرنا چاہیئے اور بیوقوفوں کے زمرہ میں نہ رہنے دینا چاہیئے۔"

جب عقل اتنی بڑی چیز ہے تو اس سے کام لینا چاہیئے۔ اس کو مہمل نہ رکھنا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے کام نہیں لیا جاتا اسی لئے دنیا اور دین دونوں برباد ہیں۔ ہماری قوتِ فکر یہ بالکل معطل ہے خاص کر نیک لوگوں کو اس سے عاطل (خالی۔کورا) پاتا ہوں۔

طالبین کے درجات

فرمایا کہ۔ **مبتدی** وہ ہے کہ جس کے دل میں اس راہ کی طلب جوش کرے اور تلاش میں مصروف ہو اور موانع طریق سے دامن چھڑائے۔ **متوسط** وہ ہے کہ جس پر یہ طلب غالب آکر اسکی عاداتِ قدیمہ کو بدل دیوے اور اثر اسکا اسکے حرکات وسکنات میں ظاہر ہو اور جنکی محبت پہلے تھی انکی محبت دل میں نہ رہ جائے یا ضعیف ہوجائے۔ **منتہی** وہ ہے کہ سوا یادِ الٰہی کے کوئی بات اسکے دل میں نہ رہے۔

فرمایا کہ۔ ابتدائے طریق میں تو اعمال کی ضرورت ہوتی ہے اور اس پر زور دیا جاتا ہے مگر انتہا میں علوم کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی سے ترقی ہوتی ہے

اسلئے۔ میں علم وفہم کی طرف زور دیتا ہوں جس کو جتنا علم وفہم ہوتا ہے اتنا ہی ترقی کرتا ہے۔

غرض یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ شارع نے جس طرح تحصیلِ اعمال کا اہتمام کیا ہے اسی طرح تسہیل اعمال کا بھی کہیں کہیں لحاظ فرمایا ہے چنانچہ یہ حدیث تو رعایت تسہیل میں صریح تھی۔ اب آیت میں غور کیجئے تو یہاں بھی حق تعالےٰ نے اول ایک غایت تحصیل عمل کے لئے بیان فرمائی اسکے بعد دوسری غایت تسہیل عمل کے لئے ذکر فرمائی کہ تکرارِ انفاق سے انفاق سہل ہو جاتا ہے۔ پس انفاق میں یہ غرض بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے اور یہ طریقہ تمام اعمال کی تسہیل میں مفید ہے تکرار عمل سے ہر عمل شاق سہل ہو جاتا ہے جیسا اوپر بھی مذکور ہو چکا ہے مگر طریق تسہیل کا بتلانا شارع کے ذمہ نہیں یہی وجہ ہے کہ تمام احکام میں اسکی رعایت نہیں کی گئی اور ہر عمل کی سہولت کا طریقہ شارع نے نہیں بتلایا۔ نیز علماء کے ذمہ بھی طرقِ سہولت تبلانا لازم نہیں اور اسی کی فرع یہ بھی ہے کہ علماء کے ذمہ یہ بھی نہیں کہ سائل کے جواب میں ایسی تقریر کریں کہ مخاطب کی سمجھ ہی میں آجائے جبکہ وہ مسئلہ اسکی فہم سے عالی ہو۔ ہاں مسئلہ کی تقریر کر دینا جبکہ وہ ضروری سمجھیں ان کے ذمہ ہے خواہ مخاطب سمجھے یا نہ سمجھے اور اگر مخاطب سے فہم کی امید نہ ہو تو علماء کے ذمہ تقریر کرنا بھی لازم نہیں ان کو یہ کہہ دینے کا حق ہے کہ تم اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ رامپور میں ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ معراج کا مسئلہ میری سمجھ میں نہیں آیا مجھے اس پر کچھ اشکالات ہیں۔ میں نے کہا بیان کیجئے۔ کہا یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان زمین سے آسمان پر پہنچ جائے کیونکہ درمیان میں کرۂ زمہریر ہے، کرۂ نار ہے نیز حکماء کا قول ہے کہ چند میل اوپر ہوا نہیں ہے وہاں کوئی متنفس زندہ نہیں رہ سکتا کیونکہ سانس کے لئے ہوا کی ضرورت ہے پھر معراج کیونکر ہوئی میں نے کہا بدون نفس (سانس) کے زندہ رہنا محال ہے یا مستبعد ہے؟ اسی طرح زمہریر و نار میں زندہ رہنا محال ہے یا مستبعد ہے؟ گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت محال و مستبعد میں فرق ہی نہ سمجھتے تھے میں نے ان دونوں میں فرق ظاہر کیا اور کہا اب آپ کے اشکالات کا حاصل یہ ہوا کہ معراج کا واقعہ مستبعد ہے سو اس سے ہم کو انکار نہیں معجزات مستبعد تو ہوتے ہی ہیں ورنہ معجزہ ہی کیوں کہا جائے لیکن محال ہرگز نہیں کیونکہ اسمیں عقلی

---

[1] جس مقام پر حدیث یا معشر الشباب کا ذکر شروع ہوا ہے اس مقام سے ذرا پہلے اس کا بیان آیا ہے ۱۲ - منہ

استحالہ کچھ نہیں. وہ کہنے لگے کہ یہ دقائق ہیں نہیں سمجھتا مجھے اسکی کوئی نظیر مشاہدات میں بتلائیے میں نے کہا کہ نظیر پر ثبوت دعویٰ موقوف نہیں ہوتا کیونکہ نظیر بھی تو ایک واقعہ ہے اگر ہر واقعہ کو دوسرے واقعہ کے واسطہ سے مانا جائے گا تو یا تو تسلسل لازم آئیگا اور وہ محال ہے یا کہیں سلسلہ کو قطع کردگے تو یہ اخیر کا واقعہ بدون نظیر کے مانا گیا پھر واقعہ معراج ہی کو اولاً بدون نظیر کے کیونکہ نہیں مانا جاتا مگر وہ پھر بھی وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہانکتے رہے کہ سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا بس اتنی کسر رہ گئی کہ میں آپ کے سامنے آسمان پر اڑوں کہ دیکھو معراج یوں ہوا کرتی ہے اس کے بعد ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ تنفس کی ضرورت مکث طویل میں ہوتی ہے اور مکث طویل ہی سے حر و برد کا اثر بھی لازم آتا ہے سرعت سیر میں نہ تنفس کی ضرورت ہے نہ مرور فی النار سے احتراق لازم آتا ہے۔ چنانچہ چراغ کی لَو میں جلدی جلدی انگلی چلائی جائے تو آگ کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا پس، اگر مان لیا جائے کہ اوپر ہوا نہیں ہے تو اس سے واقعہ معراج پر کیا اشکال ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقہ کو جو نہایت سرعت سے طے کیا ہے جس میں آپ کو تنفس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی اور ضرورت ہوئی بھی تو پندرہ بیس منٹ حبس دم کرنے سے ہلاکت نہیں ہوتی اور اسی سرعت کی وجہ سے آپ کے جسم پر نار و زمہریر کا اثر نہیں ہوا مجھے یہ جواب پسند آیا اور خیال ہوا کہ اس وقت یہ بات معلوم ہوجاتی تو سائل کی تسلی ہوجاتی مگر مجھے زیادہ خیال نہیں ہوا کیونکہ تسلی کرنا ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ علیگڈھ میں ایک پروفیسر میرے پاس آئے جو علوم عربیہ کے استاد وہاں مشہور تھے انھوں نے ایک حدیث حاکم کا متن پڑھا وَلَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا سُلِّطَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتُ ؎ (اور زنا کسی قوم میں نہیں پھیلے گا مگر اس قوم پر موت مسلط کردی جائیگی) یعنی وبا اور طاعون کثرت زنا سے ہوتا ہے سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا طاعون و زنا میں ارتباط سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا پھر اسکے نہ سمجھنے سے ضرر ہی کیا ہوا کہنے لگے ضرر تو کچھ نہیں ہوا لیکن معلوم ہونے سے نفع ہوتا۔ میں نے کہا کہ وہ نفع کیا ہے کہنے لگے اطمینان میں نے

؎ کذا فی الترغیب ۱۲۔

کہا اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل ۔کہا اگر یہ مطلوب نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اسکو طلب نہ فرماتے ۔ میں نے کہا کہ کیا ضرور ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نافع ہو وہ آپ کے لئے بھی نافع ہو بس اس پر وہ خاموش ہوگئے میں نے اس کے بعد ان سے کہا کہ مولانا آپ یہ نہ سمجھیں کہ ملانوں کو اس کا ارتباط معلوم نہیں الحمد للہ کہ ہم کو بعض اسرار کا علم بھی بزرگوں کے طفیل سے حاصل ہے مگر بتلانا مصلحت نہیں سمجھتے اور میں نے یہ شعر پڑھا ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز | ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(مصلحت کے خلاف ہے کہ راز پوشیدہ ظاہر کردیا جائے ۔ ورنہ کوئی ایسی خبر نہیں ہے جو ہم رندوں کی مجلس میں نہ ہو)

ہمیں خبر ہے مگر آپ کو نہیں بتلاتے کیونکہ اسرار کا بتلانا ہمارا ذمہ نہیں صرف احکام کا بتلانا ہمارے ذمہ ہے پھر میں نے احباب کے جلسۂ خاص میں اس ارتباط کی تقریر کردی غرض اسی طرح طرق تسہیل کا بتلانا ہمارے ذمہ نہیں بلکہ مشائخ کے بھی ذمہ نہیں گو مشائخ مشائخ بنے اسی سے ہیں کہ وہ فن تسہیل سے واقف ہیں مگر یہ ان کے ذمہ نہیں محض انکی عنایت و رحمت ہے مخلوق پر کہ وہ طرق تسہیل بتلا دیتے ہیں اور وہ بھی اس طرق کو اس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جو تحصیل میں ساعی ہو اور جو شخص تحصیل اعمال میں کوتاہی کرکے تسہیل کا طالب ہو وہ اسکے ساتھ تسہیل کا معاملہ نہیں کرتے بلکہ تکلیف کا معاملہ کرتے ہیں (یہاں پہونچ کر اذان عصر ہوگئی تو فرمایا کہ بس میں اب ختم ہی کرنیوالا ہوں ۔ یہ فرماکر خاموش ہوگئے ۔ اور اذان کے بعد فرمایا) کہ اب میں مقصود کی توضیح کرکے چند باتیں تفسیر آیت کے متعلق بیان کرکے ختم کرتا ہوں ۔میرا مقصود اس آیت کی تلاوت سے یہ تھا کہ شارع نے اصل میں ہم کو اعمال اختیاریہ کی تحصیل کا مکلف کیا ہے اور شارع کے ذمہ تسہیل کی رعایت نہیں مگر محض عنایت کی وجہ سے بعض دفعہ تسہیل کی بھی رعایت فرمادیتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں کیا گیا ہے ۔

پس سالکین کی یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ سہولت کے طالب ہیں اور طلب و تحصیل میں

کوتاہی کرتے ہیں اس میں مقصود بالذات کو تابع اور مقصود بالعرض کو اصل قرار دینا ہے نیز صفتِ اختیار کا ابطال ہے جو امانت الٰہیہ ہے۔ اب

اب میں مختصراً تشبیہ کے متعلق جو اس آیت میں مذکور ہے کچھ عرض کرتا ہوں حق تعالیٰ نے یہاں نفقات کو جنات سے تشبیہ دی ہے وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح باغ میں پھل کو ترقی ہوتی ہے اسی طرح نفقات میں زیادت ہوتی ہے اور وابل سے اخلاص کی تشبیہ مقصود ہے جس کی دلیل اوپر کی آیات ہیں کیونکہ اوپر رِیَاء فِی الْاِنْفَاق کی مذمت ہے کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے (محض) لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر) اسکے بعد اخلاص فی الانفاق کی فضیلت بیان فرمائی گئی اور جب وابل سے مراد اخلاص ہے اور اس کے مقابلہ میں طل مذکور ہے اور وابل کہتے ہیں موسلا دھار بارش کو، طل کہتے ہیں پھوار کو تو اس تقابل سے معلوم ہوا کہ وابلٌ سے اخلاص کامل مراد ہے اور طلٌ سے اخلاص قلیل مراد ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر اخلاص کامل ہوا تو نفقات میں ترقی زیادہ ہوگی اور اگر اخلاص قلیل ہوا تو وہ بھی ترقی کے لئے کافی ہے گو زیادہ ترقی نہ ہو۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اخلاص قلیل بھی مطلوب ہے بلکہ اس سے وہمیوں کا علاج کیا گیا ہے کیونکہ اگر اخلاص کامل کا مطلوب ہونا ان کے ذہن نشین ہو جائے تو ان سے کوئی عمل نہ ہو سکے گا کیونکہ پہلے ہی دن اخلاص کامل میسر نہیں ہو سکتا۔ جیسے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے سامنے ایک جنازہ کی نماز شروع ہوئی اور وہ شریک نہ ہوئے کسی نے پوچھا کہ آپ نے نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی فرمایا کہ میں نیت کی تصحیح میں مشغول رہا یہی سوچتا رہا کہ اس وقت اس میت کی نماز پڑھنے میں کیا نیت ہے کیونکہ نماز جنازہ میں مختلف نیتیں ہوتی ہیں کبھی اعزہ و اقربا کی خاطر سے پڑھی جاتی ہے کبھی میت کی وجاہت کا اثر ہوتا ہے کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ میت محلہ دار ہے اگر نماز نہ پڑھیں گے تو اہل محلہ ملامت کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس یا عالم کے جنازہ کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے غریبوں کے جنازہ کا اسقدر اہتمام نہیں ہوتا اگر اخلاص منشار ہوتا تو یہ فرق کیوں ہوتا۔ اسی طرح حافظ اگر تراویح میں سوچتا رہے کہ میں تراویح میں

جو بنا سنوار کر قرآن پڑھ رہا ہوں اس میں کیا نیت ہے کیونکہ تنہا نماز پڑھتے ہوئے ایسا اہتمام نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ وہ تراویح ہرگز نہ پڑھا سکے گا۔ بس اس وہم کا علاج کر دیا گیا کہ تم کس وہم میں پڑے ہو۔ ہمارے یہاں اخلاصِ قلیل بھی کافی ہے بس تم اپنی طرف سے برا قصد نہ کرو اسکے بعد بیفکر ہو کر کام میں لگو اور اخلاصِ کامل کے لیئے سعی کرتے رہو اسی طرح سے ایک دن اخلاصِ کامل بھی میسر ہو جائے گا اور اگر پہلے ہی دن اخلاصِ کامل پر عمل کو موقوف رکھا تو تم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ یہ مطلب ہے فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ کا کہ ابتداء میں اخلاص قلیل ہی کو کافی سمجھو اور عمل شروع کر دو یہ مطلب نہیں کہ اخلاص قلیل ہی مطلوب ہے بلکہ مطلوب تو اخلاص کامل ہے مگر اسکے حصول کا طریقہ یہی ہے کہ اول قلیل ہی سے عمل شروع کر دو۔ طَلٌّ پر مجھے ایک لطیفہ ہارون رشید کی باندی کا یاد آگیا گو مضمون سے اسکو تعلق نہیں مگر لفظ طلّ سے تعلق ہے ہارون الرشید نے اپنی ایک جاریہ کو کسی غلام سے ہنستے بولتے دیکھ لیا جس کا نام تھا طل (غلام لونڈیوں کے ایسے ہی نام ہمارے عرف میں رکھتے ہیں جیسے بہار وغیرہ) ہارون الرشید نے اس جاریہ کو ڈانٹا اور کہا خبردار! جو کبھی اس سے بات کی بلکہ کبھی زبان سے اس کا نام بھی مت لینا۔ ایک بار وہ لونڈی قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی کہ یہی آیت آئی اسکو معلوم ہوا کہ امیر المومنین ایسے موقع پر موجود ہیں جہاں اسکی آواز جا رہی تھی تو اس نے کیا مزہ کیا کہ آیت کو اس طرح پڑھا فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَالَّذِیْ نَهَانِیْ عنه اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ امیر المومنین ہنسنے لگے اور خطا معاف کر دی اور نام لینے کی اجازت دیدی۔

پس اصل مقصود تو اخلاص کامل ہے اور اسی کا امر ہے اور وہی مطلوب ہے اور اس سے تکمیل عمل کی مقصودیت پر دلالت ہوگئی مگر چونکہ اس میں بعض وہمیوں کو غلو ہو جاتا ہے اسلیئے فطل میں اسکی تعدیل کر دی گئی گویا فَاَصَابَهَا وَابِلٌ میں تکمیل کی تعلیم تھی اور فَطَلٌّ میں تعدیل کر دی گئی تو اس آیت میں چار چیزیں مذکور ہوئیں تحصیل۔ تسہیل۔ تکمیل۔ تعدیل۔ اور اسی مناسبت سے میں اس بیان کا نام "التحصیل والتسهیل مع التکمیل والتعدیل" تجویز کرتا ہوں اور اس مضمون کو خاص رمضان سے

یہ تعلق ہے کہ طاعات رمضان کو بھی مثل تکرار اتفاق کے تسہیل اعمال میں بڑا دخل ہے یعنی رمضان میں یہ خاصیت ہے کہ اس ماہ میں جن طاعات پر مداومت کرلے سال بھران پر مداومت سہل رہتی ہے اور جن گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرلے سال بھران سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔ ابن حبان نے ایک حدیث مرفوع روایت کی ہے مَنْ سَلِمَ لَهُ الْجُمُعَةُ سَلِمَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرىٰ وَمَنْ سَلِمَ لَهُ رَمَضَانُ سَلِمَ لَهُ السَّنَةُ كُلُّهَا قلت اخرجه السيوطى فى الجامع الصغير وعزاه الى الدار قطنى وابن عدى و احمد عن عائشة بلفظ إِذَا سَلِمَتِ الْجُمُعَةُ سَلِمَتِ الْأَيَّامُ وَإِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ (جس کا جمعہ ٹھیک رہا اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک جو اسکے درمیان دن ہیں وہ بھی ٹھیک رہیں گے۔ اور جس کا رمضان ٹھیک رہا اس کا پورا سال ٹھیک رہا) وقال العزیزی وھو حدیث ضعیف صـ۱۳۵ ج۱۔

رہا یہ کہ رمضان میں یہ خاصیت بالکیفیت ہے یا بالخاصہ ہے، دونوں احتمال ہیں اگر بالخاصہ ہے تب تو وجہ بیان کرنیکی ضرورت نہیں۔ اور بالکیفیت ہے تو یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ مہینہ بھر کسی عمل سے رکنے میں اس سے اجتناب کی عادت ہوجاتی ہے۔ اب سال بھر اس سے بچنا سہل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کسی عمل کے کرنے میں بھی ایسا ہی سمجھو مگر سہولت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر اب اس عادت سے کام لو تو سہولت ہوجائے گی۔ یہ معنیٰ نہیں کہ عادت سے کام لینے کی بھی ضرورت نہ رہے گی جیسے کسی شخص کی آنکھیں بنائی گئیں اور ان میں روشنی آگئی تو آنکھ کے درست ہوجانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر وہ اس سے کام لیگا آنکھیں کھولیگا تو نظر آئے گا۔ اگر کوئی احمق یہ کہے کہ میں تو آنکھ نہ کھولوں گا کھولنے سے نظر آیا تو فائدہ ہی کیا ہوا آنکھ بننے کے تو یہ معنیٰ ہیں کہ بدون کھولے بھی نظر آئے تو ایسی تیسی اس احمق کی۔ پس یہ مطلب نہیں کہ رمضان لاٹھی لیکر تم کو گناہوں سے روکے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسکی ایسی برکت ہے کہ اس میں گناہوں کو اہتمام سے چھوڑ کر بعد میں اس برکت سے کام لینا چاہو تو گناہوں کا چھوڑنا آسان ہوگا ورنہ پھر یہ عالم ابتلا ہی کیا ہوا اگر جبراً تم سے گناہ چھڑا دیئے جائیں۔ پس اب بقیہ رمضان میں اہتمام کے ساتھ گناہوں سے بچو

خصوصاً نگاہِ بد اور غیبت سے اور اعمال صالحہ کا اہتمام کرو تلاوت قرآن ونماز وذکر میں مشغول رہو اور دوسرے دنوں سے آجکل کچھ کام بڑھا دو اور ایک عمل جس کو رمضان سے خصوصیت ہے ابھی باقی ہے یعنی شب قدر کی تلاش کرنا اس کا بھی خاص اہتمام کرو ابھی کچھ لیالی قدر باقی ہیں ان کو غنیمت سمجھو دو راتیں تو گذر گئی ہیں اگر ان میں اہتمام نہ کیا ہو تو بقیہ ہی کا اہتمام کر لو تاکہ فَاِنْ لَمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ہی کا مصداق ہو جائے اور کل رات میں نہ جاگ سکو تو زیادہ حصہ جاگ لو یہ بھی نہ ہو سکے تو دوسری راتوں سے کچھ زیادہ جاگ لو یہ بھی فَاِنْ لَمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ میں داخل ہے۔ غرض نہ سب راتیں ضروری ہیں نہ پوری رات ضروری ہے جتنا ہو جائے غنیمت ہے اس سے دریغ نہ کرو سہ

مرا ز زلف تو موئے بسند ست ہوس را رہ مدہ بوئے بسند ست

(تمہاری زلف کا ایک بال بھی مل جائے تو میرے لئے کافی ہے (بلکہ یہ بھی اپنے ظرف سے زیادہ کی آرزو ہے اسلئے اے نفس) زیادہ ہوس نہ کر تیرے لئے تو ان کے زلف کی خوشبو ہی بہت ہے) زلف محبوب کی خوشبو ہی کافی ہے۔ یہ شعر شیخ عبدالحق ؒ نے اس موقعہ پر لکھا ہے جہاں حدیث میں یہ قصہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع میں حلق راس کے بعد اپنے موئے مبارک تقسیم فرمائے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال دنیا میں موجود ہیں گو سند صحیح کے ساتھ ہم کو نہ ملیں مگر ہم کو یہ خبر ہی کافی ہے۔ شیخ میں عشق کا غلبہ ہے اشعار محبت بڑے موقعہ سے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں جس میں حضور ؐ کے مرض وصال کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن صحابہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے حضرت صدیق ؓ امام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ کی جماعت کو د... اور ت... فرمایا۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہماری اسوقت حضور ؐ کا چہرہ دیکھ کر ایسی حالت ... قریب تھے کہ نماز توڑ دیں۔

... اس واقعہ کو بیان کرکے یہ شعر لکھتے ہیں سہ

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد   حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

(جب نماز میں مجھے آپ کی ابرو کا خم و پیچ یاد آیا تو ایک ایسی حالت پیدا ہو گئی کہ محراب بھی نالہ و فریاد میں آ گیا)

خیر یہ تو استطراداً ذکر ہو گیا۔ اصل مقصود پہلا شعر تھا کہ ؎

مرا از زلف تو موئے بسندست   ہوس را رہ مدہ بوئے بسندست

تم اگر ساری رات نہ جاگ سکو تو جتنا ہو سکے اور دنوں سے کچھ زیادہ شبِ قدر میں جاگ لو۔

ہمارے حاجی صاحبؒ کا شعر ہے ؎

بس ہے اپنا ایک نالہ بھی اگر پہونچے وہاں   گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

میں عالی ہمتوں کی ہمت کم نہیں کرتا بلکہ کم ہمتوں کی ہمت بڑھا رہا ہوں کہ وہ زیادہ نہ کر سکیں تو قلیل سے تو دریغ نہ کریں اور جو زیادہ کر سکتے ہیں وہ زیادہ میں کمی نہ کریں۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق ہو

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

وَبَارَكَ وَسَلَّمَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا

اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

قطعہ

غریبے دردمندے نے نوازے   ز سوز نغمۂ خود در گدازے

تو می دانی چہ می جوید چہ خواہد   دلے از ہر دو عالم بے نیازے

(ارمغان حجاز)

(اے شاہ کونین ایک دردمند دور افتادۂ وطن ایک نے نواز اور سریلی آواز والا۔ اپنے ہی نغمہ اور عرض حال کے سوزِ دروں سے پگھلا جا رہا ہے) (آپ کو خوب معلوم ہے کہ اسے کس چیز کی جستجو ہے اور وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ ایسے دل کا آرزومند ہے جو دونوں ہی عالم سے بے نیاز اور مستغنی ہو)

بعض باتیں رسم ہوگئیں اگرچہ ابتدا میں غلبۂ حال میں صادر ہوئی تھیں جیسے قیام مولود
...ں کی اصل بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی مجلس میں اتفاقاً ذکر شریف میں کسی کو وجد ہوا اور
...ہ اسی حالت میں کھڑا ہوگیا اور اس کے ساتھ دوسرے لوگ کھڑے ہوگئے جیسا کہ امام غزالیؒ
نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو وجد ہو اور وہ کھڑا ہو جائے تو سب کو کھڑا ہو جانا چاہئے تاکہ اسکو
انقباض نہ ہو۔ اب وہ رسم ہو گئی۔

(۶۲۶) فرمایا کہ میں نے ایک صاحب سے کہا تھا کہ تم جو ہمیں وہابی کہتے ہو تو ہم کو
...بن عبدالوہاب سے نسبت کیا ہے۔ حالانکہ نسبت تین قسم کی ہے اوّل نسبتِ تلمذ تو وہ ہمارے
سلسلۂ اساتذہ میں نہیں۔ دوسری نسبتِ بیعت، یہ بھی نہیں۔ تیسرے نسبت نسب کی سو
...ہ ہمارے بڑوں میں بھی نہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں ہم کو اسکی طرف نسبت کرنے میں
...م سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اب تو نسبت کرنے والے یہ معنیٰ لیتے ہیں کہ ہم افعال میں اس کے
متبع ہیں مگر یہ بھی تہمت ہے کیونکہ ہمیں تو عبدالوہاب کی تاریخ بھی نہیں معلوم۔ ہماری مجالس
...یں اس کا تذکرہ بھی کبھی نہیں آتا بطور مدح نہ بطور قدح۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ وہابی
کے معنیٰ آجکل یہ ہیں جو رسوم مروجہ کے خلاف کرے۔ اور عوام کے نزدیک یہ مرادف بے ادب
کا سمجھا جاتا ہے۔ مولوی اسحاق علی صاحب جو میرے دوست بھی ہیں ان سے ایک صاحب
کہنے لگے کہ آپ ذکر ولادت کو منع کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ذکر
کی بے ادبی سے منع کرتے ہیں یعنی اگر کھڑا ہونا ادب اور بیٹھا رہنا بے ادبی۔ ہے تو خدا
تعالیٰ کے ذکر کے وقت بیٹھا رہنا بے ادبی ہوئی اس ذکر کی۔

میں کہتا ہوں کہ نیز جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ ذکر کو بیٹھ کر کیا تو
اسکی بھی بے ادبی ہوئی۔ سو یہ تجزیہ کیا کہ ایک حصہ ایسا اور ایک حصہ ایسا۔ بس چاہئے
کہ بقیہ تذکرہ کی بھی بے ادبی کو منع کریں وہ اس طرح کہ سب کو کھڑے ہو کر پڑھو تاکہ سارے
ذکر کا ادب ہو۔

(۶۲۷) فرمایا کہ ایک رسم گیارہویں کی ہو رہی ہے جس میں جہلاء کا بہت ہی بُرا
عقیدہ ہے حضرت غوث پاکؒ کی طرف ایسی حکایتیں منسوب کی ہیں کہ خدا کی پناہ۔

چنانچہ ایک بڑھیا کا قصہ ہے کہ اس نے اپنے مرے ہوئے فرزند کے ہونے کی آپ سے دعا چاہی آپ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسکی عمر ختم ہوچکی تھی اب زندہ نہیں ہوسکتا آپ نے کہا کہ اگر عمر ختم نہ ہوچکتی تو آپ ہی سے کیوں کہتے مگر پھر بھی جب دعا قبول نہ ہوئی تو آپ نے غصہ میں آکر ملک الموت کا تھیلا جس میں روحیں لئے جارہے تھے چھین کر کھول دیا سب روحیں نکل نکل کر بھاگ گئیں اور سب مردے زندہ ہوگئے ملک الموت نے اللہ میاں سے شکایت کی۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا محبوب ہے جانے دو۔

(۶۲۸) ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر گیارہویں کی مٹھائی آئے تو اس کو کیا کرے فرمایا لیکر کہیں دفن کردے اور رد کرنے میں عوام کے اندر اشتعال کا اندیشہ ہے۔ جہلاء عوام الناس کو مشتعل کرنا ٹھیک نہیں۔ اسکی تائید میں کہ عوام میں اشتعال مناسب نہیں۔

ایک حکایت بیان کی کہ ایک زمانہ میں مسئلہ مولد کے متعلق کانپور میں میری تردید کے لئے علماء کو باہر سے بلا کر بیان کراتے تھے۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی تشریف لائے ان سے بھی میرے رد کی درخواست کی۔ انھوں نے انکار کیا اور کہا میرا بھائی ہے میں ایسا نہ کرونگا۔ اسی زمانہ میں ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بڑا مجمع ہے (اور اس زمانہ میں کانپور کے لوگوں میں یہی شور ہورہا تھا) صاحب رؤیا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ان مسائل میں حق کیا ہے تو فرمایا کہ اشرف علی جو کہتا ہے وہ حق ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے یہ بھی فرمایا کہ اس سے کہہ دینا یہ وقت اس کا نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ عوام الناس میں چونکہ شورش پھیلتی ہے اسلئے خاموشی کی رخصت ہے۔

(۶۲۹) فرمایا کہ علامت اخلاص کی یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص وہی کام کرنے کو آجاوے تو یہ شخص کام کرنا چھوڑ دے بشرطیکہ وہ اہل بھی ہو۔ اب تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی مدرسہ پہلے سے ہو اور دوسرا اور ہوجائے اور یہ معلوم ہو کہ وہ اچھا کام کرے گا تو اسکو اکھاڑنے کی فکر کرتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کی منفعت جاتی ہے (کہ چندہ کم ہوجائے گا)

(۶۳۰) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حافظ لوگ جو محراب سناتے ہیں اور ان کو دیا جاتا ہے اور علماء اس کو قرآن پڑھنے کی اجرت قرار دے کر ناجائز کہتے ہیں۔ اگر اس کو حبس اوقات کی اجرت قرار دیا جائے تو کیا قباحت ہے۔ فرمایا کہ حبس[1] اوقات کی اجرت کہاں ہے اگر حافظ جی مہینہ بھر تک ٹھہرے رہیں اور پڑھیں نہیں تو کون دے۔ اور حافظ جی دن بھر پھرا کریں اور رات کو سنادیں تو مل جائے گا یہ تو خالص اجرت قرآن پڑھنے پر ہے۔

(۶۳۱) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ تعلیم دین پر اجرت لینے سے اجر ملتا ہے یا نہیں اور جیسے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز کہا جاتا ہے اس طرح قرآن سنانے پر اُجرت لینے کو جائز کہنے میں کیا قباحت ہے۔ فرمایا کہ تعلیم پر اجرت لینے سے اجر نہیں ملتا۔ مگر تعلیم پر جو ملتا ہے۔ اسکو اجرت کیوں قرار دیا جائے بلکہ نفقہ ہے دین کی خدمت پر جو کہ مسلمانوں پر واجب ہے۔ یعنی یہ شخص مسلمانوں کی خدمت دینی کر رہا ہے اُن کے ذمہ ہے کہ وہ اُس کے نفقہ کے کفیل ہوں اور یہ ان کے ذمہ واجب ہے۔ جب نفقہ ہوا تو اجرت نہ ہوئی۔ البتہ متعین مقدار میں شبہ ہوگا کیونکہ نفقہ میں تعیین نہیں ہوتی بلکہ جس قدر اسکے اخراجات کو کافی ہو وہ دینا چاہیئے۔ تو بات یہ ہے کہ یہ تعیین رفع نزاع[2] کے لئے ہے اور نفقہ کی صورت لینے میں اس کو تعلیم پر اجر بھی ملے گا جب کہ نیت اسکی اللہ کے لئے فیض پہنچانا ہے اور نفقہ ضرورتاً لیتا ہو اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر اس کا گذارہ اس طریقہ سے ہوتا ہے اور کہیں سے زیادہ کی ملازمت آجائے اور وہ چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ زر کا طالب ہے۔ اور اگر نہ جائے تو معلوم ہوگا کہ دین کا خادم ہے۔ ہاں اگر تنگی سے گزر ہوتا ہو اور چلا جائے تو مذموم نہیں۔ باقی مُردوں پر جو قرآن پڑھتے ہیں اس قرآن پڑھنے کا قیاس تعلیم پر ٹھیک نہیں کیونکہ تعلیم میں دین کی ضرورت ہے۔ اگر تعلیم چھوڑ دی جائے تو دین کو ضرر پہونچے گا کہ ایک مدت کے بعد قرآن ضائع ہو جائیگا اسلئے بوجہ ضرورت کے صورۃً امام صاحب کے مذہب کو ترک کر دیا گیا۔ بخلاف ایصال ثواب کے کہ دین میں اسکی کمی مضر نہیں۔

(۶۳۲) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ خشوع وخضوع میں عطف آیا تفسیری ہے؟ فرمایا کہ خشوع متعلق قلب کے ہے اور خضوع متعلق جوارح کے۔ خشوع کے معنیٰ ہیں سکون۔

---

[1] وقت گھرا ہونا۔ [2] جھگڑا ختم کرنا

چنانچہ کلام اللہ میں ہے تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً (تو زمین کو دیکھتا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے) اے سَاكِنَةً۔ خشوع عمل میں یہ ہے کہ قلب میں سکون ہو یعنی غیر مقصود میں حرکت فکریہ نہ ہو اور جو چیز موصل الی اللہ نہ ہو وہ غیر مقصود ہے اور جو چیز موصل الی اللہ ہو وہ غیر مقصود نہیں گو مقصود بالذات نہ سہی گو ظاہر میں وہ غیر مقصود معلوم ہو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تجہیز جیش[1] کرتا ہوں تو وہ تجہیز جیش منافی خشوع نہ تھی جیسا کہ ظاہراً معلوم ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ایک مولوی صاحب نے کہا پھر تو خشوع کی ضرورت نہیں کیونکہ عمرؓ نماز میں تجہیز جیش فرماتے تھے۔ اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ منافی خشوع نہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے وزیر دربار میں جاتا ہے اور امور سلطنت کو پیش کرتا ہے تو وہ امور حضوری بادشاہی کے خلاف نہیں سمجھے جاتے کیونکہ اسکی حضوری یہی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خیال کیجئے کیونکہ ان کے سپرد یہی کام تھا۔

(۶۳۳) فرمایا کہ آدمی قناعت اور اکتفا اور ضروری سامان کے ساتھ رہے تو تھوڑی آمدنی میں بھی رہ سکتا ہے اور فرض منصبی کو بھی ایسا ہی تقویٰ والا ادا کر سکتا ہے۔

(۶۳۴) فرمایا کہ عوام الناس کا اعتقاد تعویذ کے بارہ میں حد سے متجاوز ہو گیا ہے۔ اسی واسطے طبیعت تعویذ دینے کو نہیں چاہتی جیسے اہل سائنس کا اعتقاد ہے کہ ہر چیز میں ایک تاثیر رکھدی ہے جو اس سے تخلف نہیں کر سکتی۔ اور تاثیر رکھ دینے کے بعد نعوذ باللہ اللہ میاں کو بھی قدرت نہیں رہی کہ اسکے خلاف ہو سکے۔ مثلاً آگ کے اندر تاثیر جلانے کی رکھ دی ہے اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آگ نہ جلائے۔ اسی طرح عوام الناس کا اعتقاد تعویذ کی نسبت ہے یوں سمجھتے ہیں کہ جب تعویذ باندھ دیا تو جس غرض سے باندھا اس میں تخلف ہی نہ ہوگا اور اگر تخلف ہو جائے تو یہ احتمال ہوتا ہی نہیں کہ تعویذ کا اثر غیر لازم ہے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شرط میں کمی رہ گئی ہوگی میں تو تعویذ دینے میں اللہ کی طرف دعا کے ساتھ توجہ کرتا ہوں۔

حضرات انبیاءؑ کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ رجوع الی اللہ کرتے تھے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے نہ یہ کہ ان کے قلوب پر تصرف کرتے تھے اور زور ڈالتے تھے کہ قلوب کو اپنی طرف پھیر لیں۔ بخلاف عامل کے کہ وہ تو توجہ اس طرح کرتے ہیں کہ میں خود مریض کے مرض کو نکال رہا ہوں۔

---

[1] لشکر تیار کرنا اور ترتیب دینا

(۶۲۵) فرمایا کہ بعض کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جس پر قضا کے روزے ہوں اور وہ ان کو شوال کے مہینہ میں رکھ لے تو دونوں حساب میں لگ جاتے ہیں یعنی قضا روزے رکھنے سے شش عید کے روزوں کا ثواب بھی مل جاتا ہے جیسے بعد وضو فرض یا سنتیں پڑھنے سے تحیۃ الوضو بھی ادا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ مسئلہ روزوں کے بارہ میں غلط ہے اور تحیۃ الوضو پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کے مشروعیت کی بنا یہ ہے کہ کوئی وضو اور حاضری مسجد نماز سے خالی نہ ہو اور فرض یا سنتیں پڑھنے سے یہ مصلحت حاصل ہو جاتی ہے اسواسطے تحیۃ الوضو یا تحیۃ المسجد علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہ رہی اور وہ سنت یا فرض میں متداخل ہو گئیں اگرچہ مستقلاً پڑھنا اولیٰ ہے۔ بخلاف شش عید کے روزوں کے کہ ان کی فضیلت کی بنا یہ ہے کہ ان کے رکھ لینے سے سال بھر کا حساب برابر اس طرح ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں ایک نیکی کی دس نیکیاں ملتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (جو شخص نیک کام کریگا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے) جب کسی نے رمضان شریف کے روزے رکھے تو دس ماہ کی برابر تو وہ ہوئے اور چھ روزے شش عید کے دو ماہ کے برابر ہوئے اس طرح پورا سال ہو گیا۔ پس سال بھر کا حساب پورا کرنے کے لئے مستقلاً قضا اور شش عید دونوں جدا جدا رکھنے ہونگے اور نماز میں تداخل ہونا روزہ کے تداخل کو مستلزم نہیں۔ اگر یہ شبہ ہو کہ ان روزوں کے لئے شوال ہی کی کیا تخصیص ہے قاعدہ تو عام ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا اسلئے جس ماہ میں بھی رکھے گا ثواب اسی قدر ملے گا۔ جواب یہ ہے اور بڑے کام کی بات ہے کہ شوال کی تخصیص اسلئے ہے کہ شش عید کے روزوں کا ثواب جو دو ماہ کے برابر ہوگا تو وہ دو ماہ رمضان ہی کے برابر شمار ہوں گے یعنی ان روزوں کا ایسا ہی ثواب ملے گا جیسے رمضان شریف کے روزوں کا بخلاف اسکے کہ اگر کسی نے ذیقعدہ یا دوسرے مہینوں میں رکھے تو اسکو فضیلت رمضان کے روزہ کے برابر نہ ملے گی۔ مطلق تضاعف ہو جائے گا۔

(۶۲۶) فرمایا کہ جب تک آدمی اپنے اختیار کا نہیں ہوتا ہے اسکی حفاظت من جانب اللہ اللہ میاں کی حفاظت کو کیا پوچھتے ہو ایک شخص کہتے تھے کہ ایک دفعہ لڑائی میں

گولی چل رہی تھی۔ ایک شخص کی کنپٹی پر گولی لگی چونکہ بہت دور سے آئی تھی اسلئے زور گھٹ گیا تھا تو پار تو نہ نکل نہ سکی دماغ میں جاکر بیٹھ گئی اور مجمع النور کے موقع پر رہ گئی جس سے وہ شخص اندھا ہوگیا۔ عقلاء جمع تھے کہ کس طرح نکالیں۔ پریشان تھے کوئی تدبیر نہیں سوجھتی تھی اتنے میں ایک گولی اور آئی خوب زور میں بھری اسی موقع پر لگی اور اسکو بھی نکال لے گئی۔ وہ شخص اچھا ہوگیا۔ زخم تو رہا اس کا علاج ہوگیا۔ بھلا کس کے ذہن میں آسکتا تھا کہ یہ ترکیب کرنا چاہیئے کہ دوسری گولی اسی موقع پر ماری جائے تاکہ پہلی کو بھی نکال لیجائے۔ خدا کی طرف سے ایسے سامان ہوتے جاتے ہیں۔

(۴۳۷) فرمایا کہ اکثر لوگ بچپن میں تربیت کا اہتمام نہیں کرتے یوں کہہ دیتے ہیں کہ ابھی تو بچے ہیں حالانکہ بچپن ہی میں عادات پختہ ہوجاتی ہیں جیسی عادت ڈالی جاتی ہے وہ اخیر تک رہتی ہے اور یہی وقت ہے اخلاق کی درستی کا اور خیالات کی پختگی کا۔ چنانچہ اول سے ماں باپ میں رہتا ہے اور ان کو ماں باپ سمجھتا ہے۔ تو اگر بعد میں کوئی شک ڈالے خواہ کتنی ہی لوگ شک ڈالنے والے ہوں تو کبھی شک نہ ہوگا۔ بچپن کا علم ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کبھی نہیں نکلتا الّا ماشاء اللہ

(۴۳۸) فرمایا کہ نفس کے بھی عجیب عجیب کید ہیں۔ ایسے قواعد کلیہ ایجاد کرتا ہے۔ اور پھر جزئیات کو اسمیں داخل کرتا ہے جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میرے ذمہ قرض ہے فلاں فلاں رئیس کو لکھ دو کہ وہ اعانت کریں۔ میں نے کہا کہ دوسرے کی طبیعت پر گرانی ہوگی بولے کہ گرانی کا کیا حرج۔ آپ جو لوگوں کی تربیت فرماتے ہیں اسمیں بھی تو گرانی ہوتی ہے منجملہ اسکے ایک یہ بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور مجاہدہ میں تو گرانی ہوتی ہی ہے۔

دیکھئے نفس نے اس جزئیہ کو کیا کلیہ میں داخل کیا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ اس وقت ان لوگوں کو ایسے مجاہدہ کی ضرورت ہو کیونکہ موجودہ حالت کے موافق مجاہدہ ہوا کرتا ہے۔ پھر اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ کیا ضرور ہے کہ وہ مال آپ ہی کو دیدیں اسی کو مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا ماچوں مرغانِ حریصِ بے نوا

دمبدم پابستۂ دام نو ایم　　گرہمہ شہباز سیمرغے شویم
می رہانی ہر دمے مارا و باز　　سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

(یا اللہ! لاکھوں جال اور دانے پڑے ہوئے ہیں اور ہم حریص بے سامان پرندوں کی طرح ہیں (ہر دم گرفتاری کے اسباب موجود ہیں) دمبدم نئے نئے جال میں ہمارا پاؤں بندھا رہتا ہے۔ اگرچہ شہباز اور سیمرغ ہو جائیں۔ آپ ہر وقت ہم کو رہا کرتے رہتے ہیں مگر اے بے نیاز ہم ہیں کہ جال کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں)

چندہ کی تحریک کے متعلق خود میرے سامنے ایک صاحب علم نے کہا کہ ہماری عزت ہی کیا ہے جو تحریک میں اہانت ہوگی۔ کوئی پوچھے کہ آپ اپنی نظر میں کچھ نہیں ہیں مگر مخاطب کے نزدیک تو ہیں۔ ایک عالم کے سامنے میں نے گراں گزرنے کے متعلق کہا کہ حدیث ہے لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِہٖ (کسی مردِ مسلمان کا مال بغیر اسکی خوشی کے حلال نہیں) کہنے لگے کہ لَا یَحِلُّ اس درجہ کا نہیں۔ کوئی پوچھے اگر یہی ہے تو حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھَاتُکُمْ الخ میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حرمت اس درجہ کی نہیں۔ آخر لَا یَحِلُّ میں آپ نے بلا دلیل درجے کیسے نکالے۔

ف:۔ ان حکایات سے حضرت والا کا ملکہ شناخت کیودِ نفس کا اظہر من الشمس ہے۔

(۴۳۹) فرمایا اِنَّ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ (بیشک آخرت سراپا حیوٰۃ وزندگی ہے) سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آخرت سراپا حیوٰۃ ہے کیونکہ زیادہ مستعمل حیوان بمعنی مصدر ہے یہ ایسا ہے جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ (زید سراپا عدل ہے) اور اگر صفت بھی ہو تو بمعنی ذی حیات (جاندار) ہوگی پس وہاں کی در و دیوار میں بھی زندگی ہوگی، دیواریں گائیں گی، نغمات پیدا ہونگے درخت گائیں گے۔ باقی جنت کا بولنا خود حدیث میں آیا ہی ہے۔ اور وہ بظاہر حقیقت پر محمول ہے یہی صوفیہ کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک دوزخ بھی ذی حیات ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ھَلْ مِنْ مَّزِیْد (کیا اور بھی ہے) پکارے گی۔ نیز اسمیں اور بھی آثار حیات کے پائے جاتے ہیں

نیز بعض اہل کشف نے جہنم کی شکل کے بارے میں کہا کہ اسکی شکل اژدہے کی سی ہے اسکے پیٹ میں سانپ بچھو کھنکھجورے وغیرہ ہیں۔ اس سے ایک حدیث کے معنی بلا تاویل کے سمجھ میں آجائیں گے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جہنم میدان قیامت میں لائی جائے گی جس کی ستر ہزار

باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے مگر پھر بھی قابو سے نکلی جاتی ہوگی اور کڑکتی ہوگی اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ پکارتی ہوگی۔

(۶۴۰) فرمایا کہ نیند کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پیو۔ ستر اہل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی سے ہے۔ اسکو امام غزالیؒ نے لکھا ہے۔ پھر بھی اگر نیند آئے تو سیاہ مرچ چبالو اور دن کو سو رہا کرو۔

(۶۴۱) فرمایا کہ اس وقت مال اسلئے مرغوب ہے کہ طالب زیادہ ہیں اور مطلوب کم ہے اور قرب قیامت میں طالب کم ہوں گے اور مطلوب زیادہ اسلئے اسکی ناقدری ہوگی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ مال تو کم ہوتا ہے نہیں کیونکہ یہ فنا نہیں ہوتا روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے اسی طرح ہوتے ہوتے قرب قیامت تک بہت ہی کثرت ہوجائے گی اور فتن کی وجہ سے آدمی کم ہوجائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو فنا نہ ہو اور بڑھتی رہے تو ایک زمانہ میں بہت ہی کثرت ہوجائے گی۔ کیونکہ مال پیدا تو ہوتا ہے مگر اس کو موت نہیں آتی مال جب بہت بڑھ جائے گا اسکی حرص نہ رہے گی۔

(۶۴۲) فرمایا کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ مال میں مرغوبیت حقیقیہ نہیں۔ اگر مرغوبیت حقیقیہ ہوتی تو کبھی کسی زمانہ میں بھی مرغوبیت کم نہ ہونا چاہیے تھی۔

دیکھئے ہوا کی مرغوبیت حقیقی ہے جو کسی وقت بھی زائل نہیں ہوتی۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہوا کو بند کر دیں تو مرغوبیت معلوم ہوجائے۔ قدر کی چیز کبھی بے قدر نہیں ہوتی مال واقعی بے قدری کی چیز ہے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی مِنْھَا کَافِرًا شَرْبَۃَ مَاءٍ کہ "اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو اللہ میاں کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ دیتے"۔ مگر چونکہ اسکی کچھ بھی قدر نہیں اسواسطے اللہ میاں مبغوض شئے اپنے دشمنوں کو دیتے ہیں حقیقت شناس آدمی ہمیشہ ایسی چیز سے گھبراتا ہے جو خدا کو مبغوض ہو۔

(جاری)

روایت (۵۵) عمر بن ابوالسرایا کہتے ہیں کہ میں تن تنہا بلاد روم پر حملہ کرتا تھا ایک روز میں سو رہا تھا اچانک ایک رومی میرے سرہانے پہنچا اور ٹھوکر مار کر مجھے حرکت دی میں بیدار ہوگیا۔ اس نے کہا اے عربی (آؤ مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ اور) یہ تمھیں اختیار ہے کہ نیزہ بازی کرو یا تلوار سے لڑو یا کشتی کرو۔ میں نے کہا کہ نیزہ بازی اور تلوار بازی تو کچھ دیر تک ٹھہر نہیں سکتی جس سے زور آزمائی ہو سکے۔ ہاں آؤ کشتی لڑیں وہ سنتے ہی مجھ پر ٹوٹ پڑا اور دفعتہً مجھے پچھاڑ دیا اور میرے سینے پر بیٹھ گیا اور کہا کہ اب بتاؤ کہ تمھیں کس طرح قتل کروں۔ مجھے اسوقت خدا تعالےٰ یاد آیا۔ میں نے کہا کہ

اَشْهَدُ اَنَّ كُلَّ مَعْبُوْدٍ دُوْنَ عَرْشِكَ اِلٰى قَرَارِ الْاَرَضِيْنَ بَاطِلٌ غَيْرَ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ قَدْ تَرٰى مَا اَنَا فِيْهِ فَفَرِّجْ عَنِّيْ" یا اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے عرش سے لیکر زمین کی گہرائیوں تک جتنے معبود تیرے سوا ہیں سب باطل ہیں آپ میری مصیبت کو دیکھ رہے ہیں مجھے اس سے نجات دیجیے"

اسی حالت میں مجھ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پھر ہوش میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ رومی میرے پہلو میں مقتول پڑا ہے۔

اسحاق بن بنت داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کا تجربہ کیا اور لوگوں کو بتلایا بہت نافع ثابت ہوئی اور یہ دعا گویا مکمل اخلاص ہے۔

حدیث (۵۶) حضرت محمد بن علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک دعا بتلائی تھی جس کو وہ پریشانی اور تکلیف کے وقت پڑھا کرتے تھے اور پھر حضرت علیؓ نے یہ دعا اپنی اولاد کو سکھائی وہ دعا یہ ہے:-

يَا كَائِنُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَمُكَوِّنَ كُلِّ شَيْءٍ وَكَائِنُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ اِفْعَلْ بِيْ كَذَا وَكَذَا "اے ہر شئے سے پہلے ہونے والے اور ہر شئے کے پیدا کرنیوالے اور ہر شئے کے بعد باقی رہنے والے میری فلاں فلاں مراد پوری کردے" (اس جگہ اپنی مراد کا ذکر کرے)

حدیث (۵۷) ایک شخص حضرت حسن بن علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اپنے والد ماجد حضرت علیؓ سے (کسی حاجت میں) میری سفارش کردو۔ حضرت حسنؓ نے

فرمایا کہ حضرت علیؓ اس وقت ایک ایسے مکان میں ہیں جس میں وہ اسی وقت بیٹھتے ہیں جب کوئی پریشانی اور رنج وغم ہوتا ہے۔

اس نے عرض کیا کہ اچھا مجھے اس مکان کے قریب پہنچا دو تاکہ میں ان کا کلام سن سکوں۔ قریب پہنچا تو اس نے آپ کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا کٓھٰیٰعٓصٓ یا نُورُ یا قُدُّوسُ یَا حَیُّ یَا رَحْمٰنُ (اے نور (آسمان اور زمین کے) اے ہر نقص وعیب سے پاک اے زندہ رہنے والے اے بہت رحم کرنے والے) یہ کلمات تین مرتبہ کہے پھر کہا:

اِغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُحِلُّ النِّقَمَ وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُغَیِّرُ النِّعَمَ

میرے وہ گناہ معاف کر دیجئے جو مصیبت ڈالتے ہیں۔ اور وہ گناہ بخش دیجئے جو نعمتوں کو مصیبت سے بدل دیتے ہیں

وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُوْرِثُ النَّدَمَ وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَحْبِسُ الْقِسَمَ

اور وہ گناہ بخش دیجئے جو باعث ندامت ہوتے ہیں۔ اور وہ گناہ بخش دیجئے جو قسمتوں کو روک دیتے ہیں

وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَهْتِكُ الْعِصَمَ وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُنْزِلُ الْبَلَاءَ

اور وہ گناہ بخش دیجئے جو عصمتوں کو توڑ دیتے ہیں۔ اور وہ گناہ بخش دیجئے جو بلاء نازل کرتے ہیں

وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُعَجِّلُ الْفَنَاءَ وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُدِیْلُ الْاَعْدَاءَ

اور وہ گناہ بخش دیجئے جو جلدی فنا کر ڈالتے ہیں۔ اور وہ گناہ بخش دیجئے جو دشمنوں کو غلبہ دینے والے ہیں

وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَقْطَعُ الرَّجَاءَ وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَرُدُّ الدُّعَاءَ

اور وہ گناہ بخش دیجئے جو امیدیں قطع کرنیوالے ہیں۔ اور وہ گناہ بخش دیجئے جو دعا کو رد کرنیوالے ہیں

وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُمْسِكُ غَیْثَ السَّمَاءِ وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تُظْلِمُ الْهَوَاءَ

اور وہ گناہ بخش دیجئے جو بارش کو روکنے والے ہیں۔ اور وہ گناہ بخش دیجئے جو ہوا کو تاریک کرنیوالے

وَاغْفِرْ لِیَ الذُّنُوْبَ الَّتِیْ تَکْشِفُ الْغِطَاءَ

اور وہ گناہ بخش دیجئے جو رسوا کرنے والے ہیں

روایت (۵۸) خلیفہ ولید بن عبدالملک نے عثمان بن حیان مزنی کو خط لکھا کہ حسنؓ حسن کو تلاش کرو اور سو کوڑے لگاؤ اور ایک دن ان کو لوگوں کے سامنے کھڑا کرو اور میرا خیال یہ ہے کہ کسی دن وہ میرے ہاتھ سے قتل ہوں گے۔ عثمان بن حیان نے ان کو بلوایا اور

ے گئے تو دشمنوں کا ہجوم تھا۔ علی بن حسینؓ کھڑے ہوئے اور ان سے کہا کہ آپ یہ
اس کے کلمات پڑھیں خدا تعالیٰ آپ کو بری فرمائیں گے وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰہَ
لّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ
عَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے جو چشم پوشی
نیوالا اور بخشش فرمانے والا ہے۔ پاک ہے اللہ کی ذات جو ساتوں آسمانوں اور
رش عظیم کا مالک ہے۔ سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے) حضرت
سن نے یہ کلمات پڑھے۔ جس وقت عثمان کی نظر ان پر پڑی تو دیکھ کر کہا کہ یہ چہرہ تو بری
دمی کا معلوم ہوتا ہے۔ اس پر کسی نے بہتان باندھا ہے ان کو چھوڑ دیا جائے۔ میں
سلطان کو خط میں ان کا عذر لکھوں گا۔ کیونکہ حاضر ان حالات کو دیکھتا ہے جن کو غائب نہیں
نہیں دیکھتا۔

روایت (۵۹) حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حطیم بیت اللہ میں تھا کہ
حضرت علیؒ بن حسینؓ داخل ہوئے۔ میں نے دل میں کہا کہ (بڑی نعمت ملی) ایک مرد صالح
خاندانِ نبوت سے ہیں میں ان کی دعا کو سنوں گا۔ آپ نے نماز پڑھنا شروع کیا اور سجدہ
میں گئے۔ میں نے کان لگایا تو آپ یہ کلمات کہہ رہے تھے

عَبِیْدُكَ بِفِنَاءِكَ مِسْكِيْنُكَ بِفَنَاءِكَ فَقِيْرُكَ بِفَنَاءِكَ سَائِلُكَ بِفَنَاءِكَ
(آپ کا بندۂ حقیر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ آپ کا مسکین آپ کی بارگاہ میں حاضر ہے
آپ کا محتاج آپ کی بارگاہ میں حاضر ہے آپ کا سائل آپ کی درگاہ میں حاضر ہے)

حدیث (۶۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی طرف تشریف لے گئے تو یہ
دعا کی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں یہی دعا کی اور ہر مصیبت زدہ
کا یہ دعا ہے:۔

كُنْتَ وَتَكُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ لَا تَمُوْتُ تَنَامُ الْعُيُوْنُ وَتَنْكَدِرُ النُّجُوْمُ وَاَنْتَ
حَيٌّ قَيُّوْمٌ وَلَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ (آپ ہمیشہ سے ہیں اور
ہمیشہ رہیں گے اور آپ ہی وہ زندہ ہیں جن کو موت نہیں سب آنکھیں سو جاتی ہیں اور ستارے

بے نور ہو جاتے ہیں اور آپ زندہ قائم رہنے والے ہیں نہ آپ پر اونگھ غالب آتی ہے نہ نیند۔ اے زندہ رہنے والے اور عالم کو قائم رکھنے والے ؟)

روایت (۶۱) ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ صحابی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک صاحب ہمارے مہمان ہوئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو مجھے کچھ ہدیہ دینا چاہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ تو فرمایا کہ اچھا ہم تمھیں ایک دعا بتلاتے ہیں جو ہمارے جد امجد حضرت انسؓ کی دعا ہے اور میں نے جب کبھی یہ دعا کی حق تعالےٰ نے ہر مصیبت و پریشانی سے نجات عطا فرمائی۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ ذُنُوْبِیْ لَمْ تُبْقِ لِیْ اِلَّا رَجَاءَ عَفْوِكَ وَقَدْ قَدَّمْتُ اٰلَةَ الْحِرْمَانِ بَیْنَ یَدَیَّ فَاَنَا اَسْئَلُكَ بِمَا لَا اَسْتَحِقُّهٗ وَاَدْعُوْكَ بِمَا لَا اَسْتَوْجِبُهٗ وَاَتَضَرَّعُ اِلَیْكَ بِمَا لَا اَسْتَاْهِلُهٗ مِنْ تَخْفٰی عَلَیْكَ حَالِیْ وَاِنْ خَفِیَ عَلَی النَّاسِ کُنْهُ مَعْرِفَةِ اَمْرِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ رِزْقِیْ مِنَ السَّمَاءِ فَاھْبِطْهُ وَاِنْ کَانَ فِی الْاَرْضِ فَاَظْھِرْهُ وَاِنْ کَانَ بَعِیْدًا فَقَرِّبْهُ وَاِنْ کَانَ قَرِیْبًا فَیَسِّرْهُ وَاِنْ کَانَ قَلِیْلًا فَکَثِّرْهُ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ (یا اللہ میرے گناہوں نے بجز تیری معافی کے اور کوئی امید باقی نہیں چھوڑی اور میں تو محرومی کا سامان اپنے آگے بھیج چکا ہوں۔ میں آپ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جس کا مستحق نہیں۔ اور ایسی دعا کرتا ہوں جس کا میں سزاوار نہیں۔ اور ایسی چیز سے آپ کی طرف تضرع وزاری کرتا ہوں جس کا میں اہل نہیں۔ آپ پر میرا کوئی حال مخفی نہیں اگرچہ لوگوں پر میرے معاملات کی حقیقت ظاہر نہ ہو۔ یا اللہ اگر میرا رزق آسمان میں ہے تو اس کو اُتار دیجئے اور زمین میں ہے تو اس کو ظاہر کر دیجئے اور اگر دور ہے تو اس کو قریب کر دیجئے اور اگر قریب ہے تو اس کو آسان کر دیجئے اور اگر کم ہے تو اس کو زیادہ کر دیجئے اور اس میں برکت دیجئے)

روایت (۶۲) امام شعبیؒ ایک روز زیاد کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص گرفتار کیا ہوا اسکے سامنے لایا گیا۔ ظاہر حال سے معلوم ہوتا تھا کہ اسکو قتل کیا جائے گا۔ مگر اس شخص نے آہستہ کچھ کلمات پڑھے تھے (اسکو زیاد نے چھوڑ دیا اس سے کسی نے دریافت کیا کہ تو نے

کیا پڑھا تھا) اس نے کہا یہ دعا تھی :۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَرَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَالْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ اِدْرَأْ عَنِّيْ شَرَّ زِيَادٍ (اے اللہ اے ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق ویعقوب (علیہم السلام) کے پروردگار! اے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! اور اے توریت، انجیل و زبور اور قرآن عظیم کے نازل کرنیوالے! زیاد کا شر مجھ سے دفع فرما دیجئے)

روایت (۶۳) ابوجعفر اسمٰعیل بن امیہ جب گرفتار ہوئے تو ان کو قید کرنے کا حکم کر دیا گیا۔ راستہ میں ایک دیوار پر گذر ہوا جس پر یہ کلمات لکھے تھے :۔

يَا وَلِيَّ نِعْمَتِيْ وَيَا صَاحِبِيْ فِيْ وَحْدَتِيْ وَعُدَّتِيْ فِيْ كُرْبَتِيْ (اے میرے ولی نعمت (محسن) اے میری تنہائی کے ساتھی! اے میرے ساز وسامان میری پریشان حالی میں)

ابوجعفر نے یہ کلمات یاد کر لئے اور برابر ان کو پڑھتے رہے یہانتک کہ حق تعالےٰ نے رہائی عطا فرمائی اور پھر اس دیوار پر گذر رہے تو دیکھا وہاں کچھ نہ تھا (معلوم ہوا کہ حق تعالےٰ نے ان کو سکھانے ہی کے لئے یہ غیبی تحریر ظاہر کی تھی)

روایت (۶۴) فضل بن ربیع اپنے والد ربیع سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے ۱۴۷ھ میں حج کیا پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو مجھے حکم دیا کہ جعفرؒ بن محمد کے پاس چند سپاہی بھیجوں جو انھیں گرفتار کر کے لائے۔ خدا تعالیٰ مجھے ہلاک کرے اگر میں اس کو قتل نہ کر دوں۔ ربیع (وزیر منصور) کہتے ہیں کہ میں نے اسکو اس غرض سے ٹلایا کہ شاید بھول جائیں۔ لیکن خلیفہ نے دوبارہ یاد دلایا اور پھر تیسری مرتبہ مجھ پر خفا ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ جعفرؒ بن محمد دروازہ پر حاضر ہیں۔ فرمایا کہ اندر بلاؤ میں نے اندر بلایا۔ جعفرؒ بن محمد سامنے آئے تو کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ امیر المومنین نے جواب میں کہا :

لَا سَلَّمَ اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ تُلْحِدُ فِيْ سُلْطَانِيْ وَتَبْغِيْ الْغَوَائِلَ فِيْ مُلْكِيْ قَتَلَنِيَ اللّٰهُ اِنْ لَّمْ اَقْتُلْكَ (اے خدا کے دشمن! تجھے خدا سلامت نہ رکھے

تو میری سلطنت میں رہ کر الحاد (بے دینی) کرتا ہے اور میرے ملک میں فتنے پیدا کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ مجھے ہلاک کرے اگر میں تجھے قتل نہ کروں)

جعفر نے عرض کیا اے امیر المومنین حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا تو انھوں نے شکر ادا کیا۔ اور ایوب علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے انھوں نے صبر کیا اور یوسف علیہ السلام پر غلبہ کیا گیا۔ انھوں نے معاف کر دیا۔ اور آپ اے امیر المومنین ان حالات سے علیحدہ نہیں۔

امیر المومنین یہ سُن کر دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر سر اٹھایا اور کہا کہ میرے پاس آؤ اور اب تم میرے نزدیک بَری اور قابلِ اعتماد، بے ضرر ہو۔ اے ہمارے عزیز خدا تعالیٰ تمھیں سب ذوی الارحام (رشتہ داروں) میں بہترین جزا دے۔ پھر جعفر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھالیا پھر غلام کو حکم دیا کہ عطر کی شیشی لاؤ شیشی حاضر کی گئی تو اپنے ہاتھ سے ان کو عطر لگایا یہاں تک کہ ان کی ڈاڑھی کو تر کر دیا۔

پھر کہا جاؤ خدا حافظ۔ اور ربیع کو حکم دیا کہ ان کو خلعت و انعام دے کر ان کے گھر پہنچا دو۔ یہ واپس ہوئے تو میں ان کے پیچھے گیا اور کہا کہ میں نے اس واقعہ سے پہلے امیر المومنین کا ایسا غصہ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا اور تمھارے آنے کے بعد وہ عجیب معاملہ دیکھا جو تمھارے سامنے آیا اور میں تمھارے لبوں کی حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ اب بتلاؤ کہ تم نے کیا پڑھا۔ جعفرؒ بن محمد نے کہا کہ تم تو ہمارے رشتہ دار اور مہربان ہو میں نے یہ دعا پڑھی تھی :۔

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِیْ بِعَيْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ وَ بِرُكْنِكَ الَّذِیْ لَا يُرَامُ وَاغْفِرْلِیْ بِقُدْرَتِكَ عَلَیَّ فَلَا اَهْلِكَ وَاَنْتَ رَجَائِیْ. رَبِّ كَمْ مِّنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَیَّ قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِیْ وَكَمْ مِّنْ بَلِيَّةٍ ابْتَلَيْتَنِیْ بِهَا قَلَّ عِنْدَهَا صَبْرِیْ فَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِیْ فَلَمْ يَحْرِمْنِیْ وَيَا مَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلَائِهٖ صَبْرِیْ فَلَمْ يَخْذُلْنِیْ وَيَا مَنْ رَاٰنِیْ عَلَی الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِیْ. يَا ذَا الْمَعْرُوْفِ الَّذِیْ لَا يَنْقَضِیْ اَبَدًا وَيَا ذَا النِّعَمِ الَّتِیْ لَا تُحْصٰی اَبَدًا اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَبَدًا اَبَدًا وَبِكَ اَدْرَأُ فِیْ نَحْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی دِیْنِیْ بِالدُّنْیَا وَعَلٰی اٰخِرَتِیْ بِالتَّقْوٰی وَاحْفَظْنِیْ فِیْمَا غِبْتُ عَنْهُ وَ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فِیْمَا حَضَرْتُهٗ یَامَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ اِغْفِرْلِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ وَاَعْطِنِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ اَسْئَلُكَ فَرَجًا قَرِیْبًا وَصَبْرًا جَمِیْلًا وَرِزْقًا وَّاسِعًا وَالْعَافِیَةَ مِنْ جَمِیْعِ الْبَلَاءِ وَشُكْرَ الْعَافِیَةِ (یا اللہ میری حفاظت فرما اپنی آنکھ سے جو کبھی نہیں سوتی اور اپنی حمایت سے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور میری مغفرت فرما بطفیل اس قدرت کے جو آپ کو مجھ پر ہے۔ اور جب کہ آپ سے میری امید وابستہ ہے تو میں ہلاک نہ ہوں گا۔ اے میرے مالک آپکی کتنی ہی نعمتیں مجھ پر ہوئیں جن کا میں نے شکر ادا نہ کیا اور کتنی ہی بلائیں (بغرض امتحان) آئیں جن پر میں نے صبر نہ کیا۔ پس اے وہ ذات قدوس جس کی نعمتوں پر میں نے شکر بہت کم کیا مگر اس پر بھی اس نے میری مدد نہیں چھوڑی۔ اور اے وہ ذات قدوس جس نے مجھے خطاؤں پر دیکھا پھر بھی رسوا نہ کیا۔ اور اے احسان کرنے والے جس کے احسانات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اور اے نعمتوں والے جس کی نعمتوں کی شمار نہیں ہوسکتی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ (ہمارے رسول) محمدؐ اور آپ کی اولاد پر درود و رحمت نازل فرمایئے۔ اور میں اس ظالم کا مقابلہ آپ ہی کی مدد سے کرسکتا ہوں اور آپ ہی کے ساتھ اس کے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ یا اللہ میری دنیا کو میرے دین کی مددگار بنادے اور آخرت کے لیے تقویٰ کے ساتھ میری مدد فرما۔ اور جن چیزوں سے میں غائب ہوں میرے لیے ان کی حفاظت فرما اور جن چیزوں کے پاس میں حاضر ہوں ان کی حفاظت بھی میرے اوپر نہ چھوڑیئے (بلکہ آپ ہی ان کی حفاظت فرمائیں) اے وہ ذات جس کو گناہ کچھ تکلیف نہیں پہنچاتے اور معافی سے اسکے خزانے میں کچھ نقصان نہیں آتا آپ ایسی چیزوں کو جن سے آپ کو ضرر نہیں پہنچتا (یعنی گناہ) معاف فرمادیجیے۔ اور جس چیز سے آپ کے خزانے میں کمی نہیں آتی وہ مجھے دیدیجیے (یعنی معافی) بیشک آپ ہی بہت دینے والے ہیں۔ میں آپ سے فوری خلاصی اور صبر جمیل اور رزقِ واسع اور تمام بلاؤں سے عافیت طلب کرتا ہوں اور پھر عافیت میں ان کا شکر

ادا کرنا بھی آپ ہی سے مانگتا ہوں (کہ اسکی توفیق دیں)

روایت (۶۵) وضاح بن خیثمہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم فرمایا کہ قید خانہ میں جس قدر قیدی ہیں سب کو آزاد کر دو۔ میں نے اور تو سب کو آزاد کر دیا مگر یزید بن ابی مسلمہ کو قید سے نہ چھوڑا۔ پھر جب وہ قید سے آزاد ہوا تو اس نے قسم کھائی کہ مجھے قتل کرے گا۔ اسکے بعد میں افریقہ (اپنی کسی ضرورت سے) پہنچ گیا۔ مجھے خبر ملی کہ یزید بن ابی مسلمہ یہاں آیا ہے۔ میں اسکے خوف سے بھاگ نکلا مگر اس نے میری تلاش میں آدمی دوڑائے۔ میں گرفتار کر لیا گیا۔ جب اس کے سامنے پہنچا تو اس نے کہا کہ کیا وضاح ہے؟ میں نے کہا وضاح ہی ہے۔ یزید بن ابی مسلمہ نے کہا کہ بخدا میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگی ہیں کہ میرے قبضہ میں دیدے۔ میں نے کہا کہ بخدا میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگی ہیں کہ مجھے تیرے شر سے پناہ دے۔ یزید بن ابی مسلمہ نے کہا کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے تجھے پناہ نہیں دی اور میں تجھے ضرور قتل کروں گا اور بخدا میں تجھے ضرور قتل کروں گا اور واللہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اگر ملک الموت بھی میرے ساتھ مسابقت کرنے لگیں تو میں تیری روح قبض کرنے سے پہلے تجھے قتل کر ڈالوں گا پھر کہا کہ میری تلوار اور وہ فرش لاؤ جس پر مجرم کو قتل کیا جاتا ہے۔

چنانچہ یہ فرش بچھا دیا گیا اور میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے اور جلاد میرے سر پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ مگر اسی وقت نماز کی جماعت قائم ہو گئی۔ یزید (مجھے اسی حالت میں چھوڑ کر) نماز کے لیے چلا گیا۔ جب وہ سجدہ میں پہنچا تو لشکر کی تلواروں نے خود اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور ایک شخص نے فوراً آکر میری قید کھول دی اور کہا کہ جاؤ۔

اسی روایت کے ایک دوسرے طریق میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں نے حق تعالیٰ سے بہت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری آنکھ جھپکنے سے پہلے خود اس کو ہلاک کر دے۔ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور چند قاصد اسکے پاس آئے ہوئے تھے انھوں نے فوراً ہی اسکا خاتمہ کر دیا۔

(جاری)

قصِیدَہ بُرْدَہ
کے
چَنْد اشعَار

ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْیَ الظَّلَامَ اِلٰی اَنِ اشْتَکَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَّرَمِ

علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ صاحب قصیدہ کہتے ہیں
نے اس ذات گرامی کی سنت پر (خلاف کرکے) ظلم کیا ہے جسکی عبادت کا یہ حال تھا کہ شب تاریک
ت میں اتنا طویل قیام کرتے کہ ان کے پائے مبارک پر ورم آگیا"

حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت بیان کرتی ہیں کہ آقائے دوجہاں
للہ علیہ وسلم رات میں اس قدر نماز ادا فرماتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم ہوگیا۔ اس پر
رض کیا گیا آپ کیوں اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب
معاف فرما دیئے ہیں (یہ بھی تسلی دینے کیلئے کہدیا) آپ نے فرمایا" اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا
ں اپنے اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں)

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَاءَهُ وَطَوٰی تَحْتَ الْحِجَارَةِ کَشْحًا مُّتْرَفَ الْاَدَمِ

اور بھوک کی وجہ سے شکم مبارک کی نرم و نازک کوک پر پتھر باندھ لئے تھے)
حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی
بت کی اور اپنے پیٹ دکھلائے ان پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا (اس پر ہماری تسلی کیلئے) آپ نے
شکم مبارک دکھلایا اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

عمر بھر کی نان جویں پر سکہ چلایا چرخ و زمیں پر
فقر میں استغنا کا یہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

باقی یہ فقر آپ نے خود پسند فرمایا تھا۔ اس لئے آگے فرماتے ہیں:۔

وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ عَنْ نَفْسِهٖ فَاَرَاهَا اَیَّمَا شَمَمِ

لُنے کے بلند پہاڑوں نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر آپ نے اپنی جانب سے لاپرواہی کا اظہار فرمایا)

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اے عائشہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلتے۔ میرے پاس فرشتہ آیا تھا (اتنا جسیم) کہ صرف اسکی بیٹھنے کی جگہ کعبہ کے برابر تھی سو اس فرشتے نے کہا کہ آپ کو آپ کا رب سلام کہتا ہے اور آپ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ نبی عبد ہوجاؤ یا نبی اور بادشاہ ہوجاؤ۔ مجھے جبرئیل علیہ السلام دکھائی دیئے۔ انھوں نے بھی اشارہ دیا کہ عبدیت ہی بہتر ہے اس لئے میں نے کہا کہ مجھے نبوت کے ساتھ عبدیت پسند ہے اور اسی وجہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی طرح بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے تکیہ لگا کر (متکبروں کی طرح) کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے میں تو غلام کی طرح کھاتا ہوں (شرح السنۃ)

وَأَكَّدَتْ زُهْدَهُ فِيهَا ضَرُورَتُهُ ۔ إِنَّ الضَّرُورَةَ لَا تَعْدُو عَلَى الْعِصَمِ

(آپ کو بھی ضروریاتِ زندگی پیش آتی تھیں، مگر ان ضرورتوں نے آپ کے زہد کو اور زیادہ کردیا اور بھلا ایک معصوم کی شخصیت پر یہ دنیا کی ضرورتیں کیا اثر کرسکتی ہیں جنکی شان یہ ہے

وَكَيْفَ تَدْعُو إِلَى الدُّنْيَا ضَرُورَةُ مَنْ ۔ لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

(بھلا دنیا کی ضرورت اس ذات والاشان کو اپنی طرف کیسے بلا سکتی ہیں کہ اگر وہ مقصود نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی)

وہ اگر مقصود نہ ہوتے کون و مکاں موجود نہ ہوتے
اور مسجود نہ ہوتے آدم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ (اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو نہ پیدا کرتا) اگرچہ محدثین نے اسمیں کلام کیا ہے اور لفظاً گو یہ ضعیف ہی سہی مگر معنیً صحیح ہے۔

۱؎ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اب تک حدیث لولاک الخ کی اصل معلوم نہ تھی مگر اب معلوم ہوگئی۔ چنانچہ ارشاد ہے فقد روی الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعاً اتانی جبرئیل فقال یا محمد لولاک ماخلقت الجنۃ (اے محمد اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو نہ پیدا کرتا) ولولاک ماخلقت النار (اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں دوزخ کو نہ پیدا کرتا) اور ابن عساکر کی روایت میں ہے لولاک ماخلقت الدنیا (اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ پیدا کرتا)
(کمالات اشرفیہ ص۵ ج۱)

اب میں ان کا نام لوں

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمٍ

(وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو دونوں کون کے سردار ہیں یعنی عالم دنیا و عالم آخرت و رجن وانس اور دونوں فریق عرب وعجم سب کے سردار ہیں)

محمد کے معنیٰ حمد کیے ہوئے۔ ان کی ان کے رب نے تعریف کی ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور کہا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (بیشک آپ بڑی عظمت کے لائق اخلاق کے مجسمہ ہیں۔ اور فرمایا (ہم نے آپ کو اے نبی سارے جہان والوں کیلئے باعث رحمت بنا کر بھیجا ہے)

مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں:۔

چہ نامست اینکہ در دیوان ہستی بر و نگرفت نامے پیشدستی

(اس عالم ہستی میں یہ کیسا پیارا اور محترم نام ہے کہ اس نام کا اس سے پہلے دنیا میں کوئی نہیں گزرا)

زبانم چوں از و حرفے سراید دل و جانم ز لذت پُر بر آید

(اللہ میاں یہ کیسا پیارا نام ہے "محمد" جب اسکا ایک حرف زبان پر آتا ہے تو میرے دل و جان لذت سے بھر جاتے ہیں)

چوں نام اینست نام آور چہ باشد مکرم تر بود از ہر چہ باشد

(میں کہتا ہوں الٰہی! جب ان کا نام ایسا ہے تو جن کا یہ پیارا نام ہے وہ کیسے ہوں گے۔ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی خدا نے پیدا کیا ہے انیں سب سے مکرم وہی ہو سکتے ہیں)

مکرم شد ز عالم نسل آدم مکرم تر ویست از ہر مکرم

(نسل آدم کو جو خدا نے تکریم و شرافت بخشی ہے یہ ان ہی کی وجہ سے بخشی ہے کیونکہ وہ خدا کی مخلوق میں سے ہر مکرم ہستی سے زیادہ مکرم اور قابل تکریم و تعظیم ہیں)

خدا بر سروراں سرداریش داد زخیل انبیا رسالاریش داد

(خدا نے ان کو سارے سرداروں پر سردار رکھا ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت پر ان کو سرداری عطا کی ہے)

ایک جگہ ملا جامی علیہ الرحمۃ یوں فرماتے ہیں:۔

بیا[۱] اے ہم نفس باہم بنالیم　　من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے برمرادِ دل بگوئیم　　بپائے خواجہ چشماں را بمالیم
(اے رفیق ہم نفس آ کہ ہم مل کر ذرا آنسو بہالیں کیونکہ میں بھی اور تو بھی انکی شان جمالی پر مرمٹنے والے ہیں۔ اُس سردار دوجہاں کے پائے مبارک پر آنکھیں مل لیں اور انکی دو باتیں کرکے دل کی مراد اور لگن بجھالیں)

نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلَا اَحَدٌ　　اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ
(ہمارے نبی اچھی باتوں کا حکم دینے والے اور بُری باتوں سے منع کرنیوالے ہیں بھلا انکی ہاں کردینے یا ناں کردینے سے زیادہ راست کس کی ہاں یا ناں ہوسکتی ہے)

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ　　لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
(وہ ایسے محبوب خدا ہیں کہ انکی شفاعتِ کبریٰ کی امید کی جاتی ہے قیامت کی ہولناکیوں میں ہر ایک ہولناکی میں جو مصائب میں ڈالنے والی ہیں)

دَعَا اِلَى اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ　　مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمِ
(وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف لوگوں کو بلانے والے ہیں جو بھی ان کی اس دعوت الی اللہ کا دامن تھام لے گا تو گویا اس نے ایسی مضبوط رسّی تھام لیا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی)

حضرت ابوشریح خضاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سردار عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم دردولت سے ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا بلاشک ہم گواہی دیتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا:۔

یہ قرآن مجید اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے سو تم اس قرآن کو مضبوط پکڑلو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اور ہرگز ہلاک نہ ہوگے۔ (طبرانی)

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ　　وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ
(وہ تمام پیغمبروں پر فوقیت رکھتے ہیں جمال باکمال میں بھی اور اخلاق میں بھی۔ وہ ایسے ہیں کہ ان کے علم وسخا کے درجے کے قریب کوئی نہیں پہنچا ہے۔)

---

[۱] یہ اشعار علامہ اقبال مرحوم کے ہیں (ارمغانِ حجاز ص۳۶) (ع۔ا)

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصیدے میں کیا نقشہ کھینچا ہے! یہ وہ قصیدہ ہے کہ جس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ پر جاکر پڑھتے اور خواب کے اندر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات ان کو بھی ہوئیں اور حاکم وقت کو بھی دو مرتبہ زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ملّا جامیؒ کے لیے حاکم وقت کو باتیں بتائیں اور ملّا جامی بھی محبت سے سرشار تھے سُنائے بغیر نہ رہ سکے روضۂ اطہر پہ جاکر سنایا اور پڑھا۔ ممکن ہے شوق سے پڑھنے والے کو اب بھی زیارت نصیب ہوجائے تو اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے

زمہجوری برآمد جانِ عالَم   ترحّم یا نبیَ اللہ ترحّم

(اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی زیارت کے شوق میں اس ہجر و فراق سے دنیا والوں کی جان نکل چکی ہے کہ کسی طرح دیدار ہوجائے۔ کسی طرح زیارت ہوجائے۔ اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے، رحم فرمایئے)

نہ آخر رحمۃ للعالمینی   زمحروماں چرا غافل نشینی

(تو کیا آپ سب جہانوں کے لیے باعث رحمت نہیں ہیں اور جب ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ہم محرومانِ زیارت دیدار کے لیے ترس جانے والوں سے بے خبر کیسے ہوگئے ہیں کسی طرح ان کی بھی تو خبر لیجئے کب تک یہ فراق میں تڑپتے رہیں گے۔ اب تو ذرا باہر آجایئے۔ آپ کی زیارت کے مشتاق درِ دولت پر کھڑے ہیں جس طرح آپ چاہیں مگر ہم زیارت کے لیے بے چین ہیں۔

زخاک اے لالۂ سیراب برخیز   چوں نرگس خوابِ چند از خواب [illegible]

(اے لالۂ سیراب خاکِ پاک سے اٹھ جایئے۔ نرگس کی طرح کب تک سوتے رہیں گے [illegible] سے بیدار ہوجایئے۔ دیکھئے فراق سے اس امت کا کیا حال ہوگیا ہے)

بروں آور سر از بُردِ یمانی   کہ روئے تست صبحِ زندگانی

(ان یمنی چادروں سے سر مبارک تو نکال لیجئے ذرا چہرۂ انور کو ایک نگاہ ہم بھی دیکھ لیں آپ کا روئے مبارک دیکھنا ہماری زندگی کی صبح ہوگی یعنی ہماری حیات کا [illegible] وقت یہی ہوگا کہ جس وقت ہم آپ کے جمال جہاں آرا کو ایک نظر دیکھ رہے ہوں گے)

شب اندوہِ مارا روز گرداں   زرویت روزِ ما فیروز گرداں

(ہماری اندوہ وغم والی رات کو روزِ روشن کی طرح کر دیجئے اپنے دیدار سے ہمارے دن کو کامیاب بنائیے۔ ہم اپنی قسمت پر فخر کریں گے کہ اس روز ہم کو سردارِ دوجہاں کی زیارت ہوئی بھلا اس سے زیادہ کامیاب دن کونسا ہوسکتا ہے۔ بھلا ہم امتی اور آپ کی زیارت کریں)

بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ بسر بربند کافوری عمامہ

(مشک وعنبر میں بسائے ہوئے پوشاک کو زیب تن فرمالیجئے اور سر پر کافوری عمامہ باندھ لیجئے جیسا کہ آپ کا لباس مبارک ہے (تصور ہی میں آجایئے)

فرود آویز از سر گیسواں را فگن سایہ بپا سروِ رواں را

(سر مبارک پر سے گیسوئے مبارک کو نیچے فرما کر اس سرو جیسے قد مبارک کے پاؤں مبارک کا ہم پر سایہ ڈال دیجئے)

ادیمِ طائفی نعلینِ پا کن شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

(طائف کے نرم ونازک چمڑے کی بنی ہوئی نعلین مبارک پہن لیجئے اور ہماری جانوں کے رشتہ (تار) کا تسمہ بنا کر ان میں ڈال لیجئے)

جہانے دیدہ کردہ فرش راہند چوں فرش اقبال پابوس تو خواہند

(ایک دنیا کی آپ کے راستے کے فرش پر نظریں جمی ہوئی ہیں (کہ چہرۂ انور کی طرف نظر کرنے کی ہمت نہیں ہے صرف فرش راہ پر نظریں ہیں کہ قدم مبارک آئیں اور دل کی مراد پوری ہوجائے) بلکہ فرش کی طرح (کہ وہ آپ کے قدم مبارک کو آپ کے چلتے وقت بوسہ دیتا ہے) ہم بھی آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دے کر اپنا نصیب جگالیں) (ایک عالم اپنی نگاہیں آپ کیلئے فرش راہ کئے ہوئے ہے اور فرش کی طرح آپ کی قدمبوسی کی سعادت کا آرزومند ہے (ع۔ا)

زحجرہ پائے در صحنِ حرم نہ بفرق خاک رہ بوساں قدم نہ

(حجرۂ انور سے صحنِ حرم میں پائے مبارک تو رکھ دیجئے اور ان اپنے راستے کی خاک کو بوسہ دینے والوں کے سر پر اپنا قدم مبارک رکھ کر شاداں کیجئے۔ اگر آپ کا قدم مبارک ہمارے سروں پر رکھا جائے تو ہمارے لئے اس سے زیادہ کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے ذرا آپ تشریف تو لائیں)

بدہ دستے زپا افتادگاں را بکن دلداریئے دل دادگاں را

(ان پڑے ہوئے اور پھیلے ہوؤں کی دستگیری کیجئے اور ان دل نثار کرنے والوں کی دلداری فرمائیے)

اگرچہ غرق دریائے گناہیم فتادہ خشک لب بر خاک راہیم

(اگرچہ ہم گناہوں کے دریا میں غرق ہوچکے ہیں مگر آپ کی خاک راہ پر خشک لب پڑے ہوئے ہیں)

تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے کنی بر حالِ لب خشکاں نگاہے

(آپ تو ابر رحمت ہیں آپ کی شان کے لائق یہی ہے کہ خشک لبوں کے حال پر نظر فرمائیں)

یہ اسی قصیدے کے چند اشعار ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بادشاہ وقت سے فرمایا تھا کہ جامی کو روک لو کہیں ایسا نہ ہو کہ سنکر ہم باہر آجائیں۔ بادشاہ نے ان کو قید کر دیا۔ تب خواب ہی میں حضورؐ نے فرمایا کہ قید کرنے کو کس نے کہا ہے۔ ہمارے اس عاشق کو رہا کرو۔

دیکھو وہ ام معبد کس طرح آپ کے جمال جہاں آرا اور سیرت پاک کا نقشہ کھینچ رہی ہے حالانکہ آپ ہجرت فرماتے وقت مدینہ منورہ کے راستے میں چند ساعت اس ام معبد کے پاس ٹھہرے تھے کہ وہ مسافروں کی خدمت کرتی تھیں۔

وَاَحْسَنُهٗ وَاَجْمَلُهٗ مِنْ قَرِيْبٍ (قریب ہو تو بڑے اچھے اخلاق والے جمال والے معلوم ہوں) حُلْوُ الْمَنْطِقِ (گویائی بڑی ہی شیریں تھی) فَصْلاً (اور ہر بات الگ الگ اور صاف ہوتی تھی) لَانَزْرَ وَلَاهَذَرَ (نہ کسی پر عیب لگاتے اور نہ بے ہودہ کوئی بات نکلتی) "نہ بہت کم گفتگو فرماتے، نہ بہت زیادہ بولتے" كَاَنَّ مَنْطِقَهٗ خَرَزَاتُ نَظْمٍ (ان کے کلمات پروئے ہوئے موتیوں کی طرح تھے) يَتَحَدَّرْنَ (جو موتی کی طرح نکلتے تھے) رَبْعَةٌ (میانہ قد تھا) لَاتَشْنَاُهٗ مِنْ طُوْلٍ (تو ان کے اندر لمبے پن کا بھی نقص نہ دیکھے) وَلَاتَقْتَحِمُهٗ عَنْ قِصَرٍ (اور نہ ٹھگنے پن کی کوئی برائی پائے) غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ (کیا کہوں دو شاخوں کے درمیان والی شاخ کی طرح تھے) فَهُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ (وہ تینوں میں سب سے زیادہ انوار والے تھے) وَاَحْسَنُهُمْ قَدْرًا (اور ان میں مرتبے میں سب سے احسن تھے) لَهٗ رُفَقَاءُ يَحُفُّوْنَ بِهٖ (ان کے رفیق ان پر جان دیتے تھے) اِنْ قَالَ سَمِعُوْا قَوْلَهٗ (اگر وہ بولیں تو ان کی بات غور سے سنتے) وَاِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا اِلٰی اَمْرِهٖ (اور اگر وہ کوئی حکم کریں تو اسکی تعمیل میں دوڑ پڑیں) مَحْشُوْدٌ (قابل حمد اور لائق تعریف تھے) مَحْسُوْدٌ (اگر ان پر حسد کیا جائے تو بجا ہے) لَاعَابِسٌ وَلَامُفَنَّدٌ (نہ ترش رو تھے اور نہ کلام مغلق کرتے تھے)

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہتے ہیں :

اے چہرۂ زیبائے تو رشک بتانِ آزری　　ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں بالا تری

اے نور ذاتِ کبریا قندیل قصرِ خسروی　　بر فرقِ تو زیبد بجا واللہ تاج سروری

(آپ کا چہرۂ انور کمال حُسن و زیبائی کی بنا پر بتانِ آزر کے لئے بھی باعث رشک ہے آپ کا جتنا بھی وصف بیان کروں حسن و جمال میں آپ اس سے کہیں بالاتر ہیں۔ آپ ذات کبریا کے نور ہیں، قصر شاہی کی قندیل ہیں، بخدا آپ کے سر مبارک پر سرداری کا تاج بجا طور پر زیب دیتا ہے)

قطعہ

شمیم گیسوئے عنبر پہ مشکِ عنبریں صدقے　　صبیح مصحف رخ پر ہے قرآنِ مبیں صدقے

رخِ زیبا پہ دنیا کے حسین و مہ جبیں صدقے　　محبت تم پہ قرباں لُطفِ ربّ العالمیں صدقے

محمدؐ وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی　　محمدؐ وہ حریم قدس کا شمع شبستانی

تراشہ جسکے ناخن کا ہلالِ آسماں منزل　　غسالہ جسکے تلووں کا زلالِ آبِ حیوانی

وہ رابط عقل و مذہب کو کیا شیر و شکر جس نے

وہ فارق زہد سے جس نے مٹایا داغ رہبانی

(اقبال سہیلؒ)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامت حضرت

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق نومبر ۱۹۹۳ء جلد :۔ ۱۶

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین ۔ ۲۵/۲۳۔ بخشی بازار

الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن۔ ۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے، اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

انتباہ جن احباب نے سال رواں کا زر تعاون ابتک نہیں ارسال فرمایا وہ براہ کرم اولین فرصت میں ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمائیں اور اپنے اخلاقی اور دینی فریضہ سے سبکدوش ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہوں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

۱۹۴۷ء کے بعد آزادی صرف انگریزوں کے اقتدار سے نہیں ہوئی بلکہ نظم وضبط، فرض شناسی و دیانتداری وغیرہ سارے امور سے آزادی حاصل ہوگئی۔ تحریک آزادی میں سب سے مؤثر اور کارگر حربہ "عدم تعاون" اور "حکم عدولی" تھا۔ یہی دو جذبے یہاں کے سیاسی رہنما عوام میں بیدار کر رہے تھے۔ اور اسی جذبے کی بیداری نے انگریزوں کو یہاں سے رختِ سفر باندھنے پر مجبور کیا۔ انگریز تو رخصت ہوگئے مگر یہ جذبے یہاں کے عوام میں مزید راسخ ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ "عدم تعاون" یہاں کے مزاج وطبیعت کا ایک جزو بن گیا۔ اس کا اندازہ ہر محکمہ کی کارکردگی اور ان کے سلوک سے لگایا جا سکتا ہے۔ قانون کا استحصال۔ بے توجہی۔ لاپرواہی اور غیر ذمہ داری کا رواج عام ہے۔ ہر فرد قانون سے بےخوف۔ ذاتی فائدے اور شخصی اغراض کے جائز وناجائز مواقع کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کسی سے اخلاقی ذمہ داری اور فرائض منصبی کے ادائیگی کی توقع فضول اور عبث ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ غنیمت ہے۔ جو نہیں ہو رہا ہے اس کا شکوہ بےجا ہے۔ تمام تر امکانی کوشش اور احتیاطی تدابیر کے بعد اگر نقص وکمی رہ جائے تو اسکا ذمہ دار تنہا کوئی فرد نہیں۔ بلکہ یہ معاشرہ بھی ہے جس کی تشکیل یہاں کے رہنماؤں نے کی ہے شکوہ ہم سے بےجا نہیں۔ لیکن اس کے لئے اور بھی کچھ مناسب "جا" ہیں جس کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔

بعض خریداران رسالہ وصیۃ العرفان کے تاخیر سے ملنے یا نہ ملنے کی بنا پر نالاں ہیں یا مسلسل نہ ملنے کی وجہ سے شکایت کناں ہیں۔ ان کی شکایت اور ناراضگی یہی رسالہ سے محبت اور تعلق کی دلیل ہے۔ اس لئے یہ جذبے ہمارے لئے قابل قدر ہیں۔ رسالہ نہ ملنے سے انھیں جو کلفت اور اذیت پہنچتی ہے اس سے زیادہ رنج وافسوس اور ساتھ ہی خسارہ اہل ادارہ اور ادارہ کو ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں چند باتیں ناظرین کرام کے گوش گذار کرنی ہے:-

(۱) انسان خطا و نسیان سے گو خالی نہیں تاہم جب سے دفتری امور کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری ہمارے محترم جناب امانت علی صاحب زید مجدہم نے محض حسبۃً للہ سنبھالی ہے انھوں نے رسالہ کی ترسیل کا نہایت مستحکم نظام قائم فرمایا ہے۔ اور مبالغہ کی حد تک احتیاط کا التزام کر رکھا ہے۔ روانہ کئے جانے والے تمام رسائل کی انفرادی چیکنگ ہوتی ہے۔ پھر کراس چیکنگ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ان کا رکارڈ بنتا ہے۔ چنانچہ اس رکارڈ کی مدد سے کسی وقت بھی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس خریدار کا رسالہ گیا اور کس کا نہیں گیا۔

ایسے محتاط نظم کی بنا پر ہم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان شاء اللہ کسی کا رسالہ چھوٹتا نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر آپ کو رسالہ نہ ملے تو اس کو محکمہ ڈاک کی بدنظمی سمجھیں! اور مندرجہ ذیل افسران سے شکایت کریں۔

(۱) پوسٹماسٹر (۲) سینیر سپرنٹنڈنٹ پوسٹ آفسز (۳) ڈائرکٹر پوسٹل سروسز (۴) پی، ایم، جی (۵) چیف پی، ایم، جی۔ پہلی شکایت تو نمبر ۱، و ۲، کو کریں۔ اگر یہ شکایت بارآور نہ ہو تو پھر اپنی شکایت سارے افسران کو دوبارہ بھیجیں۔ امید ہے کہ اس کا اثر ہوگا اور رسائل آپ کو ملنے لگیں گے

(۲) رسالہ ہر ماہ شمسی کی دس تاریخ کو یہاں سے روانہ کیا جاتا ہے۔ اگر آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو براہِ کرم دفتر کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ماہ کے رسالہ کے ہمراہ بھیجا جا سکے۔

(۳) زرِ تعاون ختم ہونے کے بعد چھ ماہ تک رسالہ روانہ کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد اطلاعی نوٹس دی جاتی ہے۔ زرِ تعاون یا جواب نہ آنے کی صورت میں رسالہ کا بھیجنا موقوف کر دیا جاتا ہے۔

(۴) منی آرڈر بھیجتے وقت جگہ برائے مواصلات "یعنی کوپن پر نام، پتہ اور خریداری نمبر اور رقم کے متعلق تصریح ضرور کریں۔

اللہ تعالیٰ رسالہ کی افادیت کو عام و تام فرمائیں اور جملہ ناظرین اور معاونین کو اپنی کامل رضا و خوشنودی عطا فرماویں اور صدق و اخلاص سے بہرہ ور فرماویں۔ آمین۔

(مدیر)

ملفوظات مصلح الامۃ قدس سرہٗ

فرمایا کہ ایک بستی میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ صدیق تھے۔ اہل بستی نے ان کو نکالدیا انھوں نے دعا کی کہ یا اللہ اس بستی سے صدق نکال دیجئے۔ چنانچہ اس کے بعد سے پھر وہاں کوئی صدیق نہیں ہوا۔ ادب جیسی پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ ادب ہر شخص کو پسند ہے اور بے ادبی ہر شخص کو ناپسند ہے۔ اہل اللہ ادب کی بہت قدر کرتے ہیں جس شخص میں ادب دیکھتے ہیں اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ اسی لئے مشہور ہے کہ ؎ باادب بانصیب بے ادب بے نصیب

بے ادب را اندریں رہ بار نیست جائے او بر دار شد در وار نیست

"بے ادب کیلئے اس راہ میں قدم رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسکی جگہ گھر کے اندر نہیں ہے بلکہ دار (پھانسی کے پھندے) پر ہے۔" بے ادب کو تو اولاً کوئی اپنے پاس آنے ہی کیوں دیگا۔ اور اگر یہ کہیں کسی طرح گھس بھی جائے تو نکالدیا جائے گا۔ حضرت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

حافظا علم و ادب ورز کہ در مجلس شاہ ہر کہ را نیست ادب لائق صحبت نہ شود

"اے حافظ علم و ادب سیکھ لو کیونکہ بادشاہ کی مجلس میں جسکے اندر علم و ادب نہیں ہے تو وہ صحبت و ہمنشینی کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔" اور شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ادب تاجیست از لطف الٰہی بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

"ادب فضل الٰہی کا ایک تاج ہے اسکو سر پر رکھ لو پھر جس جگہ چاہو آؤ جاؤ یعنی ہر جگہ کامیاب ہوگے اور جہاں جاؤگے عزت ملے گی۔"

دہلی میں ایک بزرگ آئے ایک صاحب ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک اور عالم کی خدمت میں لے گئے۔ بعد میں ان سے پوچھا کہ تینوں کیا فرق ہے؟ انھوں نے کہا کہ عبدالعزیز انسان است۔ عبدالقادر مسلمان است (عبدالعزیز انسان ہے[1]۔ اور عبدالقادر مرد مسلمان ہے (یعنی اللہ والے ہیں) اور ان تیسرے صاحب کے بارے میں فرمایا کہ ناحق غرہ بر علم کند (ناحق اپنے علم پر غرور و ناز کرتا ہے)

[1] یعنی [illegible] انسانیت سے۔

شاہ عبد العزیز صاحبؒ بہت بڑے محقق عالم تھے مگر ان سے اس طرح ملے جس طرح کہ ایک بزرگ سے ملنا چاہئے جس سے وہ سمجھ گئے کہ یہ انسان کامل ہیں ان کو اپنے علم پر غرہ نہیں ہے۔ شاہ عبد القادر صاحبؒ میں کوئی اور بات خوبی کی دیکھی جس سے ان کو مسلمان کہا اور ان تیسرے عالم صاحب نے اپنی تحقیقات بیان کرنا شروع کر دیا ہوگا جس سے وہ سمجھے ہوں گے کہ ان کو علم پر غرہ ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کے پاس ایک عالم نے عربی میں خط لکھا۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ طریق میں نفع کی شرط یہ ہے کہ مفید کو مستفید سے اکمل ہونا چاہئے۔ آپ عربی میں خط لکھنے پر قادر ہیں اور میں نہیں۔ اس لئے مجھے معذور سمجھئے۔ جب یہ جواب پہونچا تو ان کا دماغ درست ہوگیا پھر اردو میں خط بھیجا اور بہت معذرت چاہی۔ حضرت نے ہم لوگوں سے ان کا نام لیکر فرمایا کہ فلاں صاحب نے مجھے عربی میں خط لکھا تھا۔ اپنے کو جتلاتے تھے۔ اب ٹھیک ہوگئے۔ اپنے شیخ کے سامنے ادعاء علم بے ادبی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے ؎

طُرُقُ الْعِشْقِ کُلُّھَا آدَابٌ　　اَدِّبُوا النَّفْسَ اَیُّھَا الْاَصْحَابُ

(عشق کے تمام طور طریقے ادب سے بھرے ہوئے ہیں۔ اے ہمنشینو! اپنے نفوس کو ادب سے آراستہ کرو)

فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "القول الجمیل" میں ارشاد فرمایا ہے کہ شیخ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرۃ ہو۔ طاعات مؤکدہ پر اور اذکار ماثورہ جو احادیث صحاح میں وارد ہیں ان پر مواظب (پابند) ہو اور تعلق باللہ سبحانہٗ پر مداوم ہو اور یادداشت ملکۂ راسخہ ہو چکا ہو۔

شاہ صاحب نے نہایت عمدہ بات بیان فرمائی۔ شیخ کی صفات میں جن امور کو فرمایا ہے ان میں سے ہر ایک نہایت ضروری اور اہم ہے چنانچہ ان صفات میں شاہ صاحب نے اسے بھی شمار فرمایا ہے کہ اذکار ماثورہ جو احادیث صحاح میں وارد ہیں ان پر مواظب اور مداوم ہو آپ مشائخ کی تمام کتابیں دیکھ جائیے شیخ کے لئے یہ شرط کہ وہ اذکار ماثورہ پر

بھی مداوم ہو شاید ہی کسی نے ذکر کیا ہو۔ تعلق باللہ کو اور ملکۂ یادداشت کو تو سب حضرات بیان کرتے ہیں اور طریق میں اسکی خاص اہمیت سمجھتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل ہونے میں دخیل اور مؤثر نہیں سمجھتے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اللہ اللہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تو ان کو کچھ تعلق حاصل ہو جاتا ہے لیکن دن و رات اور صبح و شام نیز مختلف اوقات سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں ہیں ان کے نہ اختیار کرنے کی وجہ سے اتباع سنت کی برکت سے محروم ہی رہتے ہیں کیونکہ آپؐ کی یہ دعائیں عین عبدیت ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے یاد رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ چنانچہ انھیں کے ذریعہ سے آپ نے ہمارے اوقات غفلت کو اوقاتِ ذکر بنا دیا ہے، اور ہماری بشریت کو بھی وصال حق کا زینہ بنا دیا ہے۔

آپ لوگوں کو سنت کا یہی آسان راستہ سمجھانا چاہتا ہوں اگر سمجھ لیجئے گا تو بڑے آرام سے رہیئے گا اور خدا تک پہونچنے کے لئے صراطِ مستقیم ہاتھ آجائے گا ورنہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو نہ لیا جائے گا تو ان کی جگہ مشائخ کی سنتیں لے لیں گی یا باپ دادا کی سنتیں[1] آجائیں گی اور گمراہی پھیل جائے گی۔ دین میں رخنہ پڑ جائے گا۔ کیونکہ بدعت اس طرح سے نہیں آئی کہ قصداً سنت کی مخالفت کی گئی بلکہ اپنے باپ دادا سے استاد سے اور پیر سے آئی ہے۔ ہمیشہ جو سنت متروک ہوئی ہے تو وہ اپنے مشائخ سے[2] اسلئے کہ لوگ اپنے باپ دادا کے معمولات کو اور استاد اور پیر کے معمولات کو لیتے ہیں اور یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ یہ سنت کے معارض ہیں۔ اس طرح سنت چھوٹ جاتی ہے۔

بلاشبہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت ہی ضروری امر کی جانب متوجہ فرمایا ہے۔ یعنی یہ کہ اورادِ مسنونہ پر مواظبت کو مشائخ کے لئے شرط قرار دیدیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر مشائخ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں پر عمل نہ کریں گے تو مریدین کیا کریں گے اسی طرح سے اگر علماء نہ عمل کریں گے تو عوام کیسے کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سنتیں صرف حدیث کی کتابوں میں تو رہ جائیں گی لیکن عمل سے ختم ہو جائیں گی۔

میں نے اسی مضمون کو بمبئی میں بھی بیان کیا تھا اور کئی دنوں سے یہاں بھی بیان

---

[1] انکے طور و طریقے، رسم و رواج ۔ [2] یعنی انکی غلو آمیز اور کورانہ تقلید سے جسمیں انکی عادات و اطوار کا سنت نبوی کے مطابق ہونے نہ ہونے کا لحاظ کئے بغیر نمونۂ عمل بنا لیا گیا (ع - ا)

کر رہا ہوں۔ باقی یہ سمجھتا ہوں کہ ان پر عمل آسان نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ سُن تو رہے ہیں لیکن جب عمل کرنے پر آئیں گے تو پسینہ آجائیگا۔ ایک ایک سنت کی عادت ڈالنے کے لئے بہت بہت مجاہدہ کرنا پڑیگا اور جس طرح سے مشائخ اصلاح نفس کے سلسلے میں مریدین سے مجاہدہ کراتے ہیں۔ اسی طرح سے اتباع سنت کی بھی عادت ڈالنے اور نفس کو اس کا خوگر کرنے کے لئے شروع شروع میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے جس میں اولاً تکلف ہوتا ہے پھر عادت پڑجاتی ہے۔ پھر اس کے بعد یہی عادت عبادت بن جاتی ہے۔ اور پھر ایک ایک سنت ادا کرلینے پر مؤمن کو بڑی ہی لذت آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق ہوجاتا ہے اور پھر یہی نسبت رسول مُنجَرْ اِلیٰ نِسْبَۃٌ مَعَ اللہ ہوجاتی ہے (یعنی کشاں کشاں اللہ کے ساتھ نسبت پیدا کردیتی ہے) یہ راستہ ہے وصول الی اللہ کا۔ اگر سمجھ میں آتا ہو تو کرو۔

سنت کی راہ میں لوگوں نے بہت مجاہدہ کیا ہے تب کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ بھی جب اسمیں مجاہدہ کریں گے تب کامیاب ہوں گے۔ مگر اسکے کرنے میں وقت لگتا ہے۔

سنت کے اختیار کرنے میں نفس سے مجاہدہ کیا جاتا ہے۔ دارو گیر کی جاتی ہے جس طرح شیخ اپنے مرید سے دارو گیر کرتا ہے اسی طرح آپ اپنے نفس سے سنت کو پکڑنے میں دارو گیر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہلے نفس پر غصہ اور ترک سنت پر غم اختیار کیا جاتا ہے تب نفس سنت کی راہ پکڑتا ہے۔

فرمایا کہ عوام الناس سے کہتا ہوں کہ وہ صرف اس کے مکلف ہیں کہ ظاہر شریعت یعنی نماز و روزہ کی پابندی اخلاص کے ساتھ کرتے رہیں لیکن جو حضرات کہ اہل علم ہیں یعنی مولوی ہیں ان کے لئے اتنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ علاوہ اسکے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا کرنا بھی ضروری ہے اس کو نہ حاصل کریں گے تو اس پر ان سے مواخذہ بھی ہوگا اور دنیا میں بھی وہ بے فیض ہی رہیں گے۔ فیض اور نفع کے لئے انسان کا صاحب نسبت ہونا ضروری ہے۔

چند مفید نصائح

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے بھائی شاہ اہل اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب چہار باب میں بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ

نصیحت: ہرگاہ کہ امرے از امور یا مہمے از مہمات روئے نماید باید کہ بعقلائے آن فن کہ خیرخواہ خود باشند مصلحت کنند و مشورت نمایند کہ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ واقع شدہ۔ یعنی جب کوئی امر یا مہم پیش آئے تو چاہیئے کہ اس فن کے عقلاء جو کہ خیر خواہ ہوں ان سے صلاح و مشورہ کریں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے کہ "آپ صحابہ سے مشورہ کر لیا کیجئے" اس میں امت کو تعلیم فرمائی گئی ہے کہ اپنے جملہ امور میں مشورہ کیا کریں اور دوسری نصیحت یہ فرما رہے ہیں کہ

نصیحت: می باید کہ در جمیع اوضاع و اطوار بطرقۂ شرفا و صلحاء در غور باشند و از صحبت اوضاع و اجلاف گریزاں باشند۔ یعنی چاہیئے کہ اپنے تمام اوضاع و اطوار میں شرفا و صلحاء کا طریقہ اختیار کریں اور وضیع و ذلیل لوگوں کی صحبت سے دور رہیں۔ یہ اس لئے کہ جیسے لوگوں کی معیت و صحبت اختیار کی جاتی ہے اُن کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر ذلیل و نیچے طبقہ کے لوگوں کی صحبت رہے گی تو ان کی خست و دنارت کا اثر طبیعت قبول کرے گی۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے دور ہی رہنا چاہیئے۔ پھر فرماتے ہیں کہ باید کہ در ہر امرے از امور دنیا استعجال نہ نمایند و بغیر مشورت و تدبیر کارے نہ کنند۔ یعنی چاہیئے کہ دنیوی امور میں سے کسی امر میں عجلت نہ کریں اور بغیر مشورے و تدبیر کے کوئی کام نہ کریں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

خود را معطل و مہمل نہ گذارند کار عقبیٰ بسازند و اگر نتوانند کار دنیا از دست ندہند۔ یعنی اپنے کو معطل اور مہمل نہ چھوڑیں بلکہ عقبیٰ کا کام کریں اور اگر اس کو نہ کر سکیں تو دنیا کے کام کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ مثلاً کوئی ہنر و پیشہ اختیار کریں جس سے دنیا حاصل ہو۔ شاہ صاحبؒ کی اس نصیحت کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کرتا ہوں جسکو

علامہ علی فکری نے اپنی کتاب السمیر المہذب ص۹۲ میں نقل فرمایا ہے :۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنِّیْ لَاَکْرَهُ اَنْ اَرٰی اَحَدَکُمْ سَبَهْلَلاً لَا فِیْ عَمَلِ دُنْیَا وَلَا فِیْ عَمَلِ آخِرَةٍ یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں تم میں سے کسی سبہلل دیکھوں کہ نہ تو دنیا ہی کے کام میں ہو اور نہ آخرت کا عمل کرتا ہو۔

اسی کو میں برابر کہا کرتا ہوں کہ اگر تم سے آخرت کا کام نہیں سپڑتا تو دنیا ہی کا کام کرلو۔ اور اگر مرد ہو تو اسی کو کر دکھاؤ۔ آدمی کو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہئے۔ لیکن تمہارا حال یہی دیکھتا ہوں کہ نہ تو دین ہی کا کچھ کام کرتے ہو اور نہ دنیا ہی کا کوئی کام تم سے ہوتا ہے۔ اور اگر ہم جیسے لوگ ان کو اس قسم کی باتیں سکھلاتے ہیں تو ہمارا ہی وجود ان کو ناگوار ہوتا ہے اور بزبانِ حال کہتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو ہم لوگ ترقی کرکے معلوم نہیں کہاں پہنچ جاتے۔ اس کے جواب میں ان سے کہتا ہوں کہ اچھا ہم لوگ ہٹے جاتے ہیں ہم کو ہمارا کام کرنے دو اور تم لوگ اپنا دنیا ہی کا کام کرلو۔ لیکن تمہاری سمجھ میں یہ بات بھی جلدی نہیں آوے گی اسلئے کہ تم میں سمجھنے کی صلاحیت بھی باقی نہیں رہ گئی ہے اور عام طور پر تمہارا حال یہی دیکھ رہا ہوں کہ خود تو کچھ کرتے نہیں اور اگر خاندان میں کوئی ایک آدمی محنت کرکے کماتا ہے تو اس سے لڑکر زبردستی اسکی کمائی بھی لینا چاہتے ہو۔

یہ جو کچھ بول رہا ہوں سب سمجھ کر تمہارے حال کے مطابق گفتگو کر رہا ہوں۔ بُرا مت ماننا اور اگر بُرا معلوم ہو تو جاکر ناشتہ زیادہ کرلینا۔ گر حال تمہارا یہی ہے۔ شاید تم یہی سمجھتے ہو کہ نفس کے زور سے ہم نے ناخوش ہونے میں بہت نفع دیکھا ہے۔ تو ممکن ہے تم دیکھتے ہو لیکن ہم تو تمہارا ضرر دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی اور تم کیا دیکھو گے تمہارے اندر تو دیکھنے کی صلاحیت بھی باقی نہیں۔

سنئے! میں نے حضرت مولانا سے سنا ہے کہ کسی جگہ ایک آدمی چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک بزرگ اس طرف سے گذر رہے تھے انھوں نے اس کو سلام نہیں کیا اور جب ادھر ہی سے واپس ہوئے تو اسکو سلام کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات

سہ نکما و ناکارہ

ہے کہ آپ اِدھر سے گئے تو اس شخص کو آپ نے سلام نہیں کیا اور جب واپس ہوئے تو اسی کو سلام کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اسوقت جب میں جارہا تھا تو یہ آدمی بیکار بیٹھا ہوا تھا اور کچھ کر نہیں رہا تھا اس لیے شیطان کے زیادہ قریب تھا۔ اور جب لوٹا ہوں تو یہ اپنے ہاتھ سے زمین کرید رہا تھا۔ اگرچہ یہ بھی مہمل ہی کام ہے لیکن مشغولی کی وجہ سے یہ شیطان سے دور ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی بھی کام میں مشغول رہیگا خواہ وہ دین کا کام ہو یا دنیا کا تو شیطان سے دور رہیگا اور اگر بیکار رہیگا تو سخرۂ شیطان بنا رہے گا۔ اسی بنا پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اگر عقبیٰ کا کام نہ ہوسکے تو دنیا ہی کا کام کرے اور اپنے کو مہمل اور معطل نہ چھوڑے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تم کو سھلل دیکھنا نہیں پسند کرتا کہ نہ تو آخرت کے کام میں لگو نہ دنیا کے کام میں۔ چنانچہ جو لوگ کسی کام میں مشغول ہوتے ہیں خواہ دین کے یا دنیا کے وہ فتنہ اور فساد سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو اپنے کام ہی سے فرصت نہیں ملتی کہ ان لغویات میں پڑیں

ایک لڑکا جو یہاں رہتا تھا اور انگریزی تعلیم حاصل کرتا تھا اب یورپ چلا گیا ہے وہاں جاکر اس نے داڑھی بھی رکھ لی اور نماز بھی پابندی سے پڑھتا ہے۔ تہجد و اشراق کا بھی پابند ہے اور لوگوں کو دین کی ترغیب بھی دیتا ہے اور وہاں دس ہزار ماہوار کا ملازم ہوگیا ہے اور وہاں سے اپنے والد کو خط لکھا ہے کہ آپ سب لڑکوں کو علم دین پڑھایئے اور الہ آباد حضرت مولانا کی خدمت میں رکھ کر انکی تعلیم و تربیت کا انتظام کیجئے۔ تو ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یورپ جاکر اور انگریزوں میں رہ کر دنیا بھی کما رہے ہیں اور اپنے دین کو بھی محفوظ رکھے ہوئے ہیں ایسی صورت میں چاہے آدمی امریکہ چلا جائے یا لندن یا کہیں چلا جائے اسکو کچھ مضر نہیں کہیں بھی پہنچ جائے گا جب ایمان اسکے ساتھ ہے تو وہی اس کی ہر جگہ حفاظت کرے گا۔

یہ اس پر سُنا رہا ہوں کہ آخر سب لوگ کام کر رہے ہیں تو آپ کیوں نہیں کرسکتے جس طرح دوسروں کے ہاتھ پاؤں ہیں آپ کے بھی ہیں۔ سب لوگ ترقیات کر رہے ہیں تو آپ

سلہ تابع۔ بیگار

آخر ترقی کیوں نہیں کرتے۔ جب آدمی دین اختیار کر رہا ہے تو روپیہ پیسہ اسکے لئے مددگار ہے۔ اسکو حرام تو نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ دنیا بھی ایک درجہ میں ضروری ہے اس کو بھی کرنا چاہیے اور مال بھی پاس میں رہنا چاہیے۔ اسکے بارے میں بھی حدیث موجود ہے۔

چنانچہ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ قریب المرگ ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کی غرض سے میرے پاس تشریف لائے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس مال بہت زیادہ ہے اور سوائے ایک لڑکی کے میرا کوئی وارث نہیں ہے۔ کیا میں اپنے کل مال (کے صدقہ کر دینے) کی وصیت کر دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ دو ثلث[1] کی؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر نصف کی وصیت کر دوں۔ پھر بھی حضورؐ نے نفی ہی میں جواب دیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ثلث مال کی وصیت کر دوں تو فرمایا کہ ہاں ثلث کی کر سکتے ہو وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ[2] مگر یہ بھی زیادہ ہے اسلئے کہ تمہارا اپنے ورثہ کو اغنیا چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ دوسروں کے دست نگر ہوں اور بلاشبہ تم جو بھی خرچ اللہ کی رضا کیلئے کروگے اس کا ثواب تم کو ملیگا حتیٰ کہ اس لقمہ کا بھی تم کو اجر ملے گا جو اپنی بیوی کے منہ میں دوگے۔

دیکھیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کل مال بلکہ نصف مال کے صدقہ کی بھی وصیت سے منع فرمایا اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اپنی اولاد کو مفلس اور محتاج چھوڑنے سے یہ بہتر ہے کہ اُن کو غنی اور مالدار چھوڑ جاؤ تاکہ وہ لوگ سوال کی ذلت سے محفوظ رہیں اور دوسروں کے دست نگر نہ بنیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا منجملہ اخبار بالغیب کے تھا اس لئے کہ حضرت سعدؓ کی اس مرض میں وفات نہیں ہوئی بلکہ شفایاب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انکو دس سے کچھ زیادہ بیٹے اور بارہ لڑکیاں عطا فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ اگر سب مال کی وصیت کر دیتے تو ان بچوں کا کیا حشر ہوتا۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو ثلث مال کی وصیت کی اجازت عطا فرمائی لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ یعنی ثلث بھی زیادہ ہی

---

[1] تہائی ⅓۔ [2] اور تہائی مال بھی زیادہ ہے۔

ہے اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ وصیت میں بہتر یہی ہے کہ ثلث مال سے کم کی وصیت کی جائے پورے ثلث کی وصیت نہ ہو۔

نیز حضور نے امت کے لئے اپنی اولاد کو اغنیاء چھوڑ جانے کا مسئلہ اس حدیث میں بیان فرمایا اور علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کے پاس مال نہیں اس کا ایمان محفوظ نہیں۔ یعنی فقدانِ مال کی صورت میں بسا اوقات آدمی دین وایمان کو بھی کھو بیٹھتا ہے

چنانچہ حضرت سفیان ثوریؒ جو مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے درجہ کے صوفی بھی ہیں ان کا اثر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:۔

عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ كَانَ الْمَالُ فِيمَا مَضٰى يُكْرَهُ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَاِنَّهٗ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ كَانَ اَوَّلُ مَا يَبْذُلُ دِيْنَهٗ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا يَحْتَمِلُ السَّرَفَ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

(حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مال پہلے زمانہ میں ناپسند کیا جاتا تھا مگر اب تو مومن کی ڈھال ہے (یعنی انسان اسی کے ذریعہ سے بہت سی معصیت سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اپنی عزت وآبرو کو برقرار رکھ سکتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ اگر یہ دنانیر (روپیہ پیسے) ہمارے پاس نہ ہوتے تو بادشاہ لوگ ہم کو صافی بنا لیتے (مطلب یہ کہ ان لوگوں کے نزدیک ہم ذلیل وخوار ہو جاتے) اور یہ بھی فرمایا کہ جس کے ملک میں کچھ بھی مال ہو تو چاہیے کہ اسکی اصلاح کرے (یعنی اس کو تلف وضائع نہ کرے بلکہ تجارت سے اسکو بڑھائے) اس لئے کہ یہ (ایسا بد دینی کا) زمانہ ہے کہ اگر کوئی شخص مفلس ومحتاج ہوگا تو (تحصیل دنیا کیلئے) سب سے پہلے اپنے دین ہی کو صرف (یعنی ضائع) کر دے گا۔ اور فرمایا کہ حلال مال اسراف کا احتمال نہیں رکھتا (یعنی اس کی خاصیت یہ ہے کہ اسراف کے طور پر اور بلا ضرورت شرعیہ کے صرف نہیں ہوتا)

اس سے معلوم ہوا کہ ہم کو اصحاب خیر القرون کی ریس نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ وہ حضرات کامل الایمان تھے۔ زمانہ خیر وصلاح کا تھا مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ لوگوں کے حالات

متغیر ہوگئے ایمان میں ضعف ہوگیا۔ فقر کا تحمل نہیں ہوسکتا اس لئے دین وایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ مال پاس میں رہے ورنہ ایمان ہی کھو بیٹھیں گے

بھائی سنو! یہ امر تو مسلم ہے کہ آخرت کی ضرورت دنیا کی ضرورت سے بڑھی ہوئی ہے اور آخرت دنیا پر مقدم ہے۔ لیکن میں اس وقت یہ بتلانا چاہ رہا ہوں کہ دنیا بھی ایک درجہ میں ضروری ہے اور یہ بھی مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے اور اپنی آبرو محفوظ رکھنے کے لئے اسکی بھی ضرورت ہے کہ کسی سے سوال نہ کرنا پڑے ورنہ جب حضرت سفیان ثوریؒ اپنے زمانہ کے متعلق یہ فرمارہے ہیں کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو ہم کو اغنیاء صافی بنا لیتے پھر اس زمانہ کے مالداروں کا کیا حال ہوگا اور اسکی وجہ سے وہ کتنا ذلیل وحقیر سمجھنے لگیں گے۔ ہمارے اسلاف کا یہ بھی احسانِ عظیم ہے کہ ان مسائل کو حل فرمادیا اور ہمارے لئے راستہ واضح فرمادیا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

ایک زریں نصیحت | فرمایا کہ احیاء العلوم میں ہے کہ

حضرت عباسؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ اجی میں دیکھتا ہوں کہ یہ صاحب (یعنی حضرت عمرؓ) تم کو بڑے بوڑھوں پر (رائے بات میں) مقدم کرتے ہیں۔ لہٰذا تم میری پانچ باتیں یاد رکھو (تاکہ تمہارا یہ مرتبہ باقی رہے) ایک تو یہ کہ خبردار کبھی ان کا کوئی راز فاش نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ اُن کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا۔ تیسرے یہ کہ کبھی ان کے تجربہ میں تمہارا کاذب ہونا نہ آئے۔ چوتھے یہ کہ ان کے کسی بھی امر کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا۔ پانچویں یہ کہ خبردار تمہاری کوئی خیانت اُن کے علم میں نہ آنے پائے۔

حضرت شعبیؒ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک ایک نصیحت ہزار سے بہتر ہے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجودیکہ نوجوان تھے لیکن حضرت عمرؓ اشیاخ اور معمر لوگوں پر ان کو مقدم فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فضیلت اور تقدم کے کچھ اسباب ہوتے ہیں جن کی بنا پر کسی انسان کو یہ منصب (تقدم) ملتا ہے اور وہ وجوہ اخلاق حسنہ ہیں جنکی تکمیل وتتمیم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے عمر اور سن سے

اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ "بزرگی بعقل است نہ بسال" (بزرگی کا تعلق عقل سے ہے نہ کہ عمر اور سال سے) بالکل صحیح فرمایا ہے۔

صاحبزادے کی یہ حرمت امیر المومنین حضرت فاروق اعظم کی نگاہ میں دیکھ کر حضرت عباسؓ نے ان سے بطور نصیحت کے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا یہ منصب اور خلیفۂ ثانیؓ کی نظروں میں تمہاری یہ عزت باقی رہے تو خبردار تم سے کبھی کوئی ایسی بات صادر نہ ہو جو تمہارے وقار کو کھودے اور تم سے یہ منصب زائل کرادے لہٰذا میری یہ پانچ باتیں یاد رکھو اسکے بعد وہی نصیحت فرمائی جو اوپر درج ہے اور اسمیں شک نہیں کہ حضرت عباسؓ نے ایسے زریں اصول بیان فرمائے جن پر صلاح و فلاح کا مدار ہے۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ بیان فرمائی کہ اُن کا راز فاش نہ کرنا۔ سبحان اللہ کیسی اہم بات فرمائی کیونکہ افشاءِ راز سے آدمی دوسرے کی نگاہ میں بڑا خفیف اور بے وزن ہو جاتا ہے۔ اس کا اعتبار جاتا رہتا ہے۔ آج بھی افشاءِ راز سے جو مفاسد پیدا ہو رہے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ ہمارے اسلاف کو چونکہ مفاسد کے سدِّباب کا اہتمام تھا اس لئے ان باتوں کو وہ پیشِ نظر رکھتے تھے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اُن کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا۔ غیبت کی حرمت تو منصوص ہی ہے اسکے مفاسد بھی بیشمار ہیں مگر آج ہماری ہر نشست اور ہر مجلس میں یہ نقلِ مجلس بنی ہوئی ہے۔ اور اس میں اسکی چاشنی ضرور ہوتی ہے۔ جہاں دو آدمی بیٹھے اور تیسرے کی غیبت شروع کر دی حتیٰ کہ ہمارے علمی ادارے اور علماء و مشائخ تک کی مجالس بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں۔

تیسری بات یہ کہ وہ تم پر جھوٹ کا تجربہ نہ کرنے پائیں کیونکہ جب کسی شخص کا جھوٹ ایک بار بھی پکڑا جاتا ہے تو وہ ساقط الاعتبار اور صاحب معاملہ کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ کسی بات میں اُن کی نافرمانی نہ کرنا۔ کیونکہ بلاشبہ اپنے بڑے اور امیر کی فرمانبرداری اور انقیاد ہی تمام کمالات کی اصل ہے اور نافرمانی حرمان اور خسران کی موجب ہے۔

پانچویں بات یہ فرمائی کہ خبردار تمھاری جانب سے کبھی کوئی خیانت اُن کے علم میں نہ آئے۔ کیونکہ خیانت جیسا رذیلہ جس شخص میں پایا جائے گا ظاہر ہے کہ اس میں امانت و دیانت کہاں باقی رہ گئی اس کا انجام بھی ذلت و رسوائی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اب اس زمانہ میں حسن خلق اور سوء خلق کی بحث ہی لوگوں نے تہ کرکے رکھ دیا ہے ورنہ تو آج اگر ہمارے ادارے اس کا اہتمام کریں اور علماء و مشائخ کے یہاں بھی اسکی پوری بحث ہو اور انھیں اخلاق کو مدار فضیلت قرار دیا جائے تو اب بھی تمام شر و فساد ختم ہو کر صلاح و فلاح رونما ہو سکتی ہے۔

حضرت عباسؓ کی اس نصیحت کے متعلق جو کہ انھوں نے اپنے لخت جگر کو فرمائی جبکہ علامہ شعبیؒ نے یہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک ہزار سے بہتر ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اسکی اور کیا تعریف و توصیف ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ اس قسم کی نصیحت ایک صحابیٔ رسول ہی کر سکتا ہے لہٰذا اس کے متعلق بس یہی کہتا ہوں کہ "یہ نصائح آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور ضرورت ہے کہ انسان ان کو بجائے لوح و کاغذ پر لکھنے کے اپنے صفحاتِ قلب پر لکھے۔"

فرمایا کہ اس زمانہ میں لوگ وظیفچی ہو گئے ہیں یعنی وظیفہ پڑھنا ان کیلئے بہت آسان ہے کیونکہ اسکی وجہ سے کچھ نہ کچھ نفع ہی ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی نظروں میں اعتبار قائم ہو جاتا ہے لوگ بزرگ سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی رذیلہ کی اصلاح ان کے لئے موت ہے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ عالموں کو تابع بنانا چاہتا ہے۔ ان کو نصیحت کرتا تھا اور ان پر خوب غصہ کرتا تھا اپنے کو مخلص اور دوسروں کو منافق سمجھتا تھا۔ لیکن ایک مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ ایک بہت بڑی بد اخلاقی کا شکار ہے۔ چنانچہ لوگوں میں اسکی وجہ سے رسوا ہو گیا۔ حیرت ہوئی کہ یا اللہ ایک شخص اتنی بڑی بد اخلاقی لئے ہوئے ہے اور دوسروں کو ڈانٹتا ہے۔

بات یہ ہے کہ وظیفہ پڑھنا آسان ہے۔ عبادت کر لینا آسان ہے اور بظاہر نیک بن جانا آسان ہے لیکن اخلاق کی اصلاح کرنا مشکل ہے۔

روایت (۶۶) ایک شخص حضرت ابوالدرداء (صحابی) رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم راحت کے وقت حق تعالیٰ کو یاد رکھو وہ تمہیں مصیبت کے وقت یاد رکھے گا۔ اور جب تم مُردوں کو یاد کرو تو اپنے آپ کو بھی انہیں میں داخل سمجھو۔ اور جب تمہارا نفس کسی چیز کی حرص کرے تو اس کو یاد کرو کہ اس کا انجام کیا ہوگا (یعنی بالآخر وہ بھی فنا ہو جائے گی)

روایت (۶۷) عرباض بن ہثیم کہتے ہیں کہ میرے والد ہثیم کو عبداللہ بن زیاد نے کسی کام کے لئے یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک خارجی شخص یزید کے سامنے ہے۔ خارجی نے اپنی گفتگو میں کہا کہ میں بڑا بدنصیب ہوں۔ یزید نے کہا کہ بیشک واللہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ اس کے بعد اس نے آہستہ کچھ لب ہلائے۔ یزید نے چپراسی سے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ چپراسی نے کہا کہ یہ شعر پڑھتا ہے

عَسیٰ فَرَجٌ یَاتِیْ بِهِ اللهُ اِنَّهٗ — لَهٗ کُلَّ یَوْمٍ فِیْ خَلِیْقَتِهٖ اَمْرٌ

"کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کشادگی ظاہر فرمادیں کیونکہ ہر روز اس کا اپنی مخلوق میں نیا امر ہے۔"

یزید نے دو جلادوں کو کہا کہ اس کو باہر لے جاؤ اور فوراً قتل کردو۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ ہثیم پہنچ گئے اور جلادوں سے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے واقعہ بتلادیا۔ تو ہثیم نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ ہثیم یزید کے سامنے پہنچے اور کہا اے امیرالمومنین یہ مجرم تو آپ اپنے مہمان کو دیدیجئے۔ یزید نے کہا بہتر آپ کو اختیار ہے جو چاہے کیجئے۔ ہثیم نے خارجی کا ہاتھ پکڑا اور آزاد کر دیا۔ خارجی یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر قسم کھائی تھی خدا تعالیٰ نے اس کو جھوٹا کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ پر (معاذاللہ) غالب ہونا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ اس پر غالب ہو گیا۔

روایت (۶۸) ابوعمر بن العلاء کہتے ہیں کہ میں حجاج بن یوسف کے مظالم سے تنگ آکر بھاگ نکلا تھا۔ میں ایک روز یمن میں ایک مکان کی چھت پر تھا۔ ایک شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ؎

رُبَمَا تَکْرَهُ النُّفُوْسُ مِنَ الْاَمْرِ — لَهٗ فُرْجَةٌ کَحَلِّ الْعِقَالِ

"بسا اوقات لوگ کسی امر کو سخت مصیبت سمجھتے ہیں مگر اس سے خلاصی ایسی آسان ہو جاتی ہے جیسے کوئی رسی کھولدے"

اس کے بعد میں گھر سے نکلا تو لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ حجاج مرگیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس وقت اسکی خوشی زیادہ ہوئی کہ میں قید اور روپوشی کی تکلیف سے آزاد ہوگیا یا حجاج کے مرنے کی۔

روایت (۷۹) عبداللہ بن ابی ہزیل کہتے ہیں کہ بخت نصر (بادشاہ) نے اول دو شیروں کو آپس میں لڑایا اور پھر انھیں ایک گڑھے میں ڈلوادیا۔ اس کے بعد پیغمبر خدا حضرت دانیال علیہ السلام کو بلواکر ان کے اوپر ڈال دیا۔ مگر (حق تعالیٰ کی قدرت کہ) شیروں نے حضرت دانیال علیہ السلام کی طرف رُخ بھی نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت دانیال علیہ السلام کو کھانے پینے کی ضرورت ہوئی تو حق تعالیٰ نے حضرت ارمیا علیہ السلام کو ملک شام میں یہ وحی فرمائی کہ دانیال (علیہ السلام) کے لئے کھانے پینے کا سامان تیار کریں۔ انھوں نے عرض کیا اے ہمارے مالک میں تو ارض شام میں ہوں اور دانیال ارض بابل میں ہیں جو ملکِ عراق کا ایک شہر ہے (یہ کھانا ان کو کیسے پہنچاؤں) حق تعالےٰ نے وحی فرمائی جس چیز کا ہم نے حکم دیا ہے آپ وہ تیار کرلیں۔ ہم آپ کے پاس ایسی چیز بھیجیں گے جو آپ کو اور اس کھانے کو اٹھاکر دانیال کے پاس لے جائیگی۔ ارمیا علیہ السلام نے کھانا وغیرہ تیار کیا تو حق تعالیٰ نے (حسب وعدہ) وہ چیز بھیج دی جس نے ان کو اس گڑھے پر جاکھڑا کیا جس میں دانیال علیہ السلام تھے۔ دانیال علیہ السلام نے کہا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا کہ میں ارمیا ہوں دانیال علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ یہاں کس طرح پہنچے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔

دانیال علیہ السلام نے (فرط مسرت سے) پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا ذکر فرمایا۔ ارمیا علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا شکر ہے اللہ کا جو اپنے یاد کرنیوالوں کو بھولتا نہیں حمد ہے اللہ تعالیٰ کی جو اپنے امیدواروں کو محروم نہیں کرتا۔ حمد ہے اللہ تعالیٰ کی جو اپنے اوپر بھروسہ کرنیوالوں کو دوسروں کے سپرد نہیں فرماتا۔ حمد ہے اللہ تعالیٰ کی جو احسان کے بدلہ میں احسان فرماتا ہے۔ حمد ہے اللہ کی جو صبر کا بدلہ نجات سے دیتا ہے۔ حمد ہے اللہ کی جو ہماری بے چینی کے بعد ہماری مصیبت کو دور کردیتا ہے۔ حمد ہے اللہ کی جو اس وقت بھی ہماری امید ہے جبکہ ہماری ساری تدبیریں ختم ہوجائیں۔

روایت (۷۰) حضرت عنبسہ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (جلیل القدر تابعی) کی خدمت میں ان کو (کسی سفر کے لئے) رخصت کرنے کے واسطے حاضر ہوا جب رخصت کرکے واپس چلا تو مجھے آواز دی "اے عنبسہ" "اے عنبسہ" میں واپس حاضر ہوا تو فرمایا کہ موت کو بہت یاد کیا کرو۔ کیونکہ ذکر موت کا یہ فائدہ ہے کہ اگر تم دنیوی وسعت و راحت میں ہوگے موت کی یاد اس کو تم پر تنگ کردیگی (یعنی عیش و راحت میں حق تعالیٰ سے غافل ہوجانے کا جو خطرہ تھا وہ پیش نہ آئے گا۔ اور اگر تم دنیاوی تنگی و پریشانی میں ہوگے موت کی یاد اس کو تمہارے لئے آسانی کردے گی کہ یہ تکلیف چند روز کے بعد ختم ہو کر راحت اور درجاتِ آخرت کا سبب بنے گی تو تکلیف بھی راحت معلوم ہونے لگے گی۔

روایت (۷۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ہمارے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہیں دنیا کی کوئی تکلیف پیش آئے تو موت کو یاد کرلو وہ تم پر اس تکلیف کو آسان کردیگی۔

روایت (۷۲) حضرت عیینہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمہ بن عبدالملک فرمایا کرتے تھے کہ "آخرت میں سب سے کم فکر والا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں سب سے کم فکر والا ہوگا۔

ف :۔ مراد یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی حرص اور ترفہ و تنعم کے لئے اپنے اختیار سے اپنے ذمہ افکار لگائے گا وہ آخرت میں خطرہ میں رہے گا۔ لیکن اگر کسی شخص پر غیر اختیاری طور سے افکار و ہموم لاحق ہوجائیں تو آخرت میں اس کے لئے کوئی خرابی نہیں۔ بلکہ احادیث صحیحہ میں اسکے لئے درجات آخرت اور بے فکری و بے غمی کا وعدہ ہے۔

روایت (۷۳) عازم بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے زہیر بابی سے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے کہا کہ اے ابوالفضل جب سے تم گئے ہو میں آخرت کی طرف سفر اور دنیا کے سرد و گرم اور رنج و راحت سے منتقل ہونے میں مشغول ہوں۔ ابوالحسن کہتے ہیں۔ زہیر بابی بہت سے امراض میں مبتلا تھے۔ فتق کا مرض بھی تھا اور دمہ کا بھی اور بینائی بھی جاتی رہی تھی مگر سب پر صبر کرکے فرمایا کرتے تھے کہ یہ دنیا ہی کی تکلیف تو ہے (ہمیں اسکی زیادہ پرواہ نہیں) جو اس کا جی چاہے کرے (جب آخرت سلامت ہو تو دنیا کا کچھ غم نہیں)

روایت (۷۴) سعید بن ثوبانؒ کہتے ہیں کہ جب زہیرؒ بابی کی بینائی جاتی رہی تو میں ایک روز ان کی عیادت کے لئے گیا اور ان سے اپنی دردمندی کا اظہار کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تم غمگین نہ ہو۔ مجھے تو آنکھوں کا واپس آجانا دو پیسے کے برابر بھی نہیں (کیونکہ دنیا کی مصیبت آخرت کے لئے ذریعۂ نجات ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جس شخص کی آنکھیں لیتا ہوں اس کے بدلہ میں اسکو جنت دیتا ہوں)

روایت (۷۵) محمد بن حسینؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مجنون کو دیکھا کہ لڑکوں نے اس کو پریشان کیا تو وہ ایک مسجد میں گھس گیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ جب سب متفرق ہو گئے تو کھڑا ہوا اور بار بار پڑھنے لگا ؎

اِذَا تَضَایَقَ اَمْرٌ فَانْتَظِرْ فَرَجًا فَاَصْعَبُ الْاَمْرِ اَدْنَاهُ اِلَی الْفَرَجِ

(جب کوئی معاملہ تنگ ہو جائے تو تم فراخی کے امیدوار ہو جاؤ کیونکہ کام جتنا زیادہ دشوار ہوتا ہے اتنا ہی کاربراری کے قریب ہوتا ہے)

روایت (۷۶) حسین بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ وزیر سلطنت اُن پر ناراض ہوئے اُن کو شہر بدر کر دیا۔ حسین کو اس کا سخت رنج و ملال ہوا۔ اسی عرصہ میں ایک رات ایک رفیق سفر نے یہ اشعار سُنائے ؎

اَحْسِنِ الظَّنَّ بِرَبٍّ عَوَّدَکَ حُسْنًا بِالْاَمْسِ سَوّٰی اَوَدَکَ

(اپنے اس مالک سے نیک گمان رکھو جس نے تمھیں انعامات کا عادی بنا رکھا ہے اور کل تک تمہاری کجی کو درست کیا ہے)

اِنَّ رَبًّا کَانَ یَکْفِیْکَ الَّذِیْ کَانَ بِالْاَمْسِ سَیَکْفِیْکَ غَدًا

(جو مالک کل تک تیرے تمام مقاصد کی کفالت کرتا تھا وہ آئندہ کل بھی کرے گا)

حسین بن عبد الرحمٰن نے جب یہ اشعار سنے تو ان کا غم گویا مٹ گیا اور اس شخص کو دس ہزار درہم انعام دیئے۔

روایت (۷۷) محمد بن ابی رجاء مولیٰ بنی ہاشم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ایک معاملہ میں سخت رنج و غم پہنچا۔ اتفاقاً میں نے اپنے بیٹے کا گدا اٹھایا۔ تو اسکے نیچے سے ایک رقعہ نکلا جس میں یہ شعر لکھا ہوا تھا ؎

یَا صَاحِبَ الْهَمِّ اِنَّ الْهَمَّ مُنْقَطِعٌ لَا تَیْأَسَنَّ کَاَنْ قَدْ فَرَّجَ اللّٰهُ

(اے غمگین بیشک غم ختم ہونے والا ہے۔ تم مایوس نہ ہو گویا کہ حق تعالیٰ نے مصیبت دور فرما دی)

یہ شعر دیکھتے ہی میرا غم جاتا رہا اور جس تکلیف میں گرفتار تھا چند روز کے بعد وہ بھی جاتی رہی۔

روایت (۷۸) ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے سخت فکر لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے میں بہت تنگ دل رہتا تھا۔ ایک رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے ؎

كُنْ لِلْمَكَارِهِ بِالْعَزَاءِ مُقَطِّعًا   فَلَعَلَّ يَوْمًا لَا تَرَىٰ مَا تَكْرَهُ

(مصائب کو صبر سے دفع کرنے والا بن جا کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں آسکتا جس میں تم کوئی ناگوار چیز نہ دیکھو)

وَلَرُبَّمَا ابْتَسَمَ الْوَقُورُ مِنَ الْأَذَىٰ   وَضَمِيرُهُ مِنْ حَرِّهِ يَتَأَوَّهُ

(اور بسا اوقات باوقار آدمی تکلیف و مصیبت پر تبسم کرتا ہے حالانکہ اس کا دل مصیبت کی حرارت سے کراہ رہا ہوتا ہے)

میں نے یہ اشعار یاد کر لیے۔ میں بیدار ہوا تو یہی اشعار میری زبان پر تھے اس کے بعد کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ حق تعالیٰ نے میری مصیبت زائل فرما دی۔

روایت (۷۹) عمرو بن ہبیرہ یزید بن عبدالملک کی طرف سے عراق کے والی (گورنر) تھے جب یزید کی وفات ہوئی اور اس کی جگہ ہشام والیٔ ملک ہوا تو عمرو بن ہبیرہ نے کہا کہ اب ہشام (مجھے والیٔ عراق نہیں رکھے گا) بلکہ میری جگہ دو شخصوں میں سے کسی کو والی بنائے گا۔ ایک سعید جرشی۔ دوسرے خالد بن عبداللہ قسری۔ اگر خالد کو امیر بنا دیا تو وہ ایک مستقل بلا ہے۔ اتفاقاً واقعہ اسی طرح ہوا کہ ہشام نے خالد کو امیر عراق بنا کر بھیجا۔ عمرو بن ہبیرہ ایک نماز کے لئے وضو کر کے اپنا عمامہ درست کر رہے تھے کہ کسی نے خبر دی کہ خالد بن عبداللہ یہاں امیر ہو کر آگیا ہے۔ خالد نے آتے ہی عمرو بن ہبیرہ کو گرفتار کیا اور ان کو موٹا لباس پہنا کر قید کر دیا۔ عمرو بن ہبیرہ نے قید و بند کے اندر یہ وظیفہ بنا لیا کہ آیت کریمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ پڑھتے تھے۔ حاضرین نے ان کا یہ وظیفہ سنتے ہی کہا کہ اب عمرو بن ہبیرہ کی رہائی کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ عمرو بن ہبیرہ کے اقربار واسط میں پہنچے اور جیل خانہ کے قریب ایک مکان کرایہ پر لیا۔ پھر اس مکان کے اندر سے جیل خانہ تک ایک سرنگ کھودی اور دوسری سرنگ اس مکان سے شہر پناہ سے باہر تک کھودی۔ جب دونوں سرنگ تیار ہوگئیں

تو رات کو جیل خانہ کی سرنگ آر پار کر کے عمرو بن ہبیرہ کے پاس پہنچے اور ان کو وہاں سے نکال کر اوّل اپنے مکان میں لائے پھر وہاں سے دوسری سرنگ کے راستہ سے شہر کے باہر پہنچا دیا۔ اس جگہ پہلے سے تیز رو گھوڑوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان پر سوار ہو کر فوراً چل دیئے۔

خالد کو اس واقعہ کی اطلاع صبح کو ہوئی تو فوراً سعید جرشی کو ان کے تعاقب میں بھیجا سعید نے عمرو بن ہبیرہ کو اس وقت پایا جبکہ فرات سے پار ہو چکے تھے مجبور ہو کر چھوڑ دیا اور عمرو بن ہبیرہ اس وظیفہ کی برکت سے صحیح سلامت گھر پہنچ گئے۔

حازم مولیٰ عمرو بن ہبیرہ کہتے ہیں کہ میں بھی اس واقعہ میں عمرو بن ہبیرہ کے ساتھ تھا جب ہم خالد سے چھوٹ کر دمشق پہنچے تو عشاء کا وقت تھا۔ اوّل مسلمہ بن عبد الملک سے ملاقات ہوئی انھوں نے ہمیں پناہ دی۔ صبح کی نماز مسلمہ نے ہشام بن عبد الملک کے پیچھے پڑھی۔ نماز کے بعد ہشام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہشام نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ مسلمہ ایسا معلوم ہوتا ہے عمرو ابن ہبیرہ آج رات میں تمھارے پاس پہنچ گئے ہیں۔ مسلمہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین صحیح ہے وہ میرے پاس آگئے ہیں اور میں نے ان کو پناہ دیدی ہے آپ ان کی جان میرے لئے ہبہ کر دیں۔ ہشام نے کہا کہ میں نے ہبہ کیا اب تمھیں اختیار ہے۔

روایت (۸۰) توبہ عنبری کہتے ہیں کہ مجھے یوسف بن عمر نے ایک کام پر مجبور کیا جب میں وہاں سے واپس آیا تو مجھے قید کر دیا۔ میں ایک طویل مدت تک قید خانہ میں رہا یہاں تک کہ بوڑھا ہو گیا اور میرے سر میں ایک بال بھی سیاہ باقی نہ رہا۔ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سفید پوش آیا اور کہا کہ اے توبہ تمھاری قید بہت طویل ہو گئی۔ میں نے کہا کہ بیشک اس شخص نے کہا کہ تم یہ دعا کرو:-

اَسْئَلُ اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور تکالیف سے عافیت طلب کرتا ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

پھر خواب ہی میں اس دعا کو میں نے تین بار پڑھا۔ اس کے بعد بیدار ہوا تو میں نے غلام سے کہا کہ دوات قلم اور کاغذ اور چراغ لاؤ اور پھر میں نے یہ دعا لکھ لی۔ اس کے بعد میں نے کچھ نماز پڑھی اور یہی دعا صبح کی نماز تک کرتا رہا۔ جب صبح کی نماز پڑھی تو قید خانہ کا ایک چپراسی آیا اور

بیل خانہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھولا گیا تو کہا تو بہ عنبری کہاں ہیں۔ لوگوں نے میری
طرف اشارہ کیا۔ پھر چند چپراسیوں نے مجھے اسی حالت میں بندھے اور جکڑے ہوئے یوسف
کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ یوسف نے کہا کہ اے توبہ ہم نے تمہاری قید بہت طویل کر دی۔
میں نے عرض کیا کہ ہاں یا امیرالمومنین۔ پھر کہا کہ ان کی قید کھول دو اور ان کو آزاد کردو۔
توبہ عنبری کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ دعا ایک دوسرے قیدی کو بتلادی وہ بھی اسکی برکت سے
فوراً رہا ہو گیا۔

روایت (۸۱) عبداللہ بن ہشام ذاری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے ایک قبر
کھودی تو اس میں پتھر ملا جس میں یہ دو شعر لکھے ہوئے دیکھے ؎

اِصْبِرْ لِدَهْرٍ نَالَ مِنْكَ　　فَهٰكَذَا مَضَتِ الدُّهُوْرُ

(زمانہ جو تجھے تکلیف دیتا ہے اس پر صبر کر۔ کیوں کہ زمانہ اسی طرح گزر جاتا ہے)

فَرَحٌ وَحُزْنٌ مَرَّةً　　لَا الْحُزْنُ دَامَ وَلَا السُّرُوْرُ

(کبھی خوشی ہے اور کبھی غم　　نہ غم ہمیشہ رہتا ہے نہ خوشی ہی)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ　اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

العبدالضعیف: محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دارالعلوم دیوبند ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۸ھ

شکر گزار بندوں کا شیوہ

فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنے والدین سے دوبارہ ملاقات ہوئی ہے اسوقت
انہوں نے جو کلمات ارشاد فرمائے ہیں وہ بڑے سبق آموز ہیں. کوئی دوسرا شخص ہوتا تو بل کر اپنا دکھڑا
روتا کہ جدائی کے بعد کیا کیا مصائب مجھ پر پیش آئے۔ کتنے سالوں قید خانے میں رہا اور کتنی مدت تکلیفیں
اٹھائیں، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو دیکھتے ہی جو بات ارشاد فرمائی وہ یہ تھی

وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ" اور بلاشبہ اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا

کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ کو دیہات سے لے آیا بعد اسکے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا۔"

یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مصائب و آلام کا ذکر کرنے کے بجائے گفتگو کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ کے شکر سے فرمایا، اور قید خانے میں جانے اور وہاں مصائب برداشت کرنے کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ وہاں سے نکلنے کا ذکر فرمایا، اسی طرح والدین کی جدائی کا شکوہ کرنے کے بجائے دوبارہ مل جانے پر شکر ادا کیا، اور بھائیوں سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی، اس پر اپنے جذبات کے اظہار کے بجائے اُسے شیطان کے سر ڈال دیا۔

فرمایا کہ درحقیقت شکر گذار بندوں کا شیوہ یہی ہے کہ وہ تکلیفوں کا شکوہ کرنے کے بجائے ان سینکڑوں انعاماتِ خداوندی پر نظر رکھتے ہیں جو مین تکالیف کے دوران یا ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر مبذول رہتے ہیں، اور اگر انسان اُن انعامات کا استحضار پیدا کرلے تو اُسے دُنیا کی کوئی تکلیف ناقابلِ برداشت محسوس نہ ہو۔ بلکہ تکلیف بھی راحت نظر آنے لگے۔ (حضرت مفتی اعظمؒ)

اقسامِ وطن

"یاد آیا کہ میرے استاذ محترم اور برادر مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز "وطن" پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہر شخص کے تین وطن ہیں۔ ایک جسمانی، دوسرا ایمانی، تیسرا روحانی۔ وطنِ جسمانی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔ وطنِ ایمانی مومن کا مدینہ طیبہ ہے جہاں سے اس کو نورِ ایمان ملا، اور وطنِ روحانی جنت ہے جہاں عالمِ ارواح میں اس کا اصلی مستقر تھا۔ اور پھر پھرا کر وہیں جانا ہے۔"
(نقوش و تاثرات ص)

تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال

تبدیل احوال سالکین کے متعلق یہ وعظ اہلیہ منشی محمد خلیل الرحمٰن خاں صاحب کانپوری کی فرمائش پر شب جمعہ شوال ۱۳۳۸ھ کو چھوٹی بیگم صاحبہ کے مکان پر تھانہ بھون میں ہوا جسے خواجہ عزیز الحسن صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے قلمبند کیا

مجدد الملۃ حکیم الامت حضرت مولٰنا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

دفتر وصیۃ العرفان ـــ خانقاہ مُصلح الامۃ

الٰہ آباد

خطبۂ ماثورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَ سَلَّمَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۔ (مگر جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا)

وجہ بیان | اس وقت مجھ کو ایک ضروری مضمون بیان کرنا ہے اصلاح اعمال کے متعلق۔ اور اصلاح احوال کے متعلق۔ اور اس مضمون کے ضمن میں ان کوتاہیوں اور غلطیوں کو بھی بقدر ضرورت بیان کرنا چاہتا ہوں جو سالکین کو اثنائے سلوک میں پیش آتی ہیں اور غلطیاں بعض عامیانہ ہیں اور بعض خاصیانہ۔ یعنی بعض تو وہ ہیں جو عوام کو واقع ہوتی ہیں اور بعض وہ ہیں جو خواص کو پیش آتی ہیں۔ اور اس مضمون کے سننے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ مضمون نہایت ضروری ہے۔ اور مشترک ہے عوام اور خواص سب کے درمیان کہ جس پر سب کو متنبہ ہونا ضروری ہے۔ گو یہ مضمون ذرا دقیق اور غامض ہے لیکن انشاء اللہ اس کا اہتمام کیا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ مستورات بھی سمجھ لیں۔ ہر چند اس مضمون کے یہاں بیان کرنے کی رائے نہ ہوتی تھی کیونکہ شاید مستورات کے ذہن میں نہ آئے مگر ضروری ہونے نے مجبور کیا۔ لہٰذا اسی کو اختیار کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اپنی طرف سے اہتمام کیا جائے گا سمجھانے کا۔ آگے حق تعالیٰ کے

ختیار میں ہے اسی پر بھروسہ ہے۔

توبہ کا طریق | حق تعالیٰ نے اس سے قبل کی آیت میں بعض اعمال منہی عنہا یعنی بعض معاصی کا بیان کیا ہے اور اس پر وعیدیں بیان فرمائی ہیں کہ جو شرک کریگا یا بدکاری گا یا قتل کریگا اسکو اس طرح عذاب ہوگا۔ پھر اُس عذاب سے استثنار فرماتے ہیں اس آیت میں جس کا یہ حاصل ہے کہ سب کو عذاب ہوگا مگر ان کو نہ ہوگا جن کی آشان ہے کہ انھوں نے جملہ معاصی سے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے یعنی کفر سے بھی توبہ کی۔ اور کفر سے توبہ یہ ہے کہ کفر چھوڑ کر ایمان لے آئے اور چونکہ اوپر ذکر کفر و شرک کا بھی تھا اسکے متعلق تو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آمَنَ یعنی "ایمان لے آئے" اور چونکہ بعض اور معاصی بھی مذکور تھے۔ گو ان کا وقوع بھی کافروں ہی سے مذکور ہے مگر فی نفسہ انکی خصوصیت خاص کفار ہی سے نہیں بلکہ جو بھی مبتلا ہو اس کے لئے تدارک اور اصلاح کا طریقہ بھی بتلانا ہے اسلئے آمَنَ کے ساتھ تَابَ (یعنی توبہ کیا") فرمایا۔ گو تَابَ کو مقدم فرمایا جس سے مطلب یہ ہے کہ توبہ تو جملہ معاصی سے ضروری ہے ہی مگر بالتخصیص کفر سے توبہ نہایت ہی ضروری ہے یعنی ایمان بھی ضروری ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جتنے معاصی ہیں اُن سے توبہ کرنا چاہئے اور ان میں سے کفر و شرک بھی ہیں اور توبہ کا طریق یہ ہے۔ یعنی بعض معاصی سے توبہ یہ ہے کہ ایمان بھی لائے گویا یہ تخصیص بعد تعمیم ہے ورنہ ظاہر یہ تھا کہ ایمان مقدم ہوتا۔ مگر اس میں یہ نکتہ ہے جو میں نے بیان کیا اور یہ بات عکس میں حاصل نہ ہوتی۔ پھر فرماتے ہیں وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا " اور نیک کام کرتا رہے" یہ نہیں کہ توبہ کرکے بیٹھ رہے بلکہ آئندہ کے لئے بھی اہتمام کرے اور نیک کام کیا کرے۔ نیک کام میں دونوں امر آگئے معاصی کا چھوڑنا بھی اور طاعات کا اختیار کرنا بھی۔ جو شخص ایسا کریگا وہ عذاب سے بچے گا۔ آگے اسکی صورت بتلاتے ہیں کہ کیا طریق ہوگا عذاب سے بچنے کا اور یہ خاصیت ہوگی اس طرز عمل کی۔ لیکن اس خاصیت کے ذکر کو میں ذرا مؤخر کردوں گا گو مقصود زیادہ اسی کو بیان کرنا ہے مگر چونکہ توبہ کا مضمون بھی جو اس مقام پر مذکور ہے ضروری ہے اس لئے اس طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

ہی ہو تب بھی کافی ہے بقائے ایمان کے لئے۔ ہاں اگر عقلاً بھی نہ ہو تو ایمان جاتا رہا۔ تو بحمد اللہ اگرچہ بوجہ عادت پڑ جانے کے معاصی سے طبعاً کراہت نہیں رہی لیکن عقلاً تو برا سمجھتے ہیں۔ البتہ برائی کی وہ کیفیت جو اول بار گناہ کے صدور کے وقت ہوئی تھی وہ نہ رہی۔

اہتمام ترکِ معصیت ضروری ہے ہرچند انسان امورِ طبعیہ کا مکلف نہیں۔ لیکن جب حق تعالیٰ نے ایک دولت دی ہو اور وہ ہو جائے کم ہماری سُوءِ تدبیر سے۔ تو چاہے گناہ نہ ہوا سکے کم ہو جانے کا۔ لیکن آئندہ کے لئے یہ دروازہ تو ہے معاصی کا۔ کیونکہ اب مانع ضعیف ہو گیا ہے۔ لہٰذا اندیشہ یہ ہو گیا ہے کہ معاصی کا صدور زیادہ ہو گا یہ بھی فکر کی بات ہے اس کا بھی تو غم ہونا چاہئے جو محتاط ہیں وہ احتمالاتِ بعیدہ سے بھی مغموم ہوتے ہیں۔

مشہور ہے کہ کسی کے پیٹ پر سے ایک دفعہ سوتے میں سانپ گزر گیا تھا وہ غم میں بیٹھا ہوا تھا لوگوں نے کہا کہ میاں اب غم کی کیا بات ہے خدا کا شکر کرو کہ بچ گئے کاٹا نہیں اس نے کہا کہ جی اس کا غم نہیں کہ اُس نے کاٹ لیا۔ غم اس کا ہے کہ یہ اس کے آنے جانے کے لئے سڑک ہو گئی یہ بُرا ہوا کہ میرا پیٹ سانپ کا راستہ ہو گیا دیکھئے کبھی کاٹ بھی لے۔ ہے تو یہ حکایت ہنسی کی مگر ہر ہنسی سے نتیجہ نکالنا چاہئے اور سبق لینا چاہئے گو یہ حکایت ہزل ہے مگر بعضے ہزل کے اندر بھی جد ہوا کرتا ہے تو اس حکایت میں جو احتیاط ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اندیشہ کی چیز سے بچنے کے اہتمام میں مشغول ہو اور تدبیر میں لگ جائے۔ یہ معنی ہیں احتیاط کے۔ تو اگر کسی نے غیبت کی اور اس کا جی برا نہ ہوا تو اس مقام میں چونکہ ایک باضابطہ مولوی یہ کہہ سکتا تھا کہ ایمان موجود ہے اور رنج طبعی نہ ہوا تو نقصان کیا ہوا۔ میں اس کا جواب دے رہا ہوں کہ بھائی پہلے جب مسرتِ طبعیہ اور کراہیتِ طبعیہ موجود تھی اسوقت یہ مانع قوی تھا صدورِ معصیت کا۔ اسوقت زیادہ مقاومت کی حاجت نہ ہوتی تھی کیونکہ خود طبیعت کے اندر ہی مقاوم موجود تھا۔ وہ مقاوم اب ضعیف ہو گیا۔ اب اگر بہت ہی اہتمام کے ساتھ معصیت سے رکو گے تب تو بچ سکو گے ورنہ بہت جلد مبتلا ہو جاؤ گے۔

دیکھئے شراب سے جو جی برا ہوتا ہے تو خود پینا تو درکنار اگر کوئی زبردستی پلا دے یا خود دھوکہ میں بلا قصد پی جائے تب بھی پریشان ہو جاتا ہے اور توبہ کرتا ہے۔ اور غیبت سے ایسا

جی بُرا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات حس بھی نہیں ہوتی کہ ہم غیبت کر رہے ہیں بعض مرتبہ تو اخیر تک بھی حس نہیں ہوتی۔

رحمت کی قدر کی ضرورت | لیکن بعض دفعہ تھوڑی دیر ہی میں متنبہ ہو جاتا ہے مگر آدھی غیبت کے بعد پھر کون رکتا ہے۔ بالخصوص جو مولانا ہیں اُن کو اس قسم کا تنبہ ضرور ہو جاتا ہے۔ البتہ عوام کو اکثر بالکل حس ہی نہیں ہوتی (مزاحاً فرمایا) وہ بڑے مزے میں ہیں غیبت کو اخیر تک پہنچا کر ختم ہی کر دیتے ہیں اور انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم نے کوئی گناہ کیا۔ اور مولانا صاحب کو بوجہ علم ہونے کے تنبہ ہوتا ہے خاص کر اگر کوئی مولانا صاحب تھوڑے سے شاہ صاحب بھی ہوں تب تو ضرور احساس ہوتا ہے مگر چونکہ بات شروع ہو گئی تھی۔ تنبہ کے اثر کو دل سے ہٹا کر اور اُس سے اعراض اور بے پروائی کرکے بجائے منقطع کر دینے کے غیبت کو اخیر تک پہونچا کر چھوڑتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اب حکایت تو شروع کر ہی چکے ہیں غیبت تو ہو ہی گئی پھر اب چھوڑنے ہی سے کیا فائدہ ہوگا۔ دوسرے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اگر بیچ میں سے کہنا چھوڑ دوں گا تو سامع یوں سمجھے گا کہ اب آپ کو خبر ہوئی کہ یہ غیبت ہے۔ اور یہ سمجھے گا کہ دیکھو مولانا صاحب نے شاہ صاحب نے باوجود غیبت ہونے کے پھر اس کا ارتکاب کیا۔ اس سے ہماری شاہ صاحبی اور مولوی صاحبی میں فرق آئے گا۔ اور اگر غیبت کو پورا کر گئے تو اللہ میاں کو راضی کر لینا کون مشکل ہے کیونکہ ان کی نظر شاہ صاحبی اور مولوی صاحبی پر نہیں ہے۔ اگر بیچ میں منقطع کر دیا تو ہماری وقعت اور عظمت میں فرق آ جائے گا اور اللہ کو راضی کر لینا تو اتنا آسان سمجھتے ہیں جیسے توبہ توبہ بچے کا راضی کر لینا کہ چاہے جتنا رو رہا ہو اور غصہ کر رہا ہو جہاں اس سے یہ کہا کہ آج تجھے ہم ایک پیسہ دیں گے بس ہنسنے لگا۔ ان کا کیا ہے وہ تو ذرا سی دیر میں راضی ہو جاتے ہیں وہ تو بہت ہی ارزاں ہیں۔ اللہ توبہ اللہ توبہ نعوذ باللہ یہ ان کی رحمت کی قدر کی۔

جباری و قہاری پر نظر رکھنے کی ضرورت | مگر جہاں ان کی رحمت پر نظر کی ان کی جباری ان کی قہاری ان کا جلال یہ بھی تو دیکھنے کے قابل تھے اللہ اکبر اس پر نظر کرکے گناہوں سے ضرور رکاوٹ ہونی چاہیے کیونکہ ایسے جبار اور ایسے قہار کے راضی کرنے کی ہمت ہی کہاں پڑے گی۔

دیکھئے ایک حاکم پر پورا اطمینان ہوتا ہے کہ میں جب معافی مانگوں گا ضرور معاف کر دے گا مگر خدا جانتا ہے باوجود یقین کے بولنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ اسی طرح جنھوں نے حق تعالیٰ کی عظمت کو پہچان لیا انھیں باوجود اس یقین کے کہ وہ رحیم وکریم ہیں معافی چاہنے سے ضرور معاف کردینگے لیکن معافی مانگنے کی ہمت نہیں پڑتی۔

ایک عالم کو ان کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا کہ تم ہمارے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے جاؤ اور ہم سے معافی لیتے جاؤ۔ چنانچہ میں نے سارے گناہوں کا تو اقرار کرلیا لیکن ایک ایسا واہیات گناہ ہے کہ ہمت نہیں ہوتی اس کے اقرار کرنے کی خدا کے سامنے۔ میں نے ایک لڑکے کو بُری نگاہ سے دیکھا تھا۔ اب یہ خدا کے سامنے کیسے کہوں کہ میں نے لڑکے کو گھورا تھا۔ بس اس گناہ کے عذاب میں مبتلا ہوں وہاں سے یہ اصرار ہے کہ زبان سے اقرار کرو۔ مجھے عذاب جھیلنا تو آسان ہے لیکن زبان سے یہ نہیں کہا جاتا کہ میں نے لڑکے کو گھورا تھا۔ بھلا ایسی واہیات بات کو سامنے کیسے کہدوں۔

تو بات یہ ہے کہ بعد موت کے حقیقت اور عظمت حق جَلَّ شَانُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ کی منکشف ہو جاتی ہے اس لئے وہاں انکی جلالتِ شان کا پورا اثر پڑے گا۔ یہاں چونکہ غفلت سے مستوری ہے استتار ہے اسلئے اثر نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی رحمت ہے کیونکہ اگر یہاں پر اتنا انکشاف ہوتا جتنا کہ آخرت میں ہوگا تو شاید شدتِ ہیبت سے نیک اعمال کا صدور بھی نہ ہوسکتا اسلئے حکمت کے اقتضار سے کچھ استتار (پوشیدگی) تو ہونا چاہیئے مگر اتنا بھی نہیں کہ انکشاف کا کچھ اثر ہی نہ ہو۔ دونوں کا ہونا ضروری ہے مِنْ وَجْہٍ انکشاف ہو مِنْ وَجْہٍ استتار۔ نہ اتنا انکشاف ہو کہ توبہ کرنے کی بھی ہمت نہ پڑے نہ اتنا استتار ہو کہ معاودت[۵] معاصی پر حال ہو۔ گناہوں کی کچھ پرواہی نہ ہو۔ تو خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور شان کا کچھ تو اثر ہونا چاہیئے۔ گناہوں کیلئے کچھ تو رکاوٹ ہونا چاہیئے۔ بس گویا یہ سمجھ رکھا ہے جسکی تشبیہ ایسی ہے جیسے بچے کے راضی کرلینے کی۔ کتنے افسوس اور شرم کی بات ہے۔ خدا کے کمالات اور شان کا ماننے والا اور اسپر اس ماننے کا صرف ایسا اثر جیسے بچہ کا۔ کس قدر بیقدری ہے ؎

اے گراں جان خوار دیدستی مرا
زانکہ بس ارزاں خریدستی مرا

(اے احمق تونے مجھے حقیر وخوار سمجھ لیا اسوجہ سے کہ تونے مجھے بہت سستا (بلکہ مفت) خریدا یعنی پالیا ہے)

---

۵ بار بار گناہ کرنا (اناری)

(۴۴۳) فرمایا کہ اس کو خوب سمجھ لو کہ کسب دنیا اور چیز ہے اور حُبّ دنیا اور چیز حبِّ دنیا مذموم ہے اور کسب دنیا بقدر حاجت جائز۔ چنانچہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تعلیم کو ملاحظہ کیجئے کہ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی، عورتیں ہوئیں، بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے، مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی) میں مرغوب چیزوں کی فہرست تو بیان فرمادی مگر ان کی فی ذاتہا مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بعد اس سے ایک اچھی چیز کا پتہ بتلادیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہیں تو یہ سب چیزیں اچھی۔ مثلاً عورتیں اور اولاد وغیرہ سب اچھی ہیں مگر دوسری چیز ان سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ اس لئے تم ان ہی چیزوں پر بس مت کرو کیونکہ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یعنی یہ تو صرف دنیا کا متاع (سامان) ہے بلکہ ان سے زیادہ اچھی چیز کو طلب کرو۔ چنانچہ آگے فرماتے ہیں قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ یعنی کہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں تم کو ان سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ اسمیں ہمیشہ رہیں گے اور پاک کی ہوئی بیبیاں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں بندوں کو"

سبحان اللہ! کیا بلاغت ہے حکمار کی تعلیم اس درجہ کی کہاں ہوسکتی ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں تو حکمت کے ساتھ شفقت بھی ہے۔ شفیق کی تعلیم سے اور ہی نفع ہوتا ہے نری حکمت کی تعلیم میں وہ نفع کہاں؟ غرض حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان چیزوں کی مذمت نہیں فرمائی البتہ ان کی خاص درجہ کی محبت کی مذمت فرمائی کہ ان میں اس قدر انہماک ہوجائے کہ ان سے جو اچھی چیز ہے اس سے بالکلیہ غفلت ہوجائے یعنی آخرت سے بے فکری ہوجائے اور ان ہی چیزوں پر اطمینان ہوجائے۔

(۴۴۴) فرمایا کہ دنیائے مذموم وملعون کی مثال ایسی ہے جیسے کوڑے پر سبزہ جما ہو جس کو کوئی دیکھنے والا سمجھے کہ یہ ایک چمن ہے اور اسکے ظاہری رنگ وروپ کو دیکھ کر فریفتہ ہوجائے۔

اور جب وہاں پہنچے تو پاخانہ بھر جائے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ ظاہر تو اس کا بہت بھلا ہوتا ہے مگر اندر نجاست بھری ہوئی ہے۔ یا خوبصورت سانپ کی سی مثال ہے جس کا ظاہر تو اچھا ہے نقش ونگار آراستہ ہے مگر اندر زہر بھرا پڑا ہے ؎

زہر ایں مار منقش قاتل است   باشد از وے دور ہر کو عاقل است

(اس نقش ونگار والے سانپ کا زہر بڑا قاتل اور ہلاک ہے ہر عاقل اس سے دوری رہتا ہے)

اگر بچہ کے سامنے سانپ چھوڑ دو تو وہ اسکی ظاہری خوبصورتی کو دیکھکر اس پر فریفتہ ہوجاتا ہے اور اس کو پکڑ لیتا ہے اور اس کو یہ خبر نہیں کہ اس کے اندر زہر بھرا ہوا ہے مگر اس کا انجام کیا ہوگا۔ ہماری حالت بھی اسی بچہ کی سی ہے کہ ہم دنیا کے ظاہری آب وتاب اور نقش ونگار اور رنگ وروپ پر فریفتہ ہیں اور اندر کی خبر نہیں۔ یہ بھی تجربہ ہے کہ سانپ جتنا خوبصورت ہوتا ہے اسی قدر زہریلا ہوتا ہے اسی لئے حقیقت شناس اسکی طرف رغبت نہیں کرتے۔

(۶۴۵) فرمایا کہ حق تعالے نے انسان کو یہ حکم نہیں دیا کہ اپنی شہوت کو مار دے اور حرص کو بالکل زائل کردے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسی شہوت اور حرص کو باقی رکھ کر اس کو دنیا سے عمدہ چیز یعنی نعمائے اخروی کے تحصیل کی طرف مائل کردے۔ پس علاج حرص کا یہ ہے۔

(۶۴۶) فرمایا کہ غم کا علاج یہ ہے کہ سوچو مت۔ خیال مت کرو۔ تذکرہ مت کرو۔ اس صورت میں غم تو ہوگا مگر معتدل غم ہوگا اور وہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔ کیونکہ قدرتی طور پر غم میں بھی حکمت اور نفع ہے اگر غم نہ ہو تو تمدن نہ ہو۔ بیان اس کا یہ ہے کہ سائنس اور طب کا مسئلہ ہے کہ جس قوت کا استعمال ہوتا ہے اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے ورنہ وہ قوت کم ہوجاتی ہے پس اگر غم نہ ہوتا تو رحمدلی کا ہیجان کیسے ہوتا اور جب اس کا ہیجان نہ ہوتا تو اس کا مادہ جاتا رہتا اور بدون رحمدلی کے تعاون نہیں ہوسکتا اور بدون تعاون کے تمدن نہیں ہوسکتا۔ اس لئے غم میں بڑی مصلحت ہے کہ یہ محافظ ہے ترحم کا اور وہ محافظ ہے تعاون وتمدن کا۔ اور غم میں اپنی ذات کے متعلق بھی مصلحت ہے کہ اس سے اخلاق درست ہوتے ہیں۔

غرض غم میں انفرادی اور اجتماعی دونوں مصالح ہیں۔ اگر کسی کو غم اور فکر نہ ہو سب بے فکر ہی ہوں تو کوئی کسی کا کام نہ کرے۔ سارے تندرست ہی رہیں بیمار نہ ہوں تو ڈاکٹر

طبیب، عطار سب بیکار ہو جائیں۔ یہ تو دنیوی نفع ہے اور دین کا نفع یہ ہے کہ اگر کوئی غریب نہ ہو تو زکوٰۃ کس کو دوگے۔ پس اصل میں تو غم مفید چیز ہے مگر کس قدر؟ جس قدر حق تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ یعنی طبعی ہے۔ باقی آگے جو حواشی ہم نے بڑھائے ہیں وہ بُرے ہیں۔

(۶۴۷) فرمایا کہ حد سے زیادہ غم کرنا گناہ ہے اور گناہ بھی بے لذت اور اس کا علاج کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ اس آیت مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم اور ہمیشہ رہے گا) میں ایسے ہی غم کے علاج کا بیان ہے اور یہ بیان ایک مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ کہ اگر شے مرغوب کے جاتے رہنے سے غم لاحق ہو مگر کسی ایسی دوسری چیز کا پتہ ہم کو مل جائے اور اس کے ملنے کا یقین ہو جائے جو اس شے مرغوب سے ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہو تو پہلی چیز کا غم نہیں ہونا چاہئے جیسے کسی کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہو اور دوسرا شخص اس کو چھین کر بجائے اسکے روپیہ دیدے تو ظاہر ہے کہ پیسہ کا غم بالکل ہی نہ ہوگا بلکہ اگر وہ شخص بدلنا چاہے تو یہ بدلنے پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ یہی بات اس آیت میں ہم کو بتلائی گئی ہے کہ جو چیزیں ہمارے پاس ہیں وہ گو ہمیں انتہا درجہ مرغوب ہیں مگر وہ سب فنا ہونے والی ہیں اسلئے ہم کو حکم ہے کہ تم ان مرغوب چیزوں تک مت رہو۔ بلکہ جو چیز ان سے اچھی ہے اور وہ باقی ہے اسکی رغبت کرو اس طرح وہ غم فانی کا مغلوب ہو جائے گا۔

اصل علاج یہ ہوا کہ آخرت کی مرغوبات پر نظر کرکے دنیا کی مرغوبات کی طرف زیادہ توجہ نہ کرو تو غم غلط ہو جائے گا۔

(۶۴۸) فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی عجیب تعلیم ہے کہ معاد کی (اخروی زندگی) اصلاح تو فرمائی ہے معاش کی (دنیاوی زندگی) بھی پوری اصلاح فرمائی کیونکہ اس علاج مذکور سے نفسانی و بدنی راحت بھی تو حاصل ہو گئی۔ اور خیال کرنے کی بات ہے کہ دنیا کی مرغوب سے مرغوب شے اگر اسوقت کم بھی نہوتی مگر کبھی نہ کبھی تو ضرور کم ہوگی کیونکہ فنا ہونا تو گویا اس کے ذاتیات سے ہے جیسے چراغ میں تیل ہو جو محدود بھی ہے اور کم بھی ہو رہا ہے تو وہ ایک نہ ایک وقت نہ رہی ختم ہوگا۔ اسی طرح انسان ایک نہ ایک دن ختم ہو کر رہے گا۔ اطباء نے لکھا ہے کہ رطوبت کی مثال تیل کی سی

ہے اور حرارت غریزیہ جو مرکب ہے روح کا اسکی مثال شعلۂ چراغ کی سی ہے جیسے تیل ختم ہو کر چراغ گُل ہوجاتا ہے اسی طرح رطوبت فنا ہو کر روح ختم ہوجاتی ہے۔ پس ختم ہونے والی چیز سے زیادہ کیا جی لگانا۔ خدا تعالےٰ سے دل لگانا چاہئے۔ دنیا کی محبت تو بر سرِ آب ہے۔

مولانا فرماتے ہیں :-

عشق با مردہ نباشد پائیدار　　عشق با حئی و با قیوم دار

عاشقی با مُردگاں پائندہ نیست　　زانکہ مُردہ سوئے ما آئندہ نیست

غرق عشقے شو کہ غرق است اندریں　　عشقہائے اوّلین و آخریں

(مُردہ کے ساتھ عشق پائیدار نہیں ہوتا ــــــ عشق تو بس خدائے حی و قیوم کیساتھ رکھو)

(مُردوں کے ساتھ عشق و محبت ٹھہرنیوالی نہیں ہے اسلئے کہ مردہ شخص ہماری طرف آنیوالا نہیں ہے)

(اُس عشق میں ڈوب جاؤ جس کے اندر اولین اور آخرین کے عشق غرق ہیں)

غرض غم کے ہلکا کرنے کے لئے یہ عجیب تعلیم ہے مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ۔ یعنی خدا تعالیٰ کے یہاں کی چیزیں باقی ہیں اور وہی رغبت کے قابل ہیں۔ پھر یہ بھی سوچو کہ آدمی مرکر جاتا کہاں ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کے پاس جاتا ہے تواب تو وہ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ میں داخل ہوگیا پہلے وہ مَا عِنۡدَکُمۡ کا مصداق تھا۔ اسوقت وہ فانی تھا اور اب باقی ہوگیا ہے کیونکہ اس موت کے بعد پھر موت نہیں۔ تواب تو وہ مرنے کے بعد پہلی حیات سے اچھی حیات میں پہونچ گیا وہ پہلی فانی تھی اور دوسری باقی ہے۔ پس ہمیں مرغوب شے (مثلاً اپنا محبوب) سے محبت اس حیثیت سے زیادہ ہونی چاہئے کہ وہ خدا کے پاس ہے بہ نسبت اس حیثیت کے کہ وہ ہمارے پاس ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک بدوی نے خوب سمجھا اور حضرت عباسؓ کے انتقال پر حضرت ابن عباسؓ کی تسلی یوں کی ؎

خَیۡرٌ مِّنَ الۡعَبَّاسِ اَجۡرُکَ بَعۡدَہٗ　　وَاللّٰہُ خَیۡرٌ مِّنۡکَ لِلۡعَبَّاسِ

(ان کے انتقال کے) بعد جو تمہیں اجر ملنے والا ہے وہ حضرت عباسؓ سے بہتر اور اچھا ہے حضرت عباسؓ کے لئے اللہ تعالےٰ تم سے اچھا ہے) مطلب یہ کہ اے ابن عباس صبر پر تم کو عباس فانی کے عوض میں اجر باقی ملا اور عباس فانی اب عباس باقی ہوگئے یعنی اور زیادہ مرغوب حالت میں

ہوگئے تو نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا نہ ان کا پھر کاہے کا غم؟

(۴۹۷) فرمایا کہ لوگ عام طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے قبر میں اسکو ڈال آتے ہیں وہاں وحشت کدہ میں تنہا پڑا رہتا ہے اور ایسی حیات مثل عدم حیات کے ہے۔ صاحبو یہ نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے وہاں بڑی راحت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ارواح اسکا استقبال کرتی ہیں یعنی اسکے عزیز قریب جو اس سے پہلے چلے گئے ہیں وہ اس سے ملتے ہیں اور اس سے دوسرے متعلقین کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص تو مرگیا ہے تو کہتے ہیں افسوس وہ دوزخ میں گیا ورنہ ہم سے ضرور ملتا۔ اور اس سے ان کو غم ہوتا ہے۔

غرض موت کے بعد مردے اس طرح باہم خوش ہوکر ملتے جُلتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ بس مرنے کے بعد اُلّو کی طرح پڑے رہیں گے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یہ بات نہیں۔ یاد رکھو کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے یہ تو صورتِ قبر ہے اور حقیقت میں قبر عالم برزخ کا نام ہے۔ وہاں سب جمع ہوتے ہیں اور وہ پاکیزہ لوگوں کا مجمع ہے۔ دنیا میں تو جدا ہوسکتے ہیں جیسے کوئی ملازمت سے رخصت لیکر آئے اور اپنے لوگوں کے پاس رہے۔ جب رخصت ختم ہوگی تو جُدائی ہوجائے گی۔ تو دنیا کا اجتماع تو ایسا ہے۔ اور وہاں کی یکجائی ختم نہیں ہوتی۔ وہاں تو عیش ہی عیش ہے۔ بات یہ ہے کہ حقیقت نہ جاننے سے لوگوں کو موت سے وحشت ہوگئی ہے ورنہ موت تو لقائے حبیب کے لئے ایک جسر یعنی پُل ہے کہ اس سے گذرے اور لقاء حبیب ہوگئی اور لقاء باری تعالےٰ سے کون سی چیز اچھی ہوگی۔ اسی لئے اہل اللہ کو تو موت کا شوق ہوا ہے

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بردم　　راحتِ جاں طلبم وازپئے جاناں بردم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا درمیکدہ شاداں وغزل خواں بردم

(وہ دن بڑا مبارک ہوگا جس روز اس ویران کدہ سے کوچ کروں گا جان کی راحت حاصل کرونگا اور محبوب کے پیچھے جاؤنگا)
(میں نے نذر مانی ہے کہ یہ غم دنیا کسی دن ختم ہوا تو میکدہ کے دروازے تک خوش وخرم غزل پڑھتا ہوا جاؤں گا)

ان سے پوچھئے کہ موت کیا چیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے اَلْمَوْتُ تُحْفَۃُ الْمُؤْمِنِ کہ "موت مومن کا تحفہ ہے" نظام حیدرآباد اگر کسی کے پاس تحفہ بھیجیں اور گھر والے رونے لگیں تو کیسے

افسوس کی بات ہے۔ اور میری مراد اس غم سے غم مکتسب (اختیاری) ہے نہ کہ غیر مکتسب (غیر اختیاری)۔ جدائی کا طبعی رنج جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا مضائقہ نہیں۔ سوچ سوچ کر اس کو بڑھانا مذموم ہے بلکہ ان مضامین کو سوچ کر اس کو گھٹانا چاہئے۔

دنیا کی مثال آخرت کے سامنے ماں کے رحم کی سی ہے جب تک بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ اگر اس سے کہیں تو تنگ جگہ سے نکل اس سے فراخ جگہ موجود ہے تو وہ یقین نہ کرے گا اور جانے گا کہ یہی ہے جو کچھ ہے۔ مگر جب باہر آتا ہے تو ایک بڑا عالم دیکھتا ہے کہ رحم کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ اور اب اگر اس سے کہا جائے کہ رحم میں واپس جانا چاہتا ہے تو وہ کبھی منظور نہ کریگا۔ اسی طرح دنیا بمقابلہ آخرت کے بالکل تنگ ہے۔ جب یہاں سے جاؤ گے تو شکر کروگے اور دنیا میں ہرگز نہ آنا چاہو گے۔ جب خدا کے پاس پہونچنے کا وقت قریب آتا ہے اور اس عالم کی چیزوں کا انکشاف ہوتا ہے اسوقت اگر مومن کو کوئی حیات افزا چیز دے کر کہا جائے کہ لو اسے کھالو تاکہ تم مدتِ دراز تک زندہ رہو تو وہ لات مار دے گا اور چاہے گا کہ فوراً مرجاؤں۔ چنانچہ یہاں ایک پردیسی طالب علم طاعون میں مبتلا ہوئے لوگ انکی تسلی کرتے تھے کہ تم اچھے ہو جاؤ گے مگر وہ یہی کہتے تھے کہ یوں نہ کہو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اسوقت خدا تعالےٰ کی طرف سے بشارت سنائی جاتی ہے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا)

اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے لئے بادشاہ کی طرف سے وزارت کے عہدہ کا پیام آئے اور وہ شخص اپنے گھر سے پائے تخت شاہی کی طرف چلے تو گو اس کے گھر والے جدائی سے غمگین ہوں گے مگر وہ شخص یقیناً شاداں و فرحاں ہوگا۔ اگر اس حالت میں بادشاہ کی طرف سے یوں ارشاد ہو کہ اگر تم چاہو تو اتنے روز کی مہلت بھی مل سکتی ہے تو وہ ہرگز راضی نہ ہوگا۔ اسیطرح جب راحتِ آخرت کی خبر ہوتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اسوقت اگر اس سے دنیا میں رہنے کو کہیں تو ہرگز راضی نہ ہوگا۔

پس اے صاحبو مَا عِنْدَ اللّٰهِ (جو کچھ اللہ کے پاس ہے) سے رغبت کرو اور اسی رغبت کی

بدولت اہل اللہ ہر وقت شگفتہ رہتے ہیں اور ان کو وہاں کے متعلق قسم قسم کی تمنائیں اور امیدیں لگی ہوتی ہیں ۔ ان کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

کوئے نامیدی مرو کامیدہاست　　　سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(ناامیدی کی گلی میں مت جاؤ کیونکہ بہت سی امیدیں ہیں ۔ اندھیرے کی طرف نہ جاؤ بہت سے سورج ہیں)

انھیں غم نہیں ہوتا ۔ چنانچہ منصورؒ کی یہ حالت ہوئی کہ جب ان کو دار پر لے جانے لگے تو وہ خوش ہوکر کہتے تھے ؎

أقْتُلُوْنِیْ یَا ثِقَاتِیْ　　　اِنَّ فِیْ مَوْتِیْ حَیَاتِیْ

(اے بہتر لوگو! مجھے قتل کر دو ۔ اس لئے کہ میرے مرجانے میں ہی میری زندگی ہے)

غرض موت اہل اللہ کا توکھیل ہے ۔ ان کا تو مشغلہ ہے ۔ پس ہم کو یہ حالت پیدا کرنا چاہیے کہ بجائے غم کے شوق ہو جس کا ایک سہل طریقہ یہ ہے کہ ان مضامین پر غور کرو جو میں نے اس وقت بیان کئے ہیں ۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے غم کا بھی علاج ہو جائے گا اور آخرت کا بھی شوق پیدا ہوگا حق سبحانہ تعالیٰ نے مَاعِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ (جو کچھ تمھارے پاس ہے ختم ہوجائیگا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم و ہمیشہ رہیگا) میں اسی کا علاج بتلایا ہے ۔ سبحان اللہ! کیا عجیب علاج ہے ۔ اس کا مراقبہ کیا کرو کہ آخرت میں جو راحت ہے وہ دنیا سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے ۔ اور مرنے والا ہمارے پاس سے خدا کے پاس پہنچ گیا ہے اور یقیناً خدا کے پاس رہنا ہمارے پاس کے رہنے سے بہتر ہے کیونکہ وہ ہم سے کہیں زیادہ محبت رکھتے ہیں ۔ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جتنی محبت تمام جانوروں ۔ آدمیوں کی ماؤں کو اپنے بچے سے ہے کل مجموعی محبت سے بڑھ کر حق تعالیٰ کو اپنے بندہ سے محبت ہے ۔ اور گو امکان کے درجہ میں وہاں کی عقوبت کا بھی احتمال اس مرنے والے کے لئے ہے مگر اپنے مسلمان عزیز کے ساتھ یہ بدگمانی کیوں کی جائے کہ وہ خدانخواستہ مجرموں کی طرح تکلیف میں ہوگا بلکہ نیک گمان رکھو (بمقتضائے سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ "میری رحمت میری غضب پر غالب ہے") اور اس احتمال کے تدارک کے لئے اسکے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کرتے رہو یہ اسکے لئے ہمارے غم کرنے سے زیادہ نافع ہے ۔

(۷۵۰) فرمایا کہ ادب اور تقویٰ کو زیادہ دخل ہے استفاضۂ علم میں چنانچہ ایک شخص

نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کے متعلق پوچھا تھا کہ مولانا (آخر الذکر) نے یہی کتابیں پڑھی تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں ان کو یہ علم کہاں سے آیا ؟ مولنا (سابق الذکر) نے فرمایا کہ اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے اور مولانا میں وہ سب جمع تھیں ایک تو مولانا طب کی رو سے معتدل مزاج تھے اس لئے ان پر نفس کامل فائض ہوا۔ دوسرے یہ کہ استاد بڑے کامل ملے یعنی مولانا مملوک علی صاحب جن کا علم وفضل مخفی نہیں۔ تیسری بات یہ ہوئی کہ متقی اعلیٰ درجہ کے تھے۔ پھر ان میں استاد کا ادب بہت تھا اور پھر پیر بڑے کامل تھے یعنی حضرت حاجی صاحبؒ۔ ان باتوں کے جمع ہونے سے یہ برکت ہوئی۔

ادب کی یہ کیفیت تھی کہ جب مولانا ذوالفقار علی صاحب بیماری میں آپ کے پاس جاتے تھے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ حضرت! آپ میرے استاد ہیں۔ انھوں نے کہا میں کہاں سے استاد ہوگیا تو فرمایا مولنا مملوک علی صاحب ایک دفعہ کسی کام میں تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دیجیو۔ چنانچہ میں نے آپ سے سبق پڑھا تھا۔ دوسرا قصہ یہ ہے کہ تھانہ بھون کا ایک گندھی جس کو اہل علم سے محبت تھی مجھ سے کہتا تھا کہ وہ ایک بار دیوبند مولانا کی مجلس میں حاضر ہوا مولانا نے فارغ ہوکر پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ اس نے کہا تھانہ بھون سے آیا ہوں۔ یہ سنکر گھبرا گئے اور کہا بے ادبی ہوئی وہ تو میرے پیر کا وطن ہے آپ آئے اور میں بیٹھا رہا مجھ کو معاف کیجئے۔ وہ گندھی کہتا تھا کہ میں مولنا کی اس حالت کو دیکھ کر شرمندگی سے مرا جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا کے ادب کا ذکر فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ایک مسودہ نقل کے لئے مولانا کو دیا۔ ایک مقام پر املا میں غلطی ہوگئی تھی مولانا اس مسودہ کو نقل کرنے لائے تھے تو اس لفظ کی جگہ بیاض چھوڑ دی صحیح بھی نہیں لکھا اور کہا کہ اس جگہ پڑھا نہیں گیا اور غرض یہ تھی کہ دیکھ کر غلطی درست کردیں مگر کس عنوان سے کہا یہ نہیں کہا کہ غلطی ہوگئی ہے۔

واقعی سچا مقولہ ہے ع "با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب" شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے

ادب تاجیست از فضلِ الٰہی　　بنہ برسر برو ہرجا کہ خواہی

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی حسن ادب کی توفیق عطا فرماویں۔

(ع-۱)

(جاری)

مکتوب نمبر ۲۷۲

حال :۔ الحمدللہ حضرت والا کی برکت سے معمولات برابر جاری ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ
حال :۔ دل و دماغ کی کمزوری سے ایسا ہوتا ہے یا اس کا سبب کچھ اور ہے معلوم نہیں کہ بجلی کی چمک اور گرج کے آثار سے بے چینی اور بیقراری ایسی ہو جاتی ہے کہ بچھونے سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں نیند اڑ جاتی ہے۔ ذرا سی چمک اور آواز سے بھی یہ حالت ہو جاتی ہے۔ اس اندیشہ سے کہ کڑک گرج کہیں زور سے ہونے لگے۔ کبھی کبھی رات کا آدھا پونا حصہ جاگتے ہوئے تمام ہو جاتا ہے ایسے وقت تلاوت وغیرہ میں معروف رہتا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ ۔ حال :۔ عین نماز کے وقت اگر گرج کے آثار معلوم ہوتے ہیں تو طبیعت جلد نماز سے فراغت کی طرف مائل رہتی ہے عین نماز میں زور سے گرج ہوئی تو پھر اختلاج کی کیفیت ہونے لگتی ہے آگے قرأت وغیرہ میں دقت ہونے لگتی ہے اس خوف سے کہ کہیں زوردار کڑک نہ ہو جائے نماز میں سکون نہیں رہتا۔ حضرت والا اس کا سبب قلب کی کمزوری ہی ہے ؟۔ تحقیق : ہاں ہے۔
حال :۔ یا کسی دوسری چیز کو بھی اس میں دخل ہوتا ہے۔ تحقیق :۔ دخل ہوتا ہے، زیادہ ضعف کا حصہ ہے۔ حال :۔ ایسے وقت سکون کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ تحقیق :۔ مقویات قلب و دماغ و مفرحات کا استعمال ضروری ہے۔ حال :۔ حضرت والا دعا فرمائیں۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں۔
حال :۔ کہ حق تعالیٰ کی کامل رضامندی ہر حال میں حاصل رہے۔ تحقیق : آمین
حال :۔ اور تا دم آخر ان کی رضامندی کے کاموں میں لگا رہوں۔ تحقیق : آمین
حال :۔ اور غیر اللہ کے خوف سے دل پاک رہے۔ تحقیق : آمین۔
حال :۔ اور حق تعالیٰ کی کامل رضامندی کے ساتھ کامل ایمان کے ساتھ وقت پر دنیا سے اٹھوں۔ تحقیق :۔ آمین۔

مکتوب نمبر ۲۷۳

حال :۔ حضرت والا کی خدمت اقدس میں بندہ کی گذارش یہ ہے کہ میرے خط کا جواب

تحریر فرمایا اور آخر میں لکھا کہ "لکھئے کہ بات سمجھ لی یا نہیں" تو میں عرض کرتا ہوں کہ بات تو سمجھ لی کہ کوشش کرنی چاہئے اخلاص پیدا کرنے کے لئے کبر۔ ریا وغیرہ رذائل دور کرنے کے لیے۔ لیکن میں اپنے ناقص علم وتجربہ سے معلوم اور محسوس کرتا ہوں کہ صرف کوشش سے کام نہیں بنتا ہے بلکہ اور کسی شئے کی ضرورت ہوتی ہے جس سے کامیابی حاصل ہو۔ اسی لئے میں اپنے کو آپ کے بالکلیہ حوالہ کر دیتا ہوں کہ جیسے چاہیں مجھ پر تصرف کریں اور مجھے تیار فرمالیں۔

تحقیق: کوشش سے کام نہیں بنتا یہ صحیح ہے مگر مجاہدہ کا حکم ہے نفس کے خلاف کرنے کا حکم ہے نفس کی مخالفت یہ تفویض کے خلاف نہیں بلکہ یہی تفویض ہے۔ اسی غلطی میں بہت لوگ پڑے ہوئے ہیں۔

مکتوب نمبر ۴۷۷

حال:۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور استعانت کی بدولت نماز باجماعت کے علاوہ اشراق، چاشت، اوابین، تلاوت قرآن مجید اور مناجات مقبول کریمی کے ساتھ ساتھ چھ ہزار اسم ذات کے ورد کو بھی پورا کرتا ہوں۔ تحقیق:۔ الحمدللہ۔

حال:۔ بیماری کی وجہ سے تہجد کی نماز دن میں ادا کرتا ہوں۔ اب جاڑوں میں اسکے پورا ہونے کی امید ہے الحمدللہ ثم الحمدللہ ان معمولات کا عادی ہوتا جارہا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال:۔ اور فائدہ محسوس کررہا ہوں حضور والا سے معمولات پر بسہولت مداومت کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں۔ حال:۔ میرے آقا! حق تعالیٰ نے جو کچھ دین کی فہم عطا کی ہے اسکی روشنی میں جب اپنے کو دیکھتا ہوں تو اپنے کو معاصی غلاظت اور تمام رذائل میں بدرجہ اتم ڈوبا ہوا پاتا ہوں۔ حسد، کینہ، تکبر، ریا، نفاق بغض، شہوت، غضب غرضیکہ تمام باطنی امراض سے پُر ہوں۔ کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہے۔ اب کی بار تصنیف مبارک موسوم بہ وصیۃ الاحسان لایا ہوں تھوڑا سا پڑھا ہے ساری باتیں اپنے اوپر منطبق ہوتی ہیں۔ ہمارے تعلقات رسمی ہیں اخلاص

نہیں ہے۔ تحقیق :۔ بیشک۔ حال :۔ اس کتاب کے پڑھنے سے اس سے
حاصل شدہ علم کو پلّے باندھ لیا ہے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ

حال :۔ اگر یہی علم کچھ سال پیشتر ہوگیا ہوتا تو میں بہت بڑے ضرر سے محفوظ رہتا جیسے منافقین نے جن کو میں نے ظن میں لیکر اپنے پاس رکھا مجھے اتنا بدنام کیا کہ میرا ناطقہ بند کردیا حق تعالیٰ نے قلب میں قوت پیدا کی ورنہ میں تبخیر اور خفقان بشرکت معدہ کا مریض اس غربت میں انگشت نمائیوں کی تاب نہیں لاسکتا تھا میں نے دھوکا کھایا اور تب جاکر محتاط ہوا۔ اور اب مجبوراً دنیا سے بھاگتا ہوں۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور اس طرح بہت سے معاصی اور پریشانیوں سے محفوظ ہوگیا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمدللہ۔

حال :۔ جو ازدیادِ تعلقات سے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے غمخوار اور شفیق آقا! آپ کے پاس تو نور تقویٰ ہے جس سے آپ منافقین کو بھانپ لیتے ہیں اور جب بھی خدمت اقدس میں جاتا ہوں بشرۂ مبارک پر نگاہ ڈالنے سے آپ کو محتاط پاتا ہوں۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ لیکن میں تو ظلمات معاصی میں ہوں میں کیسے بھانپ سکتا ہوں اسی لئے دھوکا کھا جاتا ہوں۔ یہ نفاق ارشاد عالی کیمطابق زن و شو اور والدین اور اولاد تک کے اندر گھس گیا ہے آقا! دعا فرمائیں۔
تحقیق : دعا کرتا ہوں۔ حال :۔ کہ حق تعالےٰ اس گندے کے اندر خلوص پیدا کریں۔ تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ اور مخالفین کے ضرر سے محفوظ رکھیں آمین ثم آمین۔ تحقیق :۔ آمین۔

حال :۔ میرے آقا! معیت اور صرف معیت کا سہارا ہے اپنا کوئی جملہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ بہت ڈر کے لکھتا ہوں ہر بات اور ہر جملے میں نفس کی پکڑ لگی ہوئی ہے۔ چاپلوسی۔ تعریف۔ ریا۔ جھوٹ یہی سب چیزیں اپنے اندر موجود ہیں اور رذائل اتنا شدت کے ساتھ موجود ہیں کہ بلا قصد جھلکتے رہتے ہیں ہمہ وقت صد پدرانہ شفقت معیت اور دعاؤں کا محتاج ہوں اور انھیں

کی تقویت اور انھیں کے بھروسے پر جی رہا ہوں عقلاً جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اسپر بہت مطمئن ہوں۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ اور خوشی کی انتہا نہیں ہے۔ قدموں سے لگا ہی اسلئے ہوں کہ حضور والا بیڑا پار لگا دیں ورنہ اس گندے کو کون پوچھے گا جو ہمہ وقت ظاہری اور باطنی معاصی میں مبتلا رہتا ہے۔ حضور والا سے صحت کلی، صلاح و فلاح و استقامت دین، معیتِ دائمی، مداومت بر اعمال صالحہ اور دین و دنیا کے کاموں میں آسانیوں کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۵۷۷

حال :۔ عرض ہے کہ بجواب عریضہ ناچیز حضرت والا کا گرامی نامہ صادر ہوا حقیقت حال سے آگاہی ہوئی۔ بصد عجز و نیاز عرض ہے حضرت والا نے میرے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے مجھے اس کا اعتراف ہے کہ دنیا کے جھنجھٹوں میں ایسا لت پت ہو رہا ہوں کہ حضرت والا کے ارشادات و تعلیمات کی طرف توجہ اور دھیان لگانے کی ایسی فرصت نہیں جیسی کہ چاہیئے۔

میں اپنے اس حال پر ہمیشہ متاسف رہا ہوں اور اب بھی ہوں اور اسی غفلت سے عہدہ برآ ہونے اور دین کی اصلاح کی غرض سے مکمل اعتقاد کے ساتھ حضرت والا کا دامن پکڑ رکھا ہے اور ہمیشہ حضرت والا سے درخواست کرتا ہوں کہ حضرت والا میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل فرمائیں دنیاوی افکار سے نجات اور دینی انہماک کی توفیق بخشیں۔

اور حضرت والا کی تعلیمات و ارشادات کی طرف دل سے توجہ دینے اور اسپر عمل پیرا ہونے کی استطاعت اور توفیق مرحمت فرمائیں کہ بغیر اسکی توفیق اور مدد کے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اور میں عہد کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں حضرت والا کی تعلیمات و ارشادات کی طرف دل سے توجہ کروں گا اور اسپر عمل کرنے کی

پوری کوشش کروں گا مکرر حضرت والا سے بصد احترام درخواست ہے کہ حضرت والا اپنے مخصوص اوقات میں میری کامیابی کیلئے دعا کریں اور اپنے ارشادات گرامی سے نوازتے رہیں

والسلام

جواب :- میں تو عام مسلمانوں کیلئے دعا کرتا ہوں تو کیا اپنے عزیزوں ہی کے لیے دعا نہ کروں گا اور توجہ نہ کروں گا۔ مگر آپ لوگ بھی تو کچھ توجہ کریں اگر آپ لوگ تھوڑی سی بھی توجہ کرتے تو کیا ایسے ہی خالی خولی رہتے۔ آپلوگ تو درست ہی ہو جاتے اور میں بھی آپ لوگوں کی توجہ سے درست ہو جاتا۔ وعدہ داقرار تو آپ لوگوں کی پرانی عادت ہے اسی کو میں کہا کرتا ہوں کہ جہاں روز اوّل تھے وہیں اب بھی ہیں۔

ع　آسماں بدلا زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست

اب کام اس سے نہیں چلے گا اگر کچھ کرنا ہو تو کیجئے۔ مجاہدہ کیجئے۔ نفس کی مخالفت کیجئے۔ اور اپنی کچھ مشغولیت کم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذکر و فکر سے متوجہ ہونے کے کچھ اوقات نکالئے اور وقت مقرر کیجئے تب کام بنے گا صرف بات فروشی سے کب تک گاڑی چلایئے گا سہ

کامیابی تو کام سے ہوگی　　نہ کہ حُسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے اہتمام سے ہوگی　　فکر کے التزام سے ہوگی

میں نے بہت کچھ لکھ دیا اب کچھ کرے تب خط لکھئے ورنہ آپ اپنا کام کیجئے اور میں اپنا کام کروں۔

فقط والسلام (دستخط)

مکتوب نمبر ۷۷۶

حال :- بحمد اللہ آجکل بتوفیق ایزدی سحر خیزی اور تلاوت کلام پاک سے بہرہ مند ہو رہا ہوں اللہ تعالیٰ استقامت اور مداومت عنایت فرمائیں۔ تقریر وتحریر

تدریس میں بھی اللہ تعالیٰ کمال پیدا کرکے دین کی خدمت کا موقع عنایت فرمائیں۔ **تحقیق** :۔ استقامت کیلئے دعا کرتا ہوں۔ دوسری دعا کہ تقریر وتحریر و تدریس میں اللہ تعالے کمال پیدا کرکے دین کی خدمت کا موقع عنایت فرمائیں، میں نے اپنے مولانا سے کبھی اس طرح کی دعا نہیں کرائی ہے سه اسلئے اس سے معذور ہوں

سه **نوٹ** :۔ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ آئندہ اس قسم باتیں لکھے گا تو تعلق ہی ختم کردوں گا۔

مکتوب نمبر ۷۷۷

حال :۔ اکثر حضرت والا کے پاس حاضری دینے کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ایک عجیب خواب دیکھا جس سے شوق ملاقات تیز سے تیز ہوتا جارہا ہے۔ رات کو خواب دیکھا کہ بندہ کو کسی طرح علم ہوگیا کہ حضرت والا کا خط بندہ کے نام الہ آباد سے آرہا ہے۔ چنانچہ بندہ شہر سے باہر میدان میں جاکر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد خط الہ آباد سے آسمان کی طرف بلند ہوا اور بمبئی کی طرف روانہ ہوا ہوائی جہاز کی طرح تیزی سے روانہ ہوا۔ اور ہر اس شہر پر جہاں حضرت والا کے ماننے والے رہتے ہیں خط تین چکر لگاتا اور پھر بمبئی کی طرف روانہ ہوتا۔ آخرکار تھوڑی دیر میں خط بمبئی پہونچ سیدھے میرے ہاتھ میں آگیا مگر ہاتھ میں آتے ہی آنکھ کھل گئی اور خط پڑھ نہ سکا کہ اس میں کیا ہے۔ اس سے اور شوق بڑھتا رہا کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر خود بیان کردوں آج اللہ پاک نے وہ مبارک دن دکھایا۔
تحقیق :۔ نہایت مبارک خواب ہے آپ کے لئے بھی اور میرے لئے بھی من جانب اللہ خدمت کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب نمبر ۷۷۸

حال :۔ کئی روز ہورہے ہیں کہ خواب میں بندہ نے دیکھا کہ آپ کی خدمت میں یہ حاضر ہے اور باہر میدان میں بہت سے حضرات حضرت کے معتقدین ومحبین

جمع ہیں۔ حضرت نے بندہ کا شفقت سے سر پکڑ لیا، اور اسکے گردن میں اپنی ہاتھ ڈال کر لیئے ہوئے مجمع کی طرف جا رہے ہیں۔ **تحقیق**:۔ خصوصیت کیطرف اشارہ ہے
حال:۔ اور چاروں طرف گشت فرما رہے ہیں۔ بندہ شرم و حجاب کے باعث جھکا جاتا ہے۔ اس پر حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ شرم کرنیکی بات نہیں ہے۔
تحقیق:۔ لکھ دیا خصوصیت۔ **حال**:۔ پھر اسکے دوسرے ہی دن یہ دیکھا کہ حضرت جس مکان میں رونق افروز ہیں مثل شاہی عمارتوں کے نہایت ہی رفیع اور بلند اور موٹے موٹے خوبصورت ستونوں کا بہت ہی عریض و طویل مکان ہے۔ اور خاصکر جس کمرہ میں تشریف فرما ہیں اس کا سائبان تقریباً ایک بیگھہ یا آدھا بیگھہ کے لانبا ہے اور اس میں مختلف کمرے بنے ہوئے ہیں علماء و فضلاء خواص و عوام کا مجمع کثیر ہے۔ اتفاق سے کسی سے کچھ غلطی کا صدور ہو گیا اسپر حضرت والا نے بہت ہی شدید مواخذہ فرمایا اور سب لوگ سراسیمہ اور نادم ہونے لگے۔ پھر حکم ہوا کہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور ان میں جو علماء حضرات ہیں وہ جملہ اصحاب کو بتلائیں اور سمجھائیں کہ یہاں میرے پاس آنے کا کیا مقصد ہے۔ درستی اخلاق نہایت ہی اہم اور اشد ضروری امر ہے اور اس کو خوب واضح کر کے سب کو ذہن نشین کرائیں۔ اور اخیر میں بندہ سے فرمایا کہ جا کر دیکھئے ٹھیک سے کام ہو رہا ہے یا نہیں اور یہ افہام و تفہیم کس نہج پر ہو رہا ہے لوگ سمجھ بھی رہے ہیں کہ نہیں۔ اور یہ بھی امر فرمایا کہ جا کر لوگوں سے کہدیجئے کہ جس کو مجھ سے محبت ہے اور اصلاح کا طالب ہے تو سال میں کم از کم شعبان کے مہینہ میں پندرہ روز یہاں قیام کرے اور جس طرح سے کام کرنے کو بتلایا جائے اسی طرح کام کرے تب تو انشاء اللہ فائدہ ہوگا ورنہ یوں ہی بیکار آمد و شد سے کچھ حاصل نہیں۔
تحقیق:۔ یہ تو کہہ ہی رہا ہوں۔
حال:۔ چنانچہ بندہ نے جا کر مجمع میں سب لوگوں کو حضرت کا پیغام پہونچا دیا۔
تحقیق:۔ پہونچانے کی توفیق ملے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال :- اور سب لوگ سُنکر خوش ہوئے کہ بیشک جس طرح حضرت فرما رہے ہیں اس طرح کام کرنے میں فائدہ ہے اور اسی طرح اب انشاء اللہ کام کرنیکی حتی المقدور کوشش کی جائے گی۔ حضرت ان دونوں کی تعبیر سے آگاہ فرمائیں۔

تحقیق :- لکھدیا۔

مکتوب نمبر ۷۷۹

حال :- مدرسہ میں ملازمت کر رہا ہوں رزق ہی کیلئے جیسے پہلے ہی سے نیت کی تھی اب اس نیت کو کیسے پلٹ دوں اور اس میں اخلاص کیسے پیدا کیا جائے ؟ میں نے یہ سوچا کہ رزق بلکہ تمام دنیا اس لئے کماتا ہوں کہ اس سے خدا تعالیٰ کی بندگی کروں گا اور دین کی خدمت کروں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اور کہیں اگر نوکری کرتا زیادہ تنخواہ پابندی کے ساتھ مل سکتی تھی لیکن وہ سب چھوڑ کر مدرسہ میں باوجود دقتوں اور تکلیفوں کے اس لئے کام کرتا ہوں تاکہ علم وعمل تازہ رہیں یہ ماحول اچھا ہے اور دین کی خدمت ہوگی۔ یہ اخلاص کہلائیں گے یا نہیں ؟ اسی طرح پر اسکول کی کتابیں یا ناول وغیرہ کی اگر تصنیف کرتا تو زیادہ پیسہ ملتا لیکن وہ سب چھوڑ کر دینی کتاب کی تصنیف اگر کی جائے باوجودیکہ دینی کتاب کی تجارت میں شاید و باید ہی نفع ہوتا ہے تو یہ خدمتِ دین اور اخلاص میں شمار کیا جائے گا یا نہیں۔

تحقیق :- علماء نے تعلیم پر اجرت کو جائز کہا ہے۔ کیا علماء کا یہ فتویٰ اخلاص کے خلاف ہے۔ آپ نے جو حال لکھا ہے یہ جائز ہے۔ علماء کے فتویٰ کے موافق ہے مدرسہ کی نوکری اخلاص کے خلاف نہیں۔ دینی کتابوں کی تجارت اخلاص کے خلاف نہیں۔

مکتوب نمبر ۷۸۰

حال :- حضرت والا ! بندہ مدرسہ کا ایک طالب علم ہے بندہ کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علم وعمل میں ترقی عطا فرمائیں۔ اور کچھ نصیحت مرحمت ہونے سے عین نوازش ہوگی۔

تحقیق :- علم وعمل کیلئے دعا کرتا ہوں۔ آزاد طلبہ کی طرح نہیں رہنا چاہئے جو محض رسمی طور پر پڑھتے ہیں سمجھنے کا بالکل ارادہ بھی نہیں کرتے۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مُدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۱۲ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۳ء جلد: ۷

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن۔ ۔: اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ الحمد للہ اس شمارہ پر سال رواں ۹۳ء کا اختتام ہوگیا۔ ۹۴ء کا زرِ تعاون جلد از جلد ارسال فرما کر ادارہ کی امداد فرمائیں۔

پیشِ لفظ

شکرِ نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو عذرِ تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

زیرِ نظر رسالہ سال رواں کا آخری شمارہ ہے۔ قارئین کے جذبۂ صادق وخلوص کی برکت سے "رسالہ وصیۃ العرفان" ماہ بماہ پابندیٔ اوقات کیساتھ شائع کرنیکی توفیق نصیب ہوئی۔ ہم ربِّ ذو الجلال کے شکرگذار بھی ہیں۔ اور توفیق مزید کے طلبگار بھی کہ آئندہ بھی ایسی ہی پابندیٔ وقت کیساتھ رسالہ شائع ہوتا رہے۔ اور ہم سب کیلئے دینی انتفاع اور ترقیٔ ایمان کا سبب بنے۔ (آمین)

اپنے خریداران کو رسالہ ارسال کرنے میں ہر ممکنہ کوشش اور تدبیر اختیار کیجاتی ہے۔ تاہم بعض احباب کو ڈاک کی بدنظمی کی بنا پر رسالہ موصول نہیں ہوپاتا یا انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس سے اہلِ ادارہ کو رنج اور خسارہ دونوں ہی ہوتا ہے۔

رسالہ موصول نہ ہونے کی صورت میں قارئین کیا تدبیر اختیار کریں اس کو نومبر کے شمارہ میں عرض کرچکے ہیں۔ تاہم اس کے لئے آپ سے درخواستِ دعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ محکمۂ ڈاک کی بدنظمی کو دور فرمائیں۔ اور یہ دینی و اصلاحی رسالہ بر وقت اپنے قدردانوں کو موصول ہو تاکہ اس سے بآسانی استفادہ کرسکیں۔

حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہٗ العالی اسوقت الہ آباد میں قیام فرما ہیں۔ الحمدللہ بخیر ہیں۔ اوائل ستمبر میں پیروں میں سخت تکلیف کی بنا پر نشست و برخواست بھی دشوار ہوگئی تھی۔ اب بحمداللہ افاقہ ہے۔ مزید صحت و عافیت کیلئے آپ سے دعا کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا مدظلہٗ کے سایۂ عاطفت کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں اور ہم سب کو ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہونیکی سعادت سے بہرہ ور فرمادیں، آمین۔

(مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افاداتِ حضرت عارفیؒ

یہ حضرت عارفی (ڈاکٹر عبدالحی قدس سرہٗ) کے وہ ارشاداتِ گرامی ہیں جنھیں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے قلمبند فرمایا ہے اور "البلاغ" کے عارفی نمبر میں شائع ہوئے ہیں. نہایت مفید اور ضروری باتوں پر مشتمل ہیں. ناظرین کرام استفادہ کیلئے پیشِ خدمت ہے. اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ متین پر چلنے کا شوق اور ہمت عطا فرمائے

دعائے یونس علیہ السلام اور ظلماتِ دھر

فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ جب مچھلی انھیں نگل گئی تو انھوں نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (پس انھوں نے ظلمتوں کے درمیان پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں بلاشبہ میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا)

باری تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کی اس پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ:۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ (پس ہم نے ان کی پکار سنی اور ان کو گھٹن سے نجات دیدی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے فوراً بعد باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں)

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے کرتے یہ کیا فرمادیا کہ "ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں"؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مومن بھی مچھلی کے پیٹ میں جائیں گے، اور وہیں کی تاریکیوں میں ہمیں پکاریں گے تو ہم انھیں نجات عطا فرمائیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں چلا جانا تو ایک انفرادی واقعہ تھا جو خرق عادت کے طور پر پیش آیا تھا. تمام مؤمنوں کے ساتھ تو بعینہٖ یہی واقعہ پیش نہیں آسکتا۔

دوسری طرف یہ بھی اپنی جگہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم قیامت تک آنیوالے تمام انسانوں کیلئے ذریعۂ ہدایت ہے۔ اور اسمیں جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ محض قصہ گوئی یا تاریخ بتانے کے لئے بیان نہیں ہوئے۔ بلکہ اس لئے بیان ہوئے ہیں کہ قیامت تک ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ بالخصوص جبکہ قرآنِ کریم خود واقعہ بیان کرنے کے بعد تمام مؤمنوں سے یہ فرمارہا ہو کہ ایسا ہی واقعہ تمہارے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔

اب "ایسا ہی واقعہ پیش آنے" کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب مؤمنین مچھلی کے پیٹ میں جائیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ ہر مؤمن کو اپنی زندگی میں طرح طرح کی ظلمتوں سے واسطہ پیش آسکتا ہے۔ نفسانی خواہشات کی ظلمتیں۔ شیطانی وساوس کی ظلمتیں۔ حالات اور ماحول کی ظلمتیں غرض بیشمار قسم کی ظلمتیں ہیں جو مؤمن کو اپنی زندگی میں پیش آسکتی ہیں۔ قرآن کریم کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بیشمار ظلمتوں میں سے جو ظلمت بھی تمہارے سامنے آئے، تم حضرت یونس علیہ السلام کی سنت پر عمل کرکے ہمیں پکارو، "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" اس پکار کے نتیجے میں تمہیں بھی اسیطرح ظلمتوں سے نجات ملے گی جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو ملی تھی۔

اگر ہم اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں تو طرح طرح کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں فسق و فجور اور بداعمالیوں کا بازار گرم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے احکام وتعلیمات سے غفلت بڑھتی جارہی ہے۔ بے حیائی، بے غیرتی اور بداخلاقی کا سیلاب چڑھا ہوا ہے۔ پوری ڈھٹائی اور سینہ زوری کے ساتھ گناہوں اور معصیتوں کا ارتکاب ہورہا ہے۔ نوبت گناہ اور معصیت سے گذر کر (معاذ اللہ) ارتداد والحاد اور قرآن وسنت کے احکام سے کھلی بغاوت تک پہنچ رہی ہے۔

ان میں سے ہر چیز ایک خوفناک ظلمت ہے۔ طاغوت کی قوتیں ان ظلمتوں کو ہمارے درمیان فروغ دے رہی ہیں اور انسانوں کو ڈھکیل ڈھکیل کر ان ظلمتوں کی طرف لے جارہی ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ

(جو لوگ کفر کرتے ہیں، ان کے سرپرست شیطان ہیں جو انھیں روشنی سے ظلمتوں کی طرف لیجاتے ہیں)

ہم ان طاغوتی ظلمتوں کے درمیان بُری طرح گھرے ہوئے ہیں۔ اور انہی ظلمتوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ ان کے غلبے سے متأثر ہو کر مایوس ہونے لگتے ہیں کہ ان تاریکیوں کا مقابلہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ اس مایوسی کے نتیجے میں ان ظلمتوں سے مانوس ہونے لگتے ہیں۔ ان کے تاریکی ہونے کا احساس کم ہونے لگتا ہے، لیکن ان حالات میں صحیح راہِ عمل خود قرآنِ کریم نے بتادی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسے حالات میں وہی کام کرو جو حضرت یونس علیہ السلام نے کیا تھا۔ وہ مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گھر گئے تھے۔ وہاں سے انھوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔ تم اس وسیع و عریض دنیا کی لامتناہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہو۔ تم بھی ایسے میں اللہ ہی کو پکارو لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ تعالیٰ ہی ان تمام ظلمتوں کے خالق ہیں۔ اور وہی تمھارے پروردگار ہیں۔ انہی سے کہو کہ یہ ظلمتیں ہم سے برداشت نہیں ہوتیں۔ ہم ان تاریکیوں سے مغلوب ہوئے جارہے ہیں۔ ہمیں اپنی پناہ میں لیکر ان کے شر سے بچالیجئے۔ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم کرکے ان ظلمتوں میں گرفتار ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں ان سے نہ نکالا تو ہم تباہ ہو جائینگے۔ آپ اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ سے کام لیکر ہمیں ان اندھیروں سے نکال لیجئے ـــــ جب تم حضرت یونس علیہ السلام کی طرح اپنی بیچارگی، بے وسیلگی، عاجزی، درماندگی اور ندامتِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارو گے تو یقیناً تمھاری پکار سُنی جائیگی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی نگہبانی میں لے لیں گے۔ انھوں نے تو خود فرمایا ہے کہ: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ (اللہ نگہبان ہے انکا جو اسپر ایمان لائے ہیں وہ انکو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے) ـــــ جب وہ نگہبان بن جائینگے تو پھر کیسی ظلمت؟ اور کیسی تاریکی؟ پھر دیکھو کہ زندگی میں کیا نور ہی نور پیدا ہوتا ہے؟ بس یہ سبق ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مِل رہا ہے کہ:۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ لہٰذا زمانہ کتنا خراب ہو جائے۔ حالات کتنے بگڑ جائیں۔ تاریکیاں کتنی مسلط

ہو جائیں۔ قرآن کریم کی بتائی ہوئی یہ تدبیر قیامت تک کے لئے ہے۔ ہر انسان کیلئے ہے۔ ہر ماحول کیلئے ہے اور اسکے ذریعہ ہم بُرے سے بُرے حالات میں تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک مومن کیلئے تسلّی اور تسکین کا اس سے بڑا سامان کیا ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ خود وعدہ فرمالیں کہ جب اور جس حال میں ہمیں پکارو گے ہم تمہیں ظلمتوں سے نجات بخشیں گے۔ اور تمہیں نُور کی طرف لے جائیں گے۔

کلمۂ طیبہ اور بد اعمالیوں کا سیلاب فرمایا کہ اردو کے مشہور شاعر مرزا غالب کا ایک شعر ہے سہ

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

اس شعر کا صحیح مطلب اُسوقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جبتک اس کا پہلا مصرعہ دو مرتبہ مختلف لہجوں سے نہ پڑھا جائے۔ ساقی کے لبوں پر اس صدا کے مکرّر آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلا مصرع دو مرتبہ دو مختلف لہجوں سے پڑھتا ہے۔ پہلی مرتبہ یہ مصرع ایک سوال ہے۔ اور دوسری مرتبہ ذرا لہجہ بدل کر پڑھا جائے تو یہی مصرعہ اس سوال کا جواب ہے۔ پہلی مرتبہ وہ جب یہ کہتا ہے کہ :

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق ؟

تو یہ ایک سوال اور اِستفہام ہے۔ ایک چیلنج ہے۔ ایک دعوت ہے کہ کوئی ہو تو سامنے آئے۔ لیکن جب اس سوال کے جواب میں کوئی آگے نہیں بڑھتا تو وہ یہی مصرعہ لہجہ بدل کر دُہراتا ہے کہ ع کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگنِ عشق

اس مرتبہ یہ استفہامِ انکاری ہے۔ اور اس کا مقصد سوال کرنا نہیں۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ اب کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہے جو "حریف مئے مرد افگنِ عشق" بن سکے۔ یہاں "کون ہوتا ہے" اسی معنی میں ہے جس معنی میں ہم اکثر بولتے ہیں کہ "اپنی جان کون قربان کرتا ہے!" مطلب یہ کہ کوئی قربان نہیں کرتا۔ غرض یہ کہ پہلی مرتبہ پڑھنے میں یہ مصرع ایک سوال ہے۔ اور دوسری مرتبہ میں اسی سوال کا جواب بھی ہے۔ اور شاعر کا کہنا ہے کہ میرے بعد ساقی کے لبوں پر بار بار یہی فقرہ آتا ہے۔ کبھی سوال کی صورت میں اور کبھی استفہامِ انکاری اور جواب کی صورت میں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح جب دنیا میں پھیلے ہوئے فتنے فساد، بد اعمالیوں میں گرا ہو

بیحیائی، بے شرمی، عریانی، فحاشی اور معاشرتی بگاڑ کا تصور آئے تو کلمۂ طیبہ لا الٰہ الّا اللہ
ربار مختلف معنوں کے تصور کیساتھ پڑھنا چاہیئے۔

آپ جب تصوّر کریں کہ دنیا میں بداعمالیوں کا سیلاب آیا ہوا ہے، معاشرہ خراب ہو چکا ہے۔ اخلاق و اعمال تباہ ہوئے ہیں، دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے پورا معاشرہ متأثر اور زوال پذیر ہے، دفتروں میں بدنظمی اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ بازار دھوکے فریب سے بھرے ہوئے ہیں گھروں اور خاندانوں میں لڑائیاں ہو رہی ہیں، اولاد ماں باپ سے باغی ہو رہی ہے، غرض چاروں طرف بگاڑ ہی بگاڑ پھیلا ہوا ہے تو دل میں سوال کیجئے کہ یہ سب کچھ کس کی مشیت سے ہو رہا ہے؟ اب جواباً کہیے کہ:- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) یعنی اس عالم کائنات میں اللہ تعا کے سوا کوئی متصرف نہیں۔ یہاں کوئی کام ان کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا، کسی مجال نہیں ہے کہ وہ انکی مشیت کے بغیر کچھ کرسکے۔ لہٰذا جو کچھ ہو رہا ہے اُنہی کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ یہ تصوّر کیجیے کہ اس بگاڑ کے اسباب و حکمتیں خواہ کچھ ہوں، لیکن تمام واقعاتِ عالم میں متصرف تنہا وہی ہیں ان کے سوا کوئی متصرف نہیں۔

اب دوسرا سوال ذہن میں قائم کیجئے کہ اس بگاڑ کو دور کون کریگا؟ اسکے شر سے ہمیں کون بچائے گا؟ اسکی فتنہ سامانیوں سے ہماری حفاظت کون کریگا؟ اس سوال کے جواب میں دل [illegible]

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) یعنی اس بگاڑ سے ہمیں بچانے والا اللہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ بچنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ بھی انہی کی پناہ میں ہے۔ لہٰذا اگر فساد کو اجتماعی طور پر دور کرنا چاہتے ہو تو اجتماعی طور پر انہی کی پناہ مانگو۔ اور اگر اسکے اثرات سے انفرادی طور پر محفوظ رہنا چاہتے ہو تب بھی انہی سے پناہ طلب کرو، انہی کو پکارو کہ یا اللہ اس شر و فساد کے سیلاب سے مجھے بچا لیجئے۔ میرے گھر والوں کو بچا لیجئے، میرے عزیز و اقارب اور دوستوں کو بچا لیجئے، میرے شہر، میرے ملک، میرے وطن اور تمام مسلمانوں کو بچا لیجئے اس طرح اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو گے تو انشاء اللہ ضرور پناہ ملے گی۔

کامیابی کا راز

فرمایا کہ ہمارے اکابر جو کامیاب ہوئے تو دو چیزوں کی وجہ سے۔ ایک تو یہ کہ وہ پورا پورا علم شریعت رکھتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ ان میں اخلاص تھا۔ اب اگر کسی میں اخلاص بھی ہوتا ہے تو علم شریعت کا چونکہ کامل نہیں ہوتا اسلئے نہ تو طریقۂ کار ہی اسکی سمجھ میں آتا ہے اور نہ وہ مسائل و احکام کی تبیینؔ ہی کر سکتا ہے۔ طریقۂ کار کے متعلق یہ سنئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک باب ہی اس کا قائم فرمایا ہے یعنی مَا کَانَ عَلَیْہِ حال اھل الجاھلیۃ فاصلحہ النبیؐ (اہل جاہلیت جس حال پر قائم تھے اور اس کی اصلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی) اور پھر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے معانی میں غور کرنا چاہتے ہو تو پہلے ان امیوں (ناخواندہ لوگوں) کے حالات کا جائزہ لو جن میں آپؐ مبعوث ہوئے تھے اور جن کے حالات آپ کی تشریع کا گویا مادّہ تھے۔

شاہ صاحب نے کیسی چوٹی کی بات ارشاد فرمائی یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے امت کے حالات میں جو بگاڑ ہو چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حالات کو پیش نظر رکھ کر اصلاح فرمائی تو ظاہر ہے کہ جو شخص آپ کی اصلاحات کو سمجھنا چاہے اسکے لئے اُن حالات کو بھی پہلے سمجھنا ضروری ہوگا جن پر آپ کی اصلاحات وارد و صادر ہوئی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں مصلح کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ ابنائے زمانہ کے حالات سے پوری طرح واقف ہو کہ دین کے خلاف ان کے کیا کیا حالات ہیں۔ ان کے جذبات۔ خیالات اور خواہشات کے رُخ کو پہچانتا ہو ان چیزوں کا علم اصلاح کیلئے ضروری ہوگا اور بدون ان کے سمجھے ہوئے اصلاح مشکل بلکہ متعذر و ناممکن ہو جائے گی۔ آگے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملت حنیفیہ اسماعیلیہ دے کر بھیجے گئے تھے تاکہ ملت کی کجیوں کو آپ درست فرمائیں

۱؎ وضاحت کرنا اور کھول کر صاف صاف بیان کرنا۔

تحریفات کا ازالہ کریں اور اس کے نور کی اشاعت فرمائیں۔ یہی مطلب تھا مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰهِیۡمَ (تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر قائم رہو) کا چنانچہ جب آپ اسی ملت کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے جس سے اہل عرب پہلے سے وابستہ تھے تو ضروری تھا کہ اسکے اصول مسلّم ہوں اور اسکے طور وطریقے معروف ہوں کیونکہ جس وقت آپ عرب میں تشریف لائے تو ملت ابراہیمی میں بہت کچھ خلل واقع ہو چکا تھا تاہم کچھ مذہبی طور وطریقے باقی بھی تھے۔ لہٰذا ان کے تغیر وتبدیل کا تو کچھ سوال ہی نہیں تھا بلکہ عقلاً واجب تھا کہ ان کو دین وشریعت کے نام پر باقی رکھا جائے کیونکہ یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے قبول کئے جانے کی جانب اَدْعٰی[1] تھی۔ اور ان کو مجوج کرنے کے لئے اَحکم[2]

بنی اسمٰعیل میں شرک کا بانی | بنو اسمٰعیل ملت ابراہیمی پر برابر عمل پیرا رہے تا آنکہ انہیں عمرو ابن لحیٰ نامی ایک شخص پیدا ہوا اور اس نے اپنی فاسد رائے سے عبادت اوثان (بت پرستی)، اور جانوروں کو چھوڑنا وغیرہ رائج کیا اور خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسوقت دین ابراہیمی باطل ہو گیا اور صحیح کا فاسد کے ساتھ اختلاط ہو گیا۔ جہل اور شرک وکفر کا دور دورہ ہو گیا اور ان کے گمراہی کی کوئی حالت مُنتَظرہ[3] باقی نہیں رہی۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث فرمایا تاکہ آپ ان کی کجروی کو درست فرماویں اور ان کے فساد کی اصلاح فرماویں۔

مبادیاتِ تبلیغ واصلاح | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان کی مروّجہ شریعت کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ ان میں سے جو امور دینِ اسمٰعیلی کے موافق تھے یا شعائر اللہ[4] میں سے تھے ان کو بحکم الٰہی باقی رکھا۔ اور جو چیزیں از قبیل افساد یا تحریف[5] کے تھیں یا وہ امور جو شرک وکفر کے شعائر میں سے تھے ان کو باطل فرمادیا اور جو امور

---

[1] زیادہ بلانے والی۔ [2] نہایت پُر زور۔ [3] کوئی ایسی بات جس کا انتظار ہو (یعنی گمراہی میں اب کسی قسم کی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی) [4] اللہ کے دین کی نشانیاں اور یادگار۔ [5] آسمانی کتاب کے الفاظ یا معانی میں رد وبدل کرنا۔

کہ عادات وغیرہ کے قبیل سے تھے ان کے آداب اور مکروہات ارشاد فرمائے اور رسوم فاسدہ سے انھیں منع کیا اور رسوم صالحہ کا حکم فرمایا۔ اور اعتقادی یا عملی وہ مسائل جو زمانۂ فترت[1] یعنی (انقطاع رُسل) میں متروک ہوگئے تھے انھیں ازسرِ نوتازگی بخشی چنانچہ اللہ کی نعمت آپ کے ذریعہ تام ہوئی اور اس کا دین مستقیم ہوگیا۔ اور اہل ملّت جاحضور کے زمانہ میں بھی بعثت انبیاء کے جواز کو تسلیم کرتے تھے۔ جزا سزا کے بھی قائل تھے اور انواعِ بر کو بھی مانتے تھے یعنی بہت سے ثواب کے کاموں کو بھی وہ ثواب سمجھتے تھے اور اس پر ان کا عمل تھا۔

لیکن جہاں ان میں یہ سب باتیں تھیں وہیں یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ان میں تین قسم کے لوگ موجود تھے۔ فساق (بدکردار)۔ زنادقہ (بددین) اور جاہل غافل۔ فساق کا حال یہ تھا کہ وہ مذہب کے خلاف نفسانی غلبہ اور قلتِ تدین[2] کی وجہ سے جانوروں کے سے اعمال بلکہ درندوں کے سے افعال کرنے میں منہمک تھے۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے فسق پر آپ گواہ تھے۔ اور اس کی وجہ سے ملتِ ابراہیمی اور دین اسمٰعیلی سے گویا خارج ہی ہوچکے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ آج اس زمانہ میں بھی ایک خاصا طبقہ انسانوں کا ایسا موجود ہے جو اسی قسم میں داخل ہے۔ حالات اور واقعات آپ کے سامنے ہیں اس لئے اس صنف کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ انسان جب خدائی خوف سے بے خوف ہوجاتا ہے اور اپنے دین و مذہب کا پاس و لحاظ اسکو نہیں رہ جاتا تو پھر اس کا ان صفات سے متصف ہوجانا کچھ بعید بھی نہیں۔

رہی دوسری قسم زنادقہ کی تو یہ وہ لوگ تھے جو فطرتاً بدفہمی پر مجبول[3] ہی ہوئے تھے۔ صاحب شریعت نے جس تحقیق تام کا قصد کیا تھا یہ لوگ نہ تو خود اسکی استطاعت رکھتے تھے، اور نہ اس کی تقلید ہی کرتے تھے اور نہ اسکی خبروں میں اسکی تصدیق کرتے تھے۔ بس اپنے شک و شبہہ میں چکر کاٹتے رہتے تھے اور جماعت سے خوف بھی کرتے تھے اور

---

[1] دو پیغمبروں کے درمیان کا وہ زمانہ جس میں تعلیماتِ الٰہی بھلادی گئی ہوں۔ [2] دینداری کی کمی۔
[3] مخلوق۔ پیدا۔

لوگ ان پر انکار بھی کرتے تھے اور ان کے متعلق سمجھتے تھے کہ یہ لوگ دین سے خارج ہو چکے ہیں اور انھوں نے ملت کا قلادہ اپنی گردنوں سے نکال پھینکا ہے۔ اب جبکہ انکا انکار اور ان کا سوء حال (حال بد) اس درجہ پہنچ چکا تھا تو پھر ان کا دین سے خارج ہو جانا کچھ بھی مضر نہ تھا (اس قسم پر آپ غور فرمایئے)

تیسرا طبقہ جاہل غافل کا تھا جن کا حال یہ تھا کہ انھوں نے دین کی جانب سر تک اٹھا کر نہ دیکھا تھا اور نہ اس کا مطلقاً انھیں احساس تھا اور یہی لوگ قریش میں اکثریت میں تھے اسلئے کہ انبیاء کا زمانہ ان سے بہت دور ہو چکا تھا۔ یہی مراد ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ "یعنی تاکہ آپ ایسی قوم کو ڈرائیں جن کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا" لیکن اس بے اتفاقی کے باوجود یہ لوگ دین کی راہ سے بالکلیہ ہٹے بھی نہیں تھے اس طور پر کہ ان کے حق میں اب کوئی حجت ہی مفید نہ ہو اور کوئی الزام ہی قائم ہو سکے اور کسی چیز کے ذریعہ ان کو قائل ہی نہ کیا جا سکے۔

چنانچہ منجلہ ان اصول کے جو ان کو بھی مسلم تھے ایک یہ تھا کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ زمین و آسمان کے خلق میں اور بڑے بڑے امور کے انتظام میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ اسکے حکم کو کوئی رد کرنے والا اور اسکی قضا کو کوئی روکنے والا نہیں چنانچہ قرآن شریف میں ان کے عقائد کا اس طرح بیان آیا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے) اور فرمایا کہ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ (بلکہ اسی کو پکارنے لگو گے) لیکن ان کے زنادقہ یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے ملائکہ اور ارواح میں سے بھی کچھ ذوات ایسی ہیں جو امور عظام[1] کے علاوہ اہل زمین کے چھوٹے چھوٹے امور کا انتظام کرتے ہیں اور ان لوگوں نے ان سب کو ایسا جانا جیسا کہ بادشاہ کا مرتبہ شہنشاہ کے سامنے ہوتا ہے اور ندمار کا مرتبہ سلطان کے سامنے۔ اور اس کا منشاء یہ ہوا کہ شریعت نے بھی بعضے امور کی تفویض ملائکہ کی جانب فرمائی ہے اور یہ کہ مقرب لوگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں تو اس سے انھوں نے یہ سمجھا کہ جب ان کا خدا کے یہاں خاص درجہ اور

[1] بڑے بڑے کام

مقام ہے تو یہ ہمارا بھی کام کچھ بنا سکتے ہیں حالانکہ ان کا یہ قیاس، قیاس الغائب[1] علی الشاہد تھا جو قیاس مع الفارق تھا اور کھلا ہوا فساد تھا۔ (ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۵ ج۱)

تشخیص مرض ضروری ہے صرف حفظان صحت کے اصول کافی نہیں	دیکھئے جب اصلاح کیلئے حسب ارشاد مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ مواد فساد پر مطلع ہونا ضروری ہے تو اب بھی اصلاح کیلئے

یہی کرنا ہوگا ورنہ کلیات بیان کرنے سے اصلاح نہ ہو سکے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرب کی اصلاح فرمانی چاہی تو اہل جاہلیت کے حالات کا جائزہ لیا اور اسی کو تشریع کا مادّہ قرار دیا۔ اسی بات کو شاہ صاحبؒ نے ایک دوسرے مقام پر ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ تفہیمات میں فرماتے ہیں کہ:

ہر کسے کہ برائے دعوت خلق اللہ بجائے نشست و مردم بجانب وے متوجہ شدند ویرا ہماں باید کرد کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زیرا کہ وے دریں مقام مقلد و پس رو ایشاں است (تفہیمات الٰہیہ)

جو شخص کہ خلق خدا کو دعوت دینے کیلئے کسی جگہ بیٹھا اور اسکی جانب لوگ متوجہ ہوئے تو اسکو وہی کرنا چاہئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کیا اسلئے کہ وہ اس مقام میں انہیں حضرات کا مقلد و پس رو ہے، (سر مو تجاوز کرنا جائز نہیں ہے)

اب دیکھئے اکابر دعوت خلق اللہ کرنے والے کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ اسکو وہی کرنا چاہئے یعنی وہی طریق کار اختیار کرنا چاہئے جو کہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ تھا بغیر اسکے دعوت الی اللہ کا کام نہ ہو سکے گا۔ بعد کے لوگ خواہ کسی درجہ کو پہنچ جائیں مستقل نہیں ہیں۔ بلکہ تابع ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے۔ خود سمجھئے جب ہم اپنے ہر امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے محتاج ہیں تو دعوت الی اللہ کا منصب جو بہت بڑا ہے اس میں تو بدرجۂ اولیٰ ہم کو احتیاج ہوگی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ جو اس باب میں تھا معلوم کریں اور اس کو برتیں ورنہ کامیابی ہرگز نہ ہوگی ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز برپئے مصطفےٰ

(اے سعدی یہ مت خیال کرو کہ صفا کا راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے ہوئے بغیر بھی طے کیا جاسکتا ہے)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

(پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے (طریقے کے) خلاف جو شخص بھی راستہ اختیار کریگا (جان لو کہ) وہ ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا)

[1] موجود چیز پر غیر موجود کو قیاس کرنا۔

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند　　برفتند و بسیار سرگشتہ اند

(جو لوگ کہ اس راستہ سے ہٹ گئے وہ بہت چلے اور بہت پریشان ہوئے (مگر پھر بھی راستہ نہیں ملا)

دریں بحر جز مرد داعی نہ رفت　　گم آں شد کہ دنبال راعی نہ رفت

(اس راستہ میں سوائے داعی (حضورؐ) کے کوئی نہیں گیا۔ گم وہی ہوا جو چرواہے کے پیچھے پیچھے نہ چلا)

نزول قرآن کا مقصد | اب سنئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ

(اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے انکو آپ ان سے ظاہر کردیں اور تاکہ وہ غور و فکر کیا کریں)۔

اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن ہے اور یہ تذکیر سے مشتق ہے جس کے معنیٰ وعظ اور پند کے بھی آتے ہیں اور غفلت سے بیدار کرنے کے بھی آتے ہیں۔ پس قرآن کو ذکر فرمایا گیا تو اسی لئے کہ یا تو وہ پند و وعظ پر مشتمل ہوتا ہے اور یا اس لئے کہ وہ سبب ذکر یا سبب تیقّظ بنتا ہے لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ یعنی تاکہ آپ تمام لوگوں تک اسکو پہونچائیں اور سب سے اسکی تبیین فرمائیں۔ چنانچہ تمام انسان اس سے مراد ہیں باقی اہل عرب (یا اہل مکہ) تو مخاطب اوّلین ہی ہیں مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ یعنی لوگوں کو پہونچائیں وہ احکام اور شرائع جو اس میں مذکور ہیں۔ نیز اسی طرح سے ان سے امم ماضیہ کے احوال و انجام بھی بیان فرمائیں کہ انھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے انبیاء کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جس کے پاداش میں ان پر نوع بہ نوع کے عذاب آئے اور بالآخر سب کے سب ہلاک ہی ہوگئے یعنی تاکہ ان امور کو بھی آپ ان سے کھول کھول کر بیان فرماویں۔ شاید ان کو تفکر کی توفیق ہوکر ان کے لئے یہ سبب ایمان ہی بن جائے۔

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ تبیین سے مراد مجملات کی تفسیر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد محض تبیینِ حلال و حرام اور امم ماضیہ کے احوال ہی نہیں ہیں بلکہ انکی مختلف استعداد کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے اسرار قرآنی اور علوم روحانی کو بیان کرنا جو قرآن میں ودیعت کئے گئے ہیں (جس کے متعلق حدیث میں ہے کہ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ (اسکے

عجائبات ختم نہیں ہو سکتے) اور کسی نے اسکو یوں کہا ہے سے

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْآنِ لٰکِنْ تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

(تمام قسم کے علوم قرآن میں موجود ہیں (لیکن) ان کے فہم سے لوگوں کی عقلیں قاصر ہیں)

چنانچہ ان علوم قرآنی اور اسرار فرقانی کی تبیین بھی علیٰ اختلاف مراتب الاستعدادات آپ ہی کا منصب تھا۔ چنانچہ اس آخری تفسیر کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو حاکم نے بیان کیا ہے اور تصحیح بھی کی ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جسکو یاد رہا یاد رہا اور جو بھول گیا بھول گیا۔

یہ قول اس قول کے قریب ہی قریب ہے جو ایک جماعت سے منقول ہے کہ تبیین تصریح بالمقصود اور اشارہ الی المراد سے عام ہے اور اس میں قیاس۔ اشارۃ النص، دلالۃ النص اور استنباطات وغیرہ سب ہی امور داخل ہیں جیساکہ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ میں اسکی جانب اشارہ موجود ہے اور ان سے اس امر کا مطالبہ ہے کہ وہ اس قرآن میں تامل کریں تاکہ حقائق تک انکی رسائی ہو۔ اور اس سے عبرت حاصل کر سکیں۔

دیکھئے اس آیت میں اللہ جل شانہٗ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماکر یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ "ہم نے قرآن کو اسلئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اسکے احکام کو، اسکے پند و نصائح کو، اسکے قصص وحکایات کو کھول کھول کر بیان کیا کریں کہ شاید ان کو تفکر کی توفیق ہو اور ایمان لاویں"۔ تو معلوم ہوا کہ لوگوں کو ہدایت پر لانے کی صورت اللہ تعالیٰ نے جو بتلائی وہ یہی ہے کہ قرآن کا بیان کیا جائے اسکو ہدایت ہی کے لئے ہم نے نازل کیا ہے اسی سے ہدایت کی توقع بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی تبیین کا امر فرمایا تو معلوم ہوا کہ اصلی منصب تبیین کا حضور ہی کا ہے نیابۃً اور تبعاً آپ کے بعد علماء ربانی کے حصے میں آیا۔ اس کام کے لئے قرآن کا علم اور اس کا فہم از بس ضروری ہے بغیر اسکے تبیین کا کام کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اور جب تبیین نہ ہوگی تو پھر ہدایت و اصلاح بھی نہ ہوگی۔ اور یہ آسان کام نہیں ہے کہ ہر شخص انجام دے لے۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ دو چار آدمی بھی ایسے نہیں کہ جو تبیین کر سکیں۔

عدمِ اصلاح کا سبب سنئے، جس قسم کی جہالت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی قریب قریب اسی قسم کی جہالت پھر ہوگئی ہے۔ فساق کی جماعت بھی موجود ہے زنادقہ بھی ہیں اور اہلِ غفلت بھی ہیں۔ اسلئے تبیین کی ضرورت تو اس زمانہ میں بھی ہے اور انبیاء ہیں نہیں تو یہ تبیین کرے گا کون؟ ظاہر ہے کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں) کی رو سے علماء کرسکتے ہیں لیکن دیکھ یہ رہا ہوں کہ اس زمانہ میں سارے جاہل محقق ہوگئے ہیں چاہتے ہیں کہ وہ کام جو علماء کا منصب ہے یہی لوگ انجام دے لیں۔ لیکن ہم تو کہیں تبیین دیکھتے نہیں جس قدر کام کرنے والے بڑھتے جارہے ہیں ہم تو جہل کو بھی بڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں آخر ہم بھی اس زمانہ میں رہتے ہیں جس میں آپ لوگ ہیں پھر آپ کی رائے معتبر ہو اور ہماری نہ ہو یہ آخر کیوں؟

یہی لوگ علماء پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ کام نہیں کررہے ہیں تو ٹھیک ہے آپ کرکے دکھلایئے علماء دست بردار ہوتے ہیں مگر یہ لوگ بھی کرسکیں گے نہیں۔ اس لئے کہ دوسروں پر اعتراض کرنا آسان ہے مگر کام کرنا مشکل ہے خود کام کرنا پڑے تو معلوم ہو کہ کام کرنے میں کتنی دشواریاں ہوتی ہیں۔ اب عجب خرابطہ ہے کہ ہر شخص ہی محقق بنا بیٹھا ہے۔ نہ قرآن کا علم ہے نہ لوگوں کے احوال کا اور دوسروں کی اصلاح کیلئے تیار۔ بھلا ان سے کیا کام ہوگا نااہلوں سے کبھی کام ہوا بھی ہے کہ اب ہوجائیگا۔

پہلے زمانہ میں جب تک دستار بندی نہیں ہوجاتی تھی یا کسی بزرگ سے خلافت اور سند نہیں مل جاتی تھی کام کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اب یہ سب چیزیں ختم کردی گئیں۔ بس اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ (آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا اور اپنی رائے پر اترانا) رہ گیا ہے۔ ہر شخص اپنی ہی رائے کو بہتر سمجھتا ہے اور اسی میں مگن ہے۔ آپ کو جو فائدہ نہیں ہورہا ہے تو اسی لئے کہ صحیح تعلیم نہیں پہونچ رہی ہے۔ اور اسی لئے آپ کا حال درست نہیں ہورہا ہے اور تعلیم اور تربیت اسی لئے نہیں ہوپارہی ہے کہ آج تبیینِ احکامِ قرآن ختم ہوگئی ہے۔ عالم تابعِ عوام اور پیر اسیرِ مرید ہوگئے ہیں الا ماشاء اللہ۔ آپ لوگوں کی ڈر سے ہماری زبان تبیین کے لئے کھلتی نہیں۔ یہ تو آپ لوگ خود ہی

---

۵ حماقت

آتے ہیں میں بلانے نہیں جاتا اور میرا گھر ہے اسلئے کچھ کہہ لیتا ہوں ورنہ آپ ہی لوگ دوسری جگہ بولنے نہ دیں گے۔ اسی لئے جو اہل تھے وہ گھر بیٹھ گئے اور نا اہلوں نے ان کی جگہ لے لی بقول حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں	طوق زرّیں ہمہ در گردن خری بینم

(تازی گھوڑا تو مجروح اور زخمی ہو کر پالان کے نیچے پڑا ہوا ہے اور زرّیں طوق گدھے کی گردن میں پڑی ہوئی دیکھ رہا ہوں)

طریقۂ کار | کام اب بھی ہو گا مگر طریقہ سے اور وہ طریقہ یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ کار معلوم کیا جائے اور اسکے مطابق کام کیا جائے جب لوگوں نے اس طریقہ سے کام کیا تھا تو یہاں ہندوستان میں بھی کام ہوا۔ اس طرح سے کہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں بزرگانِ دین بیٹھ گئے۔ ان کے اخلاق اور صدق و اخلاص اور خدا ترسی اور دیانت حسن معاشرت اور صفائی معاملات کو دیکھ کر لوگ ان کے گرویدہ ہو گئے اور لوگوں کو فائدہ پہنچا۔ جس قوم میں رہے اسکی کایا پلٹ ہی دی اور جس بزم میں گئے اُسے میخانہ کر دیا۔ اب آپ کام تو چاہتے ہیں خیر القرون جیسا اور علم و عمل اور اخلاص سب سے ہیں عاری۔ کیا خوب بات ہے آپ کی اس حالت پر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

اس سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا	لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

میری مراد یہاں تلوار سے اخلاق کی تلوار ہے۔

پس آپ بھی اگر ہندوستان میں کچھ کام کرنا چاہتے ہیں تو اپنے اسلاف کی سنّت پر عمل کیجئے اور اخلاق محمدی اختیار کیجئے۔ حضرات صحابہؓ قوت اور جہاد سے نہیں جیتے تھے بلکہ اخلاق سے جیتے تھے۔ آپ کے لئے بھی وہی راہ ہے۔ اسلام باقی ہے، قرآن باقی ہے۔ اخلاق بھی باقی ہے۔ جو چیز آپ میں نہیں کہی جا سکتی تو وہ طاقت و قوت ہے تو یہ تسلیم ہے مگر علماء یہ کب کہتے ہیں کہ اسلام مادی قوت سے پھیلا وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اسلام اخلاق سے پھیلا تھا۔ جو آج بھی آپ کے پاس باقی ہے جس سے کام لینا آپ کے اختیار میں ہے۔ اس میں کسی کی مزاحمت بھی نہیں چل سکتی۔

اور میں تو یہاں اب مسلمانوں کے حالات کچھ بدلے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ قوم نے

کر وٹ لی ہے مگر مصلحین کی کمی ہے۔ جتنے کام کرنے والے زیادہ ہوں گے اتنا ہی کام ہوگا لوگوں سے غلط بات کہہ کر ان کو پریشان نہیں کرنا چاہیئے۔ ضرورت ہے کہ ان کے سامنے حالات کا صحیح نقشہ پیش کر دیا جائے۔ لوگ جب اپنے صحیح حال کو سمجھ لیں گے۔ کہ دین مانیں گے ہم دین کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ رسول کی تصدیق کرتے ہیں۔ قرآن کی تصدیق کرتے ہیں بس صرف عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسروں پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ طریقہ یہ ہے کہ خود عمل کرنا شروع کر دیں۔ دوسرے لوگ دیکھ کر خود عمل کرنے لگیں گے۔ اور جتنے زیادہ عمل کرنے والے ہوجائیں گے اتنا ہی زیادہ اثر اور نفع ہوگا۔ برائی میں جتنا اثر ہے اس سے زیادہ اچھائی میں اثر ہے۔ نیکی اور اچھائی جب پھیلتی ہے تو برائی کا قلع قمع کر کے رکھدیتی ہے۔

تمام جگہ کام چھیڑنے سے اچھا یہ ہے کہ کسی ایک جگہ محنت صرف کریں اور اسکو ٹھیک کریں پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی جگہ لوگ عام طور سے دیندار ہوجائیں اور دوسری جگہ کے لوگ اس جانب متوجہ نہ ہوں

نماز کی اہمیت اس سلسلہ میں کہتا ہوں کہ صرف ایک نماز کو درست کرلیں۔ اسی سے تمام اَلَا بَلَا دور ہوجائے گی۔ کیونکہ اس کے لئے طہارت ضروری ہے اور جب اس کا اہتمام رکھیں گے تو آپ کے تمام وساوس وخطرات دور ہوجائیں گے۔ نماز اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان میں وُصلہؔ ہے۔ حضرات صحابہ جب نماز پڑھ کر آتے تھے تو ان کے چہرے بدلے ہوئے ہوتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرکے آرہے ہیں۔ اب آج ہم کو نہ نماز کا اہتمام ہے نہ طہارت کا۔ اور اہتمام ہو تو کیونکر ہو۔

ان چیزوں کو کوئی بیان ہی نہیں کرتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ شریعت کو اس طرح سے قوم کے سامنے پیش کرنا کہ دین انھیں محبوب ہوجائے کچھ آسان کام نہیں۔ اس کے لئے قوم کا مزاج اور ان کے حالات اور ان کی طبیعت کا میلان۔ ان سب باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ وہی شخص مصلح کہا جائے گا۔ ورنہ اسے عالم کہیں گے مصلح نہیں پس ہوسکتا ہے کہ ایک شخص عالم ہو مگر مصلح نہ ہو۔

ؔ تعلق کا ذریعہ۔

اللہ تعالیٰ نے امتوں کی اصلاح کیلئے ان میں انبیاء بھیجے اور انھیں کتابیں مرحمت فرمائیں جس کی تبیین ان حضرات نے امت کے سامنے کی۔ اور ان کو نفع ہوا حقتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اگلی امتوں کے ہلاک کے پیچھے (جبکہ ان زمانوں کے انبیاء کی تعلیمات نایاب ہوگئی تھیں اور لوگ ہدایت کے سخت محتاج تھے) کتاب (یعنی توراۃ) دی تھی جو لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اس کے تحت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بصائر۔ ہدایت اور رحمت میں باہم ربط کی تقریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے۔ یہ بصیرت ہے۔ پھر وہ احکام قبول کرتا ہے۔ یہ ہدایت ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے، یہ رحمت ہے"
(بیان القرآن)

سبحان اللہ کس قدر مرتبط کلام ہے۔ اور کیا مؤثر بیان ہے۔

حق کی وضاحت اور باطل کی قباحت کا بیان ضروری ہے

آج جو ہدایت نہیں ہو رہی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ تبیین نہیں ہو رہی ہے ورنہ تو محال ہے کہ عالم کامل کہیں ہو اور وہاں گمراہی باقی رہ جائے جو عالم کہ ایسا ہوگا وہ گمراہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدعتیں ظاہر ہو جائیں تو عالم کو چاہئے کہ اپنا علم ظاہر کرے۔ اگر نہ کریگا تو جہل عام ہو جائے گا اور بدعات کا شیوع ہو جائے گا اور تبیین کے بعد اگر یہ بھی نہ ہوا کہ سب لوگ بات مان جائیں تو ایسا بھی نہ ہوگا کہ کچھ لوگ بھی نہ مانیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک تعلیم پر جب زمانہ طویل گزر جاتا ہے تو صحیح تعلیم میں باطل کی آمیزش ہو جاتی ہے اسوقت ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی شخص حق کو باطل سے تمیز دے۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے تو دنیا کچھ اسی دور سے گزر رہی تھی کچھ چیزیں ملتِ ابراہیمی

کی بدعات یا تھیں اور کچھ باتیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے لوگوں نے دین میں ملادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لاکر اسکی تبیین فرمائی اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا اس کے بعد پھر فقہاء کا دور آیا۔ انھوں نے بھی کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کر کے دین متین کی تبیین فرمائی۔ علماء و مشائخ اگر اب اس زمانہ میں محض تبرک ہو کر رہجائینگے تو عوام کا تو پھر بیڑا ہی پار ہوجائے گا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ کام مشکل ہے۔ اس کا اجر تو حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ملنا ہے باقی مخلوق کی جانب سے تو کچھ تکلیف ہی پہونچتی ہے۔ اپنے بھی مخالفت کرتے ہیں اور غیروں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ایمان اور کفر میں ضد کی نسبت ہے۔ کفار ایمان پر حسد کرتے ہیں۔ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (محض حسد کی وجہ سے جو کہ تمھاری جانب سے کسی امر کے سبب پیدا نہیں ہوا بلکہ) خود ان کے دلوں ہی سے جوش مارتا ہے۔" حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل ایمان تو ایمان کی دولت پا گئے اور ہم لوگ محروم رہ گئے۔ اسلئے بجز اسکے کہ ان سے بھی نعمت کے چھن جانے کی تمنا کریں اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً (وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ جیسیں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہوجاؤ) یعنی یہ کفر کی تمنا اسلئے کرتے ہیں تاکہ تم اور یہ کفر میں برابر ہوجاؤ۔

اور ان حالات میں اپنوں سے جو ایذا پہونچتی ہے وہ یہ کہ ایسے فساد اخلاق اور فساد دین کے دور میں جب کوئی مصلح اصلاح اور تبیین کرنا چاہتا ہے تو اس کو کچھ تاثر کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ اسکی وجہ سے لوگ اس پر معترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تیز کہتا ہے۔ یہاں بھی ایک بڑے شخص آئے تھے۔ میرے متعلق کہتے تھے کہ کلام میں ذرا تیزی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اخلاص سے کہتے ہیں اسلئے لوگ گوارا کرتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب کو بلایا اور کہا کہ بتاؤ جی میرے کلام میں تیزی ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا نہیں تو کلام میں ایک زور۔ وزن اور شوکت ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ دیکھئے یہ لڑکا سمجھ گیا اور آپ نہیں سمجھے۔ اسپر ان صاحب نے کہا کہ منشا میرا بھی یہی تھا۔ لیکن میں اسکو ادا نہ کرسکا۔ میں نے کہا ہاں یہ صحیح ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کسی کے کلام کا مطلب سمجھے یا سیکھے اور ترجمانی نہ کرسکے۔

اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک شخص نے اپنے لڑکے کو وصیت کی تھی کہ لوگوں سے میٹھی اور نرم باتیں کرنا اور انھیں اونچی جگہ بٹھانا۔ بھاری کپڑوں میں ان سے ملنا اور قیمتی کھانا کھلانا۔ اس کے مرنے کے بعد کچھ لوگ تعزیت کیلئے آئیں اور ان صاحب سے جو باتیں کیں تو کسی کے جواب میں بولے گڑ اور کسی کے جواب میں کہا روئی اور باہر جو نکلے تو اس ہیئت میں کہ جاجم وغیرہ لپیٹے ہوئے تھے اور ان لوگوں کی نشست کے لئے ایک مچان کی طرف اشارہ کیا کہ اس پر بیٹھئے اور کھانے میں گوشت وغیرہ کا انتظام کیا لوگوں نے کہا کہ گوشت گلا نہیں ہے اس پر آپ کو غصہ آگیا اور کہا کہ واہ صاحب میں نے پچاس روپیہ کا اپنا قیمتی کتا آپ لوگوں کیلئے ذبح کر دیا اور آپ کہتے ہیں کہ گوشت گلا نہیں یہ سن کر ان لوگوں نے کھانے سے تو ہاتھ کھینچ لیا اور اس سے پوچھا کہ آج تمہاری سب باتیں خلاف معمول دیکھیں بتاؤ تو سہی آخر قصہ کیا ہے۔ گفتگو میں تو تم نے گڑ اور روئی کہا۔ ہمارے بیٹھنے کیلئے مچان بنایا اور جو چیزیں بچھانے وغیرہ کے کام میں آتی ہیں انھیں تم پہنے ہوئے ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے والد مرحوم کی وصیت پر عمل کیا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ لوگوں سے نرم اور شیریں کلام کرنا میں نے یہ دیکھا کہ گڑ سے زیادہ شیریں اور روئی سے زیادہ نرم کوئی چیز نہیں ہے اس لئے میں نے آپ کے سوال کے جواب میں روئی اور گڑ کہا تھا اور اونچی جگہ بٹھانے کے سلسلے میں میں نے مچان بنایا تھا کہ اس سے زیادہ اونچے بیٹھنے کے لئے اور کون سی جگہ ہوگی۔ اور بھاری اور قیمتی کپڑوں میں لوگوں سے ملنے کو فرمایا تھا تو میرے یہاں جو کپڑے ہیں ان میں اس سے وزنی اور کوئی کپڑا نہ تھا اور قیمتی کھانا کھلانے کو فرمایا تھا اس لئے میں نے اپنا قیمتی کتا ذبح کر دیا۔ تو دیکھئے یہ ہیں بات نہ سمجھنے کے ثمرات۔ ایک چیز کا منشا کچھ ہوتا ہے اور بے سمجھ آدمی اس سے کچھ اور سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ میں جو لوگوں سے کچھ کہتا سنتا ہوں اور کبھی کسی دوسرے انداز سے بھی کہہ دیتا ہوں تو اس کا منشأ تیزی نہیں ہے بلکہ غایتِ نصح اور خیر خواہی اور اس امر کی خواہش کہ مخاطب بات کو سمجھ لے اس کا منشا ہوتا ہے۔

یہ گفتگو تو تیزی سے متعلق تھی۔ اب دوسرے جز یعنی اخلاص کے بارے میں سنیے

یعنی ان صاحب نے یہ جو فرمایا کہ اخلاص سے کہتے ہیں اس لئے لوگ برداشت کرتے ہیں تو بھائی اخلاص تو باطنی چیز ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس میں اخلاص ہے کس میں نہیں. لوگوں کو کسی کے اندرونی چیز کا کیا حال معلوم ہو سکتا ہے اور اس کا وہ کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ریا کار ہے یا مخلص، تو سختی گوارا کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے بلکہ جس کو یہ صاحب تیزی کہتے ہیں اور برداشت کرنا کہتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ضرورت کے موافق کلام کرتا ہوں کسی کی بیجا رعایت نہیں کرتا جو بات حق ہوتی ہے صاف کہدیتا ہوں اسکو لوگ سمجھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی بہت سے نیک لوگ ہوں گے جو بددینی سے پریشان ہوں گے۔ مگر زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔ چنانچہ مجھے جب ان برائیوں پر گفتگو کرتے سنتے ہیں تو اسکو اپنی تائید سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا منشا میرے ذریعہ سے پورا ہو رہا ہے اس لئے مجھ سے خوش ہوتے ہیں۔ آخر حق بات کی تلاش تو سب کو رہتی ہے اور وہ اچھی بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے مجھ سے خوش ہوتے ہیں۔ رہا اخلاص وغیرہ تو اس کو وہ کیا جانیں۔

ان مولوی صاحب کو جو میرے کلام میں تیزی کے متعلق کہتے تھے میں نے یہ بھی سنایا کہ شیخ محی الدینؒ ابن عربی نے فتوحات میں فرمایا ہے کہ علماء ظاہر ہر زمانہ میں صوفیاء کے کلام کے سمجھنے میں توقف کرتے رہے اور تمہارے لئے امام احمدؒ و شریحؒ کا واقعہ کافی ہے کہ وہ ایک روز حضرت جنیدؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ تم نے ان کے کلام سے کیا سمجھا۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھ کو کچھ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا کہتے تھے۔ لیکن میں ان کے کلام کی ایک شوکتِ ظاہرہ قلب میں پاتا تھا۔ جو عمل فی الباطن اور اخلاص فی الضمیر پر دلالت کرتی تھی اور ان کا کلام صاحبِ باطل کا سا کلام نہ تھا۔ (التنبیہ الطربی ص۲۵)

میں یہ کہہ رہا تھا کہ بلاشبہ اصلاح وتبیین کا کام مشکل ہے اور کام کرنے والے کی مخالفت بھی کی جاتی ہے لیکن مخالف کو جو موافق بنا سکتا ہے وہ عمل ہے۔ محض قول اسکے لئے کافی نہیں یہ قول اور فعل میں تطابق کا زمانہ نہیں ہے لہٰذا صرف قول پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسکے لئے عمل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمل کی دلالت عقلی ہے اور قول کی

ہوتی ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ کسی کا فعل اسکے قول کے خلاف ہو۔ یعنی علم اچھا ہو اس لئے بول لیتا ہو مگر قوت عملیہ کمزور ہو ایسی حالت میں قول نافع نہیں ہوا کرتا۔

حاصل اس تمام تر گفتگو کا یہ ہوا کہ کام کرنے کے لئے اخلاص کی ضرورت تو ہے ہی یعنی کوئی کام چھوٹا ہو یا بڑا بغیر اخلاص کے مقبول نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الحدیث (اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے)

مگر ایک امر ضروری یہ بھی ہے کہ دعوت الی اللہ کے لئے علم کامل کی ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث کا علم ہو اور لوگوں کے احوال سے پوری طرح باخبر ہو۔ جبھی کچھ کام ہوسکتا ہے بغیر اس کے کام ممکن ہی نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق بخشیں)

ارشاداتِ مُصلحُ الامّةؒ

فرمایا کہ ـــــ بزرگوں کے الگ الگ اُصول ہوتے ہیں اور تمام ہی جگہ اُصول و قواعد مقرر ہیں۔ اسکول اور کالجوں میں بھی اُصول ہیں۔ کچہری اور دفتروں میں بھی اصول ہیں۔ پھر ہمیں لوگوں سے یہ بے اُصولی کیوں؟۔ اور ہمارا کچھ کہنا بداخلاقی کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

بات یہ ہے کہ مشائخ سے جیسا اعتقاد ہونا چاہئے ایسی عقیدت لوگوں کو ہوتی نہیں اسلئے ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں اور ان پر اعتراض ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بزرگوں کے فیض سے محروم رہتے ہیں۔ اب یا تو لوگ ان تک نہ پہونچنے کی وجہ سے محروم رہتے ہیں یا اگر ان کے پاس پہونچ بھی گئے ہیں تو ادب و عقیدت کی کمی کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔

اس زمانہ میں لوگوں میں حقیقت کی جگہ بناوٹ اور تصنع زیادہ آگئی ہے۔ ایک صاحب نے حضرت مولانا تھانویؒ کو مدراس سے لکھا کہ یہاں تشریف لائیے یہاں ہزاروں ہزار آدمی آپ کی زیارت کے لئے تڑپ رہے ہیں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ واہ یہ خوب محبت ہے کہ وہاں تو ہزاروں ہزار تڑپ رہے ہیں اور یہاں میرے پاس اُن میں سے دس بیس بھی نہیں آتے۔ یہ سب کچھ

نہیں ہے بس اپنی مجلس کو رونق دینے کے لئے اور جلسہ میں ذرا گرمی پیدا کرنے کے لئے مجھے بلانا چاہتے ہیں۔ میں نہیں آؤں گا۔

جان لو کہ بزرگوں سے نفع جو ہوتا ہے تو اعتقاد کی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر عقیدت ہی میں کمی ہوتی ہے تو قلب میں انکی طرف سے انکار اور اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دہلی میں ایک بزرگ تھے ان پر لوگوں کو اعتراض تھا. علماء کو بھی تھا. بادشاہ کو بھی رہا ہوگا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے اس فعل کی وجہ بیان کیجئے ورنہ ہم آپ سے مناظرہ کرینگے. انھوں نے کہا بہتر ہے بادشاہ کے سامنے مجمع عام میں کل اس مسئلہ پر گفتگو کر لی جائے۔ لوگوں نے کہا کہ مناظرہ میں تو ضرورت پڑتی ہے حَکَم کی. حَکَم ہمارے اور آپ کے درمیان کون ہوگا انھوں نے فرمایا کہ زکریا ملتانیؒ (زکریا ملتانی مشہور بزرگ تھے اسلئے سب لوگ آپکو جانتے تھے) لوگوں نے کہا کہ کہاں دہلی اور کہاں ملتان اور کل ہی کا دن ہے زکریا ملتانی کیسے آسکتے ہیں؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ آجائیں گے۔

دوسرے دن سب لوگ جمع ہوئے یہ بزرگ بھی آئے اور سب سے پیچھے جوتوں میں بیٹھ گئے لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت آگے تشریف لائیے۔ فرمایا کہ نہیں. اسوقت میں مجرم کے خانہ میں ہوں یعنی مجھ پر فردِ جرم لگی ہوئی ہے لہٰذا میری جگہ یہی ہے. ابھی سب لوگ بیٹھے ہی تھے کہ حضرت زکریا ملتانی بھی تشریف لے آئے (معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بزرگ نے باطنی طور پر خبر بھیجدی ہوگی کہ ہم پر مقدمہ قائم ہے آیئے اور آکر فیصلہ فرمایئے) غرض حضرت آگئے اور آتے ہی مجمع پر ایک نظر ڈالی اور ان بزرگ کے پاس پہونچ کر ان کا جوتہ لے کر اپنے سینہ سے لگا لیا اور سر پر رکھ لیا۔ اب جو لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو سٹ پٹا گئے کیونکہ حضرت زکریا وقت کے مسلّم بزرگ تھے. لوگوں نے دیکھا کہ جب حضرتؒ زکریا ملتانی انکی ایسی تعظیم کر رہے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرتبہ میں یہ ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، سب کے سب بہت ہی نادم ہوئے اور مناظرہ ختم ہوگیا۔

تو دیکھئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کسی بزرگ کی معرفت نہیں ہوتی اس لئے وہ سمجھتا کچھ ہے اور وہ ہوتے کچھ اور ہیں۔

کیدِ نفس کی صورت | چونکہ دام تو خدا کے راضی کرنے میں لگے نہیں اسلئے یہ بیقدری ہے مَا قَدَرُو اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ (انھوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسی اسکی قدر پہچانی چاہیئے تھی) اس لئے خدا کا راضی کرنا آسان سمجھتے ہیں بہ نسبت مخلوق کی نظر سے گر جانے کے۔ چونکہ مخلوق کی نظر سے گر جانا گراں اور ناگوار ہے اس واسطے یہ حضرت باوجود تنبہ کے وہ حکایت تو پوری کر ہی دیتے ہیں کیونکہ بیچ میں چھوڑنے سے سننے والے دل میں یہ کہیں گے کہ حضرت نے غیبت شروع ہی کیوں کی تھی۔ تو معلوم ہوا کہ ان حضرت کو دورانِ گفتگو ہی میں یہ خبر ہو گئی تھی کہ میں غیبت کر رہا ہوں پھر بھی اسکو چپکے چپکے کہے چلے گئے۔ یہ تو مقدس نفوس کی حالت ہے دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیتے ہیں کہ آئندہ کو خیال رکھیں گے اب جو غیبت شروع کر چکے ہیں اسے تو کر ہی لو۔ تاکہ سننے والا اسی گمان میں رہے کہ حضرت غیبت کرتے ہی نہیں۔ اس کا بھی پتہ نہ چلے کہ حضرت غیبت کرتے ہوئے بیچ میں چھوڑ دیتے ہیں۔ کتنا بڑا کید نفس کا ہے۔ کچھ حد ہے۔ تو یہ کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ جی اتنا بھی بُرا نہیں ہوتا جیسا عادتِ صدور کے قبل ہوتا۔ اور میں بجائے ہوتا کے یوں نہ کہوں گا کہ قبل عادت صدور ہوا تھا۔ کیونکہ ایسا کبھی ہوا ہی نہیں کہ غیبت کے ارتکاب کی عادت نہ ہوئی ہو۔ غرض یہ ہے کہ ایسا جی بُرا نہیں ہوتا جیسے شراب پینے میں۔ جو اول اول شراب پیتا ہے اس کا بہت جی بُرا ہوتا ہے۔ اسی طرح افیون جو اول اول کھاتا ہے اُسے بہت تکلیف ہوتی ہے خاصکر اگر سُن لیں کہ افیون گناہ بھی ہے تب تو اور بھی جی بُرا ہوتا ہے۔ ویسے خود طبیعت بھی ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتی مگر باوجود اس کراہتِ طبعی کے جب عادت افیون کھانے کی پڑ جاتی ہے تو پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر نہ ملے تو پریشان اور حیران ہوتا ہے اور آدمی تو آدمی۔

لکھنؤ کا واقعہ ہے۔ ایک بندر کا قصہ سُنا ہے کہ وہاں کسی بزرگ نے یعنی کسی افیونی نے کھلا کھلا کر ایک بندر کو افیون کی عادت ڈالدی۔ بڑا سا بندر تھا یہ حکایت سُنی ہے واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہے کہ وہ سڑک پر پڑا رہتا تھا بڑا سا بندر تھا۔ جو کوئی سفید پوش اُدھر سے گذرتا اُس کا دامن پکڑ کر بیٹھ جاتا مگر کاٹتا نہ تھا کیونکہ افیون کھانے سے

آدمی خوش اخلاق بہت ہو جاتا ہے۔ غصہ تو رہتا ہی نہیں۔ مگر کوئی صاحب اس غرض کے واسطے کہیں کھانا شروع نہ کر دیں۔ کسی کا اس نے دامن پکڑا وہ ڈرا کہ کہیں کاٹ نہ کھائے کوئی شخص اسکے حال سے واقف آ گیا اُس نے کہا آپ ڈریئے نہیں۔ ایک پیسہ دیدیجئے اس کو افیون کی عادت ہے۔ افیون کے لئے پیسہ مانگ رہا ہے۔ بس انھوں نے پیسہ دیدیا۔ اُس نے پیسہ لیتے ہی دامن چھوڑ دیا بس وہ اسی طرح ہمیشہ سفید پوشوں سے پیسہ وصول کرکرکے کسی افیون کی دکان پر پہونچتا تھا۔ سب کو اس کا حال معلوم تھا ہی دُکاندار نے کٹوری میں افیون گھول کر سامنے رکھدی اُس نے پی لی اور کونہ میں آپ بیٹھ گئے مراقب۔ اب آپ بیٹھے پینک میں جھوم رہے ہیں اور مزے لے رہے ہیں۔ مگر ہمیشہ ایک ہی شخص کو نہ ستاتا تھا ہر روز اس کا مظلوم ایک مختلف شخص ہوتا تھا۔ بیچارہ بہت بھلا مانس بلکہ بھلا بندر تھا۔ بھلا مانس تو کیوں ہوتا مانس تو آدمی کو کہتے ہیں۔ غرض عادات کا خاصہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ آدمی تو کیا جانوروں میں بھی اس سے طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ تو وجہ کیا؟ وجہ یہ ہے کہ چونکہ جی بُرا نہیں ہوتا اسلئے مانع طبعی نہیں ہے اور تجربہ ہے کہ ہم لوگوں کے افعال میں بھی اور تروک میں بھی یعنی جو افعالِ محمودہ ہم ترک کرتے ہیں یا جن افعالِ مذمومہ سے ہم بچتے ہیں اس میں محض داعیۂ عقلی کافی نہیں یعنی محض اسکے ذریعہ سے اس فعل اور ترک پر سہولت سے قادر نہیں ہو سکتے بلکہ ضرورت اسکی ہے کہ کچھ طبعی تقاضا بھی ہو۔

توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے اب ہم نماز جو پڑھتے ہیں تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ ہم بڑا کام کرتے ہیں۔ حالانکہ نمازی سوچ لیں کہ نماز کے وقت قلب میں نماز کا تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ اگر نہ پڑھیں تو جی بُرا ہو اور دل پر بڑا بوجھ رہے۔ تو حضرت یہ وہ چیز ہے جو پانچوں وقت زبردستی نماز کے لئے کھڑا کر دیتی ہے حدیث میں ہے سہ

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

یعنی لولا ہدایۃ اللہ الخ (اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت نہ ہوتی) اور ہدایت بھی کونسی ارائۃ الطریق (راستہ دکھانا) بھی نہیں۔ ایصال الی المطلوب (مقصود تک پہونچا دینا)" واللہ اگر خدا کی

ہدایت اور اس کا فضل نہ ہوتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ صدقہ ہی دیتے نہ نماز ہی پڑھتے۔"
اگر وہ کشش نہ فرمائیں تو ہم سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا ؎

اگر از جانب معشوق نہ باشد کششے کوشش عاشق بیچارہ بجائے نرسد

(اگر معشوق ہی کیطرف سے کشش نہ ہوتی تو بیچارے عاشق کی کوشش کچھ بھی بار آور نہ ہوتی "۔

یہ جو کچھ ہم سے نماز روزہ ہورہا ہے یہ محض خدا کا فضل وکرم ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ یہ میری طلب کا نتیجہ ہے ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت راتہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

(مشک افشانی کرنا آپ ہی کی زلف کا کرشمہ ہے۔ لیکن مصلحتاً عشاق نے چین کے ہرن پر اس کی تہمت رکھ دی ہے) مگر نسبت آپ کے ارادہ ہی کی طرف کردیجاتی ہے تاکہ آپ کا جی خوش ہو ہمت بڑھے۔ جیسے بچہ سے باپ پتھر اٹھوا دیتا ہے۔ پتھر بچے سے تو اٹھتا نہیں لیکن باپ اٹھوا دیتا ہے اس طرح کہ ہاتھ تو لگا دیتا ہے اس کا لیکن اٹھانے جاتا ہے خود بلکہ بچے کو بھی خود اٹھا لیتا ہے اس طرح کہ ایک گود میں تو بچہ اور ایک گود میں پتھر۔ پھر کہتا ہے کہ واہ بھائی واہ بڑا بھاری پتھر اٹھا لائے شاباش۔ آہا اب تو ماشاء اللہ تم پہلوان ہوگئے وہ بچہ خوش ہوتا ہے سمجھتا ہے کہ ہم سچ مچ پہلوان ہو گئے۔ اُلّو کہیں کا۔ وہ کیا پہلوان ہوتا وہ تو باپ نے دراصل پتھر اٹھایا ہے لیکن اس نے اپنے بچہ کی ہمت بڑھانے کے لئے اسکا بھی ہاتھ برائے نام لگا کر اٹھانا اسی کی طرف منسوب کردیا۔ اسی طرح انسان بڑا خوش ہوتا ہے کہ میں نے نماز پڑھی ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے خود ایک گود میں آپ کو اور ایک گود میں نماز کو لیکر دونوں کو منزلِ مقصود تک پہونچا دیا ہے کام تو خود کیا اور نام آپ کا کیا کہ انھوں نے ہماری نماز ادا کی ؏ مصلحت راتہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند۔ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گُل نسیم صبح تیری مہربانی

حقیقت میں انھیں کا فضل ہے انھیں کی رحمت ہے کہ ہمیں اس طرح سے نیک کاموں کی توفیق دے رکھی ہے۔

گناہوں کی جڑ بہر حال اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بدون مانع طبعی کے گناہوں سے بچنا

نہایت دشوار ہے اس لئے ضرورت ہے طبعی کراہت کی بھی۔ سو قبل صدورِ معصیت تو طبعی کراہت ہوتی ہے لیکن جب گناہ صادر ہوگیا تو وہ اب طبعی نفرت کم ہوئی۔ پھر صدور ہوا تو اور کم ہوئی پھر اور کم ہوئی۔ اسی طرح کم ہوتے ہوتے پھر نفرت طبعی تو رہتی نہیں۔ صرف عقلی رہجاتی ہے ایمان تو رہتا ہے مگر وہ جو پہلے ایک عرفان کی کیفیت تھی اور ایقان کی وہ جاتی رہتی ہے پھر ہر موقع پر سخت مقاومت کی ضرورت پڑتی ہے وہ جو آسانی سے بچا رہتا تھا وہ بات نہیں رہتی اسلئے ضرورت ہے کہ ہر مسلمان محض اکتساب فضائل ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ گناہوں کو بھی چھوڑ دے یک لخت اور دفعۃً اسکا اہتمام کرے چند روز تو اہتمام کرنا پڑے گا پھر سہولت ہو جائے گی۔ حالت موجودہ میں چونکہ طبعی نفرت گناہوں سے جیسی چاہئے ویسی نہیں ہے اسلئے کوئی غیبت میں مبتلا ہے کوئی حرام خوری میں مبتلا ہے، کوئی کینہ میں مبتلا ہے، کوئی حسد میں مبتلا ہے، کوئی تکبر میں مبتلا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ ان گناہوں کے چھوڑنے کی فکر بھی نہیں۔ بہت سے ایسے ہیں کہ چوری نہیں کرتے، شراب خوری نہیں کرتے بہت سے ایسے گناہوں سے بچے ہوئے ہیں نمازوں کے بھی پابند ہیں۔ باقی حسد، کینہ، تکبر، دوسروں کو ذلیل سمجھنا، کسی کے ساتھ بدگمانی کرنا ان کو تو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ ایسے گناہ ہیں کہ سب گناہوں سے بڑھ کر۔ بلکہ یہ جڑ ہیں سب گناہوں کی۔ چونکہ ان گناہوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اسلئے بے تکلف ارتکاب کرتے ہیں اور ارتکاب کے بعد اپنے کو مقدس بھی سمجھتے ہیں۔ شراب پینے والے کو فاسق و فاجر سمجھتے ہیں اور اپنے کو مقدس سمجھتے ہیں حالانکہ کیا حق ہے انھیں اپنے آپ کو مقدس سمجھنے کا۔ ؎

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام　　زہے شریعت و ملت زہے طریقت و کیش

(لوگ ریاکاری کو حلال سمجھتے ہیں اور جام شراب کو حرام کہتے ہیں تو کیا خوب انکی شریعت و ملت ہے اور یہ عجیب طریقت و سلوک ہے) یہ عجیب شریعت ہے اور یہ عجیب طریقت ہے۔ دونوں کی خبر لی ہے حضرت حافظ شیرازیؒ نے۔ مولویوں کی بھی اور درویشوں کی بھی۔ یعنی یہ عجب مولویت ہے اور یہ عجب درویشی ہے کہ ریا کو اور نمائش کو اور جو اخلاقِ رذیلہ نفسانیہ ہیں ان کو تو حلال سمجھتے ہیں ہاتھ میں تسبیح

ہے اور غیبتیں کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ بعض کو تو دیکھا کہ تسبیح پڑھتے پڑھتے تھوڑی دیر کیلئے پڑھنا منقطع کر دیتے ہیں اور اس توقف میں غیبت کر لیتے ہیں۔ مگر تماشہ تو ہم نے یہ دیکھا کہ تسبیح کے دانے بھی برابر چل رہے ہیں اور غیبت بھی کر رہے ہیں۔ نہیں معلوم غیبتیں شمار کر رہے ہیں۔ پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ ہمارا قلب ذاکر ہے بس اس ذکر کو ہم گنتے ہیں۔ سبحان اللہ یہ حال ہے ع

سبحہ برکف توبہ برلب دل پر از ذوق گناہ معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما

سبحہ سین سے ہے یعنی تسبیح (ہاتھ میں تسبیح اور لبوں پر توبہ ہے لیکن دل گناہ کی لذت سے پُر ہے ہمارے ایسے استغفار پر تو گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے)

ہماری توبہ ایسی ہے کہ اس پر گناہ ہی ہنسیں تو تعجب نہیں۔ کیونکہ دل سے تو گناہوں کے کرنے کے لئے تیار ہیں اور زبان سے ان گناہوں کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو واقعی استغفار کی حالت ہے نہ کہ استغفار بھی نہ ہو بلکہ ہاتھ میں تو تسبیح ہے اور بجائے استغفار کے اُلٹی غیبتیں کر رہے ہیں کر تو گناہ رہے ہیں اور دکھانے کو کھٹ کھٹ تسبیح بھی چل رہی ہے۔ پس نفلیں اور تسبیح پڑھنے کا نام تقدس اور بزرگی رہ گیا ہے بالخصوص عورتوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی بڑی معراج یہ ہے کہ قرآن ختم کر لیا اور حضرت اگر دو ایک سیپارہ بھی روز پڑھنے لگیں پھر تو رابعہ بصریہ ہو گئیں اور اگر ترجمہ بھی پڑھ لیا تب تو حضرت عائشہؓ سے بھی بڑھ گئیں۔ حضرت فاطمہؓ سے بھی آگے نکل گئیں۔ ایسی جلدی ناز ہوتا ہے، ان کو کہ ایک بیوی تھیں ذرا دیندار ان کا شوہر تھا ذرا عامی شخص۔ تو آپ کیا کہتی ہیں کہ اللہ اللہ مجھ جیسی پارسا اور افسوس ایسے سے بیاہی۔ ہے کمبخت اپنے منہ سے پارسا کہتے شرم بھی نہ آئی اپنے آپ کو پارسا سمجھنے سے سب کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔ جہاں خیال میں آیا کہ میں کچھ ہوں بس سب کیا دھرا برباد ہو گیا۔ تو صاحب کاہے پر ناز کرتے ہو۔

الغرض ان کو بڑی جلدی ناز ہو جاتا ہے تو کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ تقدس فقط اسکو سمجھتی ہیں کہ نفلیں پڑھ لیں، وظیفے پڑھ لئے، قرآن پڑھ لیا، ترجمہ سیکھ لیا اور جو بی بی جی بھی ہو گئیں یعنی دو چار لڑکیوں کو بھی پڑھانے لگیں پھر تو معلم الملکوت ہو گئیں کیونکہ بچے بھی

معصوم ہونے میں فرشتوں کے مشابہ ہیں اور چونکہ اسی میں منحصر سمجھ لیا ہے طاعتوں کو کہ ہم دس لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں اسلئے غیبت سے وہ نہیں بچتی تکبر سے وہ نہیں بچتی، کینہ اور حسد سے وہ نہیں بچتی، کسی پر طعن کرنا، کسی کا دل دکھانا، کسی کو کوسنا کاٹنا، فخر کرنا، شیخی بگھارنا دعویٰ کرنا یہ اسکے نزدیک گویا گناہ ہی نہیں اس میں سب مبتلا ہیں۔ خاصکر جو نیک بیبیاں ہیں ان کے یہاں رات دن یہی باتیں ہیں۔

حقوق اللہ کی حقیقت حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بہت نمازیں پڑھتی ہے، بہت روزے رکھتی ہے، بہت قرآن پڑھتی ہے وَلٰکِنْ تُؤْذِیْ جِیْرَانَھَا "لیکن زبان دراز ہے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے" حضورؐ نے یہ سُنکر فرمایا ھِیَ فِی النَّارِ "وہ دوزخی ہے" اور یہ بھی پوچھا گیا یا رسول اللہ ایک عورت ہے کہ وہ بہت نماز روزہ تو نہیں کرتی۔ یہ نہیں کہ فرض نماز روزہ بھی نہ کرتی تھی مطلب یہ تھا کہ بہت نفل نمازیں نہ پڑھتی تھی اور بہت نفل روزے نہ رکھتی تھی جیسے ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ مولوی جی میں آٹھ وقت کی نماز پڑھتی ہوں۔ میں نے کہا کمبخت۔ اللہ میاں نے تو پانچ وقت کی نماز فرض کی اور تو آٹھ وقت کی پڑھتی ہے۔ اگر تہجد اشراق اور اوابین کی نفلیں مراد ہیں تو کہاں نفل نماز کہاں فرض نماز۔ ان کو ان میں کیوں ملاتی ہے۔ یوں کیوں نہ کہدیا کہ میں یہ یہ نفلیں پڑھتی ہوں۔ فرضوں کے ساتھ نفلوں کو بھی آپ نے ملا دیا اور بنا دیا کہ میں آٹھ وقت کی نماز پڑھتی ہوں تاکہ یوں معلوم ہو کہ آٹھوں نمازیں ایک ہی درجہ کی ہیں۔ یہ حالت ہے۔ تو وہ عورت زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی جیسا کہ بعض عورتیں نفلیں بہت پڑھا کرتی ہیں۔ اور نفل روزے بہت رکھتی ہیں یعنی شب برات کا روزہ، مریم روزہ، شش عید کے روزے۔ تو بعضی جو نیک عورتیں ہیں وہ نفلیں بہت پڑھا کرتی ہیں۔ روزے بہت رکھا کرتی ہیں۔ یہ بات نہیں تھی اُس بیچاری میں یعنی ضروری ضروری نماز روزہ کرتی تھی وَلٰکِنْ لَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَھَا "لیکن زبان دراز نہیں تھی اور اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی تھی" آپ نے فرمایا ھِیَ فِی الْجَنَّۃِ "وہ جنت میں ہے"۔ حضرت خدا کے یہاں اول تو اسپر نظر ہے یعنی حقوق اللہ کی نسبت حقوق العباد پر زیادہ نظر ہے کیونکہ حقوق اللہ جو ہیں وہ دراصل ہلو کے ہی حقوق النفس ہیں مگر یہ حقتعالیٰ کی رحمت اور شفقت ہے کہ اگر کوئی اپنے حق کو ادا کرے مثلاً نماز پڑھے تو وہ بھی کہتے ہیں

کہ اس نے میرا حق ادا کیا تاکہ جی خوش ہو اور دل بڑھے کہ کتنا بڑا فضل ہے کہ کیا تو میں نے اپنا کام۔ خدا نے اسکو اپنا کام بنالیا۔ نماز روزہ وغیرہ کو خدا نے اپنا حق قرار دیا حالانکہ حقیقت میں یہ سب ہمارے ہی حقوق ہیں کیونکہ حق وہ ہے کہ اگر اس کو ادا نہ کیا جائے تو صاحبِ حق کا ضرر ہو جیسے کسی کے دس روپیہ ہمارے ذمہ ہیں اگر ہم نہ دیں تو اس کا ضرر ہے سو اگر ہم نماز روزہ نہ کریں تو خدا کا کیا ضرر ہے۔ وہاں تو یہ کیفیت ہے مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ "جو شخص کفر کر رہا ہے تو اسکے کفر کا وبال اسی پر پڑیگا" اور یہ شان ہے کہ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ "اگر تم کفر کرو گے تو خدا تعالیٰ تمھارا حاجتمند نہیں۔ اور وہ اپنے بندوں کیلئے کفر کو پسند نہیں کرتا" یعنی اگر تم کفر بھی کرو تو حق تعالیٰ پسند تو نہیں کرتا لیکن اس کا نقصان نہیں تو حضرت اس واسطے جو حقوق اللہ ہیں وہ بھی ہمارے ہی حقوق ہیں اگر نماز روزہ نہ کریں تو ہمارا ہی نقصان ہے خدا کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔

ظاہر ہے جب یہ بات ہے تو حق تعالیٰ کی اسپر زیادہ نظر ہیکہ کون تو ایسا ہے جو اپنے حقوق کی زیادہ نگہداشت کرتا ہے اور کون ایسا ہے جو دوسروں کے حقوق کی رعایت کرتا ہے۔ فقہار نے لکھا ہے اس کا قاعدہ کہ حَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ عَلٰى حَقِّ اللّٰهِ حقوق العباد حقوق اللہ پر مقدم ہیں" بہت سی نظیریں اسکی ہیں مثلاً زکوٰۃ ہے۔ اس کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ جو مقروض ہو اسکے ذمہ زکوٰۃ نہیں۔ اسواسطے کہ زکوٰۃ ہے خدا کا حق۔ اور قرض ہے بندہ کا حق اور بندہ کا حق مقدم ہے خدا کے حق پر۔

اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے عوام کو کہ جب خدا بڑا ہے تو اس کا حق بھی بڑا ہونا چاہئے لیکن میری اس تقریر سے وہ بھی رفع ہو گیا کہ وہ تو مجازاً کہا جاتا ہے خدا کا حق۔ دراصل وہ تو اپنے ہی نفس کا حق ہے پھر جو حق تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر دی تو اسواسطے چونکہ اُس نے حکم کیا اور حکم کیوں کیا ؟ حکم اسلئے کیا کہ بندہ کے نفس کو نفع پہونچے تو دو حیثیتیں ہیں۔ اس قسم کے حق کی۔ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے اس حیثیت سے تو وہ حق اللہ ہے مگر یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس حکم کی بنار کیا ہے۔ سو بنار کیا یہ ہے کہ اس میں

کوئی خدا کا نفع ہے؟ نہیں بلکہ اس حکم کرنے کی بنار فقط یہ ہے کہ بندہ کے نفس کو نفع پہنچے اس حیثیت سے وہ حق نفس ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے ہم نے کسی کی دعوت کی کوئی مہمان ہے ہمارا اگر وہ کھانا کھائے گا تو اسی کا نفع ہے ہمارا کوئی نفع نہیں کیونکہ اس کا کھانا ہمارے پیٹ میں تھوڑا ہی چلا جائے گا اور اگر وہ نہ کھائے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں اسی کا نقصان ہے۔ یوں تعلق کی وجہ سے ہم یہ کہدیں تو اور بات ہے کہ دیکھئے میرا کہنا مان لیا اور کھانا کھالیا یہ ہماری لیاقت کی بات ہے کہ اس کے کھانے کو اپنا نفع اور اسکے نہ کھانے کو اپنا ضرر سمجھیں۔ تو حقیقت میں نفس کے حق پر دوسرے کے حق کو مقدم کیا گیا ہے اس پر فقہار کی بہت نظر ہے یہاں تک کہ اس تقدیم پر بہت سے احکام متفرع کئے گئے ہیں۔

حقوق العباد کے غفلت لیکن باوجود تقدیم حقوقِ غیر کے ہمارا معاملہ ایسا ہے لوگوں کے ساتھ جیسے بھیڑیا کا بھیڑ کے ساتھ کہ پرائے حق کو کھاتے ہیں پرائی آبرو برباد کرتے ہیں غیبتیں کر کر کے شکایتیں کر کر کے۔ بات کہنے میں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ کسی کو ناگوار ہوگی جو جی میں آیا پھٹ سے کہدیا کسی کو رنج ہو تو ہوا کرے اور سیاست بھی کرتے ہیں تو محض غیظِ نفس سے حالانکہ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است　　چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

(سختی اور نرمی ملی جلی بہتر ہے جیسے فصد کھولنے والا کہ اگر زخم لگاتا ہے تو پھر مرہم پٹی بھی کرتا ہے)

جس پر سیاست کرنے کا حق ہو اس پر کبھی کبھی سختی بھی کر سکتے ہیں مگر حدود سے تو خارج ہونا جائز نہیں ہے کیونکہ سیاست کے بھی حدود ہیں سختی کے بھی حدود ہیں سزا کے بھی حدود ہیں۔ اب تو محض غیظ نفس منشار ہوتا ہے۔ ہم لوگ ایسے ایسے گناہوں میں تو مبتلا ہیں پھر اپنے آپکو سمجھتے ہیں کہ ہم مقدس ہیں بلکہ جو فاسق فاجر نہیں اکثر دیکھا کہ ان میں تکبر ہوتا ہے جو بدترین گناہ ہے۔ پھر مقدس ہی کہاں رہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر یہ گناہ ہوں تو۔ اور دوسرے گناہ ہوں تو۔ ہمارا یہ برتاؤ ہو رہا ہے۔ اے صاحب! خیر گناہ سے جی برا نہ ہو تو خدا نے عقل تو دی ہے ذہن تو دیا ہے کان تو ہیں کانوں میں تو پڑا تھا کہ یہ گناہ ہے۔ پھر چاہے جی برا ہوتا نہ ہوتا اس سے بچنا چاہئے تھا۔ خلاصہ یہ کہ چونکہ گناہوں کا چھوڑنا ایک امر عظیم الشان ہے، اسلئے میں نے پہلے اسکا بقدر ضرورت بیان کر دیا

(۷۵۱) فرمایا کہ جتنا کوئی محقق ہوگا اتنا ہی بدنام ہوگا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکی نظر گہری ہوتی ہے لوگ وہاں تک پہونچتے نہیں بظاہر اسکی باتیں ان کو خلاف معلوم ہوتی ہیں اس لئے کفر تک کا فتویٰ قائم کر دیتے ہیں اس لئے محققین ہمیشہ بدنام ہوئے ہیں۔ مگر کیسے لوگ تھے کہ ایسی بڑی بڑی تصنیفات کی ہیں کہ عادۃً قلیل عمر میں ایسا ہونا دشوار ہے اور پھر یہ کہ عبادات بکثرت کرتے تھے مثلاً دوسو رکعت یومیہ یا اور زیادہ نفل پڑھتے تلاوت بہ کثرت کرتے تھے۔ ہم لوگ اگر دوسو رکعت نفل پڑھیں تو اور سب کاموں کو چھوڑیں جب ایسا کر سکتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب انسان کو عالمِ ارواح سے مناسبت ہوجاتی ہے تو وہ زمان و مکان کے ساتھ زیادہ مقید نہیں رہتا اس کے کام میں برکت ہونے لگتی ہے یہ حضرات متقدمین ایسے ہی تھے اور اس برکت میں زیادہ دخل تقویٰ کو ہے۔

(۷۵۲) فرمایا کہ بیعت میں جلدی اچھی نہیں جب خوب محبت ہوجائے پیر سے اسوقت بیعت زیادہ نافع ہے۔ اسکی ایک مثال ہے اور ہے تو فحش مگر بیان کئے دیتا ہوں۔ ایک تو ہے نکاح کرنے کے بعد بیوی پر عاشق ہونا کہ ماں باپ نے نکاح کر دیا اسکے بعد محبت ہوجاتی ہے۔ اور ایک ہے عاشق ہو کر نکاح کرنا دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسی قدر دوسری صورت میں ہوتی ہے پہلی صورت میں عشرِ عشیر بھی نہیں۔ کیونکہ دوسری صورت میں مدتوں پیچھے پھر کر تکلیف اٹھا کر نکاح ہوگا تو وہ شخص جیسی بیوی کی قدر کرے گا پہلی صورت والا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بیعت بھی ہے کہ ایک تو وہ شخص ہو کہ آتے ہی بیعت ہوجائے۔ اور ایک وہ کہ عاشق ہو کر بیعت ہو۔ پوری قدر اس کو ہوگی بیعت کی۔

(۷۵۳) حضرت والا کے ایک ملازم نے اپنے والدین کو سخت باتیں کہی تھیں حضرت نے اسکے والد کو معہ اس کے بلا کر معافی چاہنے کو کہا۔ اس نے معافی چاہی اور والدہ کے پاس بھی بھیجا کہ معافی چاہو۔ چنانچہ وہ گیا اور معافی چاہی۔ پھر فرمایا اگر والدین سے کسی وقت تکلیف بھی پہونچے تو برداشت کرو۔ انھوں نے تمھارے

لئے کتنی تکالیف اٹھائی ہیں۔ جو بات تم کہنا چاہتے تھے وہ دوسرے طریقے سے کہہ دیتے۔ بھائی اعتراض واستغفار کے طور پر کہنا ٹھیک نہیں صاف گو ہونا اچھا۔ مگر بدگو نہ ہونا چاہئے میں شفقت سے کہتا ہوں۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑو۔ ماں سے بھی معاف کراؤ۔ اسنے باپ سے کہا مجھ سے غلطی ہوئی میں معافی چاہتا ہوں میں کبھی ایسا نہ کروں گا۔ اور حضرت سے کہا کہ آپ جب چاہیں آئندہ تحقیق کر لیا کریں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اس کا لہجہ کچھ ایسا ہے جس سے بدخلقی معلوم ہوتی ہے۔

(۶۵۴) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ طلوع کے وقت جو نماز پڑھنا منع ہے تو اس کے لئے کتنا وقت ہے۔ فرمایا کہ آفتاب اتنا روشن ہو جائے کہ اس پر نگاہ کرنے سے نگاہ خیرہ ہو جائے۔

(۶۵۵) فرمایا کہ غیبت اصل میں جہاں مصلحت شرعی نہ ہو ناجائز ہے اور جہاں مصلحت شرعی ہو جائز ہے مثلاً کسی نے ظلم کیا حاکم کے یہاں جا کر اس کا حال بیان کرنا جائز ہے۔ یا مثلاً کوئی شخص کسی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے وہ چور ہے اور آقا کو خبر نہیں اور ایک شخص کو اس کا حال معلوم ہے تو اس کو مطلع کر دینا ایسے عیوب پر جائز ہے۔ البتہ غیبت کر کے اپنے غصہ کا فرد کرنا یہ برا ہے۔ اور بعض اوقات مقصود تو ہوتا ہے شفائے غیظ[۱] مگر تاویل سے کوئی دوسری بنا غیبت کرنے کے لئے نکالی جاتی ہے اور اس قسم کی غیبت فقہاء اور علماء میں بہت ہے اور یہ بھی برا ہے۔ اس سے تو فساق ہی کی غیبت اچھی۔ کیونکہ وہ اس کو غیبت ہی نہیں سمجھتے اور فساق برا جانتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے غیبت کی پوری تفصیل کی ہے۔ یہاں تک لکھا ہے کہ کسی کے مکان اور کپڑے وغیرہ کو بھی برا کہنا غیبت میں داخل ہے۔ اور کافر کی برائی جو کفر کے متعلق ہو وہ تو جائز ہے اسکے علاوہ جائز نہیں۔

(۶۵۶) فرمایا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں۔ اسلم طریق یہ ہے کہ جس سے بیعت ہونا چاہے ایک مدت معتد بہا تک اس کو جانچے جس کے دو طریق ہیں۔ ایک مصاحبت طویلہ یعنی مدت کافیہ تک اسکے پاس رہے اور یہ احوط ہے۔ دوسرا طریق مکاتبت طویلہ یعنی اس

---

[۱] غصہ کا ٹھنڈا کرنا

سے کچھ طریق پوچھ کر اس پر عمل کرے پھر اپنے احوال سے اسکو اطلاع دے پھر جو وہ تجویز کرے اس کا اتباع کرے۔ اسی طرح مدت دراز تک کرتا رہے بعد اسکے اگر دل چاہے بیعت کی درخواست کرے۔ پھر دوسرا جو کچھ جواب دے اسپر راضی رہے۔

(۶۵۷) فرمایا کہ اصلاح اعمال وکثرت استغفار کو دفع طاعون میں بڑا دخل ہے۔

(۶۵۸) فرمایا کہ پڑیا کے رنگے ہوئے کپڑے سے نماز نہ پڑھنا بہتر ہے اور پڑھنے میں بھی گنجائش ہے۔

(۶۵۹) ایک شخص نے دریافت کیا کہ نماز سنتِ فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فرض فجر کیلئے جاتا ہوں اسوقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں یا نہیں فرمایا کہ اس وقت نہ تحیۃ الوضوء ہے نہ تحیۃ المسجد۔ نیز ان سنتوں کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ بلکہ جمیع سنن مؤکدہ کا تاکہ اتہام یا تشبہ باہل بدعت سے محفوظ رہے جو کہ تارکین سنن کے ہیں

(۶۶۰) فرمایا کہ درود شریف جس قدر ہو موجب برکت ہے باقی کسی درود میں یہ خاصیت نہیں کہ اس سے ضرور زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جائے اسکے لزوم کا اعتقاد نہ کیا جائے ہاں تمنائے زیارت رکھئے اور اسکے لئے صرف دعا کرلیا کیجئے لیکن اسکے ساتھ یہ اعتقاد وثوق کے ساتھ رکھئے کہ اگر کوئی عمر بھر بھی زیارتِ منامی سے مشرف نہ ہو مگر ہو متبع سنت وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے۔ اور جو روزانہ تمام شب مشرف بزیارت رہتا ہو مگر اتباع سنت سے محروم ہو وہ شخص حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مبغوض ہے۔

(۶۶۱) کسی صاحب نے دریافت کیا کہ حنفی مذہب میں سورۂ حج میں سجدۂ اولیٰ کرتے ہیں اور سجدۂ ثانیہ نہیں کرتے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہئے لہٰذا میں دونوں سجدے کروں یا صرف ایک۔ فرمایا کہ حنفی کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ واجب نہیں۔ لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعات افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے سو اس قاعدہ کی بنا پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کرلینا بھی بہتر ہوگا۔ البتہ نماز

کے اندر سجدۂ زائد بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جاوے البتہ ایک خاص طریق سے اگر کر لیا ئے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا. وہ طریق یہ ہے کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تو سجدۂ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

(۶۶۲) فرمایا کہ ابتدا میں اسم ذات کی کثرت دوسرے اشغال واذکار سے زیادہ مناسب ہے

(۶۶۳) کسی صاحب نے لکھا دعا فرمایئے میرا لڑکا حافظ ہو جائے۔ ذہن بہت خراب ہے جو یاد کرتا ہے بھول جاتا ہے بیس پارہ حفظ ہو گئے ہیں لیکن خام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو ناظرہ ختم کرادو۔ فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کے لڑکے کو حفظ قرآن آسان کرادیں۔ بعد نماز صبح ایک بسکٹ پر سورۂ الحمد شریف لکھ کر روزانہ اس کو کھلانا چاہئے باقی مشورہ بدون دیکھے ہوئے دینا ناکافی ہے۔ علاوہ اس کے میری عادت بھی مشورہ دینے کی نہیں

(۶۶۴) ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ آپ اپنی رائے پر چلنے سے ہمیشہ پریشان رہے اور اب بھی آپ کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اگر آپ کو اپنی خیر مطلوب ہے تو اپنی رائے سے بالکل کام نہ لیجئے اور اپنے ذمہ اس سے زیادہ کوئی کام نہ سمجھئے کہ جس سے اعتقاد ہو اسکو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہیے اور وہ جو رائے دے اس کا اتباع کرتے رہیے اور نفس کو ناکامی پر راضی کر دیجئے۔ اگر یہ نہ کیا جائے گا آپ ایک قدم آگے نہ بڑھ سکیں گے آخر خط میں اپنا علاج آپ نے خود تجویز کیا ہے کہ اگر سلسلہ میں داخل کرلیں تو شاید مفید ہو تو آپ مثل اس مریض کے ہیں کہ طبیب کے نسخہ لکھنے کے بعد ایک نسخہ خود لکھ کر طبیب کو دکھلادے کہ شاید یہ نسخہ زیادہ مفید ہو۔

جو مریض اپنے کو طبیب سے زیادہ محقق سمجھے اس کا مرض لاعلاج ہے۔ آپ کا اصل مرض خودرائی ہے جو میری بار بار تنبیہات اور مدلل تحقیقات سے بھی دور نہ ہوا ایک ہی بات کو کہاں تک ہانکے جاؤں پھر لطف یہ کہ اس پر دعویٰ اتباع واعتقاد کا۔

بس اب اخیر جواب یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی جواب تحریری دینا نہیں چاہتا اگر آپ کو اپنی خیر منظور ہے۔ تو ایک برس کی مہلت نکال کر یہاں آؤ۔ چھ مہینہ بالکل

ساکت وصامت ہو کر رہنا پڑے گا۔ اس مدت میں فقط میری باتوں کا سننا اصل کام ہوگا۔ پھر چھ مہینہ تک آپ سے کام لیا جائے گا اگر اسکے بعد بھی آپ کا یہ مرض نہ گیا تو مرض کو تو لاعلاج نہ سمجھوں گا البتہ مریض اور طبیب میں عدم مناسبت کا فیصلہ کر کے آپ کو کسی شیخ کامل کا نام بتلا دیا جائے گا کہ اس سے جاکر مستفیض ہوویں اور اگر یہ شرط آپ کو ثقیل معلوم ہو تو بہتر ہے کہ ابھی سے آپ دوسرے شیخ کی طرف رجوع کریں۔ مجھکو اپنے کٹ حجتی سے پریشان اور مکدر کرنا فضول۔ بلکہ عجب نہیں کہ آپ کے لئے مضر ہو جائے کیونکہ ایسے شخص کو ستانا جو دوسرے کو نہ ستائے باطن کے برباد کرنے میں سخت مؤثر ہے خاص کر جس کو اپنے دعوئی میں اپنا شیخ سمجھتا ہو اس کو ایذا دینا بالکل خدا اور رسول کو ایذا دینا ہے۔ اخیر بات یہ ہے کہ اسکے جواب میں بجز لا و نعم کے اگر کوئی جواب آیا تو یہاں سے کچھ جواب نہ دیا جائے گا۔

اس پر اس طالب نے لکھا کہ حضرت اقدس بجز نعم ولبیک اور کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ قیام تھانہ بھون بمدت ایک سال کے بابت خاکسارانہ استفسار ہے کہ خادم غریب و مسکین شخص ہے۔ مصارف قیام وغیرہ کے برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت نے تحریر فرمایا کہ میں اس کے جواب کا ذمہ دار نہیں۔ باقی یہاں جس طرح کی خدمت بلا التزام وبلا کفالت وبلا تعین مقدار وبلا تعین مدت احیاناً یا غالباً ہو جاتی ہے اس میں آپ بھی شریک ہو سکتے ہیں اگر آپ اپنے اندر اس توکل کی قوت پائیں بسم اللہ کریں ورنہ میں کچھ نہیں بتلا سکتا لیکن اگر آنا ہو تو میرے دونوں خط ہمراہ ضرور لائیں اور آتے ہی دکھلا دیں۔

(۷۶۵) فرمایا کہ لیلۃ القدر میں اس دعا کے پڑھنے کی فضیلت آئی اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (اے اللہ تعالیٰ آپ بہت معاف کرنیوالے ہیں معافی پسند کرتے ہیں تو مجھے معاف کر دیجئے)

(۷۶۶) فرمایا کہ معمولات کا جاری رہنا یہ خود ایسا حال رفیع ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کسی امر جدید کا نہ ہونا مضر نہیں کیونکہ اس جاری رہنے کو استقامت کہا جاتا ہے جو بتصریح اکابر فوق الکرامت ہے۔

(۶۶۷) فرمایا کہ نفع باطنی کا دار و مدار مناسبت طبیعت پر ہے اور اس کو خود صاحب معاملہ ہی جان سکتا ہے جب تک دو طبیعتوں میں موافقت نہ ہوگی نفع نہ ہوگا۔ مرید تو شیخ کو یہی سمجھتا ہے کہ میرے لئے بس جو کچھ ہیں یہی ہیں۔ چاہے وہ کچھ بھی نہ ہوں ؎

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

(تمام شہر خوبرویوں سے بھرا ہے مگر میں ہوں اور ایک ماہرو کا خیال، میں کروں کیا؟ یہ چشم بدخو تو کسی اور کیطرف نگاہ ہی نہیں کرتی)

(۶۶۸) فرمایا کہ بیعت کرنے کو میں اس لئے ٹالا کرتا ہوں کہ بعد بیعت کے آدمی مجبور ہو جاتا ہے اپنی اصلاح بشاشت کے ساتھ نہیں کرتا بلکہ مجبوری سے کرتا ہے اور اگر بیعت نہ کیا جائے تو اس کے انتظار میں خوشی سے خود اپنی اصلاح کرتا ہے۔ اس کو کوئی مجبوری نہیں ہوتی اگر شوق ہوگا اصلاح کرے گا ورنہ نہیں۔ بخلاف بیعت ہو جانے کے کہ پھر مجبور ہو جاتا ہے۔

(۶۶۹) فرمایا کہ مسلمانوں کو جتنی کم فرصتی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے اس پر یہ قصہ بھی بیان فرمایا کہ ایک بزرگ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا اس کو سلام نہیں کیا۔ جب واپس ہوئے تو پھر وہ شخص وہیں بیٹھا تھا اور تنکے سے زمین کرید رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے اسکو سلام کیا۔ خدام نے عرض کیا کہ پہلے سلام نہ کرنے کا کیا سبب تھا اور واپسی میں سلام کرنے کا کیا سبب ہوا؟ فرمایا کہ پہلے وہ شخص بالکل خالی بیٹھا تھا اس لئے میں نے اس کو سلام نہ کیا کیونکہ بیکار شخص کو شیطان اپنی طرف مشغول کر لیتا ہے اور واپسی میں وہ شخص اگرچہ ایک فضول کام میں مشغول تھا مگر خیر بیکار نہ ہونے کی وجہ سے شیطان کی مشغولی سے تو بچا ہوا تھا۔ اس لئے میں نے اس سلام کیا۔

(۶۷۰) فرمایا کہ عورتوں کی اصلاح کیلئے بس یہ کافی ہے کہ وہ کتب دینیہ کا مطالعہ کرتی رہیں۔ باقی آجکل ایسا نمونہ کہ جس کو وہ خود مشاہدہ کر کے اپنے اخلاق درست کریں عورتوں میں ملنا قریب بہ محال ہے اور خاوند کی معتقد نہیں ہوتیں۔ اس لئے بس کتابیں پڑھا یا سنا کریں۔ خاوندوں کو ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ آگے چلے

اصلاح ہو یا نہ ہو بس ان کو کتابیں پڑھ کر سناتے رہیں وہ تو مواخذہ سے بری ہوجائینگے۔

(۶۷۱) فرمایا کہ طالب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں خود طلب سے بڑی سفارش ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ مجھے طالب علموں کے لئے اس ترفع کی وضع سے سخت نفرت ہے۔ (حضرت والا کے ماموں زاد بھائی مدرسہ میں پڑھتے تھے۔ بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے مدرسہ سے علیحدہ کر دیئے گئے ان کے ورثاء نے چاہا کہ یہ پھر مدرسہ میں پڑھیں۔ چنانچہ وہ بعد ظہر آئے مگر اچکن تکلف کی پہنے ہوئے تھے اور ٹوپی بھی ان کے حال کے مناسب نہ تھی) حضرت والا نے فرمایا کہ میں تم سے جب گفتگو کروں گا کہ اول اس ٹوپی اور اچکن کو علیحدہ کر کے آؤ۔ یہ اچکن اور ٹوپی طالب علموں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۶۷۲) فرمایا کہ نکاح ثانی کر کے لوگ عدل نہیں کرتے۔ بس عدل کا نام ہی نام سنا ہے دیکھا تو ہے نہیں کہ عدل کیسا ہوتا ہے۔ آجکل نکاح ثانی کرے تو بہ نیت مجاہدہ کرے کیونکہ یہاں جتنا عذاب ہوگا وہاں ثواب ہوگا۔ یعنی جس قدر تکلیف دو بیویوں کے ہونے سے ہوگی (کیونکہ حسب عادت پریشان و تنگ ضرور کریں گی) اس کا اجر خدائے تعالیٰ کے یہاں ملے گا۔

(۶۷۳) فرمایا کہ اچھے کپڑے کو مخدوم بنانا پڑتا ہے کہ کہیں خراب نہ ہوجائے۔ گرد نہ لگے۔ میلا نہ ہو۔ حالانکہ اصل میں وہ خادم ہے۔ ف:۔ اس سے حکمت ظاہر ہے نیز سادگی کی ترغیب ہے۔

(۶۷۴) ایک صاحب نے بذریعہ خط دریافت کیا کہ میں چلہ میں بیٹھ جاؤں اور پرہیز تحریر فرمایئے کہ کیا کھاؤں اور کس چیز سے احتیاط رکھوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ چلہ میں بیٹھ کر اچھوانی بیئیں یہی پرہیز ہے۔

(۶۷۵) ایک صاحب نے کسی مریض کے لئے تعویذ مانگا دریافت پر معلوم ہوا کہ اسکو سخت بخار ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ تیمار دار سمجھے کہ کسی آسیب وغیرہ کا خلل ہے حضرت قبلہ نے فرمایا کہ بھائی اس کا علاج کرو۔ مرض میں ایسا ہوا کرتا ہے جیسا کہ تم بیان کرتے ہو۔ البتہ اگر حکیم کہدے کہ بیماری نہیں ہے وہ وقت تعویذ لینے کا ہے۔ اگر میں ابھی تعویذ دیدوں گا تو تم علاج سے بیفکر ہو جاؤ گے اور مریض کو ضرر ہوگا۔ چنانچہ اسوقت

حضرت نے تعویذ نہیں دیا۔ ف :۔ اس سے حضرت والا کی حکمت اور بیدار مغزی معلوم ہوئی

(۶۷۶) فرمایا کہ توجہ کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو غیر اختیاری ہے۔ وہ یہ کہ دل چاہتا ہے کہ فلاں شخص میں ذوق وشوق محبت حق۔ خوف وغیرہ پیدا ہو جائے اسکے واسطے دعا کرے اسکا تو کچھ مضائقہ نہیں۔ دوسرا درجہ توجہ کا متعارف مصطلح ہے وہ یہ کہ شیخ اپنے قلب کو سب خطرات سے خالی کر کے خاص توجہ کرتا ہے اسمیں تصور بقصد تصرف ہوتا ہے یہ گو جائز ہے مگر ذوقاً پسند نہیں۔ اور اس میں فاعل قوتِ برقیہ ہوتی ہے۔ جو انسان کے اندر ودیعت رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ زمین میں بھی یہ قوت بہت ہے۔ سُنا ہے کہ بے تار کے جو خبر پہنچتی ہے وہ اسی کے ذریعہ سے پہونچائی جاتی ہے۔ نظر لگنے میں بھی اسی کا اثر ہوتا ہے۔ مسمریزم اور توجہ متعارف کا منشا و ماخذ ایک ہے۔ ایک بُری جگہ صرف ہوتا ہے اور ایک اچھی جگہ صرف کی جاتی ہے۔ صرف اتنا ہی فرق ہے۔ اور یہ مشق پر موقوف ہے اس لئے مشق کی جاتی ہے کہ دوسروں پر نسبت کا القا کریں گے۔ بعض مشائخ کے یہاں اس سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ مگر اس کا نفع باقی نہیں رہتا طالب کیفیت کو نفع سمجھ کر اس کو کافی سمجھتا ہے اس لئے کام چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں چند خلجان ہیں۔ اوّل تو سنت میں منقول نہیں۔ دوسرے اس سے اکثر کو کام میں سُستی ہونے لگتی ہے۔ پھر فرمایا کہ خود اثر پڑے دوسرے پر اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی خود توجہ کرنے میں تو اس وقت قلب میں خدا کی طرف توجہ مطلق نہیں رہتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یوں تو معمولی بات چیت میں بھی توجہ الی اللہ نہیں ہوتی۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ اس سے اشد ہے۔ کیونکہ اس میں قلب کو قصداً خالی کیا جاتا ہے اور خدا کی طرف سے توجہ ہٹانا غیرت کی بات معلوم ہوتی ہے۔ حلقۂ متعارف میں یہی ہوتا ہے۔ بس مسنون طریقہ اصلاح کا وعظ، نصیحت، دعا ہے اور توجہ تام حق تعالیٰ کا حق ہے۔

(۶۷۷) فرمایا کہ جو شخص مجبور و مختار میں فرق نہ کرے وہ کتے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ کتے کو اگر لکڑی مارو تو وہ بھی لکڑی پر حملہ نہیں کرتا بلکہ لکڑی مارنے والے پر حملہ کرتا ہے۔

(جاری)

مکتوب نمبر ۱۸۱

حال :- میں بخیریت پہنچ گیا۔ اس مرتبہ پہلے کی نسبت زیادہ فائدہ محسوس ہوا حضرت والا کی کتاب وصیۃ الاحسان پڑھنے کے بعد معلوم یہ ہوا کہ یہی مرض میرے اندر بھی بدرجہ اتم موجود ہے یعنی مرض نفاق۔ اور واقعی حضرت والا ہی کے ہاتھوں اپنی اصلاح ممکن ہے اس وجہ سے حضرت والا کی اہمیت اپنے قلب میں بہت بڑھ گئی۔ ہم جو دین دین کہا کرتے تھے تو واقعی یہ صرف زبان ہی سے تھا اور یہ بات حلق کے نیچے نہیں اتری تھی۔ دل میں دنیا پوری طرح بھری ہوئی تھی۔ مگر اس مرتبہ جو غور کیا تو معلوم یہ ہوا کہ دنیا بہت ہی حقیر شے ہے اور آخرت بہت ہی عزیز اور اہم ہے اس وجہ سے آخرت ہی کو مقصود بنالیا اور اس کے لئے ہر دنیاوی خواہش کو قربان کردیا سوائے اس کے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہاں میری نوکری مستقل ہوجائے۔ اور میں دنیا سے بے فکر ہوکر دین پوری طرح سے حاصل کروں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ایک عجیب قلبی سکون ومسرت محسوس کررہا ہوں جو ہر وقت طاری رہتا ہے اور نمازوں میں بھی وہ مزہ آتا ہے جو پہلے کبھی میسر نہیں ہوا

ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ماحول دنیاوی ہوس پیدا کرنے کے لئے بہت ہی ممتاز ہے طرح طرح کی خواہشات دل میں جگہ لے لیتی ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی اپنے دورِ تعلیم کو بڑی مصیبت، بڑی محنت اور نمایاں امتیاز کے ساتھ پار کیا اس امید پر کہ آئندہ زندگی میں آرام کریں گے۔ مگر اس وقت جب دین کا کچھ شعور پیدا ہوا تو محسوس یہ ہوا کہ دنیا تو آرام کرنے کی جگہ ہی نہیں ہے اسمیں آرام کرنیوالا ہمیشہ خسارہ میں رہے گا اس لئے اس سلسلہ میں میں نے دو قربانیاں صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کیں۔ اول یہ کہ جبکہ میں نے اعلیٰ درجہ کی مادی تعلیم حاصل کی ہے اور اسکے مواقع فراہم ہیں کہ میں اپنے نفس کے لئے بہت اونچی اونچی نوکریاں حاصل کروں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رسوا ہوں۔ میں نے اپنے کو اسی نوکری پر راضی کرلیا اور اپنے کو دین کے لئے فارغ کرلیا تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکوں اور کم از کم اتنا ہوسکے کہ میں یہ کہہ سکوں کہ میں نے اپنی زندگی اپنے نفس کے

لئے نہیں بلکہ انھیں راضی کرنے کے لئے گذاری ہے۔ اب میرا . . . . کا رکنا جو میرے دنیاوی لحاظ سے موافق نہیں انشاء اللہ اس کا ایک ایک لمحہ میرے لئے اجر و ثواب کا باعث ہوگا۔ دوسری قربانی بھی اسی طرح کی ہے۔ وہ یہ کہ شروع ہی سے میرا یہ خیال تھا کہ امتحان پاس کرتے ہی دنیاوی ترقیات حاصل کرنے کے لئے پاکستان چلا جاؤں گا۔ مگر بعد کو محسوس یہ ہوا کہ بہر حال موت تو اپنے وقت پر آئے گی ہی اور آدمی کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے وہاں مر کر پہنچ ہی جائے گا اس وجہ سے وہاں بڑی رسوائی ہوتی کہ محض ذاتی اغراض کی بنا پر ایسا کیا جبکہ عزت کی روزی ملی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے اس خیال کو بھی ترک کر دیا اور اب الحمد للہ کوئی خاص دنیاوی خواہش اپنے دل میں نہیں پاتا جس کی وجہ سے بہت سکون ہے اور اب یہ تمنا ہے کہ دین مکمل طور سے حاصل ہو جائے جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ مگر دین کا شعبہ اس قدر وسیع ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے اور کدھر سے شروع کیا جائے۔ حضرت والا رہنمائی فرمائیں۔ **تحقیق** :۔ کیا ایک دم سے سب شعبوں کو طے کرادوں یا بتدریج یہ کام ہو سکتا ہے۔

حال :۔ آجکل کے عام دیندار لوگوں کا جو طبقہ ہے جو کہ عوام کی نظروں میں زیادہ مقبول نہیں ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میرا اُن پر اضافہ ہو بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد سے انسان کو بنایا اور حضور اکرم جس انسانی سانچے کو لیکر آئے میں چاہتا ہوں کہ اسی میں بالکل ڈھل جاؤں۔ **تحقیق** :۔ ایک دم سے یا بہ تدریج۔

حال :۔ مجھے یقین کامل ہے کہ یہ حضرت والا ہی کے ہاتھوں ممکن ہے۔ **تحقیق** :۔ یہ صحیح ہے۔

حال :۔ ایک اور ضروری سوال جو ذہن میں کئی سال سے تھا دریافت کرتا ہوں کہ موت کے وقت مرنے والے پر کیا گذرتی ہے۔ سنا ہے کہ بہت تکلیف ہوتی ہے۔ تو اگر یہ مرنے والا نیک اور متقی ہے تو اسے بھی تکلیف ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو کیوں؟

ایک اور وسوسہ جو میرے دل میں یہاں کے پرانے ساتھیوں کی طرف سے اکثر لایا جاتا ہے تو مجھے بھی محسوس ہونے لگتا ہے۔ حضرت والا اس کا ازالہ فرمادیں تو میرا یقین اور بڑھ جائے گا حالانکہ اسکی وجہ سے میرے یقین میں کسی طرح کی کمی نہیں ہو پاتی۔ وہ یہ ہے کہ لوگ[1] کہتے ہیں کہ خانقاہوں میں انفرادیت زیادہ ہے اور

[1] اسکے متعلق ایک تحریر گئی جو آخر میں درج ہے۔

باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی اجتماعی تنظیمی پروگرام نہیں ہے میرا خیال یہ ہے کہ اس کا کوئی معقول جواب ضرور ہوگا جو مجھے معلوم نہیں ہے حضرت مجھے بتا دیں

تحقیق:۔ الحمدللہ کہ آپ بخیریت پہونچ گئے۔ آپ کا مضمون خط بہت پسند ہوا۔ اللہ تعالیٰ کامل دیندار بنادے اور اخلاص نصیب فرمائے۔

دین کا شعبہ بڑا ہے انسان کی پوری زندگی پر حاوی ہے اس لئے اس کا علم آہستہ ہی آہستہ ہو سکتا ہے گھبرائیے نہیں دینی کتابیں مطالعہ میں رکھئے اور اہل دین کی صحبت کا التزام اور اہتمام کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ دین آسان ہوجائیگا اور یہ الجھن جو اسوقت ہے کہ کہاں سے کام کی ابتدا کیجائے وہ سب دور ہوجائیگی جب ذرا دین سے مناسبت ہو جائے گی تو خود بخود سمجھ میں آجائے گا کہ اَلْاَهَمّ فَالْاَهَمّ کون چیز ہے۔

سکرات موت صحیح ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تکلیف ہوئی اور بہت شدید ہوئی۔ اس کا تعلق کچھ میت کی قوت اور طاقت سے بھی ہے چنانچہ جو لوگ بہت دن بیمار رہ کر بالکل گھل جاتے ہیں ان کو بہت کم ہوتی ہے یا جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ باقی آپ نے اسی کو سُنا۔ دوسری بات کیوں نہیں سُنی وہ یہ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ (جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں) اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ ہم کو تو موت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ مومن کو جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اسکے اکرام کی بشارت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو موت سب موجودہ اشیاء سے زیادہ محبوب ہوجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا آرزومند ہوجاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو محبوب اور پسند فرماتے ہیں

اور کافر کا معاملہ اسکے برعکس ہوتا ہے۔

دیکھئے اس سے موت کا دوسرا رُخ بھی واضح ہوا کہ آخر وقت میں وہ مومن کی محبوب ترین شے ہو جاتی ہے۔ اسی کو کہا گیا ہے کہ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ "موت ایک پُل ہے جو ایک محبوب کو دوسرے محبوب سے مِلاتا ہے"۔

باقی اس خط میں آخری بات جو آپ نے لکھی اس سے تعجب ہوا آپ بھی اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور لوگوں کے محض بڑے بڑے الفاظ سے متاثر ہو جاتے ہیں اجتماعی اور پروگرام، نظم اور تنظیم بس صرف یہ الفاظ لوگوں کی زبان پر رہ گئے ہیں۔ باقی ان کی حقیقت مدت ہوئی دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔ خانقاہ کو الگ کر کے اور دوسری جگہوں میں کہاں اجتماعی۔ اصلاحی اخلاصی۔ اخلاقی۔ اسلامی بنیادوں پر کام ہو رہا ہے اور مسلمانوں کو دین یا دنیا ہی کا کیا فائدہ پہونچا۔

یہ سب باتیں فریب نفس کی ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ جماعت بھی افراد ہی سے بنا کرتی ہے۔ افراد اگر دیندار نہ ہوں تو جماعت کی دینداری کے کیا معنیٰ ؟ باطل سے کیا مراد ہے ؟ نفس اور شیطان ہی نا۔ پھر شیطان خواہ شیاطین الانس سے ہو یا شیاطین الجن ہوں۔ اسکے مقابلہ کیلئے ضروری ہے کہ پہلے نفس سے ٹکر لی جائے ورنہ نفس کو لیکر اور اسکی شرکت کے ساتھ ساتھ کون سا عمل معتبر ہے ؟ مگر نفس کا مقابلہ آسان نہیں ہے اس لئے انفرادیت سے نفرت ہے اور اجتماعی کام میں نفس کو اپنا حصہ لینے کا موقع مِل جاتا ہے اس لئے مرغوب ہے۔ آپ نے چونکہ سمجھنے کے لئے دریافت کیا ہے اس لئے اتنا لکھ دیا۔ باقی اس سلسلہ میں ہمارا کسی سے الجھاؤ نہیں ہے ہم اپنے عمل کے ذمہ دار اور جوابدہ ہیں اور دوسرے لوگ اپنے عمل کے۔ اس لئے ہر شخص کو انتخاب طریق کا حق ہے۔

یہ تحریر بھی گئی آپ نے حضرت والا کو جو خط لکھا تھا میں نے بھی پڑھا۔ یہ پڑھ کر کہ آپ کو یہاں کے قیام سے نفع ہوا، بہت خوشی ہوئی۔ واقعی بزرگوں کی خدمت میں رہ کر چیزوں کی

حقیقت ذہنوں سے اتر کر دل میں سرایت کرتی رہتی ہیں اور یہ دل میں اترنا عجیب طرز کا ہوتا ہے۔ خط کے اخیر حصہ میں حضرت والا سے آپ نے کچھ سوالات کے جواب مانگے ہیں۔ بھائی صاحب اپنے کو بزرگوں کے سپرد کر دینے کے بعد اسکی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ مرید غور کرے کہ کون کون سی باتیں ایسی ہیں جو راہ سلوک کے قطع میں مانع ہیں اور کون سی باتیں ہیں جن کا تعلق بالواسطہ راہ سلوک سے نہیں ہے وہ باتیں جو مرید کو راہ سلوک سے بالواسطہ روک رہی ہیں انھیں کو اپنے شیخ کے سامنے پیش کرے اور ان باتوں جن کا تعلق راہِ سلوک کے قطع سے نہیں ہے اول تو انھیں اپنے دل میں جگہ بھی نہ دے اگر وہ باتیں وسوسہ بہت ڈالیں تو خود ہی اُن کا جواب ڈھونڈھنے کی سعی کرے ورنہ کسی معتبر عالم سے پوچھ لے۔ آپ کے خط کا اخیر حصہ پڑھ کر یہ بات محسوس ہوئی کہ سوالات کا تعلق راہ سلوک سے نہیں ہے۔ آپ کے دو سوالوں کا جواب دے رہا ہوں اگرچہ میرا علم محدود اور ناقص ہے۔

ہر مرنے والے کو موت کے وقت تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ خیر البشر سردار انبیاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جانکنی کے وقت تکلیف کا احساس ہوا۔

بزرگوں سے یہ سُنا ہے کہ وہ آدمی جو متقی ہے اور وہ اپنی زندگی میں اپنے عمل سے درجاتِ عالیہ حاصل نہیں کر پایا ہے موت کے وقت اسے تکلیف ہوتی ہے موت کی تکلیف کا اجر اس متقی کو درجاتِ عالیہ تک پہنچا دیتا ہے (تکلیف اور بلا پر اجر ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر پیر میں کانٹا چبھ جائے تو بھی اجر ہے) یہی وجہ ہے کہ متقی کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ متقی جب مرنے لگتا ہے تو اُسے جنت کی خوشخبری دیجاتی ہے۔ جنت اسکے سامنے کر دی جاتی ہے۔ وہ حوریں جو اُسے ملنے والی ہیں اُسے دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار کرتی ہیں۔ مرنے والے کا جنت میں پہنچنے کا اشتیاق بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا اشتیاق تکلیف پر غالب ہوجاتا ہے۔

آپ کا وہ سوال پڑھکر تعجب ہوا جو باطل کے دفعیہ کے سلسلے میں ہے۔ یہ

سوال اور اسی طرح کے سارے سوالات ارادت میں داخل ہونے سے پہلے کے تھے۔ سلوک کی راہ قطع کرنے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ آپ اگر خود ہی غور و فکر کرتے اور اللہ سے دعا کرتے تو بات سمجھ میں آجاتی۔ شیخ سے استفسار کی ضرورت نہ تھی۔ ہم نے اور آپ نے انتہائی نازک راہ میں قدم رکھا ہے۔ یقین جانئے کہ اگر اس طرح کے سوالات کو کوئی مرید اپنے دل میں جگہ دے گا تو اس راہِ سلوک سے بہت دور جا پڑے گا اور شاید دور ہو جانے کا برسوں اسکو احساس بھی نہ ہو۔

یہ جو ہم اور آپ سنتے چلے آئے ہیں کہ یہ راہ بہت نازک ہے تو نازک ہونیکا یہی مطلب ہے کہ سنبھل سنبھل کر بچا بچا کر غور کرکے قدم رکھا جائے۔ باطل جو ماحول میں نظر آرہا ہے یہ افراد کا پھیلایا ہوا ہے از خود کہیں سے نہیں آیا۔ ایک باطل تو ماحول میں نظر آرہا ہے اور ایک باطل ہم میں اور آپ میں موجود ہے۔ ماحول میں جو باطل نظام پھیلا ہے اسکے ذمہ دار اہلِ ماحول ہیں عنداللہ پہلے تو ہم اس باطل کے مکلّف جو ہمارے اندر خود موجود ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اپنے اندر کو ٹھیک کرنا کس قدر مشکل اور دشوار ہے۔ جب یہ انفرادی کوشش اس قدر مشکل ہے کہ اس میں برسوں لگ جاتے ہیں تو اجتماعی سدھار اتنا ہی مشکل ہوگا جتنے افراد ہیں۔ اور وہی لوگ سدھار سکیں گے جو خود کو سدھار چکے ہیں۔ یقین جانئے کہ مبتدی حضرات میں اجتماعی سدھار کی اسکیمیں اسلئے شدت سے پیدا ہوتی ہیں کہ وہ اپنی سدھار سے عاجز ہیں۔ وہ انسان جو اپنی سدھار سے عاجز ہے وہ اجتماعی سدھار سے بدرجۂ اولیٰ عاجز ہوگا۔ ہمیں اور آپکو سوچنا ہے کہ انفرادی سدھار میں لگیں یا اجتماعی۔ جبکہ ہم نے اپنی اصلاح میں لگنے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے

یہ تحریر گئی جسمیں کام کی ترتیب کا بیان ہے

اپ نے لکھا ہے کہ دین کا شعبہ اس قدر وسیع ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے اور کدھر سے کام شروع کیا جائے۔ تو اسکے متعلق سنئے!

رسالہ قشیریہ میں ہے کہ طریق میں کام کی ابتدا تصحیح عقائد سے کرنی چاہیئے یعنی مخلوق کو اپنے خالق کے متعلق کیا کیا عقیدے رکھنے چاہئیں پہلے اسکو درست کرے

پھر جب اپنے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان اعتقاد درست کرے تو علم شریعت کی تحصیل میں لگے یا تو خود تحقیق کرکے اگر اس کا اہل ہو۔ ورنہ علمائے محققین سے پوچھ پوچھ کر علم حاصل کرے اختلافات کے درپے نہ ہو اور امور مختلف فیہا میں احوط کو لے۔ . . . . پھر کسی کو شیخ بناکر اس سے تعلیم و تربیت حاصل کرے کیونکہ جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا امام شیطان بن جائیگا اور وہ کبھی از خود فلاح کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ جو درخت خود رو ہوتا ہے اس میں پتے تو آتے ہیں پھل نہیں آتے۔ . . . . اس کے بعد جب سلوک میں قدم رکھے تو اللہ تعالےٰ سے توبہ کرے اپنے جملہ معاصی سے ظاہری۔ باطنی۔ صغیرہ۔ کبیرہ سب سے اور اہل حقوق کو راضی کرے ان کا حق دیکر یا معافی طلب کرکے۔ کیونکہ جس کے خصوم راضی نہ ہونگے وہ بھی اس طریق میں کبھی فلاح نہ پائے گا۔ . . . . اس کے بعد اپنے دنیوی تعلقات کو جو خالق کے تعلق میں حارج اور مانع ہوں ان کو ترک کرے اور اس سلسلے میں پہلے حب مال سے نکلے پھر حب جاہ سے نکلے۔ حب مال و جاہ سے نکلنے اور بینہٗ و بین اللہ تصحیح عقیدہ کرلینے کے بعد شیخ کی اتباع کو لازم جانے اور اسکی مخالفت نہ کرے کسی امر میں۔ اسی طرح سے قلب سے بھی شیخ پر اعتراض نہ کرے۔ اس کے بعد پھر ذکر و شغل کا نمبر ہے جس کے متعلق آپکو پھر لکھوں گا۔ اتنی بات ذہن نشین فرمالیجئے اور لکھئے کہ کچھ بات آپ کے بھی سمجھ میں آگئی؟

مکتوب نمبر ۴۸۲

حال:۔ حضرت والا! اس دفعہ حاضری میں جتنا فائدہ ہوا کبھی اتنا فائدہ نہیں ہوا تھا

تحقیق:۔ غنیمت ہے۔ **حال:**۔ اپنے عیوب اپنی مکاریاں خوب واضح ہوئیں

تحقیق:۔ الحمد للہ۔ **حال:**۔ اور ہر وقت وہ اپنے پیش نظر رہتی ہیں اور ان کے دور کرنیکی ہر وقت ایک لگن محسوس ہوتی ہے کہ کب اس سے نجات ہوگی اور کس طرح ہوگی اور یہ بات دل میں اچھی طرح اتری ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ اپنی عمر کا ترپنواں سال گذر رہا ہے اب عمر طبعی کے لحاظ سے بھی موت کے دن بالکل قریب آگئے بالخصوص تین چار پشتوں سے اپنے خاندان کی عمر طبعی دیکھتا ہوں تو ہر پشت میں

بس کوئی ساٹھ سے اوپر گیا ہے ورنہ سب ۴۰ - ۵۰ کے درمیان میں ہی چلدیئے یہ تو حضرت والا مدظلہ العالی کی دعاؤں کی برکت اور توجہ ہے کہ اس عمر میں پہونچکر بھی بفضلہٖ تعالیٰ ہاتھ پیر ابھی بخوبی کام کر رہے ہیں۔ اب اس عمر میں بھی پہونچ کر دنیا کی محبت۔ حرص۔ طمع طرح طرح کی فن کاری میں مشغول رہنا۔ آخرت تو برباد ہوگی ہی دنیا میں بھی اس کا نفع کچھ اپنے کو نہ ملے گا۔ پھر اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوگی ہر وقت موت سامنے کھڑی معلوم ہوتی ہے۔ دنیا کی ہر تمنا سے دل سرد معلوم ہوتا ہے۔ رہ رہ کر دل میں ایک ٹیس اٹھتی ہے کہ کس طرح نفس ٹھیک ہوگا اور کسطرح آخرت درست ہوگی دعا فرمائی جائے۔ **تحقیق** :۔ دعا کرتا ہوں۔

حال :۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کیفیت میں پختگی و رسوخ عطا فرمائیں اور نیت میں صدق و اخلاص عطا فرمائیں اور کامیاب فرمائیں آمین۔ **تحقیق** :۔ آمین۔

حال :۔ بھائیوں کا جو اجتماع اپنے یہاں ہوتا تھا یہ کہہ کر بند کر دیا کہ ہمارا اور آپ کا سب کا تعلق اصلاحی حضرت والا مدظلہ العالی سے ہے ہماری آپ کی سب کی اصلاح وہیں سے ہوگی۔ باقاعدہ اپنے کو انکے حوالہ کرنے سے ہوگی جسطرح حوالہ کرنا چاہیئے اسطرح حوالہ کرنے سے ہوگی، ہمارے پاس آنے سے یا زید عمرو بکر کسی کے پاس جانے سے نہیں ہوگی۔ میں اب کی دفعہ اپنے کو حضرت والا مدظلہٗ کے حوالہ باقاعدہ کر کے آیا ہوں۔ اب جس کا جی چاہے وہ اپنے کو باقاعدہ اور طریقہ سے حضرت والا مدظلہٗ کے حوالہ کر دے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام جانے میں بری ہوں۔ اور بہر حال مجھے چھوڑ دے۔ اگر کسی نے یہ سمجھا ہو کہ میں حضرت کا خلیفہ ہوں (اللہ اکبر) تو یہ اس نے غلط سمجھا ہے۔ اگر میرے کسی قول فعل، عمل وغیرہ سے سمجھا ہے تو مجھے بتائے میں اس سے توبہ کر دوں گا اور اسکی اصلاح کراؤں گا۔ اور اگر خود سمجھا ہے تو وہ اس کا ذمہ دار ہے میں اس سے بری ہوں اور یہ اسکے نفس کا اسکو فریب ہے خوب سمجھ لیجیئے۔ اسوقت کو جو اجتماع میں خرچ ہوتا تھا اب موت اور مابعد الموت پیش آنیوالے حالات و واقعات کے مستحضر اور غور کرنے اور اللہ اللہ کے ذکر کے اندر مشغول رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ